

WWW.PAKSOCIETY.COM

دلچسپ اور نئی خیز کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ کراچی

جون 2015

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نگران اعلیٰ  
معراج رضوی

WWW.PAKSOCIETY.COM

قلمی سوسائٹی  
 قلمی سوسائٹی  
 قلمی سوسائٹی



07

قائِم کی کمر قضا میں کج اطاعتیں  
 بلکہ سچا اور محبتیں اہل سنت اور اہل کتب

مدیر اعلیٰ



تنویر ریاض

تمییز کی ذہنی تفسیر کے لئے  
 ایک ڈراما سلا کار کی تصانیف



احمد اقبال

پرخس اور تیز رفتار کہانیاں پسند  
 کرنے والوں کے لئے خوشخبر

53



14

67

سکھنا... ماں اور بیٹی کے درمیان جو کچھ  
 دکھائیں... شہر میں گھر کی گلابی اور روپ

جمال دستی



65

دارو است کار از دست ساش کر  
 دینے والے موسم کی کار گزار

باہر نعیم

سکندر علیم



محس الدین نواب

ظلمت کے دلہنہ شہزادی ہنہ زینت  
 ایمان... اقتدار اور محبت کی دو کھینچ

145



78

جلد 45 • شماره 06 • جون 2015 • مز سالانہ 800 روپے • قیمت فی پرچہ پاکستان 60 روپے •

خط و کتابت: پوسٹ بک نمبر 229 کراچی 74200 • فون: (021) 35895313 ایکس (021) 35802551 E-mail: jdpgroup@hotmail.com

Scanned By Amir

مدیر اعلیٰ  
عذرا رسول



148

چہرہ شناس

اس نئی کتابت جس کا عنوان  
ہے "چہرہ شناس" ہے

مروم کے خان

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

تحریر... سنی اور ایشیائی میں ابھرتا  
ذہن اور پس منظر...

آوارہ گرد

شکار

سلیم انور

ماش کی آہ غلطی جسے وہ ہرانا نہیں  
چاہتا...

166



163



216



خونی رشتوں میں ملاوٹ کر  
دینے والوں کا لہور رنگ فسات

انوار صدیقی

لہورنگ

بیوٹی

205



ایک گمشدہ مثلث کی کہانی جس میں  
پراسراریت مگ ہے اور سران رکی مگ

ایمن... انور

ادارہ وقارتین

اقتباسات نگہیں اور ایشیائی  
سب آج کی تاریخ میں...

تراش خراش

خواب سرب

کاشف زبیر

ہرگز چہرہ شہزادہ داستان کے دلچسپ و  
عجیب ماحول بگھٹاتے کے تانے بانے

000



255



پینشر، پروانتر، عذرا رسول، مقام اشاعت: C-63 فیز، ایبکس ٹینشن، ڈیفنس کمیشن، ایرویا، مین گورنگی روڈ، کراچی 75500  
پرنٹر: جمیل حسن، مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم کراچی



عزیز ابن من... السلام علیکم...

جون کے تھے موسم کا خوشگوار شہرہ جتنی خدمت ہے... سکا کے تیرے اور آخری حصے کے ساتھ۔ اگلے ماہ سے انکار سے شائع کی جائے گی۔ اس دور کی سوانحی ترقی نے پوری دنیا کو یوں سیٹھ دیا ہے کہ دور اور اقدار کے ملاحاتوں میں رونما ہونے والا کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں ہر ملک اور شہر میں جان لیا جاتا ہے۔ جب تلف سمنوں سے آنے والی بہت سی نئی اطلاعات اور خبروں میں جا بجا پاکستانی شہریوں کے نام آتے ہیں تو دل بہتے اور اس میں ہونا ہے۔ ان اطلاعات کا مرکز و محور ہمارے اپنے شہر ہوں تو اداسی کچھ زیادہ ہی گہری ہو جاتی ہے۔ اس ماحول میں اچھی خبریں بہت حوصلہ دہنی ہیں۔ برسوں بعد ناہور میں کرکٹ کا میلہ سما اور مہمانوں کی جان توڑ کوششوں کے باوجود میزبانوں نے اپنے نام کا نیکو لیا لیکن زمینداروں سے والے ہار کبھی جیتے ہیں کیونکہ انہوں نے برسوں سے ایران چڑے پاکستانی میدانوں کو اپنے دلکش کھیل سے آباد کیا ہے۔ خطرناک اور حاسموں کے نئی پروڈیکٹ سے کے وجود زمینداروں سے نصیری کا مظاہرہ کر کے حالی کرکٹ کو سرخ رو کر دیا ہے۔ اس کے لیے ان کی جتنی بھی سائنس کی جائے وہ کم ہے۔ امید ہے کہ آنے والے دنوں میں آئی سی کی کے دیگر کئی ممالک بھی پاکستان کو اپنی میزبانی کے مواقع فراہم کریں گے۔ سری لنکا کی کرکٹ ٹیم پر جسے نے ہمارے ملک کے کھلاسن پر جوہر نذر داغ لگا دیا تھا وہ سو ہو م ہو چکا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ آنے والے دنوں اور سالوں میں ہم خوف و وحشت کی فضا سے آزاد ہو کر اپنے معمولات بحال کر سکیں گے۔ آئیے اپنی محفل کا رخ کرتے ہیں جہاں کچھ پرانے اور نئے تعلق بحال ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔

سنا جہاں سے اعلیٰ نادر احمد اسٹیل کی سٹیٹل ٹیلی ٹھہری "سانہ ارواں کا دیدہ زیب شمارہ مئی کی آئیے اور اس کی شان مہم ٹولہ۔ بہت دنوں سے دل چاہ رہا تھا کہ گل میں حاضر کی دوں۔ زندگی کی الجھنوں میں اپنے گویا ہوں کہ وقت ہی نہیں نکال پالے۔ اس واقعہ جاسوسی ہاتھ آیا تو سوچا پرانی یادیں تازہ کر لی جائیں۔ آہ یاد دہی بھی کیا محبت شے ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ہمیں تمہارا ہونے رہتی۔ شاید وہ مجھے دن کی لوت آئی جو کھوپکا ہوں۔ اور یہ بیٹھتی طرح فکر کے دور اور گہما۔ یہ حقیقت ہے جب تک ہم ایک دوسرے کا دوسرے نہیں گہم کر کے اور سردی کے حقوق کا خیال نہیں کریں گے، جب تک معاشرے میں امن و امان کے خواب دیکھیں بھی محبت ہے۔ سب سے پہلے اپنے پیارے بھائی سے کھیل سنیٹنگ کا مگن کا تہہ بہہ مشورق ملاحظہ کیا۔ ایک اک حلقہ کبھی ہر حقیقت ہے۔ تمہارا کافی جا ندر تھا۔ بھنگ سے بھالی مرستی اقسام کا تہہ بہہ مگن بھر پور تھا۔ اپنے ساتھ شہر پاک بن کر شریف سے جو یہ ملی جتنی کا اندازہ بیاں اچھو لگا، بھروسہ جو یہ یہی رائے اور بیکار رائے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اگر جاسوسی سے آوارہ گرد نکال دی جائے تو بانی کیا رہے گا؟ افسانہ رحمان بھالی! آپ کا تہہ بہہ پڑھ کر دل دہلا ہوا۔ اللہ پاک مرحومین کو جنت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ محمد وقاص خاندان کا پدم پور سے عثمان اور محمد منصور من دیر کے اختراع دے بھی گئے تھے۔ چشمہ حیرانج سے سارے تھوڑے صاحب کے خیالات پڑھ کر خوشی ہوئی۔ انجمنہ رومی سامانی کی شہریت بہت بھلی لگی۔ لودھراں سے محمد انعام صاحب حوصلہ کریں اور محفل میں آتے ہا کریں۔ اور میں احمد خان اور سید اکبر شاہ جیسے تہوں کے ساتھ اور جوتھے۔ سب سے پہلے یعنی صاحب کی آواز اور پڑھنی، تجھے ہشتی سے بھر پور زندگی گزارنے سے اب تک نہیں اپنے حشر میں جڑے ہوئے ہے۔ ان میں کوئی شک نہیں بھلی صاحب مستند اور تجھے ہوئے نکھاری ہیں۔ ان کی سر تحریر راجہ اب ہوتی ہے۔ میڈم اور شہ شہ کا دلہہ زانیسی پڑھا اور انہی وقت در حالات انسان کو بہت کچھ سکھارتے ہیں۔ ہاشمی سے جڑے اداوت سے پردہ ہے۔ کرنلی کاشف زہیر صاحب کی حصار دور اسے مد پسند آئی۔ ہاشمی سے پیچھے پڑنا ناممکن ہوتا ہے۔ سیر اور آئی کی سائنس و تجربہ عملی سائنس جی۔ سیر اور کوئی شہرت و مجرم کھلے کھائی چا اٹک نہیں نہ ہو کوئی نہ کوئی لفظی کر جاتا ہے۔ ہمارے استاد کو بھی اس کی نظمی لے ڈوئی۔ پہلا رنگ سنک مجرم دولت کی ہوس میں جتنا انسان رشتوں کی اہمیت نہیں جان سکتے۔ وہ اپنے پرانے کی بیچن بھی بھول جاتے ہیں۔ مرحوم کے دل کی تیز کی چو، افسانہ گہم میراث نہیں ہوتی۔ انسان اپنی ذہانت کے دل بہتے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ احمد زاد بھالی سے اپنے حلق لینے میں کامیاب رہا، مذہبی کا کردار اچھا لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کئی نالہ بین خواب بہت بڑے راتوں میں گریسا اہنا جڑ نہیں جھانگی۔ اور میری خواہش و آئی اس دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو کبھی خوش دلکہ کھتے ہوں۔ آرتھر اپنے نوجوان کو بھلی کیا۔ باہر نیم کالیفینڈ جیسٹ رہی۔ انسان اگر اپنی ذہانت سے کام لے تو بڑے سے بڑے مسئلہ بھی حل ہوتا ہے۔ اچھو نہیں کی مقصد کا پتہ بہت عمدہ رہی وہ حقیقت ہے تقدیر کے کام تہہ ہیر سے نہیں نکلتے۔ انسان کی کے ہے کڑھا کھودتا ہے تو خود ہی میں مرتا ہے وہ سوس کوئی توری کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ خطرناک مہمانی ناچو بھر آ نکھیں بہت عمدہ مگی۔ اس میں کوئی شک نہیں مردانیت میں ترپائی دے سکتے ہیں۔ آخر ان کی قربانی رانگال بھی جاتی ہے۔ ذہین خوش قسمت تھا جو اس کو عمل کے لیے بھروسہ ہے۔ ضرورت زندگی بہت اچھی لگی۔ انسان کو مشکل حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے۔ نیکی کی ذہانت کا بلین رنگ سے۔ ہامو مگن توئی قسمت۔ کے عمل خراب ہوتے ہیں۔ نذا مجرم جو کبھی نچ لگی۔ گلند زبردست انور ہی ثابت ہوتی۔ محفل خداداد اصلاحیت ہوتی ہے۔ اس کا استقبال کر کے انسان بڑے سے بڑا معاملہ کر سکتا۔"

نرا جی سے امین شمشاد کے ارادے 'جاسوسی' انجمنہ 4 مئی کو تاریخ نے ادارے میں 4 اعلیٰ کی تہیں دن کو نکلیں۔ خداداد ہمارے (نیر و) بڑے کچھ سوچیں اور ہمیں یہ ذہن دولت تو یہاں پر ہی رہ جائے گی۔ لیکن انیسویں... بھنگ سنی سے محمد نفسی: حلقہ کا نظارہ بدست رہا۔ کراچی سے پری ذہن خان بھی بھر پور تہہ سے کے ساتھ حاضر نہیں۔ بری پور ہزارہ سے عمران محبوب مہاشی بھی دلچسپ خبریں لے کر آئے اور چھانگے۔ نادر سلیمان ٹیہ سے آپ 22













پر جو ہوتا ہے وہاں سے رہتا ہے۔ بچنے والوں غیر ملکی سفیروں کے ساتھ آرمی کی ایک کاپیڈ گھنٹ میں حادثہ پیش آیا کیا جس سے ملک میں سوگواریت پھانگی اور قومی پرچم سرنگوں ہو گیا۔ یہ آرمی کی ایک کاپیڈ تھا اور اس سانحے کی جلدی تحقیقات بھی ہو جائیگی گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عام سطح پر حادثات ہوتے ہیں ان کے سدباب کے لیے کیا کیا جاتا ہے، آیا ان پر بھی ملکی طور پر کوئی حکمت عملی اپنائی جاتی ہے یا محض کاغذی کارروائی کر کے آئندہ کے لیے اس جلدی دھمک دلوے ہی کیے جاتے ہیں۔ اسے مزین ان سکن کی نظر چار چاند لگائے ہوئے تھے۔ جنگ نئی سے اور ترقی استحکام پر ہم نظر آتے لیکن تبصرہ ہنس سکرنا گلاب گلابی سا تھا۔ پرانی ذمہ داری کا تیران کن انکشاف بھی اچھا لگا۔ محبوب عباسی کی دلچسپ خبریں تبصرے کو جاندار بنا گئیں۔ انکار حسین وہ زلزلہ قلمیہ ساتھ تھا جس میں پوری قوم زلزلہ زدگان کے غم میں شریک تھی اور سب احمد خان، سجاد خان، خیرم بیوہ کی فرمائش کے ساتھ تبصرے نے زبردست تھے۔ جب آڑا نہیں آتی ہیں تو اس کے درپے ہی سرخرو ہوتے ہیں جس کی آڑا نہیں پر صبر و استقامت اختیار کرتے ہیں۔ ایسا ہی اعجاز آوارہ گرد کہانی کے آغاز سے انجام تک نظر آیا۔ اس کی جھوٹ پڑتے ہیں، ہر ایک سے بے وفائی اور دھوکا ان کا تیرہ سے انہوں نے جرموں کا روپ دھار کر دھوکے سے چاہیوں سے پورے غم حاصل کی اور انہی طاقت میں بیٹھے۔ حصار دوراں میں کیا کیا ہوتا گیا، پہلا پیسا ہونے ٹکروقت کے ساتھ قابل فخر قوم بن کے ابھرے۔ عالی مظر بنے پر کاشف ذہیر نے زبردست روشنی ڈالی ہے۔ مگر ندرت نواب کی بیب و غریب کہانی سبیا طلسمانی اثر نے آگے بڑھ رہی ہے۔ کہانی پڑتے ہوئے ایسا ہی لگتا رہا ہے جیسے ہم ہوشیار میں الف لیلہ کی داستان میں رہ رہی ہو۔ سرور کی پہلی تحریر میں دولت کی ہوش میں اندھے ہانہ سامی کی سلا کی ظاہر ہوئی تو کمال اور ولی تیرت زدہ رہ گئے۔ رشتوں باتوں سے قطع نظر جب علم حد سے بڑھتا ہے تو اس کا انہماک بھی ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔ سلیم فاروقی کی سندھ صحتی سے لڑی تحریر، لگی رہی۔ احرار نے ان کے ساتھ مل کر جو حال پیش کیا وہ کامیاب رہی اور اپنے بتائے ہوئے سو فیصد بیگز کو حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہا۔

جان جانان کی پہلی شمولیت چار صدہ سے "آج پہلی بار مظلوم کو شرف ہار پائی پیش رہے ہیں۔ چار سو سے تعلق 12 سال پرانا ہے لیکن لکھنے کا ارتقا پہلی بار ہوا ہے۔ (اسے سال کن سوچ میں گزار دیے) شمارہ حسب معمول 5 تاریخ کو لاہور سرور کی نظر و دوزلی تو ہی یکسانیت اور محمود جویم پاکستانیوں کا خاصہ ہے، یہاں بھی نظر آئی۔ کیا مرد حضرات صرف کرخت اور منصف، نازک شایع گل ہوتی ہیں؟ بہر حال مزید تبادلہ جملانے کے بجائے تیرت پر نظر ہی دوزا لگی۔ میں ہمیشہ سے کاشف ذہیر کا نام پڑھ کر دل مسرت ہوتی ہے ان کی کہانیاں انتہائی جاندار اور شاعرانہ ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے انہی کی کہانی یعنی حصار دوراں پڑھ کر بے اختیار دل چاہتا کہ ان کے ہاتھ جو ہم لیں۔ انتہائی بھارتیہ جات، اجناد اور مرد اور بہترین مظر کی کی گئی تھی۔ حصار دوراں کے بعد اپنی بیعت اسلورنی آوارہ گرد پڑھی۔ کہانی بہت بھارتی اور بہت تیز جارہی ہے انکشن اور سٹنس کا حسین احتیاج ہے۔ شہزی کے بعد سلیم صاحب اور اس کے بعد شفیق شاہ کی کہانی نے سٹاڑ کیا۔ سرور کی کہانیوں میں سرگم کے خان کی ٹیڑھی جاں انتہائی خوب صورت۔ کہانی تھی۔ احرار کا دور پڑھ کر ذہن شامی آ گیا کہ رانا ہوتو یہ کئی بڑی زبردست ہے سہانی۔ ہمارے ملک میں اصلاحی تحریکوں کی ٹیڑھی ہیں ان کو کوشش کرنے کی دیر ہے۔ زینا کاتسانی اور ولی کا سندھ خوب تھا۔ دوسری کہانی، سٹاک بزم انتہائی فضول کہانی تھی۔ باقی قصہ اور کہانیوں میں سبیا کو بچھنی قصہ میں ہی درسیان میں چھڑو یا تھا۔ انتہائی حضرت کے ساتھ کہ پڑ رہا ہے چونکہ نواب صاحب کی اکثر کہانیوں میں نظریاتی الجھنیں ہوتی ہیں تو میں خود بھی یہ صاحب نظریاتی مریض نظر آتے ہیں۔ میرا چار سو سے ولی تعلق ہے اس لیے بہتر سے ایک مثال شمارہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

ان قارئین کے سامنے کرائی جن کے بہت سے مثالی، شاعری، شاعری تھیں۔  
 سبیل اختر، احوان، لاہور۔ عمران محبوب عباسی، مہری پور، چناب۔ ہارٹ پکچر، علی پور، جھولی۔ شیر دل، حوکر، مہر، انس، توکر، میانوالی۔ محمد خاں، گجرات۔  
 رانا زاہد حسین، شیخوں کی مایاں، شیخ پورہ۔ شانزیہ ایمان، مہری پور۔ انجم فاروقی، ساہلی، لاہور۔ ظفر ذقیل، لاہور۔

انگارے کے مصنف کا نام پوچھنے کے سلسلے میں قارئین کی بڑی تعداد نے دلچسپی لی۔ بیشتر قارئین نے لطف: ہتھ پر کیے۔ ذیل میں ان قارئین کے نام لکھے گئے ہیں جنہوں نے سچ: نام تجویز کیا۔  
 بنیر علی، پشاور۔ محمد نسیم، ٹوٹ اور ادا کشن۔ سلیمان شاہ، اہیت آباد۔ سامی داد، مروت۔ یوسف پور، راکر پٹی۔ سید بلوچ، کرنہی۔ شہزادی، لاہور کینٹ۔ زہیر ڈی سوزا، روتونپنڈی۔ نعمان انصاری، شورکوٹ۔ زینت سمون، لاڑکانہ۔ تاجید بیٹ، مٹان۔ رضوان قریشی، حیدرآباد۔ محمد علی، مظفر آباد۔ مراد شاہ، کنگھ یادو، ماش، لاہور۔ فاروق انجم ساہلی، لاہور۔ اور وی، کوئٹہ۔ شائستہ بی، گمراہی۔ طور خان، گمراہی۔ شاہ زہیر خان، کوئٹہ۔  
 حیدر علی، لاہور۔ نعمان انصاری، مکر۔ عبید اللہ، نواب شاہ۔ عبدالملک، لاڑکانہ۔ شہنشاہ حسین، کرنہی۔ سامی داد، لاڑکانہ۔ مدد علی، کوٹلی، کرن۔ سبیل، حیدرآباد۔ رؤف آصفی، حیدرآباد۔ اہل شہزادی، گمراہی۔ زینت حیدر، لاہور۔ نوشاب لوہی، کاشف بی، حیدرآباد۔ شہزاد خان، صادق آباد۔ محمد علی بی، بہاولپور۔ دل مراد، پور شریف۔

قرعہ اندازی کے ذریعے مندرجہ ذیل قارئین کو جولائی 15 شمارہ بطور انعام رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کیا جائے گا۔  
 1 سید اکبر شاہ، مانسہرہ۔ 2 کاشف عبید کاوش، بنگرام۔ 3 ظاہر گلزار، پشاور۔ 4 رجب علی، سرور۔ 5 یاسین شاہ، لاہور۔ 6 مرزا گل، آئی خان۔ 7 ترنم باز، کرنہی۔ 8 گل ریز خان، گجراتوالہ۔ 9 محمد عامر، سیالکوٹ۔ 10 شاہد علی خان، حیدرآباد۔  
 انعام یافتہ قارئین اپنے پوسٹل ایڈریس سے دفتر کو فوری آگاہ کریں تاکہ ان کا انعامی شمارہ بروقت ارسال کیا جاسکے۔

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

# سونا چاندی

احمد اقبال

انسان جب کسی شعلہ بردوش ... سپہیں بدن حسینہ کے اشاروں پر  
ناچنے لگتا ہے تو کوئی بھی کام اسے مشکل نہیں لگتا... بزدل کے لیے تو  
صائمہ کل کائنات تھی... مستند تھا صائمہ کا فرمایا ہوا... وہ ہر حیثیت  
سے اور پر میدان میں اپنی خود اعتمادی، ایک دل آویز تمکنت... جرات  
فکرو اظہار اور یہ خوبی کا لوہا منوا چکی تھی... اس کے بار جو کچھ  
ایسے کام تھے جو صرف بزدل کے لیے مخصوص تھے... ڈاکوئوں اور  
قانون کے رکھوالوں سے اس کے خاص تعلقات تھے... وہ جو جرم کرتے تھے  
اور بزدل ہر دل پکارتے تھے... بزلہ سنجی اور حاضر جوابی کے نادر  
نمونے کے ہمراہ احمد اقبال کی ہنستی مسکرائی... اتھلا تی تحریر...

پرتھس اور حیرت رقتار کہانیاں پسند کرنے والوں کے لیے خوشخبریں...

نام کا: شخصیت پر آتا ہے، ایسا نے سچے ہیں۔ میں  
نے روزنامہ "حقیقت ساز" کے دفتر میں مدیر مکتبہ مرزا  
تنگ پتگیزی عرف توپ صاحب کو ایک جنگ عظیم لڑا دیکھا  
تو میں بزدلوں کی طرح میرے نیچے گھس گیا۔

توپ صاحب کا حریف اپنی جسامت میں روایتی  
ساز کے پٹھان کا خلاصہ لگتا تھا۔ ہم اس کی موٹھیں اٹھرا  
نارنج تھیں اور وہ چٹری کوہر ہر سنبھال تھا جو اس کے دائیں  
بائیں سینک کی طرح پھرنے سے پہلے کر آنکھوں پر  
آجانی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھرا ہر دوا سے بھری  
اسپرے تھی۔ وہ جب اس کا رخ توپ صاحب کی طرف  
کر کے خڑکرتا تو اس کی ولدیت بھی بدل دیتا تھا۔ اس نے  
توپ صاحب کو انوکھا گدھے لگنے اور زیادہ ڈاک اور حرام  
جانوروں کی اولاد کہا۔ یہ سب وہ سنتے تو یقیناً ٹڑختے۔

توپ صاحب کے ہاتھ میں چھت کے جالے صاف  
کرنے والا برش تھا جس سے وہ کندا اور نوٹھ فٹ دور رکھنے

جاسوسی ڈائجسٹ 14 جون 2015ء



Scanned By Amir



اتواں متحدہ جیسا خاموش تماشائی بن کے دیکھنے کے علاوہ کیا کر سکتا تھا۔

مجھے اس سحر کو دیکھتے ہوئے وہ لقمہ یاد آئی جو میں نے بچپن میں پڑھی تھی۔ ایک تھا تیر ایک بشر... لڑنے میں تھے دونوں شیر... لڑتے لڑتے ہو گئی گم... ایک کی چونچ اور ایک کی دم... بہت جلد اسپرے گن میں مگر مار تیل شتم ہو گیا اور توپ صاحب کے قدیم برش کا سراں کے تن سے جدا ہو گیا۔ دشمن نے اسپرے گن کھینچنے کے ماری جس کو توپ صاحب نے صرف ہانس رہ جانے والے برش سے یوں روکا جیسے تیسریں باؤ سرور وکتا ہے۔

"ابھی ہم آتا ہے اصلی بندوق نے کر... کالا کتا کا بچہ... وہ پیا ہو کے دوڑا اور زینے میں قاب ہو گیا۔"

"تھری ناٹ تھری لائے گا۔"

"ہاں، ہاں... ہم سحر ہیں... تو لے آ بھگیوں کی توپ سپر ایٹس ملوون۔" توپ صاحب نے خفی ڈنڈا دیوار کے سہارے کھڑا کیا اور کرسی اوارت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ "سیاں بزدل! نکل آؤ تم بھی سو رہے سے۔"

میں ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ "توپ صاحب! پٹھان زبان کے کیے ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ تھری ناٹ تھری کی رائٹل کے ساتھ بھر نمودار ہو اور دھاکیں سے آپ کو مرحوم و مغفور کر دے، میرا حساب بے باق کر دیا۔ وہ ضرور آئے گا۔"

پھولی ہوئی سانس بحال کرتے ہوئے انہوں نے بارہ سالوں والی پٹاری کھول کے تازہ گھوری بتائی شرع کی اور مسکرائے۔ "بہ خدا اپنے ایمان سے کہو تم نے دیکھا، کیا داؤد شجاعت دی ہم نے۔ آؤ! اجداد کی ارواح بھی خوش ہوں گی۔"

"انصوں باتوں میں وقت ضائع نہ کریں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ سارے واجبات ادا کر دیے تو آپ کے لیے سنگ مرمر کا کتبہ لکواؤں گا جس پر لکھا ہوگا... خیرت انہی غنوں پر ہے جو بن سکے مرجھا گئے بلکہ پوری قبر سنگ مرمر کی بنوادوں گا۔"

"اے بے رحم وادار میاں بدیع الزماں دلناز نالہ موسوی... انہوں نے وہ بیہ اختیار کیا جو وہ کسی اہم خطاب کے لیے استعمال کرتے تھے۔" تم پر ابھی ہمارے خاندانی جوہر کھلے نہیں۔ اس نام نہاد پورنیکل دشمن کی آمد سے تمہارا ہم اپنے آؤ اجداد کی خود کار شمشیر ابدار نے آگے گئے۔ اور بس اس کے بعد تم دیکھنا اس کے جہان قالی سے کوچ کا سحر۔"

میں خامے کا سیاب تھے۔ دشمن کی طرح وہ بھی اپنی ٹھنڈے والی ترکی ٹوپی کو گرنے سے بچانے کے لیے کوشاں تھے اور حریف کے زبانی حصوں کا مٹی دندان دشمن جواب دے رہے تھے۔

دشمن نے غوطہ مار کے برش کے دائرے سے خود کو بچایا اور زمین سامنے سے ناز کیا۔ دھوئیں جیسی پھوار توپ صاحب کی شہروانی پر تری مگر اثرات ناک تک پہنچے تو انہوں نے ٹوپی سنبھال کے چینگ ماری۔ "اے نطفہ ناقص... کیسیائی جنگ پر پابندی ہے۔ جیوا کوشن پڑھ لے جاٹل۔"

اور اس کے ساتھ ہی برش کا وار کیا۔ اس کے ٹٹ ہال اس کی ناک میں گھس گئے۔

وہ بھی چینگ مار کے اچھلا اور چند فٹ پیچھے ہٹ کے چلا گیا۔ "پھر کا بچہ، ابھی تم ہٹ سے کرے گا۔" اور اسپرے گن سے فائر کیا۔ اس کی چڑی بھر آگھوں پر آئی۔

توپ صاحب نے لمبے لاندے والے برش کو شمشیر بے نیام کی طرح لہرایا۔ "نا مقول خرزاد، ہم بتاتے ہیں تجھے کہ خاندانی اشراف کیسے آبرو پر جان بچاؤ کرتے ہیں۔"

برش چڑی پر لگا تو وہ اس کی ناک پر ٹک گئی۔ پٹھان نے بڑی جلت اور جہرت سے اس کو اونچا کر کے کانوں پر جھپٹا۔ "بہ سات نسل سے بدلہ لیتا ہے گیدڑ کا بچہ۔" اور مسلسل اسپرے سے بڑا کاٹھانہ حملہ کیا۔

"بہ پڑ؟" اے ہم پر بزدلی کا الزام۔" توپ صاحب چھینچتے کھانٹے کونے میں پناہ گزیں ہوئے۔ "ایک چنگیزی خون کے وارث پر تہمت... ہم ابھی تیرا قلع قمع کرتے ہیں اولاد بے نکاح..."

اس سحر کردار کی کے اسباب اس کے کڑے پر خون کی نکل کاری سے میاں تھے۔ حسب معمول توپ صاحب نے بارہ سالے والی پٹاری کی گھوری و منہ کے کسپر میں گھونٹنے کے بعد کھڑکی سے سڑک پر اٹکھا ہوگا۔ ایسا وہ بڑی مہارت سے دن میں دس بار کرتے تھے اور ان زمین پھوار کے باغیچوں منزل سے نیچے پہنچنے میں جتنی دیر لگتی تھی، اس سے پہلے دوسرے واپس اندر کر کے کھڑکی بند کرنے میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ پھر بھی سال میں ایک دو بار کسی کی مقامی نظر س زمین سے دیکھ لیتی تھی کہ پانچ منزلوں کی پچیس کھڑکیوں میں سے یہ کونسی کہاں سے نازل ہوئی ہے۔ توپ صاحب اسے اپنی خشک دہے رنگ زندگی کی واحد تفریح قرار دیتے تھے جو متاثرین کا لباس یا طیلہ بگاڑ دیتی تھی۔ یقیناً آج بھی ایسا ہی ہوا تھا اور میں توپ صاحب کی ادارتی میز کے نیچے سے

سلام کیا۔  
پھر وہ کرسی کھینچ کے میرے ساتھ بیٹھ گئی۔ ”تمہارا فون کیوں بند ہے؟“  
میں نے فون نکالا۔ ”لاہور کی میٹرو بس بند ہو سکتی ہے مگر تمہارے لیے میرا فون بند نہیں ہو سکتا، آڑا کٹش شرط ہے۔“

اس نے میرا نمبر ملایا۔ صائمہ کے لیے مخصوص رنگ نون میں فون گانے لگا۔ ”جگر پھلتی ہے دل گھبرا رہا ہے۔“ وہ خفگی سے بولی۔ ”یہ ابھی آن کیا ہے تم نے اور اس منحوس رنگ نون کو ابھی تک بدلائیں تم نے...“  
”بدل دوں گا۔ بعد از نکاح لطیفش کا گانا ہوگا۔ گانے جاگیت ملن کے۔“

توپ صاحب کا رویہ صائمہ کے لیے قطعی عطف کسی شفیق بزرگ جیسا ہوتا تھا۔ ”نور چشم، پریشانی تمہارے چہرے سے ہو رہا ہے۔“  
”جی، وہ ایک مسئلہ ہے۔ آپ کے بزدل صاحب کو ان کے مرقد پر دیکھنا، فون کرتی رہی پھر سوچا آپ سے مشورہ کروں۔“

میں نے آہ بھری۔ خود غرض حسینا! مجھ پر بخت بجزاں نصیب کی یاد تمہیں اسی وقت آتی ہے جب کوئی مسئلہ درپیش ہو؟“

”اچھا اب اٹھو اور چلو میرے ساتھ۔“ وہ حڑی ہو گئی۔

”ایک قدر وہ شخص بوجہ نقاہت اٹھنے سے بھی قاصر ہے۔ کاپٹی ٹانگوں سے پاؤں اترنا اقدام خودکشی کہلائے گا۔“

وہ مسکرائی۔ ”کھانا میں نے بھی نہیں کھایا ہے۔ ساتھ کھا لیں گے۔“

”گو یا چائے تم نوش نہیں فرماؤ گی؟“ توپ صاحب نے کہا۔ ”فی انان اللہ۔“

صائمہ کی ڈبیا کار میں سرنگوں بیٹھنے کے باوجود میری کھوپڑی اس کی چھت کو بجاتی رہی۔ ”کیا تم یہ انکشاف فرما سکتی ہو کہ سچ ہم قادیانہ اشار ہوگی میں کریں گے۔“

اس نے نظر سڑک پر رکھی۔ ”ابھی تو ہم اسپتال جا رہے ہیں۔“

میں نے دل کے کہا۔ ”تم گا سنی وارڈ میں ہو۔ میں وہاں لیٹ کر کیا کروں گا۔“

”تمہیں میڈم نے طلب کیا ہے۔ اپنے آفس میں۔“

”لاحول ولا قوۃ... خود کار کوار... آپ کے دماغ کی چولیس مل گئی ہیں۔“

انہوں نے قابل رحم نظروں سے مجھے دیکھا۔ ”خود کار پستول ہو سکتا ہے تو خود کار کوار کیوں نہیں ہو سکتی صاحب زادے۔“  
”یہ مجھے آپ سمجھا دیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بزدل ہی نہیں جاہل بھی ہوں میں۔“

انہوں نے بدترانہ انداز میں سر ہلایا۔ ”جگر امیر ہمارے... کیا نام تھا ان کا... ہاں آقائے غضب علی... طوقان قلعہ فرماتے تھے۔ بڑے پتھے ہوئے بزرگ تھے۔ ایک بد بخت کافر نے آپ کو کل از وقت جنت انقروں میں پہنچانے کا سوچا جی تھا کہ شاو جہات کو ظلم ہو گیا۔ اس نے خود کار شمشیر آہوار اور اس کی۔ خیال دل میں آتا تھا تو کوار دست مبارک میں از خود حرکت کرتی تھی۔ وہ نابکار جیسے ہی سامنے آیا۔ شمشیر آپ کے دست مبارک میں لہرائی اور اس کا سر آپ کے قدموں میں آگرا۔ گو قدرے زنگ لگ گیا ہے اسے لیکن وہ ہے آٹویک... مکمل خود کار۔“  
میں نے ہاتھ جوڑے۔ ”خدا کے لیے بس کریں۔ یہ ہے میرا حساب۔“

انہوں نے بڑی شفقت سے کاغذ پر نظر ڈالی۔ ”تمہاری جگہ ہم ہوتے تو صبر اختیار فرماتے۔ یوم حشر تک۔ جب ستر گنا لیں گے۔“

”دونہا کہ جا لیں ہزار سات سو چھیاسی۔“ میں نے ضدی چچ کی طرح کہا۔

توپ صاحب پھرتی سے اٹھے۔ کھڑکی کھول کر مرے کی طرح گردن گھمائی اور وہاں جا میں دیکھ کے پیک کا تازہ ملٹو باگل دیا۔ بڑی پھرتی سے کھڑکی بند کر کے انہوں نے پھر حساب ملاحظہ کیا۔ ”دونہا کہ جا لیں ہزار چھیاسی۔ فی الحال سات سو چھیاسی لو۔ مبارک عدو ہے مگر آج کا قلعہ پہلے...“

تاریخ کے اس نازک سوڑ پر جب اخبار میں اشاعت کے لیے میں توپ صاحب کا قلعہ تاریخ وقات ان کے حواسے کرنے والا تھا، صائمہ نے ایسے قدم رنجہ فرمایا جیسے ویرانے میں چپکے سے بہا آ جائے۔ مسب معمول میں اس کے نظارہ جمال میں کم ہو گیا۔ یہ حسن پریشان کی سحر آفریں تصویر تھی۔ گھرے آسمان جیسے نیلگوں رنگ کی قمیص کے ساتھ اس کا زرد بستنی دوپٹا کاندھے پر جموں رہا تھا اور سروں کی گھٹا جیسے بالوں کے آوارہ بالوں میں اس کا چہرہ دکھ رہا تھا۔ مسب عادت اس نے توپ صاحب کو سوراخانہ





ہوتا ہے اور پلیٹ میں اندازے کے تھلکے... وہ نہیں تھے پھر میں نے کمرے میں دیکھا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ اسے ڈاکو نے گتے ہیں۔

”یہ اندازہ ہوا؟“

”اس کی الماری کھلی پڑی تھی۔ زیور خانم تھے۔ میں تو بالکل ہو گئی۔ دس بجے میں نے صائمہ کو بلایا۔ یہ لیبر روم میں تھی۔ گیارہ بجے آئی۔ اس نے بھی کہا کہ جلدی مت کریں۔ پولیس آئی تو بات انہر والوں تک پہنچے گی۔ اس نے تمہارے حوالے سے کہا کہ ایسا ہوتا ہے... انکو اکرنے والے رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جو بہت بڑی ہوتی ہے۔ لیکن سودا ہو جاتا ہے ایک چوتھائی پر... ضروری ہوا اور تم نے کہا توئی بی ایس سی سے مدد میں گئے۔“ وہ خاموش ہو گئی اور آنسو صاف کرتی رہی۔ ”ابھی تک تو کال آئی نہیں، دس گھنٹے ہو گئے۔“

”آپ نے بہت دیر کی مجھ سے رابطہ کرنے میں، خیر میں کرتا ہوں کچھ۔ آپ فون کو چارج اور آن رکھیں۔“

”بزدل! بدنامی ہوئی تو... یہ رشتہ ختم ہو جائے گا۔ میں جیتے جی مرجاؤں گی۔ تمہارے ڈاکوؤں سے اتنے مراسم نہیں۔“

میں نے خطبہ سے کام لیا۔ ”دیکھیے، ڈاکو صرف ڈاکو ہوتے ہیں اور میں کسی کو شرافت کی تلقین نہیں کر سکتا کہ یہ کام چھوڑے اور نوکری یا کاروبار کر لے۔ میں نے صرف ان کی وکالت کی اور عدالت سے ان کی مزاحم تراوی یا انہیں بری کرادیا۔ اگر پولیس نے زبردستی کسی کو مجرم بنا دیا تھا، لیکن دین کے جھگڑے میں یا کسی کے کہنے پر... ان کے جرم کو بڑھا دیا تھا جھوٹی گواہی سے۔“

”مگر صائمہ نے بتایا تھا کہ تمہاری عزت کرتے ہیں۔“ میڈم نے کہا۔

”ڈاکو عزت کریں تو کیا یہ فخر کی بات ہے۔ بات یہ ہے میڈم کہ بدامیہا بدنام برا... یہ مشہور ہو گیا کہ میں ڈاکوؤں کا وکیل ہوں جو مجرم تھے وہ بھی میرے وکیل بن گئے۔ ان کے ساتھی آگے کہ انہیں بچاؤ... اور نہ نہیں بچ گئے۔ میں کین کرنا انکار کیسے کرتا؟“

”وہ نہیں بھی بگڑی دیتے ہوں گے؟“

”دیتے ہیں۔ لاکھوں دیتے ہیں کہ رشوت پہنچاؤ آگے... ساتھ لے جاتے ہیں کہ بیچ سے بات کرو، اسے دھمکی دو ہماری طرف سے، پولیس سے کہو گواہ پیش نہ کرے، سرکاری وکیل کو خریدو۔ میں تو بڑی مشکل میں ہوں میڈم۔“

کالوں پر اتر آئے۔

میرا ہاتھ رک گیا۔ ”نوٹی! آپ کی بیٹی؟“

صائمہ نے کہا۔ ”لوشا یہ نام ہے، نس کا، گورنمنٹ کالج میں انٹیکس کی پچھرتھی۔“

سو گوار خاموشی کا ایک وقفہ آیا جس میں میڈم نے پانی پنی کے ٹشو پیچ سے اپنے آنسو صاف کیے۔ ”اس کی شادی طے ہو چکی تھی۔ اسی کا کلاس فیلو تھا بڑا اچھا لڑکا ہے اور بہت شریف۔ نوٹ ہیں۔ دیر اس سے ہوئی کہ لڑکا چاہنے سے پہلے شادی کے حق میں نہیں تھا۔ باپ اس کا بڑا سمن ہے۔ خوش حال خاندان ہے لیکن وہی مردگی آتا۔ بیوی مائے نور میں کھائے بیٹھوں... اب بتاؤ یہ بات کھلی تو کیا ہوگا؟“

”کیا پولیس کو بتا دیا ہے آپ نے۔“

میڈم نے نفی میں سر ہلایا۔ ”کیسے بتائی اور مجھے معلوم ہے وہ بھی کہتے کہ خاموشی سے انتظار کریں۔ ڈاکو اس کے بدلے رقم کا مطالبہ کریں گے۔ عموماً وہ چوتیس گھنٹے میں فون کر دیتے ہیں۔“

میں نے تائید میں سر ہلایا۔ ”لیکن ڈیکٹی کی جگہ کوئی ثبوت شہادت میں ملتی ہے۔“

”کوئی چیز نہیں چھینری میں نے ابھی تک۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ کس سے ہوں... پھر مجھے تمہارا خیال آیا اور میں نے سوچا صائمہ سے مددوں... تم نے کھانا کیوں روک دیا؟“

میری بھونک مر چکی تھی۔ صائمہ نے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ کھانا جوں کا توں رکھا رہا۔ ”کتنے گھنٹے ہو گئے اس بات کو؟“

”وہ صبح پانچ بجے آئے تھے۔ نقد تو صرف پچاس ہزار کے قریب تھے۔ میرا زیور تھا اور نوٹی کا۔ وہ سب دے دیا میں نے۔ جاتے وقت ایک نے کچھ سٹھپا مجھے... تاک پر رومال رکھ دیا۔ میں بے ہوش ہو گئی۔ آٹھ بجے ہوش آیا۔ بڑی مشکل سے واٹس روم کی اور منہ دھویا۔ پھر کافی بتان اپنے لیے۔ گھر میں کام کرنے والی خادمہ ذرا دیر سے آئی۔ ساڑھے آٹھ بجے... تو میں نے اسے واٹس کر دیا۔“

”یہ آپ کو کب بتا چلا کہ نوٹی گھر میں نہیں ہے؟“

میں نے کہا۔

”ہوش میں آتے ہی... سو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تو وہ کالج چلی جاتی ہے۔ وہ کمرے میں نہیں تھی، ناشادہ اپنے لیے خود بنا رکھا ہے۔ ایک اہل ہوا انڈیا بلیک ٹی، براؤن برین کا ایک سلائس... میں اٹھی ہوں تو کچن میں سب

پر اپنا چھوٹا سا نرم اور لٹھا ہاتھ رکھا۔ اگلے بار منونیت کا یہ بیار  
بھرا انداز لٹھا کرتا تھا کہ میں اپنی پانچوں اس کے شانے  
کے گرد ڈال کے اسے مزید قریب کروں اور چوم لوں۔ لیکن  
میڈم کی موجودگی میں یہ ممکن نہ تھا۔ پی سی صاحبہ کے اسپتال  
اور میڈم کی رہائش گاہ سے مسادی فاصلے پر کہیں درمیان  
میں تھا۔ یہ پانچ سو گز کا چھوٹا لیکن بھر بھی بہت بڑا گھر تھا۔  
اس ملائے میں جہاں بیستر بنگلے ہزار دو ہزار گز کے تھے۔  
"میڈم! ابھی بھر لڑکی پیدا کیا خانہ خراب کا بچی  
نے۔" اس نے دروازہ کھول کے ناراضی سے مطلع کیا۔  
میڈم نے فطرتی سے کہا۔ "تور خان! اب اسے فارغ  
کرو۔ تیسری کر لو۔"

پلاٹ چھوٹا تھا لیکن سامنے کا حصہ مختصر لان اور خاصے  
خوب صورت باغ کے لیے کافی تھا۔ گاڑی پورچ میں رکھی تو  
میں اور صاحبہ، میڈم کے پیچھے پیچھے لاؤنج میں پہنچے۔ اندر  
تیم ہارک ماحول میں سوگوار کی لٹھا غالب تھی۔ میڈم نے  
لاٹس آن کر کے کہا۔ "میں چائے بنا کر ہوں تمہارے لیے  
یا کافی لو گے؟"

میں نے کہا۔ "اگر مشکل نہ ہو تو کافی۔"  
"نہیں، مشکل کسی۔ میں خود ہی بناؤں گی، تم بیٹھو۔"  
"بڑا مان بنالیا تمہاری میڈم نے، کیا بنگلا ہے اور یہ  
ڈیکوریشن، یا شوہر چھوڑ گیا تھا؟"

"اس وقت یہ میری طرح او ایچ او تھی۔ شوہر بھی  
شاید کسی کمپنی میں منیجر یا انجینئر تھا۔ یہ لوگ گلشن کے سی کیٹ  
میں تھے۔" صاحبہ نے کہا۔  
"کوئی رقم ملی تھی انشورنس وغیرہ کی۔۔۔"

"مجھے نہیں معلوم۔ باب بھی پہلے میڈیکل سٹریٹ میں  
تھا۔ پھر اپنی دو آؤں کی دکان کھول لی تھی۔ ہذا میں لٹھل  
رہی۔ سرکاری اسپتال کے ایم ایس کو تمہا کیا سمجھتے ہو؟"  
"دعی جو تم جیسی ہو۔ فریبوں کے لیے ملنے والی  
دوا میں اور ترقیاتی فنڈ کمانے والے۔ میڈیکل انکو پمنٹ  
اور ایئر سے وغیرہ کی خرید میں کمیٹیشن پر پیش کرنے والے۔  
انہیں باہر بھیج دیا جاتا ہے ہر ٹیسٹ کے لیے۔ سی ٹی اسکین  
کیسے کر سکتا ہے اپنے خرچ سے کوئی؟"

"ان کا کمیٹیشن اس میں بھی نکا۔ بلکہ زیادہ تر  
پرائیویٹ ایب ان کے کسی مزاج کی ہوتی ہیں جہاں یہ  
فریبوں کو بھیج دیتے ہیں۔ قیامت آخر کیوں نہیں آتی؟"  
میں نے ایک دم آواز بلند کر کے میز پر ہٹکا مارا۔  
صاحبہ اچھل پڑی۔ لیکن اس کے بونٹے سے پہلے

پولیس بھی ایسا ہی سمجھتی ہے کہ میں ایک حصے دار ہوں۔ انکار  
کروں تو وہ صاحبہ کو فٹھائیں گے جیسے آپ کی ٹوشی کو اٹھایا۔  
اور پھر اس ملک میں صحافی کو مٹا کیا ہے۔ ایک تیسرے  
درجے کے اخبار میں... جو پچھترے کہلاتے ہیں۔ زرد  
صحافت کرتے ہیں۔ نام ہی اخبار کا "حقیقت ساز" ہے۔ کیا  
مشکل خبر بات ہے مگر سچ ہے اس ملک میں حقیقت بتائی جاتی  
ہے جھوٹ سے۔"

"مگر تمہاری صحافت بھی چلتی ہے۔"  
میں نے کئی سے کہا۔ "چلتی ہے؟ کیا چلتی ہے؟ بچے  
میں آیت کالم لکھتا ہوں وہ چلتا ہے۔ قطعہ پڑھ کے لوگ صرف  
مخلوط ہوتے ہیں۔ صاحبہ سے پوچھو معاذ کیا مانتے ہے؟"  
صاحبہ نے نظر جھکانی۔ "کچھ نہیں۔"

"اب ایسا ہی ہے میڈم، صحافی بھوکے مر رہے ہیں،  
سوائے چند ایک بلیک مگاز کے۔ خود کشیاں کر رہے ہیں۔  
کل ہور ہے ہیں آئے دن۔ یہ طویل بحث ہے... آپ  
اسے چھوڑیں... کھانے سے ہاتھ رک چکا تھا تہذا میں  
نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔"

"میرا خیال ہے اب ہم چلیں۔" میں نے کہا۔ انشا اللہ  
... سب ٹھیک ہو جائے گا میڈم۔"

میڈم نے سٹریٹ ادا کیا اور ہم کار پارکنگ کی طرف گئے۔  
انہوں نے کہا۔ "کیا تم مصروف ہو آج شام؟"  
"شام تو ہو چکی ہے۔ کوئی خاص مصروفیت بھی نہیں  
ہے میری۔" میں نے گھڑی دیکھ کے کہا۔

"میں چاہتی تھی تم میرے ساتھ چلو۔ میں اب آفس  
نہیں جاؤں گی۔"  
"آج آپ کو آفس آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" میں نے  
کہا۔ "گھر پر کون ہے اس وقت؟"

"کوئی نہیں، میں چاہتی تھی کہ صاحبہ میرے ساتھ  
رہے۔" انہوں نے تذبذب سے کہا۔  
میں اس تذبذب کا مطلب سمجھ گیا۔ "کوئی خرچ ہے  
اگر میں بھی ساتھ چل کے دیکھ لوں۔ ویسے یہ کام پولیس کا  
ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ... مجھے کچھ نظر آجائے۔"

انہوں نے مجھے شکر گزارنی اور اطمینان کے ساتھ  
دیکھا۔ "میں بھی چاہتی تھی۔ ویسے تو ڈرنے کی بات کوئی  
نہیں لیکن آج مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میں اکیلی ہوں۔ تم جب  
اور جہاں کہو گے شو فر چھوڑ آئے گا۔ صاحبہ کو میں اپنے ساتھ  
رکھوں گی ابھی۔"

صاحبہ نے پیچھے والی سیٹ پر آہستہ سے میرے ہاتھ

جینی ہے۔ اگر اتنی محبت ہے اس سے تو دس لاکھ کیا ہیں، یہ مکان ہی ایک کروڑ کا ہوگا۔“

صائمہ نے کہا۔ ”دس لاکھ تو گاڑی کے بھی لیں جائیں گے میڈم! کسی چھوٹے گھر میں رہ سکتی ہیں آپ...؟“

اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ”اچھا، کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔“

”لیکن یہ تو اس صورت میں ہے کہ ڈاکو واقعی اسے تادان لے کر واپس کر دیں۔ وہ ایک جوان لڑکی ہے۔ خوب صورت بھی ہوگی اگر آپ کے جیسے ہوگی۔ آپ جانتی ہیں اس ملک میں جنسی جرائم کا حال... یہ ناممکن نہیں ہے کہ وہ دس لاکھ میں فروخت ہوتی رہے۔“

”خدا کے لیے ایسا مت کہو۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”میں معافی چاہتا ہوں لیکن حقیقت سے نظر چمکے شرمخ کی طرح ریت میں سر چھپانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ خود کو کوئی طور پر بدترین صورت حال کے لیے تیار رکھیں اور اللہ سے خیر و عافیت مانگیں۔ کیا اب میں آپ کا اور نوشی کا کمراد کیسے سکتا ہوں، جہاں ڈاکو لوٹ مار کرتے رہے؟“

اس نے آنسو پونچھ کے اقرار میں سر ہلایا اور کھڑی ہو گئی۔ میڈم کے بیڈ روم میں سب الٹا پلٹا پڑا تھا۔ الماری کھلی ہوئی تھی۔ اس میں سے کپڑے نکال کے باہر پھینک دیے گئے تھے۔ زیورات کے لال نیلے نکل والے ڈبے بکھرے ہوئے تھے۔ میں کون سا شراک ہو سکتا کہ بال کی کھال سے صراحی نکالتا۔ نگر پرنٹ اور جرم کے دوسرے آئینے دیکھ سکتا۔ پھر میں نوشی کے کمرے میں گیا۔ صائمہ کسی معاون جنسی فرماں برداری سے میرے ساتھ رہی لیکن صاف نظر آتا تھا کہ وہ میری لیاقت، ذہانت اور شرافت کے ساتھ مجھ پر اپنی محبت کے کنٹرول اور میری اسمبلی تے جی عاشقانہ اطاعت پر بھی نازاں ہے کہ دیکھو کیسے سوا چھ فٹ کے بندے کو گھیل ڈال رہی ہے اور حکم کا غلام بنا رکھا ہے۔

نوشی کے بیڈ روم کا فرش زیادہ مختلف نہیں تھا لیکن یہاں کپڑے اور زیورات کے خالی باکس بیڈ پر پڑے تھے اور کھلی الماری میں جو کپڑے موجود تھے وہ نوشی کی عمر کے مطابق زیادہ مین اسٹائل اور ماڈرن تھے۔ سرسری جائزے کے دوران میں نے کسی بھی چیز کو ہاتھ لگانے سے گریز کیا۔

”اب میں چلتا ہوں۔ اپنا فون ہاتھ میں رکھیں۔ صبر کا فون نمبر مجھے بتادیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں رات کو پھر آؤں۔ دیکھتا ہوں ظالم خان مٹا ہے تو کیا کہتا ہے۔ اپنے

میڈم نے فرے کے ساتھ قدم رنجہ رمایا۔ ”قیامت میرے لیے تو آگنی پیمانہ۔“

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے میرے ابتدائی مکالمے نہیں سنے تھے۔ ”میں سمجھتا ہوں آپ کے دکھ کو، لیکن میرا خیال ہے کہ جرم کی ایسی سنگین واردات سے پالیس کو بے خبر رکھنا غلطی ہوگی۔“

”تم چاہتے ہو میں ایف آئی آر درج کراؤں؟“ وہ پریشانی سے بولی۔ ”بات پھیل جائے گی۔“

”دیکھیے، خدا بخواتین و خدا خواست آج رات تک کسی نے تادان کے بے فون نہ کیا تو کل تاریخ بدل جائے گی۔ ایک دن کی تاخیر کا بھی نقصان ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں پہلے میں پولیس سے مشورہ کر لوں۔ کچھ قابل اعتبار دوست جملہ میرے۔“

”ظالم خان! میرا مطلب ہے ڈی ایس بی رحم دل خان ان کے بچپن کا دوست ہے اور یہ اس کے ماں کے بچے ہیں۔“

”اچھا، اچھا لیکن وہ پوچھے گا کہ اتنی دیر کیوں کی؟“

میں نے سوچ کے کہا۔ ”یہ ناممکن نہیں ہے کہ... واردات آج کی بنا دی جائے۔ ابھی تو گھر کے لوگوں کو بھی پتا نہیں نہ جو کیدار کو نہ ماسی کو... ابھی ہفتہ دس دن جو سب کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ کالج کے طلباء کا گروپ نے کرسوات گئی ہے یا کافان... لیکن مجھے پوری امید ہے کہ اس سے پہلے نوشی واپس آ جائے گی۔“

”اگر ایک کروڑ مانگ لیے انہوں نے... پھر؟“

”میں دس لاکھ میں سودا کرا دوں گا۔“ میں نے کہا۔

”دس لاکھ؟“ میڈم نے چیخ ماری۔ ”کہاں سے لائوس گی میں دس لاکھ بھی... زہور گیا، بینک میں مشکل سے ایک لاکھ ہوں گے، دیکھو کسی طرح بھی اپنے ڈاکو دوستوں کو قائل کرو، ایک خریب بیوہ کو معاف کر دیں۔“

میں نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ ”خریب؟ آپ اتنے بڑے اسپتال کی ایمر ایس ہیں۔ کوئی مانے گا میری بات اور میں صاف بتا دوں، کاروبار میں دوستی یا رشتی داری کا لحاظ نہ بننس میں کرتا ہے اور نہ ڈاکو۔ ویسے وہ ایک کروڑ مانگتے تو آپ رو پیٹ کے ایک چر تھائی پر انہیں راضی کر سکتی تھیں۔ میں دس فیصد کی گارنٹی دے رہا ہوں۔ یہ شخص میرے لحاظ کی وجہ سے ہوگا۔ بلا مشاورت نہ چھوڑیں۔“

”دس لاکھ۔“ انہوں نے دل پر یوں ہاتھ رکھا جیسے ہارٹ ایک ہو چکا۔

مجھے بڑھاپا پر غصا آنے لگا۔ ”میڈم! وہ آپ کی اکلوتی

کی بات پر بھی داویلا کرتی ہے فری کا۔ "میں نے کہا۔  
"ابھی تک تاوان کے لیے کسی نے رابطہ نہیں کیا؟  
عموماً جو میں گھنٹے میں سٹاپ ہوا کرتا ہے۔ اب میں یہ کر  
سکتا ہوں کہ فون کو آبزرویشن پر لگا دوں۔ کال کا پتا تو فون  
سے مل ہی جائے گا۔ آواز بھی ریکارڈ ہونا چاہیے۔"

"رپورٹ کا کیا ہوگا؟"

"اگر واقعی کسی کو ظم نہیں تو میں بعد میں لکھوا دوں گا۔  
یہ اپنی اپنی دالوں سے بات کی جا سکتی ہے لیکن پہلے میں  
خود ایک نظر دیکھ لوں جائے واردات کو اور وہی ماں سے مل  
لوں۔ جیل اٹھ۔" وہ میرے ساتھ ہر آ گیا۔

"گاڑی کہاں ہے آپ کی سر۔" میں نے ادھر ادھر  
دیکھ کے کہا۔

"یہ کیا اوٹ کھڑا ہے۔" اس نے ایک بالکل نئی سفید  
گرولا کی طرف اشارہ کیا۔

"واہ سارے صاحب کیا لہبا ہاتھ مارا ہے ترقی پاتے  
ہی۔" میں نے اس کے ساتھ بیٹھ کے کہا۔

"ہذا سن لٹل ربی۔" اس نے میرے ساتھ  
ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کے کہا۔ "وہ خیر بھی اچھی تھی۔ تیری  
لیکن کو سے دی۔"

جب اس کی بیوی نے مجھے بھائی کے مرتے پر فائز کیا  
تو بدلتے بیٹے کے لیے ظالم خان نے ڈاکٹر صاحب کو بہن بنانے

میں دیر نہیں کی۔ چنانچہ اب ہم دونوں بیک وقت سارے  
بہنوئی بھی تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب سے کام لیتے تو ایسی غلطی نہ

کرتے۔ اس پر اب وہ ہر او باڈ تھا۔ ایک گھر والی کا دوسرا  
بہن کا۔۔۔ اور میں دونوں کو نیور کی طرح استعمال کرتا

تھا۔ تاہم وہ میرا احسان مند بھی تھا کہ اس کی اپنی کارکردگی  
اور "ایمانداری" کا ڈھول میں نے بھی اپنے کالموں میں چٹا

تھا اور وہ چار صحافی دوستوں سے بھی مدد لی تھی۔ اس کی  
پر دستوں میں خاصا دخل اس پر وہ بیٹھ سے کا بھی تھا۔

لوشی کے گھر میں "اسٹیشن کو" تھا یعنی صورت حالات  
جون کی توں تھی۔ میڈم پولیس کی دردی میں ڈی ایس بی کی

دیکھ کر گھبراہٹی تھی مگر ظالم خان نے اس کو بہت تسلی دی۔ "آپ  
مجھے بتانا بیٹا ہی سمجھیں۔ کیونکہ صاحب میری بہن ہے۔"

وہ حیران ہوئی۔ "صاحب تم نے بھی ذکر نہیں کیا؟"  
"جی، یہ دونوں ہی آپس میں سارے بہنوئی ہیں اور

حقیقی بھائی ہوتا میرا تب بھی شاہد اتنا خیال رکھنے والا نہ  
ہوتا۔ آپ ان پر اتنا ہی بھروسہ کر سکتی ہیں جتنا مجھ پر۔"

میڈم کے چہرے پر ہلکے سا نظر آنے لگا۔ "تم دیکھو

شوگر سے کہیں مجھے چھوڑ آئے۔ یہاں کسی تو لے کی نہیں۔"  
میں نے کہا۔

صاحب نے کہا۔ "میں ہوں یہاں، کوئی پیش رفت  
ہوئی تو بتا دوں گی۔"

☆☆☆

"ظالم خان! آج میں اتنا تم زدہ ہوں کہ وہ نہیں چہر  
سمو سے کھاؤں گا۔"

"پہلے اپنے گھر میز پر سے ہٹاؤ سارے صحافی کی  
ڈم۔" اس نے میز پر ڈنڈا اٹھایا۔

"کتنا دردناک واقعہ ہے کہ تم کچھ نہیں کر سکتے۔  
سادری خدائی ایک طرف جو روکا بھائی ایک طرف۔ لیکن میں

اپنی فطری شرافت اور بزدل ہونے کی وجہ سے اپنے قدم  
شریف ہٹا لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اگر مجھ سے تم دیکھی  
ہونے کا سبب پوچھو۔"

"سبب معلوم سے مجھے کسی غریب بڑھے، بزدل  
صحافی کے بھائے اس ڈاکٹر نے کسی دولت مند بڑھے سے

شادی کر لی ہوگی۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔" ظالم خان نے کہا۔  
"اس اشتعال انگیز بیان پر میں عموماً قتل کر دیتا

ہوں۔ لیکن خیال ہے بیوی کے بیوہ ہونے کا، معاملہ ہے  
ایک ڈیکٹی کا۔"

"دیکھ بھائی! میں صاف بتا دوں۔ میں اپنی عزت  
داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ تو چاہے تو چھوڑ اس پھینچ اخبار کو اور خود

بھی شامل ہو جاؤ اکوڑ کے گروہ میں۔" اس نے ایک مختصر  
وقفے کے بعد کہا جب ایک ماتحت چائے اور سمو سے رکھنے

کے لیے آیا۔  
"ڈاکوڑوں کا سب سے بڑا گروہ تو خود پولیس ہے لیکن

اس وقت میں ضرورت مند ہوں اس لیے بچ نہیں ہوتا۔ معاملہ  
ضرور ڈاکوڑوں کا ہے مگر واردات ڈیکٹی کی نہیں، انوکھی ہے۔"

وہ ہنسا۔ "کیا وہ ڈاکٹر صاحب کو اٹھالے گئے؟ چل  
سبارک ہو۔ مل جائے گی۔ تجھے بھی کوئی اندھی بہری۔"

میں نے میز پر ہاتھ مارا۔ "درمیان میں مداخلت کی  
ضرورت نہیں۔ معاملہ ہے ایک پتھر کا جو بیٹی ہے اسپتال کی

ایم ایس کی۔ جو پاس ہے صاحب کی، جو میری آقا و مالک ہے۔"  
اس نے توجہ سے میری بات سنی۔ "سترہ اخبار دیکھنے

ہو گئے اور ماں بیٹی ہے چپ۔"  
"یار بڑھیا جھلی سے زیادہ لاپٹی تھی ہے مجھے۔ ایک

کرڈ کے مکان میں رہتی ہے اور مال بھی بہت بنا یا ہوگا  
وزارت صحت کے بجٹ میں سے۔ مگر بیٹی کے لیے دس لاکھ

نے پہلے جانے واردات کو۔"

ظالم خان نے سر ہلایا۔ "ظاہر ہے اور آپ مجھ سے کچھ چھپائیں گی نہیں، نہ غلط بیانی کریں گی۔ سو فیصد سچ بولیں گی۔"

ظالم خان نے دونوں کمروں کا تفصیلی جائزہ لیا اور میڈم سے بہت زیادہ سوالات کیے جو سب تفتیش میں اس کی تجربہ کاری اور مہارت کا ثبوت تھے۔ کچھ سوالات نے میڈم کو پریشان بھی کیا لیکن ظالم خان کا چہرہ بے تاثر اور ساٹ رہا۔ ایک گھنٹے بعد اس نے کچھ ہدایات دے کر رخصت لی۔ میڈم چاہتی تھی کہ میں بھی رات کو وہیں رُک جاؤں مگر میں نے انکار کر دیا۔

اس کی گاڑی گیٹ سے باہر آئی تو ظالم خان نے کہا۔ "بڑھیا، بچی تو خیر ہوئی مگر وہ فراڈ بھی ہے۔ جھوٹ بول رہی ہے۔"

میں بھونچکا۔ وہ سچا۔ "کیا مطلب؟"  
 "میں نے فارسی تو نہیں بولی ساے صاحب۔"  
 "یعنی ڈکیتی کی کوئی واردات نہیں ہوئی؟ وہ ڈراما کر رہی ہے؟"

ظالم خان نے سر ہلایا۔ "واردات ہوئی ہے مگر میڈم اور اس کی بیٹی دونوں کو نہیں لوٹا گیا۔ سارا زور ماں کے پاس تھا جو قیمتی ہو گا۔ سونا آج کل کی تزکیاں کہاں پہنتی ہیں۔ فیشن سے اسٹیشن جیولری کا اور اس قبائلی جیولری کا جو زینب مارکیٹ میں بھری بڑی ہے۔ بڑے بڑے پلاسٹک کے یا پتھر کے رنگ برنگے پیکس... غالباً انہیں اسٹیٹ سنٹ جیولری کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی کڑے اور رنگوں میں۔"

"اس کا اندازہ کیسے ہوا تجھے؟"  
 "ان ڈبوں سے یا ر جو نوشی کے کمرے میں تھے۔ میڈم کے کمرے میں خالی باکس اصلی جیولری کے تھے اور خاص بات یہ کہ ڈاکوؤں نے ان کو جگت میں خالی کر کے ادھر ادھر پھینک دیا تھا۔ کپڑے بھی اسی طرح پھینکے گئے تھے مگر نوشی کے کمرے میں کپڑے بند پر تھے کچھ... اور خالی ڈبے بھی وہیں تھے۔"

"اس سے کیا ثابت ہوا؟"  
 "ثابت یہ ہوا کہ نوشی نے خود اطمینان سے بیٹھ کے کپڑے بھی منتخب کیے، جیولری بھی چھاننی اور پھر چلی گئی۔" میں پھر بھونچکا۔ وہ گیا۔ "یعنی ڈاکو نہیں لے گئے اسے؟"

"نہیں، وہ بعد میں گئی ہے اپنی مرضی سے، کیوں،

کہاں، کس کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے گا۔"

میں اس انکشاف پر دم بخود بیٹھا رہا لیکن اس کی پیشہ ورانہ مہارت پر مبنی رائے کو مفروضہ یا خیال خام قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ آہستہ آہستہ مجھ پر بھی واضح ہو رہا تھا کہ میڈم کسی ڈاکوئی کال کے لیے بے چینی سے منتظر کیوں نہیں تھی۔ وہ معاملے کو پولیس کے پاس کیوں نہیں لے جا رہی تھی۔ اور ظالم خان نے حقیقت سمجھ لی تھی تو یہ انتہائی حد سے اور خص کی بات تھی کہ بڑی بلا نے مجھ سے یا صاحبہ سے بھی کچھ نہیں بولا۔ بے وقوف عورت... آخر اس بات پر کب تک پردہ چڑا رہا تھا کہ اس کی بیٹی بخواتین نہیں ہوئی، بھارت گئی ہے۔ اسے رشتہ نونے کی پریشانی زیادہ تھی۔

ظالم خان مجھے اپنے گھر لے گیا جہاں رات کا کھانا ہم نے دس بجے کھایا۔ اس کا حد سے زیادہ خدمت گزار نیک اور سلیقہ مند اور خوب صورت بیوی نے مجھے روک لیا پھر رات گئے تک ہم باتیں کرتے رہے۔ اب مجھے نوشی کی طرف سے کوئی اتشائش لاحق نہیں تھی۔ اس کی جان محفوظ تھی، یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ اس نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔

رات ایک بجے میں نے دن کے ہاتھوں مجبور ہو کے صاحبہ کو فون کیا۔ اس نے نمینڈ میں ڈوبی آواز میں کہا۔ "جی ہیلو۔"

میں نے سچے میں اصلی اسٹائی شد سے بھی زیادہ متحسب پیدا کر کے کہا۔ "جانم! جانتی ہو اس وقت میں نے فون کیوں کیا؟"

"نہیں اور جانا بھی نہیں چاہتی۔"  
 "ظالم حسینہ! اثر کرے نہ کرے سن تو سے میری فریو۔"

"کیا فریاد، وہی ڈائیاگنوسٹک یولو گے کہ شب فرقت ہے اور اتنے تارے گن چکا ہوں، سچ تک جینا محال ہے۔"  
 "تمہاری قسم یہ نہیں کہوں گا۔ حالانکہ تم سننا چاہتی ہو۔ اس کا تعلق اس چیز سے ہے جو تمہاری میڈم تھی۔" اسے سمجھ نہ سنا ہوتا تو پہلے جواب کے بعد لائن کاٹ کے فون بند کرتی اور سو جاتی۔ مگر یہ ٹوکوں..."

"تھی کیا مطلب، اس کی جان کو خطرہ ہے کوئی؟ کس سے ہے؟"

"خطرہ مجھ سے ہے۔" میں نے سکون سے کہا۔ "اس وقت جو کتاب میں پڑھا رہا ہوں اس کا نام ہے اس کر کے کپڑے نہ جانے کے ایک سو ایک طریقے، یہ تمہاری میڈم کی زندگی کی آخری رات مزر رہی ہے۔ تم چاہو تو اسے جگا

سونا چاندی

حکمت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں صبح بات کرتی ہوں میڈم سے۔“

”نور چشمہ... راحت جان ابھی تم یہ سمجھو کہ بقول ظہیر شاعر... نہ میں نے کچھ کہا نہ تم نے کچھ سنا۔ یہ بڑھیا ہر صورت میں میرے ہی کندھے پر بندوق رکھے گی۔ اس کے فرار کاراز قاش ہو گیا تب بھی مجھ سے ہی کہے گی کہ اب سراغ لگاؤ میری تختہ جگر کا، مجھے کیا پڑی ہے کہ دو بیزار کرنے والوں کی دنیا اجازوں اور وہ بیٹھے ہوں گے کہیں قلب شمالی پر یا ماؤنٹ بوریست پر تو ان کی تلاش میں خود کم ہو جاؤں، ہاں تم ساتھ چوتو...“

دل کی بات زبان پر یوں رو گئی کہ میرا سوا بٹل داغ مفارقت دے گیا۔ میں نے اسے چارج پر لگا یا اور سو گیا۔ ظالم خان جب تھانے دار سے ڈی ایس پی بنا تو کڑوا کر بلا تھیم چڑھا کے مقابلے میں اس کے اختیارات تو بڑھ گئے تھے مگر رعب داب یا دہشت کم ہو گئی تھی۔ پہلے وہ گشت پر نکلتا تھا تو ہر طرف سے تھانے دار صاحب سلام کی صدا آتی تھی جس نے خواب میں بھی چوری یا ڈکیتی کا سوچا ہو وہ دیک جاتا تھا کہ تھانے دار کی نظر تازہ ہے کہ یہ ہے جو جرم کرنے کے ابھی خواب دیکھ رہا ہے۔ اب کئی تھانے دار اس کے ماتحت تھے مگر اسے آفس میں بیٹھنا پڑتا تھا جہاں اس سے بڑے کئی فرعون تھے اور تھانے داروں سے بھی بتا کے رکھتی پڑتی تھی کہ اس کے کام کرتے رہیں۔ وہ میرے جاننے سے پہلے ہی چلا گیا تھا۔ نشتے کے بعد میں بیٹھے لگا تو اس کی بیوی نے کہا۔ ”بھیا! خیر کھڑی ہے لے جاؤ۔“ مگر میں نے ٹیکسی کو ترجیح دی۔

ٹیکسی میں بیٹھ کے فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسپتال کے لیے روانہ نہیں ہوئی۔ صبا عمر میڈم کے ساتھ ڈاکوؤں کی کان کا انتظار کر رہی ہے جو کبھی آتی ہی نہیں تھی۔ ”میری تو ست ماری گئی ہے کس کی مانوں کس کی نہ مانوں۔“ اس نے فون پر کہا۔ ”میڈم کی یا تمہاری۔“

میں نے آہ بھری۔ ”میری پہلے کب مانی ہے تم نے قائل سمجھا عرف خوب صورت بلا... اور نہ آج میرے دو چار بچوں کو کھلا رہی ہو شمس گود میں۔“

عادی ہو جانے کے بعد وہ ایسی باتوں کا ٹونس ہی نہیں لیتی تھی۔ ”رات کو چین کی نیند سو کے اٹھی ہے اور اب میرے سامنے بیٹھی دہل رہی ہے صبح سے کہ ڈاکوؤں نے صبح صبح ایک کروڑ کا ساوان مانگ لیا اور پچاس لاکھ پر اڑ گئے تو کیا ہوگا۔ کہاں جاؤں گی میں بڑھا ہے میں؟“

کے کہہ دو کہ کل وغیرہ پڑھ لے۔“

”کیا فضول بولے جا رہے ہو، ایسی کیا بات ہوگی آخر؟“

”اب جو انکشاف میں اٹھی دھماکے کی طرح کرنے والا ہوں اسے سن کے تم اچھل پڑو گی۔ ایسا نہ ہو بیڈ سے گر جاؤ۔“

”یا میرے خدایا... کچھ بتاؤ تو سہی، ورنہ میں فون بند کرتی ہوں۔“

”بلبل جان، میں بزدل ضرور ہوں۔ دیوانہ بھی ہوں تمہارا... لیکن بے وقوف اور احمق بالکل نہیں ہوں۔ آخر کیا سمجھ کے اس نے اتنا سفید جھوٹ بولا۔ وہ جو اس کی دختر نیک اختر ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ اس نے خودکشی کر کے اسے کہیں گاڑ دیا ہو، مثلاً اسی بیڈ روم کے فرش کے نیچے جہاں اوپر تم خواب باز میں ہو۔“

”تم نے کیا بیا ہے؟ بھنگ، چرس، ہیروئن یا شراب؟“

میں نے اپنی ذہن جاری رکھی۔ ”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لاپٹی عورت نے ذرا کثیر کے خوش اپنی تختہ جگر کو بچ دیا ہو کسی عرب شیخ کے ہاتھوں لاکھوں درہم میں... لیکن وہ انخوا نہیں ہوتی ہے۔ اس نے ڈکیتی کا ڈراما چاہا ہے۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو؟“ وہ پریشان ہوئی۔ ”ہاں، ہو گئے ناچودہ بلکہ چندہ وطن روشن... جب تفتیش ہوگی تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا... اول تو اس کے گھر میں کوئی ڈاکا نہیں پڑا۔ اس کے آنسوؤں پرست جاؤ، ڈاکٹر ہو، دیکھ سکتی ہو کہ رونا لہجہ جس سے وہ آنکھیں صاف کرتی تھی اس میں گیسرین تو نہیں تھی۔“

”یہ ظالم خان نے کہا ہے؟“ وہ بے چینی سے بولی۔ ”اس کا امکان پھر بھی ہے کہ ڈاکو اس کے گھر سے سب لے گئے۔ مگر اس کی بیٹی انہیں پسند نہیں آئی ہوگی۔ وہ نہیں لے گئے۔“

”پھر نوشی کہاں گئی؟“

”یہ ہے تمہارا پہلا دانش مندانہ سوال... ڈاکو اسے نہیں لے گئے اور ماں کے ہاتھوں اس کا خون بھی نہیں ہوا تو پھر وہ بھاگ گئی۔ مطلب یہ کہ دوڑی نہیں، کسی آشنا کے ساتھ نکل گئی۔ ہمت ہوتی تم میں تو تم کب کی میرے ساتھ نکل جاتیں اور ہم بیٹھے ہوتے دنیا دارے اس کٹڑے جتنے بندہ نہ بند سے ذات ہووے۔“

”کسی بزدل کے ساتھ کیسے نکل جاتی مگر نوشی کو ایسی

"یہ تین تین جو ہندی کا کام بھی کرتے تھے۔ بینک سے لون میں لمبی کارروائی ہوتی ہے۔ یہ رہن کے کاغذات سامنے کراتے ہیں اور پچھلے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں۔ شرح سود بے شک بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن اب اوزار سے بڑھ کر کیا ہے۔ آپ کہو تو میں بات کروں کسی سے؟"

"تم زانوؤں سے بات کرو۔ کیا فائدہ تمہارے سے ملتی ہوئے کا اور ان مراعات کا..."

میں نے بات کا رخ ایک دم پلٹ دیا۔ "نوٹی کار مشین یہاں ملے کیا تھا آپ نے اور شاوی کب تک متوقع تھی؟"

"میں نے بتایا تھا نا... اسے کوئی اچھی سی جاب مل جائے۔" اس نے بے چینی سے محزئی دیکھی۔

"میڈم نے بتا دیا ہے مجھے سب۔" صاحبہ نے مجھے آنکھ دھری۔

"دیکھو مجھے تو اسپتال جانا ہے۔ وہاں سارا نظام الٹ پلٹا ہوگا۔ پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔"

صاحبہ نے کہا۔ "میرا تو ڈسے آف ہے۔ پھر بھی مجھے ہوسٹل جا کے پڑے تو بدلنے ہوں گے۔"

"میں نوٹی کار ایک نظر پھر دیکھ سکتی ہوں، صاحبہ کے ساتھ۔"

"دیکھو، دیکھو۔" میڈم نے کہا۔ "میں چھٹی ہوں۔ گاڑی دوبارہ آجائے گی تمہارے لیے، دن میں قدرتی ہوتی ہے۔"

ظالم خان کی برعکس کے بعد میری نظر کا جیسے لینز بدل گیا تھا۔ میں نے پھر الماری کا معائنہ کیا تو اس کی باتوں میں چھپی ہوئی سچائی یوں سامنے آئے گی جیسے ہو کے اصلی جو برسوں کو شاوی کے بعد نظر آنے لگتے ہیں۔ بلاشبہ ترتیب سے لنگے ہوئے کپڑوں میں ترتیب پائی تھی۔ درمیان میں مجھے بہت سے خالی ٹیکر نظر آئے۔ میں نے الماری کے پیچھے والی درازیں کھولیں۔

صاحبہ مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ "کیا تلاش کر رہے ہو جاسوس اعظم؟"

میں نے کہا۔ "ایک ایسی ہی لڑکی بن کے دیکھو جیسی اس وقت تم نظر آ رہی ہو۔"

"کیا دیکھوں؟"

"انہو یا مجھے نہیں، اس وارڈ روپ میں کہ یہ نہیں ہے۔ یہ جو کپڑے موجود ہیں، کتنے پرانے ہیں۔ زیورات کے جوڑے موجود ہیں، کیا وہ پیش قیمت ہیں؟ جوتے کیسے ہیں؟"

"اس سے بہتر یہ کہی اولد ہوم ہے انہی اٹال شہر نموشان میں قیام فرمانے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"میں سارا ان ریہاں بیٹھ کے جھک نہیں مار سکتی۔ کتنی دیر میں ترے ہوتے؟"

"جانم میں؟ آپ کا سمجھو۔" میں نے تپکسی سے اتر کے کہا اور سیدھا اندر چلا گیا۔

صاحبہ کا چہرہ مجھے دیکھ کر کھل اٹھا۔ ایسا پہلے بھی ہوا تھا تو مجھے یاد نہ تھا۔ خود شو نے اسے دیکھا تو میری نظریں اس کے نظارہ حسن میں مہو ہوئیں۔ وہ ایک نئے روپ میں جلوہ گر تھی جو میرے سے اب تک فقط آرزو کی بات تھی۔ وہ خوش لباس اور خوش ذوق تھی۔ انداز حسن میں رنگوں کا جادو بھی جگمگائی تھی لیکن اس کے مزاج میں متانت تھی۔ وہ فیشن سے چکا چوند پیدا کرنے کی قائل نہ تھی اور میری فرمائش کے باوجود فشن یا نین ایجرز کے انداز کو پھچھور پن سے تعبیر کرتی تھی۔ حالانکہ اپنی جسمانی ساخت اور چہرے کے نقوش سے وہ اکثر سے زیادہ کاغذ کر لی لگتی تھی۔

اس وقت وہ ایسے ہی ڈرس میں تھی جس میں رنگ ہی نہیں تریش فراش کا وہ جوہ تھا کہ لگتا تھا وہ ریپ پر کسی ماڈل کی طرح کیٹ واک کے لیے تیار ہے۔ اس بے جا جوہ حسن نے جیسے میرے فزین مش دہوش کو خاکستر کر دیا۔ صاحبہ میرے سمورنے سے لال ہو گئی۔ "یہ... نوٹی کار کے کپڑے مجھے میڈم نے پہنا دیے۔ میرے لیے ہو رہے تھے۔ کل دن میں پہنے اور پھر رات کو مین کر سوتی۔"

"میڈم نے ایک سوئی کی طرف اشارہ کیا۔ "نوٹی کی وارڈ روپ دیکھی تھی تم نے... ہر مینے پرانے ترارہ سے روڈ چنر نکال دیتی تھی۔ خواہ دو پار پہنے ہوں۔"

میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "صاحبہ کے اندر ایک دلکش متانت ہے۔ ایک جملہ بیاں ذوقی حسن۔"

صاحبہ نے سون کا سانس لیا اور شکرگزاری کے ساتھ مجھے دیکھا۔ "وقت گزر رہا جا رہا ہے اور ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔"

"اور ہم کبھی نہیں سنا سکتے ہیں۔ رپورٹ نکھوانے کا کوئی فائدہ نہیں اور نکھوانی ہوگی تو ظالم خان ہے۔ آپ پچاس لاکھ تیار رکھیں، کال کسی بھی وقت آ سکتی ہے۔"

میں نے میڈم کے تاثرات دیکھے۔ وہ واقعی غم زدہ اور پریشان تھی۔ "پچاس لاکھ... کون دے گا مجھے؟"

میں نے اسے مزید ہراساں کیا۔ "نورا تو یہ سو دنوں

# خدارا۔ خدارا۔ خدارا۔ حضرات لے اولاد مایوسی اختیار نہ کریں

کیونکہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا تو سخت گناہ ہے۔ آج بھی ہزاروں گھرانے اولاد کی نعمت سے محروم سخت پریشان ہیں۔ ہم نے دیکھی ہے یونانی قدرتی جزی بوٹیوں سے ایک خاص قسم کا بے اولادی کورس تیار کر لیا ہے۔ خدا کی رحمت سے آپکے گھر بھی چاند سا خوبصورت بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔ خواتین کے پوشیدہ مسائل ہوں یا مردانہ کمزوری یا مردوں میں جرائم کا مسئلہ ہو۔ آپ پریشان ہونے کی بجائے آج ہی فون پر اپنی تمام علامات سے آگاہ کر کے بے اولادی کورس منگوا لیں۔ خدا کے لئے ایک بار ہمارا بے اولادی کورس آزما کر تو دیکھ لیں۔ خدا کی رحمت سے آپ کے آنگن میں بھی خوشیوں کے پھول کھل سکتے ہیں۔

**المسلم دار الحکمت (رجسٹرڈ)**  
(دیکھی طبی یونانی دواخانہ)  
ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان  
**0300-6526061**  
**0301-6690383**

10 بجے رات 8 بجے تک

”پڑے زیادہ پرانے نہیں مگر تپتی نہیں۔ یہ لان کے پرنس برانڈ نظر آتے ہیں۔ فرسٹ کاپی ہیں اور یہ سینڈ کاپی۔“ اس نے ہینڈ میں لکے کپڑوں کو آگے پیچھے ہٹا کے کہا۔

”ذرا آسان اردو میں سمجھاؤ۔“  
”دیکھو آج کل ہریزن میں نئے ڈیزائن کی لان آتی ہے۔ گل احمد بنٹا جیسے لڑکے پرنٹ میچے ہوتے ہیں۔ کوہلی کی وجہ سے تمہارا نام بھی چھپتے ہیں ہر سال کریکٹ سے پیسے ہی پینشنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور پینٹل بہت میچے ہوتے ہیں تو چھوٹے لڑکے دوسرے درجے کے کپڑے پر وہی پرنٹ لے آتے ہیں۔ اصل میں ہاتھ کا کام ہوتا ہے تو کاپی میں مشین کا... یہ نہیں سستے ہوتے ہیں پھر بالکل نفلوں کپڑے پر وہی ڈیزائن مشین پرنٹ میں آجاتے ہیں۔ یہ سینڈ کاپی کہلاتے ہیں۔ اور غریب لڑکیاں بھی اپنا شوق پورا کر لیتی ہیں۔ پاکستان میں کاپی رائٹ کی خلاف ورزی تو سکتی توڑنے کی طرح ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا۔“ اس نے سٹاک لہجے میں کہا۔ ”یہ جو میں نے تمہیں دکھا ہے یہ فرسٹ کاپی ہے۔“

”نوٹی غریب لڑکی تو نہیں تھی۔“  
”سبوں ماں پیسے خرچ نہیں کرنے دیتی ہو گی۔“  
میں نے غور فرما کے کہا۔ ”ہوں، جوتے اور ہینڈ بیگ۔“

”سب برانڈ دیکھتے ہیں... مگر کاپی ہیں۔“ اس نے کسی ماہر کی طرح فرمایا۔  
”اوکے، اب زیورات کو دیکھو اور پھر کامیج کو۔“

میں نے کہا۔  
”جیوری تو سب امینیشن ہے۔ غیر امینیشن کا فیشن ہے لیکن اسپورٹ بھی کم منگی نہیں۔ یہ سب میڈر ان ڈلوکیت ہے اسی سے ڈاکو نے کر نہیں گئے۔“  
”وہ چھوڑ گئی۔“ میں نے صحیح کی۔ ”ضرورت کی تھوڑی بہت چیزیں نے تھی۔“

”تم اتنے تھین سے ساتھ کہہ رہے ہو؟“  
”دیکھو، اس نے ایک بیگ، کیا، سفیری بیگ اور نکل گئی۔ ضرور کوئی آپ ہو گا اسے لے جانے کے لیے، ڈاکو بعد میں آئے۔ ماں کو تھین ہے کہ اس کا کوئی نوٹو ہیر ڈاکو نے مجھے مستند ہے اس کا فرمایا ہوا۔“  
”مستند ہے کس کا فرمایا ہوا؟“



”ظالم خان دی گریٹ کا اور کس کا۔ اس کی نظر نے جو دیکھا تمہاری نظر نے تصدیق کر دی۔ ابھی یہاں ہزار کام ختم۔“

”تم میڈم سے بات کیوں نہیں کر لیتے کہ تمہیں کیا شک ہے۔“ وہ میرے ساتھ باہر آئی اور اس نے میرے کمرے کے گرد ہاتھ ڈالنے پر بھی احتجاجی مظاہرہ نہیں کیا۔ ”دیکھو وہ اس سفید جھوٹ پر کیا پردہ ڈالتی ہے۔“

”بلبل بغداد، ذرا میں تصدیق کروں۔ گاڑی آجائے پھر ہم چلتے ہیں۔“

وہ کسمسا کے مجھ سے الگ ہو گئی۔ ”خادمہ بھی ہے گھر میں۔“

”پھر کیا ہوا۔ اسے اپنی جوانی یاد آ جائے گی جب کوئی اس طرح...“ میں نے غیر متوقع حمد کیا اور جملہ نامکلم چھوڑ کے اسے چوم لیا۔ خلاف توقع اس نے برہمی نہیں دکھائی۔ شاید اس نئے فیشن کے گیٹ اپ میں اپنی دکھائی کا مجھ پر اثر دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ قصور وار میں نہیں اس کا انداز حسن ہے۔ اس کا چہرہ لال ہوا اور زبردست سکر کے اس نے کہا۔ ”بدگینہ۔“ اور بیگ سے کٹ نکال کے یوں کی لانی کو ٹھیک کرنے لگی۔

باہر سے کار کے ہارن کی آواز آئی۔ میں نے کہا۔ ”میری ایک بات مانو گی؟“

اس نے سوالیہ نظر اٹھائی۔ ”کیا؟“

”آج تمہارا ڈے آف ہے۔ مجھے تو بقول غالب، عشق نے ہم کو نکھا کر دیا۔ آج آوارہ گردی کرتے ہیں۔“

”کہاں آوارہ گردی کرتے ہیں؟“

”بس تم اسی ادائے حسن کے ساتھ میرے ساتھ رہو۔ آج سارا دن تمہارے سوا میں کسی توند دیکھوں۔ کسی کے ہارے میں نہ سوچوں۔ گاڑی بھی ہے ہمارے پاس۔ فرصت بھی ہے۔ ریم دنیا بھی ہے موقع بھی دستور بھی ہے۔“

اس نے ایک ادائے ناز سے سر پر ہاتھ رکھا۔ ”یا میرے خدا! کیسے جھلی سے پالا پڑا ہے۔ گاڑی میں ایک ڈرائیور بھی ہوگا اور تم جذبات سے بے قابو ہو رہے ہو۔“

”ڈرائیور کو کبھی لوکار کا ایک پرزہ ہے جس سے گاڑی چلتی ہے۔ ویسے میں وعدہ کرتا ہوں، بدگینہ کوئی نہیں ہو گی۔ سمندر پر چلتے ہیں۔ کچھ دیر گھومیں گے۔ پھر کھانا کھا لیں گے۔ پھر وہیں ”سائن پیکس“ میں کوئی فلم دیکھنے بیٹھ جائیں گے مگر فلم نہیں دیکھیں گے۔ بس اندھیرے میں ساتھ ساتھ بیٹھے رہیں گے۔ ہاتھ میں ہاتھ دے۔ آج شیٹ

ایجز کی طرح نبی ہو کریں گے، ٹھیک ہے؟“

وہ کچھ دیر میری آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر مسکرائی اور آہستہ سے اقرار میں سر ہلا دیا۔ وہ شاید میری زندگی کا خوب صورت ترین دن تھا۔ ہم نے اپنے موہاگل بند کر دیے تھے اور دنیا کو بھٹا دیا تھا یا ہم سمندر پر قدموں کو چومتی لہروں میں مسائل کی ریت پر چل رہے تھے جو نے ہمارے ہاتھوں میں تھے اور تیز ہوا میں اس کے کپڑے اور بال اڑ رہے تھے۔ ہم نہیں دیکھ رہے تھے کہ دیکھنے والے ہمیں کیسے دیکھ رہے ہیں۔

”میڈم کسے کی کہاں بھاگ گئے گاڑی لے کر... فون بھی بند ہے نوشی کی ذرا گھر نہیں۔“ صائمہ بولی۔

”بھاڑ میں جائے نوشی، جب اس کی ماں کو پیسے کی زیادہ فکر ہے تو ہمیں کیوں ہو۔“ میں نے کہا۔ ”ویسے یہ لڑکی ہے کبھی؟“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تم سے زیادہ خوب صورت تو خیر نہیں ہو سکتی مگر صورت جیسی ہے اور چہرہ کیسے ہیں؟“

”وہ ہنسی۔“ صورت اچھی ہے۔ چہرہ کیسے ہیں یہ مجھے نہیں معلوم، کیوں؟“

میں نے کہا۔ ”چاہنے والوں اور جان دینے والوں کا تعلق انہی دو خوبیوں سے ہوتا ہے، کتنے ہیں اور کیسے ہیں، بہت ہوں تو ایب عقل کا اندھا ایسا نکل ہی آتا ہے جو سارے خطرات مول لے کر نکال لے جائے، جان کی بازی نکادے۔“

”آخر اسے ڈیکھتی کی کہانی سنانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تم سے کتنی کر نوشی کا چہ چلاؤ اور اسے سمجھاؤ۔“

”ڈیکھتی کی واردات ہوئی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے چہرے کے مطابق نوشی کو ڈاکو لے گئے ہوں۔ ورنہ وہ میرے تمہارے پاس کیوں آتی۔ لڑکی نے سچویشن کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا تا کہ اسے تھوڑی سی مہلت مل جائے۔ یہ شام تک پتا چل جائے گا۔“

”کیا پتا چل جائے گا؟“

”یہی کہ سٹیٹر کون ہے اور جینوں کون... مگر یہ ہم ان کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟“

”مجھے تھوڑا سا احساس جرم ہو رہا ہے۔ میڈم پریشان ہو گی۔“

”یہ سزا ہے میڈم کی۔ چلو سنی شوکا، تم ہو گیا۔“

سینما کے اندھیرے میں وہ میرے کندھے پر سر

کے لیے۔  
یہ کام پونیس میں - مفید بھیڑ تلاش کرنے سے زیادہ  
مشکل تھا مگر اللہ مہربان تھا۔ کباڑی بازار اور انڈسٹریل  
ایریا کے سنگھ پر مجھے ایک خضر راہن گیا۔ وہ ایک چائے کے  
کھوکھے والا تھا جس کی مارخاسی دور تک تھی۔ چھوٹی چھوٹی  
بھیر پرچ کی بیلیوں کا ایک شیر تعداد اس کا بیوت تھی۔  
تقریباً پچاس کے قریب اس کے کھوکھے میں معلق تھیں۔ اتنی  
سی کادو بالٹیوں کے پانی میں غسل دیا جا رہا تھا۔ بالٹی کا پانی  
اس حد تک چائے کے رنگ کے ہو چکا تھا کہ اب وہ گرم کر  
کے اور چینی گھول کے پلاٹا تو پینے والا چائے کا حظ اٹھاتے۔  
خانہ اس سے وگنی تعداد میں گرد و نوح کے کاروباری علاقے  
میں گردش پزیر تھے۔

چائے کے کھوکھے پر جو شخص ایک وقت اٹکتا چائے  
میں مسلسل دودھ، چینی، ہٹی ڈالنے، چمچہ چلانے، گاڑے  
میٹھے لذیذ مشروب سے نظار میں رنگی چھوٹی بڑی ہر سینک  
بھرنے اور کپ رکھ کے فرے سمیت اپنے ٹریولنگ سیکڑ میں  
کوئی ست روانہ کرنے اور واپس آنے والوں سے رقم کی  
دھولی کے ساتھ سب کو سب ضرورت درمیانے درجے کی  
گامیاں دینے میں مصروف تھا، وہ یقیناً بجلی سے چلتا تھا کیونکہ  
اس کے کھوکھے پر "الیکٹریک ٹی پائوس" پر پرائمر بھادو خان  
بجلی "لکھا تھا۔ اس نے چائے کی بیلی میرے سامنے رکھ  
دی۔

چائے پیتے ہوئے میں نے موقع پا کے کہا۔  
"بھادو... میں بزدل ہوں۔"  
اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "او یار! ہم بھی  
تو م کا بھادو ہے... اندر سے ایک دم... ہے۔"  
میں نے کہا۔ "یار یہ نام ہے میرا تم سے ایک پتا  
پوچھتا تھا اگر فرصت ہو تو۔"  
"بولو بولو، اپنا کان فری ہے۔" اس نے کوئی حرکت  
رو کے بغیر کہا۔

زبان تو فری نہیں ہے۔ میں کہتے کہتے رکت گیا۔  
"راجا شرافت علی انڈ تھیں..."  
میری بات عمل ہونے سے پہلے اس نے راجا  
شرافت نام کے چار حوالے بتائے۔ سب سے قریب کا  
اشارہ اندر کی جانب تھا چنانچہ چائے جیسے گرم شربت  
کے پے ادا کر کے اس مسز شاہ کباڑی ہارکینت کی ایک گلی  
میں گھس گیا اور چھوٹے پھلنے کے بعد پہلے راجا شرافت علی کو  
ور یافت کر لیا۔ وہ لیڈیا کے کرتے شلوار میں ایک قابل فر

رہنے بیٹھی رہی۔ ہم پاپ کارن کے چوکور کارن میں سے  
ایک دوسرے کو کھلاتے رہے۔ یہ انتہائی ٹین انج روماس  
کی حرکت اسے بھی اچھی لگی۔ میں تو خیر بادلوں میں پرواز  
کری رہا تھا۔ اتر رہا ہوا تو میں باہر سے دو کوک لے آیا۔  
فم دوبارہ شروع ہوئی تو اس نے اچانک کہا۔ "آخر ایسے  
کب تک چلے گا؟"

"اس کا جواب تم ہی دے سکتی ہو، پتھر دل حسینہ۔"  
وہ چپ رہی۔ "دو کردوں کا ایک کلیٹ لیتا تمہارے  
سے ناممکن نہیں تھا۔"

"جیسے کرائے کے کلیٹ میں رہنا تمہارے لیے  
ناممکن نہیں تھا۔"  
"تمہارے پٹھن خراب ہیں اور تمہارے وہ لٹیرے  
یار..."

"انہیں بھی ٹھیک کرنا تمہارے ہاتھ میں ہے مگر تم ضد  
پر اڑی ہوئی ہو۔" میں نے کہا۔  
فلم ختم ہونے سے پہلے ہی ایک رومینک دن تمام ہو  
گیا۔ ہم گاڑی میں بیٹھے تو صاعمر نے کہا۔ "ڈرامیور اسپتال  
چلو۔"

میں نے کہا۔ "مجھے ایف ٹی پی پر اتار دینا۔"  
خواب جیسا ایک دن یوں ختم ہوا کہ گاڑی سے  
اترے وقت میں نے صاعمر کی طرف نہیں دیکھا اور اس نے  
مجھے خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ میں نے ایک ٹیکسی روک کے کہا۔  
"شیر شاہ چلو۔"

یہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ نوشی کے ہونے والے شوہر کا  
باپ بزنس میں ہے بزنس کی نوعیت کا مجھے علم نہیں تھا۔ شیر شاہ  
کے حوالے سے میرے ذہن میں ایک ہی بزنس آتا تھا۔  
گاڑیوں کے پرانے پارٹس کا بزنس۔ میڈم نے کہا تھا کہ وہ  
لوٹ خاصے خوش حال ہیں۔ نوشی کے ہونے والے سرری  
شیر شاہ میں ٹیکسری بھی ہو سکتی تھی۔ یہ انڈسٹریل ایریا سے ما  
ہوا علاقہ تھا۔ مگر خوش حال تو وہ کباڑی بھی بہت ہوتے ہیں  
جو شیر شاہ کی تنگ جلی ذیل کی اور کچھ سے بھری گلیوں میں  
کروروں کا بزنس کرتے ہیں اور ٹوٹی چھوٹی گاڑیوں،  
پرزوں کے ڈھیر، ناممکن اجنوں اور ٹائروں کے درمیان خود  
بھی کباڑ ہو جاتے ہیں لیکن ایک اسپتال کی ایم ایس کسی  
کباڑی کھلانے والے سے اپنی تخم یافتہ بیٹی کا رشتہ کیوں  
کرنے لگی خواہ وہ کروڑ پتی ہو۔ اس کا ایک سوٹل انٹینس  
ہے اور اسے رشتوں کی کیا گنی ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر، انجینئر،  
فوجی افسر، سول مردوش سب ملتے ہیں اکلوتی دولت مند بڑی

”وہ کچھ نہیں کرے گا۔ میری مجبوری سے قائدہ اٹھاتا رہے گا۔ اگلی اولاد ہے نا، بلیک منڈرین کے عیش کر رہا ہے۔ میں کمار ہوں، وہ آزار دہا ہے۔ ذرا عی رچتا ہے کہ ستر آتی سال جینے بھی نہیں دے گا۔ ٹھکانے لگائے پہلے مجھے... پھر بزنس کو...“

”بڑا افسوس ہوا یہ سن کر... برائے نامیں تو ایک بات پوچھوں... یہ نوشابہ کی ماں کیسے مان گئی تھی کہ رشتے پر؟“ اس نے ہانک لگائی۔ ”اوائے چھوٹے... دو چائے لافافت... اب کیا بتاؤں ڈرپوک صاحب۔“

”وہی... باہر کہیں دیکھا اور مجھوں بن گیا۔ ماں کے سر ہو گیا۔ یہ مانتا جو ہے نا، کمزوری کا دوسرا نام ہے۔ میں نے تو کہا کہ نطفہ حرام کیوں اپنے ساتھ کی اور کی زندگی برباد کرتا ہے۔ اس نے ماں کے سامنے ڈراما کیا زہر کھانے کا... لب پڑ گیا اور لمبی لمبی سانس لینے لگا۔ کیا کرتا چلا گیا ہاتھ مارتے۔ مجھے بچا نہیں تھا کہ بے عزت ہو کے نکالے جائیں گے۔ لوجی آگے لگتی سیر کو سوا سیر... میرے بیٹے سے بھی بڑی بلیک منڈر۔ کہنے لگی کہ تمہارا بیٹا نکلا، کیا کھلانے گا میری بیٹی تو کیا پہنائے گا، کہاں رکھے گا۔ اس کی شناخت دو۔ بس جی لمبی بات کیا۔ اس نے کہا کہ حق مہر دس لاکھ شادی کے فوراً بعد دینا شریعت ہے۔ اس کے اکاؤنٹ میں جمع کر دو۔ لوجی یہ کہاں کی شریعت ہے کہ نکاح سے پہلے دے دو۔ بے شک ایک گھر دینے کا حکم ہے شادی کے بعد اس نے کہا کہ کوئی کردہ بیٹی کے نام۔ ذقیق میں رہی ہے میری بیٹی، گلشن میں چار سو گز پر سودا ہو گیا۔ میں تو ہو گیا کنگال۔“

”پھر شادی کب ہو رہی ہے؟“

”پہلے سفر کے بعد تھی۔ اب محرم کے بعد ہوگی۔ مگر آپ نے بتایا نہیں کہ نوشابہ اور اس کی ماں سے آپ کا کیا تعلق ہے؟“

”میں نوشابہ کا چاچا خواجوا ہوں۔ میرا مطلب ہے دور کا۔ بہت دور امریکا میں تھا۔ اب یہاں اسی کپٹی کانپیر ہوں۔ نوکری تھی چالیس ہزار کی۔ پچاس دے دیتا اگر لڑکا کسی قابل ہوتا۔“ میں اٹھ کھڑا ہوں۔ ”ویسے وہ ہے کہاں؟“

”مج میں آیا تو پڑا... سنڈر ہا تھا دس بیٹے... اب ہو گا اپنی چندال چو کڑی کے ساتھ نکلیں۔“

بالکل یہی لفظ صائمہ میرے یارانِ غار کے لیے استعمال کرتی تھی۔ اس سے اچانک میرے دل میں اس کی یاد کا درد اٹھا اور مجھے کچھ دیر پہلے کا اس کا دمگی چہرہ یاد آیا۔

توند کا مالک ادھیڑ عمر کا شخص تھا جس کے سر کے اوپر والے سارے سفید ہاں اس کی ٹھوڑی کے نیچے نکل آئے تھے ٹرک کے کابلی انجنوں کے درمیان وہ خود بھی ڈیزل کے رنگ کا ہو گیا تھا اور ایک قسم ہو جانے والا انجن لگتا تھا۔ میری اصل آزمائش اب شروع ہوئی۔

”راجا صاحب، مجھے میڈم نے بھیجا ہے۔ وہ جو اسپتال میں ایم ایس ہیں۔“

اس کی صورت کے تاثرات سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ حیرت نے پر بیٹھا ہے۔ ”اچھا اچھا بیٹھو۔“ اس نے کسی فرک کی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ”کون سا انجن چاہیے؟“ میں نے کہا۔ ”انہی کی بیٹی نوشابہ آپ کی بہو بنے گی نا... ماشاء اللہ بہت بڑا بزنس ہے آپ کا۔“

وہ داڑھی پر ہاتھ پھیر کر مسکرایا۔ ”اللہ کا فضل ہے... کڑی عیش کرے گی۔“

میں نے کہا۔ ”اس میں کیا شک ہے۔ لاکھوں کی آمدنی ہوگی تو عیش کیوں نہیں کرے گی۔ آپ کا بیٹا نظر نہیں آ رہا ہے۔“

”اب اس کی آنکھوں میں شک نمودار ہوا۔ آپ کون ہو؟“

میں نے کہا۔ ”میں بزدل ہوں۔“

”اوجی نام پوچھا تھا میں نے۔ میں نے کون سا باڈی گارڈ رکھتا ہے آپ کو۔“

میں نے کہا۔ ”نام ہی بتایا تھا میں نے۔ دراصل مجھے میڈم نے کہا تھا کہ آپ کے بیٹے کے لیے کسی اچھی سی ملازمت کا بندوبست کروں۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے ملازمت کی کیا ضرورت ہے۔ پڑھا کتنا ہے اس نے؟“

ایک دم وہ دمگی باپ بن گیا۔ ”سوڈ کا بچہ... پڑھ ہی لیتا کم سے کم... جو تے مار مار کے دس جماعت کرایا۔ گالیاں دے دے کے بی بی اے تک کالج بھیجا۔ پڑ گیا شوکتی میں... کہتا ہے انٹرنیٹ کروں گا۔ ابے یا گل کی اولاد، تھر ڈو وین تو انٹرنیٹ کا امتحان بھی نہیں دے سکتا یہاں اس کے ہاتھ کالے ہوتے ہیں۔ کپڑے خراب ہوتے ہیں۔ پتا ہے مجھے یاروں میں کہتا ہوگا کہ بزنس تو ملازم چلا رہے ہیں ہم اپورٹ انکمپورٹ کرتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”نوکری تو یہی بنتی ہے تمیں چالیس کی۔ میں نے بات کی تھی۔ سوچا اس سے مل لوں مگر وہ کرے گا نہیں۔“

فیصلہ کر لیا۔  
 ”یار کیوں ایکشن لے رہے ہیں... مدی ست واہ  
 چست۔ خود اس نے رپورٹ تک نہیں لکھوائی اور قانون کی  
 نظر میں اگر ایک بالغ لڑکی اپنی مرضی سے گھر چھوڑتی ہے  
 اور کسی بالغ مرد سے شادی کرتی ہے تو یہ کوئی جرم ہے نہ  
 گناہ۔“

”ظالم خان، ذمہ داری تو جرم ہے۔“  
 ”میڈم رپورٹ لکھوائے پھر ہم کریں گے تفتیش۔“  
 میں نے کہا۔ ”تفتیش میں نے کی ہے آج... لیکن یہ  
 بریائی کی خوشبو کہاں سے آرہی ہے یا قاتلے میں میرا دماغ  
 خراب ہو رہا ہے؟“ آف۔ اب نہاری کی خوشبو۔  
 ”اسٹاف کے ایک ممبر نے صاحب اولاد ہونے کی  
 خوشی میں دعوت کا اہتمام کیا ہے۔“

”بہن بلائے مہمان آجاتے ہیں ہر جگہ...“  
 ایک سب انسپکٹر نے اجازت لے کے اندر آ کے کہا۔  
 ”سر! آپ وہیں شریک ہوں گے یا...“  
 ظالم خان نے کہا۔ ”میرا خیال ہے یہیں بیچ دو...  
 مہمان بیٹھے ہیں۔“

حسب توقع ہم دونوں کا کھانا بڑے پُر تکلف انداز  
 میں میز پر سجایا گیا۔ کھانے کے دوران میں، میں نے دن  
 بھر کی کہانی رو میٹک مناظر سن کر کے سٹائی۔ ”مجھے شک تھا  
 کہ وہی کباز کی کالونڈر تو یہ کوئی نور ہے...“  
 ”میں نے سٹکویا ہے اسے... آتا ہی ہو گا۔“ اس  
 نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

”کیا تمہیں اس پر بھی شک ہے؟“  
 ”شک تو مجھے تم پر بھی ہو سکتا ہے۔ ڈپریشن اور  
 فرسٹیشن میں بندہ کچھ بھی کر سکتا ہے صاعکہ کو مزادینے کے  
 لیے... مگر ابھی میں اس پر کام نہیں کر رہا... ورنہ احترام تو  
 کرایا جا سکتا ہے تم سے بھی۔“

”بڑی مہربانی ہے آپ کی... اور سٹکوک افراد میں  
 کون کون ہے؟“  
 ”وہ ۱۱۔“ یہ جو ابھی لایا جا رہا ہے سرفہرست ہے۔  
 دیکھنا کہ وہ کس تماش کا نوجوان ہے۔“

”مگر اس کو اغوا کرنے کی کیا ضرورت جب اسے  
 شرعی طریقے پر یہ لڑکی مل رہی ہے۔“  
 ”ممکن ہے اسے شک ہو کہ لڑکی راضی نہیں اور ٹال  
 رہی ہے۔ ابھی نکاح تو ہوا نہیں، کیا پتا کسی کے ساتھ نکل  
 جائے۔ کیا پتا لڑکی نے کہا دیا ہو کہ یہ منہ اور مسوڑ کی

میں ایک احمق یا گل عاشق... سارے دن کی خوشی مل بھر  
 میں غارت کر دی۔ اب کتنا مشکل ہو گا اسے مٹانا۔ مطلب  
 کی بات وہ تھی جو آخر میں پتا چلی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور نوشی  
 کے سر سے ہاتھ ملا کے کباز کی بازو سے نکل آیا۔ میرے  
 خیال کی تصدیق ہو گئی تھی۔ لاپٹی ماں نے بیٹی کے مستقبل کا  
 سودا کیا تھا۔ وہ تو میرے ساتھ بھی فرار ہو جاتی۔

میں سڑک پر آیا ہی تھا کہ میرا موبائل فون فریاد  
 کرنے لگا۔ ”جگر جھٹی ہے دل بھرا رہا ہے۔“

میرا دل خوشی سے دھڑکا۔ صائمہ نے خود مجھے کال کیا  
 تھا۔ کیا وہ بھی اپنے رویے پر شرمسار تھی؟ ”ہیلو جانم۔“  
 اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ”مسٹر سراج رساں!  
 تم اور تمہارا وہ پولیس چیف دونوں یہاں آ کے تاک دو۔“  
 ”بندے کی تاک تو خیر ہے ہی اسوسٹاک...“

مگر...  
 اس نے میری بات کاٹ دی۔ ”ابھی ابھی ڈاکوؤں  
 نے کال کی ہے۔ ایک کروڑ تادان مانگا ہے۔ چوبیس گھنٹے  
 دیے ہیں۔“

میرے دماغ کا لیڈر اُڑ گیا لیکن میرے کچھ پوچھنے  
 سے پہلے ہی صائمہ نے فون بند کر دیا۔  
 ☆☆☆

ظالم خان نے چھری میز پر بھائی۔ ”بھوت... یہ  
 بھی بھوت۔“  
 ”کیا مطلب؟ کوئی کال ہی نہیں آئی۔“ میں نے  
 جربز ہو کے کہا۔

”آئی ہو گی۔ کال کا کیا ہے؟ میں بھی کر سکتا ہوں  
 میڈم کو اور ان کو خاک پتا نہیں طے گا کہ میں کون ہوں۔“  
 ”تفتیش کیے بغیر ایک پولیس افسر ایسا کہے تو وہ حرام  
 خوردی پر کمر بستہ کھلائے گا۔“ میں نے کہا۔

”یہ میں نے کب کہا کہ تفتیش نہیں کروں گا لیکن میں  
 اپنی بات پر قائم ہوں کہ لڑکی کو ڈاکو نہیں لے گئے دیسے تو  
 نوشی کو بھگالے جانا بھی میڈم کی عزت پر ڈاکا ہے لیکن نوشی  
 نے جہاد کیا ماں کے جبر کے خلاف... قانون اس کی  
 اجازت دیتا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ بھی تو مفروضہ ہے آپ کا سر۔“  
 ”پولیس مفروضات پر ہی کام کرتی ہے اور اپنے  
 تجربے کی بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ عظمیٰ کا امکان ہے تو  
 بہت کم۔“

”یعنی پولیس اب کوئی ایکشن نہیں لے گی، آپ نے

وہ... پیچھے سے لنگ جاؤں گی یا بھاگ جاؤں گی کسی کے ساتھ مگر تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی لاپٹا باپ کے لئے بچے... یا خود اسے شک ہو گیا ہو کہ لڑکی کا کوئی سچا جانناز عاشق اسے نہ لے جائے۔"

"اس نے اٹھوایا ہونے والی زوجہ کو اور اپنی ساس کو بھی لوٹ نیا۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"میاں بزدل، دنیا میں ناممکن چھ نہیں۔ اس نامزد شوہر کی صحبت بھی ایسی ہی ہوگی کہ یہ پان بنانا اس کے لیے ناممکن نہیں۔ اب وہ کہہ سکتا ہے کہ آج ایک قاضی اور دو گواہ لے کر نکاح پڑھوا کے لڑکی لے جاؤ، ورنہ اب تک نکاح کی شب عروسی کی سحر بھی ہو چکی ہوگی۔ یہ ایک ایک سروز کے تاون کا ڈراما سب کو گمراہ کرنے کے لیے ہے۔ وقت لینے کا طریقہ ہے اور ساس سے لوٹی ہوئی رقم واپس لینے کا طریقہ بھی۔"

میں نے سر ہلایا۔ "ایک دوسرا مفروضہ۔"

"ایسا ہوتا ہے، تم نے اخبار میں دیکھا ہوگا۔ اولاد خود مارا باپ کی دولت ہتھیالیتی ہے۔ اپنے انخوا اور تادان کا ڈراما بھی ہوتا ہے۔ کبھی باپ مرنے کا نام نہ بیٹا ہو۔ وارث کیا برطانوی ولی عہد کی طرح خود بوزھا پھوس ہو جائے۔ ملکہ عالیہ سوسال کی حد پار کر گئیں مگر تین ہی سرحد پر۔"

میں نے کہا۔ "یعنی میں نے خود انخوا کا ڈراما رچایا ہو؟"

اس نے سر ہلایا۔

"اور یہ تو ناصر شوہر ہے جو سے خرید چکا ہے؟"

"وہ کیا مسئلہ ہے... ہاں کو کہہ دے گا کہ سودا منسوخ کر دو۔ رقم واپس، میں شادی کر چکی ہوں۔ اس کبازئی کی اولاد سے تم نے زبردستی رشتہ طے کیا تھا۔"

"اب یہ مشتہ طرز نمبر دو، مفلس عاشق کون ہے؟"

"اس کا پتا تم اپنی نہ ہونے والی بیوی کے ساتھ مل کر چلاؤ، میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

ایک کاسٹیکل برتن اٹھا کے لے گیا اور پھر امار کے میز کا شیش چمکا گیا۔ پھر نوشی کا نامزد شوہر پیش کیا گیا جو باہر روک لیا گیا تھا کہ صاحب، حضرت اول فرما رہے ہیں۔ وہ چکیں تیس سال کا باڈی بندر تاپ نوجوان تھا۔ بغیر بازو کی کالی بنیان پر ایک ناگ بنا ہوا تھا۔ حد سے زیادہ ٹائٹ جینز کمر پر بہت نیچے بندھی ہوئی تھی۔ لٹکا تھا کہ بیٹھے گا تو اتر جائے گی۔ اس کے بال وہ تھے جو برگر کٹ بھلاتے ہیں اور

وہ نیچے گر چہا رہا تھا۔ وہ بغیر سبے کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگا۔ نفسیاتی دہشت کا ماحول پیدا کرنے کے لیے ظالم خان نے غرا کے کہا۔ "اس کو کے پٹھے کو باہر لے جا کے طرز کی طرح پیش ہونے کا طریقہ سکھاؤ۔ آڑفوں دکھائے تو ہتھون اتار کے لاؤ۔"

اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اسے پیش کرنے والے مھسٹ کر باہر لے گئے اور دوبارہ ولانے تو نہ وہ چٹائی کر رہا تھا اور نہ کسی آڑفوں میں تھا۔ وہ باوب سپر ہا کھڑا رہا۔ جو گالیاں اسے باہر پڑی تھیں میں نے بھی سنی تھیں۔

ظالم خان نے اسے گھور کے کہا۔ "کبازئی کی اولاد، نام بتاؤ اپنا کام تو تم کچھ کرتے نہیں۔"

"ساجد سر، میرا قصور کیا ہے؟"

"جتنی پوچھا ہے اتنا جواب دو۔" ظالم خان گر جا۔

"نوشی کہاں ہے؟"

وہ چونکا۔ "نوشی؟ اپنے گھر میں ہو گی، مجھے نہیں معلوم۔"

"کھ: اور آج تم کس کے ساتھ تھے اور کیا کر رہے تھے۔ نام بتاؤ سب دوستوں کے۔ وہ کیا کرتے ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔" ظالم خان نے مجھے اشارہ کیا کہ میں کاغذ پر نوٹ کروں۔ ساجد نے جو تفصیلات مہیا تیں، وہ میں نے لکھ لیں۔ وہ سب اچھے گھروں کے لڑکے تھے۔

"نوشی سے کیوں شادی کرنا چاہتے ہو؟"

وہ حیران بھی ہوا اور برہم بھی۔ "سر یہ ذاتی سوال ہے مگر میں بتا دیتا ہوں۔ وہ اچھی لگتی ہے مجھے۔"

"تھیں اس سے پہلے کئی لڑکیاں اچھی لگی ہیں؟"

"سر! اچھی تو بہت تھی مگر کسی سے شادی کی دوش نہیں کی تھی میں نے۔"

"اسے تم شادی کہتے ہو۔ تم نے تو فریاد ہے اسے۔"

وہ کچھ پریشان ہوا۔ "اگر آپ یہ جانتے ہیں تو آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس کی رانے لایع کیا تھا۔ اس نے سودا کیا تھا میرے باپ سے، میں نے نہیں۔"

چونکہ وہ ڈھنگ سے بات کر رہا تھا اور صحیح جوابات دے رہا تھا اس لیے ظالم خان نے کہا۔ "اچھا بیٹے جاؤ۔ کل میں تصدیق کراؤں گا کہ دو دن میں تمہاری اپنے دوستوں کے ساتھ کیا مصروفیت تھی اور وہ کس تلاش کے لوٹ ہیں۔"

"سر! میری کبھی میں نہیں آ رہا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟"

میں نے کہا۔ "ساجد! یہ کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ نوشی گھر سے اٹھالی تھی ہے۔ ڈاکو اس کے ساتھ کافی مال بھی

سونا چاندی

آپ کو کیا لگے گا؟ سینڈ اوڈین یعنی مشورے کے لیے میڈیکل بورڈ میں تفکیریں دیا جاتا ہے؟“

صائمہ نے نظر جھکا کے کہا۔ ”آئی ایم سوری۔“

وہ پھر میڈیم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”میں نے غلطی کے اس اچھ اوڈولایا ہے جو آپ کا بیان لے گا۔ ایف آئی آر درج کرنے گا۔ اس کے بعد میں ذاتی طور پر جو کر سکا، کروں گا۔ کچھ ذاتی سوال ہیں جو اس لیے ضروری ہیں کہ میں ڈی ایس پی کی حیثیت سے نہیں، بزدل کے دوست یا بھائی کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں۔ سوال بعد میں۔“

صائمہ نے میری طرف دیکھا تو میں نے آنکھیں نکال کے اسے شرمندہ کیا کہ سن رہی ہو؟ ایسے ہوتے ہیں دوست۔

چوکیدار نے ناک کیا اور اس کے ساتھ ہی ایس اچھ او ایک ماتحت اور ایک نشی کے ساتھ اندر آ گیا۔ اس نے اپنے افسر کو سلوٹ کیا اور پھر مجھ سے ہاتھ ملا کے بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ آنے والے نشی نے اپنا کھانا کھولا۔

ظالم خان اٹھ کھڑا ہوا۔ ”میرا ابھی کوئی کام نہیں۔ صبح پھر آؤں گا۔ رات کو میں اپنا پرائیویٹ نمبر کھلا رکھتا ہوں۔ کوئی تنی بات ہو تو فوراً مجھے بتادیں میڈیم۔“

میں اسے چھوڑنے باہر گیا۔ اس وقت میڈیم کا وہ بیان شروع ہو چکا تھا جو انہوں نے سب سے پہلے میرے سامنے دیا تھا۔ ”ظالم خان تو نے مجھے دوست اور بھائی کہہ کے شرمندہ کیا۔“

”اوشوں... شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ قسمت ابھی ہے میڈیم کی۔ رشوت خور تو ہے مگر اتفاق سے یہ تقارنہ دار ذہن بھی ہے۔“

”جیسے میں واحد بزدل سمجھتی ہوں۔ ورنہ حق کوئی کی پاداش میں آج سب سے زیادہ سمجھتی مارے جا رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔

وہ گاڑی لے کر نکل گیا تو میں واپس کمرے میں پہنچا جہاں ابھی سوال جواب کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ آداب میزبانی پورے کرنے کے لیے صائمہ کین میں چائے پانی کا بندوبست کرنے میں مصروف تھی۔ میں نے وہ بے پاؤں پیچھے سے جا کے اسے دیوچ لیا اور کسی روشنی حینہ کو منانے کا سب سے موثر نسخہ آزما دیا یعنی اسے مہربان لب کر دیا۔ یہ مہراں ظہار محبت کی مہر اور مختصر مگس کہلاتی ہے۔

”بد تیز، وحشی، جانور۔“ اس نے رہائی کے بعد اسی شخص سے کہا جس کے بارے میں ایک تجربہ کار شاعر بہت

لے گئے ہیں۔ مجھے شک ہے کہ وہ ڈاکو نہیں تھے اسی لیے ابھی تک رپورٹ درج نہیں کرائی گئی۔“

اس نے فریاد اور احتجاج کے انداز میں کہا۔ ”اور آپ نے مجھ پر شک کیا۔ صرف دو ماہ بعد شادی ہی میری۔“ ظالم خان نے کہا۔ ”میں تمام امکانات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ میڈیم سے ذاتی تعلق کی بنا پر۔ اب یہ بات تمہارے علاوہ کسی کو معلوم ہوئی تو میں تمہیں اندر کرادوں گا، کسی بھی جرم میں۔ اب تم جاسکتے ہو اور یہ بات یاد رکھنا، ابھی تم کسی کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گے۔ نہ کسی اور کو، نہ اماں ابا کو۔“

وہ اٹھا اور سلام کے انداز میں سر ہلا کے باہر نکل گیا۔ اس نے میز پر سے نوٹی اور چھری اٹھائی۔ ”چل بھائی کھانا تو ہو گیا اب ڈراما کی مزاج پر ہی بھی کرئیں، دلہن کی اماں کی۔“

میں نے کہا۔ ”میڈیم کچھ نفسیاتی مریض لگتی ہے مجھے، بے وقوف تو خیر ہے۔“

”بالکل ہے، اسے خوش نہیں ہے کہ اپنی ذہانت سے وہ ساری دنیا کو کچھ دے سکتی ہے۔“

تقریباً پون گھنٹے بعد میڈیم کے کمرے میں روشنی حینہ مجھے مزید غما نظر آئی۔ ڈھائی گھنٹے لگے ہیں جناب کی سواری کو یہاں آتے آتے۔“

”اب کیا بتاؤں کہ تفتیش کتنے زور و شور سے چل رہی تھی۔“ میں نے کہا۔

”پھر پکڑ لیے ڈاکو، پتا چل گیا نوشی کا؟“ اس نے طنز سے کہا۔

اس کے حق کو نظر انداز کر کے رحمت خان نے کہا۔ ”کان کس وقت آئی تھی میڈیم؟“

”میڈیم کا چہرہ مجھے سچ دکھی لگا۔“ سات بجے نمبر محفوظ ہے۔ سم لاء ہوئی ہے۔“

”اگلی کان میں سم کراہی، اسلام آباد یا کوئٹہ کی بھی ہو سکتی ہے۔ کان کی لوکیشن اہم ہے۔ وہ جگہ بدلیں گے۔ آواز بدلیں گے۔ ہو سکتا ہے سو پائل فون بھی بدل دیں لیکن یہ سب معلوم ہو جائے گا کہ مجرم کون ہے۔“ اس نے میڈیم کا دکھایا ہوا نمبر نوٹ کر لیا۔

صائمہ نے پھر مدخلت کی۔ ”آپ کا تو خیال تھا کہ کوئی جرم میرے سے ہوا ہی نہیں۔“

ظالم خان نے اسے گھور کے دیکھا۔ ”ڈاکٹر صاحب! آرپوسٹ مارم کے دوران میں کوئی پولیس افسر داخل ہوئے تو

”بھئی نوشی کا کرا ہے۔“ میڈم نے سادہ سادہ کاہرہ شرم اور غصے سے لاس ہوتا دلکھ کے کہا۔ ”صاف ہی ہے۔“

فینہ مجھے فوراً کہاں آسکتی تھی۔ کرا نوشی کی خوشبو۔ یہ بھرا ہوا تھا۔ ہر پر نیوم کی جودہ اتوں کرتی تھی۔ مختلف کاسٹیکس کی اور ستر کی برشمن میں خود اس کی۔ نہ جانے وہ کہاں ہوئی؟ واقعی ڈاکوؤں کی تحویل میں یا کسی نئی آغوشِ محبت میں... اور وہ خوشی کا زرخیز پھول ہو گیا جو اب شاید عشق سے بھی سائب ہو جائے کہ کارنگی کشش میں گیا تو کڑی جائے اب بھاڑ میں۔ میں باز آیا محبت سے اٹھ لو پاندان اپنا۔ جن تھے گزاری آرات سے... ظلم چنوں سے میں نور جہاں سے گانے کی آواز میرے کان میں آئی۔

پھر دروازہ آہستہ سے کھکا اور باہر سے آنے والی روشنی میں مجھے صائمہ کا بیوا نظر آیا۔ ”کیا سو گئے؟“

”ہاں خوب میں دیکھ رہا ہوں۔ تم نہ آئی ہو۔“

میں نے کہا اور اٹھ بیٹھا۔ اس کے ہاتھ میں دو ٹکے تھے۔ وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ کافی کا ایک گوبہ اس نے مجھے شہاد دیا۔ ”بڑوں میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔“

اس نے کہا۔

میں بھونچکا۔ رہ گیا۔ ایسی بات وہ کہہ سکتی ہے۔ یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ”مجھے معلوم ہے۔“ میں نے اس کا دوسرا ہاتھ تھا ہلایا۔

”ہم شادی بھی کر لیں گے بہت جلد۔ میں اپنی ساری بچت ہاؤس بلڈنگ فنڈ میں ڈال رہی ہوں۔ کئی رسی تو ہم لوں سے لیں گے۔“

میں شرم سے پانی ہو گئے اس کے قدموں میں بہ گیا۔ ”آئندہ میں پیسا پیسا تمہارے حوالے کروں گا۔“

یہ تو میں پہلے ہی کئی بار کہہ چکا تھا۔ جذبات کی رو میں بہ کر... چنانچہ اس نے موضوع بدل دیا۔ ”تم نے کچھ معلوم کیا؟“

”اتنا کہ سونگی تو تمہارے ہوش ہاتھوں کے طوطے بن کر اڑ جائیں گے اور میں تو ہوں بڑوں، مگر کچھ ہا نہیں کہ تم غصے میں جا کے ابھی اس لاپٹی بڑھیا کو میڈم سے مرحوم بنا دو۔ اس لیے اب جگر تھام کے بیٹھو۔“

میں نے اسے ساجد کے کباڑی باپ سے لے کر ساجد تک سب سے حاصل ہونے والی معلومات کا خلاصہ سنا دیا۔

”یا میرے خدا! کیا قبر میں لے جائے گی یہ ماں اور جانیراد۔“ صائمہ نے ساری بات سن کے کہا۔

پہلے کہہ گیا تھا۔ ”ان تو آتا ہے بیمار پر غصہ... ہم کو غصے پر بیمار آتا ہے۔ میں صرف خوش ہونا رہا اور یوں سے مجھ نے اسے پھول چنار ہا۔ میں سیکھتا جودہ نہیں پڑی۔“

”آئی ہے اکیلے میں۔“ میں نے ٹکیوں کی طرح ہاتھوں سے منہ چھپا کے کہا اور بھاڑ گیا۔

مٹی اب بال سرادق کی تقصیر لکھ رہا تھا اور تھانے اور یور کی خریداری کی رسید لے کر دیکھتا جا رہا تھا۔ ڈاکوئس عمر، جینے کے تھے۔ کیا پہنے ہوئے تھے۔ کون سی زبان میں بات کر رہے تھے۔ ڈھانے میں تھے مگر ہاتھ کھلے تھے، جوان تھے تھے کہ وہ جیز عمر ہاتھ پر حشری تھی یا نہیں۔ میڈم بال کی حناں نکالنے سے اب سیت لگتی تھی۔ اس نے نوشی کے بارے میں سوال کیے۔ تصویر مانگی۔ روایتی حواں کیا کہ ان کی کسی سے دشمنی تو نہیں تھی۔ اس کے تصورات کی نوعیت اور انکار کے رشتوں کی تقصیر جو پہلے آتے رہے۔

میں نے جانے واردات کا دیر تک سنا نہ کیا۔ اس کا ماتحت تصویر یہاں بنا رہا۔ فکرم پر مٹا لیتا رہا اور سچ سچ میں کوئی سوال کرتا رہا۔ پکا تھانے دار تو وہ بھی تھا۔ میڈم کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک تو اس نے سب سچ نہیں بولا تھا۔ ساجد سے رشتے کی بات پر اندر کی بات تو اس نے صائمہ کو یا مجھے بھی نہیں بتائی تھی تو یوں نہیں کو کیسے بتائی۔ اسے یہ فکرم ہوئی کہ بعد میں جھوٹ سچ کا یہ مچھر بیان کسی مرحلے پر غلط بیانی نہ بن جائے۔

رکی نسلی دے کر اور کوئی یقین دہانی کرائے بغیر تقصیر کا رطلے گئے تو میڈم یوں بیٹھ کر گرتے لیے نئے سانس لینے لگی جیسے ابھی ڈیوری سے فارغ ہوئی ہو۔ ”مائی گاڈ! جاننا خدا اب میں ڈال دی۔ صائمہ مجھے پانی پاؤ۔“

میں دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا کہ اب آپ اوائٹ پھر نہ تھے۔ صائمہ بھی پھنس گئی تھی۔ اب وہ اسے چھوڑ کے بھی نہیں جا سکتی تھی۔ میں نے اجازت طلب کی تو اس نے گھڑی کی طرف دیکھ۔ ”اب آدھی رات کو تم کہاں جاؤ گے اور تمہارے کون سے بھائی بچے رو رہے ہیں صبر۔“

میں نے یہ نہیں کہا کہ جانا ہوتا تو میں ظالم خان کے ساتھ چلا جاتا۔ ”بس میڈم! قسمت ہی ایسی ہے میری۔“

صائمہ نے فوراً میری بات کاٹ دی۔ ”سوٹا ہی ہے: رات کو۔“

میں نے کہا۔ ”اچھا میں بھی سو جاؤں گا میسٹ بیٹھ میں۔ ڈبل بیڈ تو ہوگا۔“

رونا دھونا اور منت سماجت شروع کی۔ "ایک کروڑ کہاں سے لاؤں گی میں۔ ادھار بھی نہیں دے گا مجھے کوئی اور مکان بیچ دیا تو خود کیا ایڈمیٹیو ہوم میں رہوں گی۔"

حسب توقع انہوں نے رقم آدھی کر دی اور کہا کہ دن بھر میں بندوبست کرو۔ شام کو پھر کال کریں گے۔

میں نے کال کے بعد تلی دی ٹیڈہ آجا میں گے دس لاکھ پر... اب شام تک آپ کے پاس نامہ ہے۔"

صائمہ نے کہا۔ "میں تو ہوشل جاؤں گی۔ ان پتروں میں ایڈمیٹیو نہیں ہوں۔"

"میں بھی اسپتال جاتی ہوں۔ تم ڈرا خیر کو شائع ہونے سے روکنو، اگر روک سکتے ہو۔"

"خیر نہیں آئے گی مگر صائمہ بھی اسپتال نہیں آئے گی۔ میرا میڈیکل چیک اپ کرانے کی آغا خان سے۔"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ بولی۔

"میرا دن اور واماخ دو توں خراب ہیں اور غائبنا کردار بھی۔ پوچھ میں صائمہ سے۔"

میں چاہتا تھا کہ میڈم کو صائمہ کے میرے ساتھ جانے کا پتا نہ چلے اس لیے میں نے مذاق میں بات ٹال دی۔ میں چاہتا تو صائمہ کے اپنے کمرے سے پھر تیار ہو کر

آنے تک میڈم کے کمرے میں انتظار کرتا لیکن میں ایک جگہ ماستے میں اتر گیا اور پیدل چلتا ہوا اپنے "لو اسپاٹ"

بلک لو اسپاٹ پر جا کھڑا ہوا۔ یہ جگہ ایک نئی فون پول تھی جہاں کھڑا رہ کے میں صائمہ کا انتظار کرتا تھا۔ ایک گھنٹہ کی

سے جھانک کر مجھے صائمہ دیکھ لیتی تھی لیکن سامنے بنے ہوئے ہوشل کی دیگر گھنٹوں سے ایک ناشن بھور کا نظارہ

کرنے والی دیگر نرسوں اور ڈاکٹرز نے مجھے نئی فون پول کی مناسبت سے ٹی پی کال بھی حفا کر رکھا تھا۔ اس کی سوجد

سیری قائم مقام محبوبہ ڈاکٹر خزانہ تھی۔

میں اسی کعبے سے بندھے ساتھان کے نیچے ایک بنگالی نے گئے اور گھنٹیوں کا جوس ٹانک بنانے کی مشین بھی لگا

رکھی تھی۔ ہمارے درمیان چھیڑ خوں سے چلی جاتے ہے اسد... والی نوک جھونک کا سبب یہ تھا کہ میں ساتھان کے

نیچے کھڑا ہوتا تھا مگر جوس کا میں نے بھی ایک گلاس بھی نہیں پیا تھا۔ میرے نزدیک یہ اقدام خودکشی ہوتا۔ ہر گلاس میں

اوسطاً تین سے چھ گھنٹیاں ضرور شامل ہوتی تھیں اس کی بے بسی یہ تھی کہ وہ مجھے بے دخل نہیں کر سکتا تھا۔ میں اسے

ڈاکوؤں کے ہاتھوں مشین سمیت اٹھوانے کی دھمکی دیتا رہتا تھا۔ بلا معاوضہ یہ ٹانک پینے والے تصدیق کر چکے تھے کہ

"کیا اس نے تمہیں بتایا کہ نوشی اس رشتے پر راضی نہیں تھی؟"

"نہیں، وہ تو خوش حال بزنس میں گھراتا کبھی رہی۔ اور وہی کہ بیٹا اپنے باپ کے بزنس میں شرکت نہیں چاہتا۔

یہ تو ابھی بات ہے۔ وہ خود دار ہے۔ اس کے ہنڈم بیرو ہونے کا ذکر کرتی رہی۔ پھر اس کی تصویر بھی دکھائی۔"

"ہنڈم بیرو تو ہے۔ یہ تہذیب بھی نہیں۔ یا ظالم خان نے اسے تہذیب سے پیش آنے کا اشارت کورس

میرے سامنے کر دیا تھا لیکن اس کے باپ جیسا باپ ہوتو میں بھی کاروباری شریک نہ بنوں۔ بزنس لاکھوں کا ہو یا

کروڑوں کا۔ یا اس مفرد حسینہ کا ویدار بھی کیا ہے میں نے۔ پولیس کو اس کی تازہ ترین تصویر دی ہے میڈم نے۔ برا

ست ماتا۔ بیچ کڑا ہوتا ہے اور بزدل ہونے کے باوجود میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس کے مقابلے میں تم ایسی ہی ہو جیسے

نگی بار کی بھینس کے مقابلے میں تھر پار کر کی بھینس۔"

صائمہ تھی۔ "میں نے دونوں نہیں دیکھیں مگر وہ لوٹ آئے تو اس پر بھی فریفت ہو جاتا۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "اب کیا فائدہ اس کی بنگک ہو چکی اور پھر خزانہ کو قائم مقام محبوبہ کے عہدے سے ہٹانا

پڑے گا۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس پر ہی تو پرستار بھی تقارور رفتار ہوں گے۔"

"یہ سب مجھے کیا معلوم؟"

"ہم کل معلوم کر لیں گے۔ عشق اور محبت والا نظریہ درست ہے۔ عموماً ماں باپ کے سوا سب جانتے ہیں کہ کون

کس کے ساتھ بھینسی ہوئی ہے۔"

"کیا یازاری زبان میں بات کر رہے ہو۔"

"ابھی ڈاکٹر صاحب، باچار کا زمانہ ہے۔ مار کینگ کا دور ہے نی... روکڑا چلتا ہے روکڑا... اپنا کو دیکھو نا

سالا ہٹکوا اور بزدل... ہوتا سینڈ ڈائمنڈ والا بابا تو کھر یہ لیتا تیرے جیسا دس۔ یا کچے والا ڈاکو ہوتا تو اماں کو بھی اٹھا لیتا

کہ ایسا ایک دانہ اور نکالو۔"

منہ پر ہاتھ رکھ کے ہنسی دبانے میں وہ دہری ہوئی۔

"ادھر دو گے، ہنسی نکل گئی تو تمہاری مجازی سانس اٹھ کے آجائے گی صبح دیر تک نہیں سوتا۔"

اس کے جانے کے بعد میں یوں سو گیا تھا جیسے تیندی گولی کھالی ہو۔ صبح جاگنا اس لیے ضروری تھا کہ تاوان

مانگنے والوں نے صبح پھر کال کرنے کا کہا تھا اور آٹھ بجے ان کی کال آئی تو میں سب کے ساتھ ناشتا کر رہا تھا۔ میڈم نے



میر سے سب ڈاکوؤں سے سسرالی مراسم ہیں۔

حسب معمول مجھے دیکھ کر اس کی تیوری پر مل پڑ  
جسے۔ "شاہ یہ تمہاری مہر نہیں؟"

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ "میں سر کیا تھا  
واپسی... مگر اوپر سے واپس کر دیا گیا۔"

بنگالی میرے دوست نہ ہاتھ سے روکا میں چلا گیا۔

"ایہ مالک مار پیٹ ہم سے گا تو شاید تم آئیہ دم ہوڑی کا  
دارڈ میں جائے گا۔" حسب عادت اس نے دھولے کا ایک

کوٹا اٹھائے تاکہ صاف نہ۔ سامنے سے آنے والی نو عمر  
طالبات منہ پر ہاتھ رکھے کھی کھی کرنے اور ایک دوسرے کو

ٹھوکے دینے لگیں۔ اس موضوع پر میرے اور بنگالی کے  
درمیان ہونے والے مذاکرات قابل شہمت نہیں۔

صائمہ کی ڈیبا کار میرے سامنے آئی۔ میں سر ہچکا  
کے بیٹھ گیا تو اس نے پوچھا۔ "اب کدھر؟"

میں نے کہا۔ "یہ خوشی جہاں پہنچ رہی۔ اس کالج میں  
کوئی جان پہچان نکالو۔"

صائمہ نے سوچ کے کہا۔ "ایک تو پیکر رہی جو ڈیبا  
کے نیچے آئی تھی اور اس کا خیال تھا کہ میں نے بروقت

آپریشن کر کے اس کی جان بچائی تھی اور بچے کی بھی نور  
دوسری بی بی اسے کی ایک طالبہ کسی کسی کی منہ نے مد

کی تھی۔ اپنڈکس کا تیس تھا اور یہاں دینی روایتی روپ تھا۔  
بیڈ خالی نہیں ہے۔ آپریشن تھیمز میں کسی تھا۔ الزا ساؤنڈ

کی مشین خراب ہے۔ وہ رو پیٹ رہی تھی کہ میری ہاں مر  
جائے گی اور ایک ڈاکٹر کہہ رہی تھی کہ جلدی ہے اتنی تو آقا

خان ملے جاؤ۔ اس وقت میری کوشش سے فوراً آپریشن ہوا  
تھا۔ بس وہ مر رہا ہے۔"

"یا ہوو... میں نے چلا کے صائمہ کے کان میں نعرہ  
لگا دیا۔"

"اؤف، یہ کیا حرکت ہے؟" صائمہ نے سینے پر ہاتھ  
رکھ کے کہا۔ "بچے بن جاتے ہو تم بھی، حادثہ ہو سکتا ہے

ایسے۔"

"کتنی اچھا ہوا اگر اسی طرح تمہارے ساتھ اچانک  
انتقال پر عمل ہو جائے... اور جیسے ظہر بچو پورا میں دونوں

کی ارواح ساتھ ساتھ پاؤلوں میں اڑتی جا رہی ہیں اور بس  
منظر میں گانا چل رہا ہے۔"

گاڑی ایک گیٹ میں داخل ہوئی اور پرنسپل کے  
آفس سے باہر جا رہی۔

صائمہ نے اپنا تعارف کرایا۔ "میں ڈاکٹر صائمہ ہوں

اور یہ مشہور صحافی بزدل..."

"جینیے جینیے سنز بزدل میں تو آپ کے شوہر کا کالم  
باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ وہ جو ابھی حلیم کی زیوں حالی پر

لکھا تھا اس سے لگے دن ڈائریٹر کالجز نے بلا لیا۔ رکن  
ہوئی گرانٹ مل گئی، ورنہ میرا تو ٹرانسفر کر دیتے۔ فرمائیے

کیسے زحمت کی۔ دانٹے کا مسئلہ ہے؟"

صائمہ نے بی بی اے فائل کی طالبہ کا نام بتایا۔ اسے  
ہوا دیں۔" اور اس سے تعلق کی وجہ بھی بتائی۔ "اس کے

ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔"

عام حالات میں شاید نکلاں روم سے کسی طالبہ کو بلوانا  
آسان نہ ہوتا لیکن اب چند منٹ میں وہ آئی۔ اس نے

خوشی سے ایک پیج پڑھی۔ "ڈاکٹر صائمہ آپ! ایسے کی امی کتنی  
دعا میں دیتی ہیں۔"

"آج میں نے سوچا اتنی بار ہبہ چکی ہو تم... آج ان  
سے مل بی لوں۔" صائمہ نے کہا۔ "زیب النساء ہے تمہارا

نام مجھے ٹھیک یاد تھا۔"

اسے ساتھ لے جانے میں بھی کوئی مشکل پیش نہیں  
آئی۔ بس شرط کے طور پر ہمیں پرنسپل صاحبہ کی چائے پینا

پڑی۔ یہ انہوں نے بعد میں بتایا کہ مجھ سے ان کو پنا ایک  
مسئلہ کرانے میں بھی مدد دے رہا ہے۔ زیب انصاف

زیب خوش خوشی گاڑی میں پیچھے بیٹھ گئی۔  
"دیکھو زینبی۔" صائمہ نے ایک سڑک کے کنارے

کوئلہ ڈرنک کارنر کے سامنے گاڑی روک کے کہا۔  
"تمہارے گھر بھی جائیں گے ہم بعد میں... لیکن پیسے تم

سے کچھ پوچھنا ہے۔"

وہ ٹھہر گئی۔ "انسی سیایات ہے ڈاکٹر صاحب؟"  
"تمہارے کالج میں انگلش کی ٹیکرر ہیں مس

خوش ہے۔"

"جی، وہ ہزاری نکلاں بھی نکلتی ہیں۔ بہت سویت  
ہیں۔" زینبی نے کہا۔ "بہت اچھا پڑھاتی ہیں۔"

"تم سینٹر ہو، ان کے بارے میں کتنا جانتی ہو؟"  
وہ کنفیوز نظر آنے لگی۔ "جی، تین سال سے ہیں وہ۔

دوسراں میں نے پڑھا ہے۔ تم ڈائریٹر میں بھی...  
صائمہ نے آئی بیس سر ہل دیا۔ "بس کے علاوہ، ان کی

پرائیویٹ لائف کے بارے میں... میں خود کالج میں گئی تو  
ساری گوسپ سٹی تھی اور خود بھی اس میں شریک تھی۔ خاص  
طور پر ان کے انٹرنز کے بارے میں جو گوسپ شپ ہوتی  
ہے۔ وجہ بعد میں بتاؤں گی۔ تمہارے کالج میں سیل پیکر

سوما خانہ میں

"ان کی فرینڈز کے پاس بھی تو سوبائیں فون ہو گا؟"

ویر ہوا۔۔۔

میر نے کہا۔ "ہوسکتا ہے ان کے پاس فون ہی نہ ہو یا وہ اس سے کان نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔ ایک کال کی بات تھی اس لیے میں نے پوچھا نہیں۔ ہم بھی اپنی باتوں میں لگے گئے اور وہ گاڑی چلی گئی۔"

"اوہ آپ کا سوبائیں فون لے گئے۔" ویر چونکا۔  
"چائیس ہزار کا سام سنگ ٹھیکسی تھا۔ نمبر بتا دو تو میں ان سے لے لوں گا۔" میں نے کہا۔

اس نے تھوڑے سے تذبذب کے بعد نمبر بتا دیا۔  
"سر میرا نام نہیں۔"

"نام معلوم کہاں ہے مجھے۔ نہ میں نے پوچھا اور تم سچ میں نہیں نہیں آتے۔ میں نے دیا تھا اس وانکس نے ان کا۔"

"یہیے ڈب کلتے نہیں وہ سر۔" وہ ہوا۔۔۔  
"صورت سے تو میں بھی بہت بہادر لگتا ہوں مگر بزدل ہوں۔" میں نے کہا۔ "ہاں، تم نے کہا کہ ان کے ساتھ ٹرول فرینڈ ہوتی ہے۔ یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ وہ میاں بیوی بھی ہو سکتے ہیں۔"

"اندازہ ہے جی میرا۔ دیکھتے ہیں ہر قسم کے ساتھ آنے والے جوڑے۔ سر جی میں فریب آدمی ہوں۔"  
"میں اپنے بچوں کے سر کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہارا نام نہیں آئے گا۔" میں نے کہا۔

اس موقع پر سمانہ نے بڑا اچھا رول کیا۔ "میرے بچوں کو بیچ میں مت ماؤ جی۔" وہ فحش سے بولی۔

کچھ دور آ کے میں نے اس کا بایاں فارغ ہاتھ چوم لیا۔ ہاتھ کی مالکین کو چوستا تو گاڑی سمندر کی طرف مڑ جاتی۔  
"تم نے کمال کر دیا مس چھپت چھری۔۔۔ بس اب بس کا سر ہو گیا۔ سب کریڈٹ تمہیں جاتا ہے۔" میں نے ایک نمبر ملاتے ہوئے کہا۔

وہ سسکرائی۔ "گاڑی کا پتا چلا ہے ہڑکی کا نہیں۔"  
"تھلم خان دی ٹریٹ سن آف بلاؤ خان۔۔۔ ایک نمبر نکسو۔۔۔ پہلے نکسو برادر، اس کے مالک کا پتا چلاؤ شام تک درتو ایس انسپکشن ہوا دوں گا سٹارٹی۔" میں نے کہا اور اس کا جواب نہیں سنا۔

☆☆☆

کال چم بے آئی جب ہم میڈم کے ساتھ ان میں بیٹھے اہم میں جی نوشی کی پرانی تصویریں دیکھ رہے تھے۔

بھی ہیں لیکن خبریں اور افواہیں تو باہر سے بھی آجاتی ہیں۔"

وہ بدستور تذبذب کا شکار رہی پھر صائم کے سلی اپنے پر بولی۔ "یہاں اس کا بیج کا تو کوئی نہیں۔۔۔ مگر ایک ہے: سمارت سا آدمی اس کی بیوی ہنڈا سوک ہے۔ چار پانچ سال پہلے کے ماڈرن۔ اس کے ساتھ نظر آئی ہیں وہ۔۔۔ مجھے بھی۔۔۔ دوسری لڑکیوں نے بھی دیکھا۔ وہ سگھیرتو نہیں آتے۔ میرا سگھیرتو۔۔۔ اور دوسرے سگھیرتو۔۔۔ اتنے روز تک نہیں ہوتے۔"

صائم نے کہا۔ "ہم نہیں معلوم، گاڑی کا نمبر۔۔۔ کھبراؤ نہیں۔"

"میڈم مجھے معلوم ہونا تو ضرور ہوتی۔ وہ سر ہوں سے پوچھ کے بتا سکتی ہوں۔ کسی وجہ پر جو چیز اہم ہے۔ وہاں جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا دیکھا اور لڑکیوں نے بھی۔" آہستہ آہستہ وہ کھل گئی۔ اس انفارمیشن کا قرضہ دہانے کے لیے ہم اس کی ماں سے بھی ملے اور خود کو بڑی مشکل سے دوپہر کے کھانے سے بچا یا۔ تاہم سوسے، ایک بیس، بسکٹ وغیرہ ہڈی کا بھائی دوڑ کے کسی بیکری سے لے آیا تھا کسی کھانے سے کم نہ تھے۔ زمیں نے بہت پوچھا کہ کس نو شاہ کا معاملہ کیا ہے لیکن صائم سول کر گئی۔

دوپہر کے وقت ہی وہ پھر کون ہوتا۔ ہیزا ہٹ بھی ویران پڑا تھا۔ یہ چھوٹا سا "آؤٹ سیٹ" تھا جہاں بیٹھ کر کھانے کا انتظام نہیں تھا۔ ٹوٹ فریش پیزا ہوا کے گاڑی میں یا سمندر کے کنارے کی دیوار پر بیٹھ کے کھاتے تھے چنانچہ ویر ایک سی تھا جو فارغ بیٹھا تھا۔ محض خریداری کے لیے ہم نے اسل پیزا یہ تھا جو سامنے آیا تو ہم نے کہا بھی لیا۔ سو روپے کی ٹپ سے وہ قسم کا ٹڈ مکن گیا تو میں نے کار کی بات کی۔

"یہاں ایک گاڑی آتی ہے۔ نیلے رنگ کی ہنڈا سوک۔۔۔ دو ہزار پانچ چھ کا ڈن۔"

اس نے تھوڑا سا سوچ کے سر ہلایا۔ "آتی ہے جی۔۔۔ ملتے میں ایک بار تو آتے ہیں دونوں۔"

دونوں کا نقطہ اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔ میں نے کہا۔ "گاڑی کا نمبر بتا سکتے ہو؟"

اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ "آپ کیوں پوچھ رہے ہو جناب؟"

میں نے کہا۔ "ایک بار ہم بھی یہاں تھے۔ گاڑی والے نے مجھ سے سوبائیں فون لیا تھا، اسے کوئی ارجنٹ کا۔ کرا تھا، اس کے فون میں پیٹنس نہیں تھا۔"

وہ چرگی۔ "ڈاکو نہیں ہیں؟"  
 "یہ میرا خیال ہے۔ اس کی تصدیق بھی ہو جائے گی  
 جب مجرم پکڑے جائیں گے اور وہ پکڑے ضرور جائیں  
 گے۔"

"میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آئی۔ ڈاکو نہیں ہیں  
 تو کون میرے ساتھ یہ مکمل کر رہا ہے؟"  
 میں نے سامنے کی طرف دیکھا اور اس نے سر کی  
 خفیف جنبش سے مجھے گرین سٹل دیا۔ صاف بات کرنے کا  
 وقت آگیا تھا۔

"مکمل آپ کر رہی ہیں میڈم! آپ کو تو جموں بولنا  
 بھی نہیں آتا۔ یہ فون کرنے والے جو بھی ہیں، وہ نوشی کو  
 پہنچنے کی بات آج کر رہے ہیں لیکن آپ اسے پہلے ہی سچ بتا  
 سکتی ہیں۔"

وہ کچھ دیر دم بخود بیٹھی رہی۔ "بس... اسے سچ بتا  
 سکتی ہیں؟"

میں نے فنی میں سر ہلایا۔ "ہمارے ملک کے دیہی  
 اور قبائلی معاشرے میں لڑکیوں کے سووے آج بھی ہوتے  
 ہیں۔ ہزاروں حسن تو بدنام ہیں وہاں عورت کی غیرت و ناموس  
 کے لحاظ سے والے اس کے اپنے باپ اور بھائی... معصوم  
 نامی لڑکیوں کو "وٹی" اور "سوارا" کے نام پر بیچتے ہیں یا  
 نہیں۔ گل بھائی کرے تو جرگہ..... اس کی نامی بھین  
 کو جوہانے کے طور پر مقبول کے ورثا کے حوالے کرنے کا حکم  
 دیتا ہے۔ روز اخباروں میں اسکی خبریں شائع ہوتی ہیں مگر  
 ان کی شدت اتنی سوگنا ہے جن کی خبر بھی نہیں آتی۔"

"مگر مجھ پر یہ الزام کس سے ہے؟"  
 "آپ اس طبقے میں ہیں جو اپنی مرضی سے لڑکی کا  
 رشتہ طے کرتے وقت اپنے مالی مفادات کو دیکھتے ہیں، نہیں  
 کاروباری رشتے استوار ہوتے ہیں تو کبھی سیاسی... آپ  
 نے عقد وصول کیا۔ رشتہ مانگنے والوں کو بلیک میل کر کے۔"  
 "یہ... یہ جموں ہے۔" وہ ہکلائی۔

"سنو۔" میں نے دھاڑ کے کہا۔ "تم نے ایک تعلیم  
 یافتہ بیٹی کے مستقبل کی خوشی نہیں، اپنا آج کا قاتلہ دیکھا۔  
 اسے زبردستی اس کے بپے ہاتھ دیا جو کسی طرح اس کے  
 لائق نہیں تھا۔ ایک شرط بنا کے تم نے نکاح سے پہلے ہی حق  
 میر نقد وصول کیا اور لڑکی کے نام کو ٹھیٹھ کھواگی۔ شیر شاہ کے  
 ایک کباڑی کا بیٹا سا جہ سے وہ جسے تم نے کہا کہ خوش حال  
 بزنس میں گھرانہ ہے۔ لڑکا نوکری کرنا چاہتا ہے۔ مائی فٹ!  
 وہ کچھ کرنا نہیں چاہتا۔ اور تم کیا سمجھتی ہو وہ شادی کر کے اپنا

حسب توقع نمبر منتخب تھا۔ ایک ماہر ٹیلی کام نوجوان صاحب  
 کے ڈیپارٹمنٹ میں کلرک کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھا اور یہ  
 حد مصروف عاشق تھا۔ اسپتال میں آنے والی خواتین کے  
 ساتھ کوئی اچھا سا فریڈ ہوتا تھا تو اس کے دل میں انسانی  
 بہبودی کا لوارہ پھوٹ پڑتا تھا اور وہ اسے خشوع و خضوع  
 سے ان کی مدد کرتا تھا کہ ساتھ آنے والی لڑکی اسے شکرینے کا  
 فون کرتی تھی اور اپنا نمبر فراہم کر دیتی تھی۔ اس کی کال  
 خود بخود ریکارڈ ہوتی تھی اور اس کے مستقبل کو خوبیاں تک،  
 تانیا تک بتاتی تھی۔ تو فریق ثانی کے مستقبل کو درونیاں تک،  
 شرمناک وغیرہ۔ اس نے میڈم کے موبائل فون کو بھی خود کار  
 بنا دیا تھا۔ اب کال ریکارڈ ہو رہی تھی۔ جو میں نے بعد میں  
 سنی اور کچھ یوں تھی۔

کارکر: "او میڈم! بندوبست کر لیا بیسوں کا؟"  
 میڈم: "خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو، آخر تمہاری بھی  
 ماں ہوگی یعنی ہوگی۔"

وہ غرایا۔ "ابھی ڈائیاگم نہیں مار بڑھیا۔ اپنی  
 ایسوشل نہیں ہونے کا۔ یہ قائل بات ہے۔ بیچاس لاکھ۔"  
 میڈم نے کہا۔ "مجھے وقت چاہیے اتنا قرض بھی کوئی  
 کھڑے کھڑے نہیں دیتا۔ مکان گروڈی رکھتا پڑے گا۔"  
 وہ بولا۔ "کل فون کرے گا۔ جگہ بتائے گا۔ اُدھر جیسا  
 لانے کا۔ چھو کر لینے کا۔"

میڈم نے کہا۔ "ایک دن میں کیسے ہوگا؟"  
 وہ بولا۔ "نہیں ہوگی گا تو چھو کر ہی بھی نہیں ہوگی  
 گا۔"

میڈم تھبرائی۔ "کیا مطلب تم اسے مار ڈالو گے؟"  
 وہ تہقہ مار کے ہنسا۔ "اپنی کامیاب کھراب نہیں ہے۔  
 کھانے کا سووا نہیں کیا بھی۔ تیرا چھو کر ہی بمبات چیز ہے۔  
 ابھی کور مال ہے۔ بیچتیس لاکھ سے زیادہ کا مارکیٹ ہے۔ جو  
 کھریے گا بیچیں بنائے گا تو بیچیں میں نکالے گا۔ نہیں تو  
 بیس پکا۔ پانچ سال بعد بھی پانچ لاکھ کا مارکیٹ ہے۔ وقتی کا  
 مال ہے ایک لاکھ روز کا بنگلے طے گا۔"

میڈم نے کہا۔ "اچھا، اچھا، میں کروں گی، جیسا تم ہو  
 گے۔"  
 کال بند ہو گئی۔ میں نے کان سے ایئر فون نکالے۔  
 چند منٹ کی خاموشی رہی۔ میڈم کی حالت غیر ہو رہی تھی اور  
 وہ مظلوم نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔  
 میں نے کہا۔ "کال مجھے ٹیک لگتی ہے میڈم... یہ  
 ڈاکو نہیں ہیں۔"

سونا چاندی

ماننے کو تیار نہیں کہ نئے زونے کے نئے بزنس ہیں جو معاشرتی طور پر زیادہ قابل عزت سمجھے جاتے ہیں۔ لڑکے پھر انہیں اپنے تاوان کا ذرا مانا کرتے ہیں۔

”تم اپنی بولے جا رہے ہو؟“

میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”اسکی ہی ڈکٹیٹر میں تم ہو۔ جیسا جیسا تمہارے کنٹرول میں ہے اور مجھے نہیں معلوم ہے کہ یہ ہوں تمہاری نظرت سے یا عادت بن گئی ہے۔ وہ کیا پہنے گی کیا نہیں۔ اس کا فیصلہ بھی تم کرتی رہی ہو۔ اب شاید وہ اپنی تنخواہ میں سے چورا کر لیتی ہو۔ اپنی مرضی تم نے شادی میں بھی چلائی چاہی۔ اس نے بغاوت کی اور شاید انتقام بھی لیا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کال اس کی طرف سے کرائی جا رہی ہو۔ وہ ہمیں ہنسی نہیں رہی ہو۔“

میرے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ یہ دوسری سم جاتی دینا کے لیے تھی چنانچہ اس کی رنگ فون شریفانہ تھی۔ دوسری طرف سے ظالم خان نے کہا۔ ”ہم نے اسے منگوا لیا ہے۔ جو تمہارا موبائل فون لے کر بھاگ گیا تھا۔ میرے آفس آکے اس سے مل لو۔“

میں ایک دم اٹھا۔ ”مجھے فوراً جانا ہے، ڈرائیور سے کہو مجھے لے جائے۔“

”تم خود کہو۔ وہ لے جائے گا مگر تم نے میری بات نہیں سنی۔“

”آکے سنوں گا۔“ میں نے جاتے جاتے کہا۔

تیس منٹ بعد میں نے ظالم خان کے آفس میں قدم رنج فرمایا تو موبائل فون لے جانے والے کو دیکھ کر مجھ پر چوہ نہیں پندرہ طبق روشن ہو گئے۔ وہاں پھر ساجد فریادی بنا بیٹھا تھا اور ظالم خان بڑے ظالمانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

میں سامنے بیٹھنے کے بجائے تیسری سمت کرتی پر بیٹھ گیا۔ ”مجھے یقین نہیں آتا سرجر ساجد۔“

”بزدل صاحب! آپ تو بہت بہادر ہیں۔ بڑی ہمت کی کہ مجھ پر موبائل لے بھاگنے کا الزام لگا دیا۔ ڈی ایس بی صاحب سے کہہ کے ڈکیتی، قتل یا اغیبات رکھنے کا کیس بناتے کہ ضمانت بھی نہ ہوتی۔“ وہ تکی سے بولا۔

”آئی ایم سوری، وہ بلیو سوک تمہاری ہے؟“

”میرے باپ کی ہے۔“ اس نے اتنے ہی تلخ لہجے میں کہا۔ ”میں تو بھلو آدمی ہوں۔“

”نو ٹائپ تمہارے ساتھ گھومتی تھی؟“

”نہیں جی، میں اسے ساتھ لے کر گھومتا تھا۔ گمن پوائنٹ پر۔“ وہ بولا۔

گھر بسانا چاہتا ہے؟ وہ ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ اس کا شوہر بن کے وقت گزارنا چاہتا ہے اور بس، جب اس کا دل بھر جائے گا تو وہ اسے ایک سوٹ کیس پکڑا کے گھر کے باہر کھڑا کر دے گا کہ بس اب جاؤ باطل کے گھر۔۔۔ آج رات تمہاری جگہ دوسری آ رہی ہے۔ اس کو نہیں بدل کہتے ہیں تین تین لکھیں گے۔ حق میرا ہے پہلے ہی ادا کر چکا ہے۔“

وہ منہ چھپا کے رونے لگی۔ ”ایسا نہیں ہے۔ ایسا باطل نہیں ہے۔ میں نے اس کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی۔“

میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”اور یہ بھی سمجھ لو کہ اسے ڈاکو نہیں لے گئے۔ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔ اس کو جانا ہی تھا۔ اس کے ساتھ جسے وہ اپنا جیون ساٹھی پہلے ہی منتخب کر چکی تھی۔ یہ تمہیں معلوم ہو گا ضرور۔۔۔ مگر تم نہیں بتاؤ گی جب بھی معلوم ہو جائے گا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور جب ڈاکو چلے گئے تو اس نے جلدی جلدی اپنا سامان پیک کیا اور نکل گئی۔“

”تم میری بات تو سنو پلیز۔“ وہ روتی رہی۔

”نہیں، پہلے تم میری بات پوری سن لو۔ میں خبروں کی دنیا میں رہتا ہوں۔ فلموں کی طرح خبریں بھی بنائی جاتی ہیں آج کل۔ جو اخبار پڑھتے ہیں وہ اتنا ہی اور وہی جانتے ہیں جو خبر ہے۔ اس کے پیچھے کیا ہے یہ اکثر اخبار والے ہی جانتے ہیں۔ انہیں اپنے تاوان کی واردات بعض اوقات ذرا مانا بھی ہوتی ہے۔ ایسا کنی بار ہوا ہے کسی خود غرض یا غرض مند لڑکے نے بہت انتظار کیا کہ کروڑ پتی باپ خود ہی مر جائے جو خزانے کے منہ پر ساپ بن کے بیٹھا ہوا ہے۔ پھر انہیں بھی حق وراثت ملے۔ آج وہ جوان ہیں اور بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ شادی کے علاوہ۔۔۔ ان کے بھی کچھ خواب ہیں۔ کامیابی کی جدوجہد کے لیے بھی صرف ارادہ کافی نہیں۔ تھوڑی بہت مالی بنیاد بھی چاہیے۔ انہیں تو اپنی ضمانت پر کسی بینک سے قرض بھی نہیں مل سکتا۔ یہ بنیاد باپ

پر آسانی فراہم کر سکتا ہے مگر وہ کیوں ہے یا اولاد پر اعتماد نہیں کرتا۔ ان کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتا ہے۔ وہ حمل یا صابن کا ہول سیکر تھا۔ یا کبر امتدی کا۔۔۔ وہ چاہتا ہے کہ اولاد بھی یہی کام کرے۔ وہ جہا جہا یا کاروبار کیوں نہیں چھوڑتا۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کیوں کھڑی کرنا چاہتے ہیں، فرہنگ ڈکٹیٹر باپ کی کھوپڑی میں یہ بات نہیں آئی کہ پہلے تو پیسے کے عمل پر اس نے بیٹوں کو ایم بی اے کرایا۔

بزنس آف بزنس اینڈ انٹرنیشن اور اب کہتا ہے کہ چلاؤ نا یہ بزنس۔۔۔ جو اس نے پچاس سال پہلے شروع کیا تھا۔ یہ

بزنس۔۔۔ جو اس نے پچاس سال پہلے شروع کیا تھا۔ یہ

بزنس۔۔۔ جو اس نے پچاس سال پہلے شروع کیا تھا۔ یہ

بزنس۔۔۔ جو اس نے پچاس سال پہلے شروع کیا تھا۔ یہ

بزنس۔۔۔ جو اس نے پچاس سال پہلے شروع کیا تھا۔ یہ

بزنس۔۔۔ جو اس نے پچاس سال پہلے شروع کیا تھا۔ یہ

بزنس۔۔۔ جو اس نے پچاس سال پہلے شروع کیا تھا۔ یہ

باہر آ کے میں نے میڈم کے ڈرائیور کو رخصت کر دیا اور خود ساجد کے ساتھ بیٹھ گیا۔ "بہت عرصے سے میں کسی نئی نو استوری کی تلاش میں تھا، لکھنے کے لیے، ڈرامے لکھنے اور داستان محبت سناؤ۔"

وہ مسکرایا۔ "ہم کبھی بیٹھ کے کھاؤ کھاتے تھے۔"

سالت اینڈ ہیرو جیسیا ہے؟

ہم آرڈر دے چکے تھے جب فون فریڈ کرنے لگا۔

"جبر چھینی ہے دل گھبرا رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جی میری اماں گل... میری مس یونیورس..."

"نورا گھر آؤ، میڈم کے گھر... اس نے میرا رو میٹنگ خطاب سے بھیرا کیا۔"

"جب ایک عاشق کسی فانیو اسٹار ریسنورنٹ میں منت کا ڈنر تھاول فرما رہا ہو تو مجھ کی دعوت دہل کر بھی ٹھکرا دیتا ہے۔"

میں نے کہا اور فون آف کر دیا۔ پھر میں ساجد کی طرف متوجہ ہوا۔ "یہ ہے تمہاری ٹوشی سے بھی زیادہ پاگل ٹرکی... اسکی فریفتہ ہے مجھ پر کہ نندن دیکھے نہ رات..."

ہاں اب شروع کرو کہ پہلی نظر میں عشق کہاں اور کیسے ہوا؟"

وہ پھر مسکرایا۔ "یہ سو فیصد دراصل فنی آغاز تھا۔ ایک رات میں اور نوٹھی ٹنٹ میں پھنس گئے۔ میں ایک دوست سے ملنے گیا تھا جہاں میں اکٹھا جاتا رہتا تھا۔ باہر نکلا تو میرے سر میں درد تھا۔ میں نے سوچا تاپ ٹیور کے ریسنورنٹ میں جا کے چائے کافی چمک لیا لوں۔ نوٹھی کو وہاں ایک صنعت کار نے بلایا تھا۔ وہ کوئی کالج قائم کر رہا تھا۔"

اسے پرنسپل کی ضرورت تھی۔ نوٹھی اپنی پیکچر کی نوکری سے خوش نہیں تھی۔ سرکاری نوکری غلامی سے کم نہیں ہوتی۔ پھر تنخواہ میں سال کے سال انکریمینٹ کے سوا کچھ نہیں۔ اس نے بھی پرنسپل کے جانب کے لیے اپلائی کیا اور اسے کالج کے مالک نے پسند کر لیا۔ منتخب نہیں... پسند... وہاں تنخواہ اس کی موجودہ تنخواہ سے چار گنی تھی۔ اور پھر ماتحت سے پاس... پرنسپل کا عہدہ۔ لیکن وہ مالک کے بلانے پر گئی تو اسے بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ صرف پرنسپل ہی نہیں مالک کی مسٹر میں بھی ہوگی۔ ہوتا ہے یہ بھی۔ وہ انکار کر کے گئی تو طبی اتفاق یہ ہوا کہ اس کے بھی سر میں درد تھا اور اس نے بھی یہی سوچا کہ اوپر ریسنورنٹ میں جا کے چائے یا کافی کے ساتھ دو گولی درد کی نگل لے۔ اس زمانے میں ٹینشن سے اس کے سر میں درد ہوتا تھا۔ وہ گولیاں کھانے لگی تو اس کی عادی ہو گئی۔ میں نے یہ حادثہ چھرا دی ہے اور اب اس کے سر

میں نے اسے فور سے دیکھا۔ بلاشبہ وہ ایک چٹنڈم ہیرو تھا جو پہلے شہزادہ گھنگام کہلاتا تھا۔ چھوٹے سے بچہ مہ قہر کا صحت مند اور جیدہ نوجوان جس نے آج مختلف ٹی ٹریٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ وہ زیادہ پڑھا لکھا چاہے نہ ہو مگر اس کے جوابات سے اس کی ذہانت ثابت ہوتی تھی۔ اس جیسا نوجوان کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا۔ آئیڈیل ساجی رہتے عہدہ یا کارہو سکتی ہے مگر ڈگری کبھی نہیں ہوتی۔ ایک ٹھنڈا سا دورہ ہے۔ گدھی پر دل آجائے تو وہی بیٹی... فارسی میں کہتے تھے کہ بیٹی را بہ چشم بختوں باید دید... اس کالت کی نے نہیں سوچا کہ بختوں کو ن؟ گدھے پر دل آجائے تو وہی بختوں... اور بختوں کو بیٹی کی نظر سے دیکھو۔

بیٹی کی نظر کا کیا مطلب... ٹرکی معشوق ہی ہو سکتی ہے۔ عاشق کیسے ہو سکتی ہے۔ یا عقل تیرا ہی آسرا... عورت کیا انسان نہیں ہوتی؟ اس کے پاس دل اور دماغ نہیں ہوتے؟ وہ اپنی پسند ناپسند صرف جوتے، پڑے تک رکھ سکتی ہے؟

"اچھا سسر ساجد آئی ایم ویری سو ری... انزام لگا تا پڑا اس ہیرو کا پتہ چلانے کے لیے جو ہیروئن کے ساتھ نظر آتا تھا۔ وہ ویر نام بتاتا یا ہم اسے کام بتاتے تو خرابی ہوتی۔"

نوٹھی محبت کرتی ہے تم سے یہ بات میرے نامیں دماغ میں پانگن نہیں آسکتی تھی۔ وجہ کچھ نہیں۔ بس وہی رولٹی سوچا تھی۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک اتنی خوب صورت پیکچر کی کسبازی کے بیٹے کی محبت میں گرفتار ہو۔ کسبازی کا لفظ مجھے استغماں کرنا پڑا۔"

"اس میں بھی آپ کا تصور نہیں، یہی ہے میرا باپ۔"

"اچھا تو نوٹھی تمہارے ساتھ ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ ایسا کریں۔ مجھے کسی تھانے کے ڈرائنگ روم میں رکھیں آج کی رات اور مجھ سے اعتراف کرانے کی کوشش کریں۔ میں اپنے انکار پر قائم رہوں گا۔ مرتے دم تک۔ کیونکہ بات صرف اعتراف کی نہیں ہے۔ نوٹھی میرے پاس نہیں ہے تو برا دیکھیے ہوگی؟"

مجھ پر مزید بندہ ہنس رہا تھا۔ "نوٹھی تمہارے پاس نہیں ہے؟ اچھا، ظالم خان! میں ساجد کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں، یہ انوار برائے تاوان کا مجرم ہے اور تم بزدل... وہ طنز سے ہنسا۔" مٹھراک کام ہے سسر سراج رساں۔"

میں نے کہا۔ "آپ ایسا کریں۔ مجھے کسی تھانے کے ڈرائنگ روم میں رکھیں آج کی رات اور مجھ سے اعتراف کرانے کی کوشش کریں۔ میں اپنے انکار پر قائم رہوں گا۔ مرتے دم تک۔ کیونکہ بات صرف اعتراف کی نہیں ہے۔ نوٹھی میرے پاس نہیں ہے تو برا دیکھیے ہوگی؟"

مجھ پر مزید بندہ ہنس رہا تھا۔ "نوٹھی تمہارے پاس نہیں ہے؟ اچھا، ظالم خان! میں ساجد کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں، یہ انوار برائے تاوان کا مجرم ہے اور تم بزدل... وہ طنز سے ہنسا۔" مٹھراک کام ہے سسر سراج رساں۔"

میں نے کہا۔ "آپ ایسا کریں۔ مجھے کسی تھانے کے ڈرائنگ روم میں رکھیں آج کی رات اور مجھ سے اعتراف کرانے کی کوشش کریں۔ میں اپنے انکار پر قائم رہوں گا۔ مرتے دم تک۔ کیونکہ بات صرف اعتراف کی نہیں ہے۔ نوٹھی میرے پاس نہیں ہے تو برا دیکھیے ہوگی؟"

مجھ پر مزید بندہ ہنس رہا تھا۔ "نوٹھی تمہارے پاس نہیں ہے؟ اچھا، ظالم خان! میں ساجد کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں، یہ انوار برائے تاوان کا مجرم ہے اور تم بزدل... وہ طنز سے ہنسا۔" مٹھراک کام ہے سسر سراج رساں۔"

بھی مازخزے اٹھوائے گی۔ ابا کی مخالفت کا ایجنڈا دو نکاتی تھا۔ دوسرا اپنا سٹے یہ تھا کہ شہزادہ گلغام، تمہیں وہ کوہ کاف کی پری کیسے قبول کر رہی ہے جو ہذا حرام تک اور ایک کہانی کی اولاد ہے۔ تم اس کے غلام بن سکتے ہو، شوہر نہیں... مگر میں نے کہا کہ اچھا نہ جائیں آپ... میں خود جا کے اس سے شادی کر لیتا ہوں سن کورٹ میں... اس کی ماں بھی نہ مانی اور ایسا ہی سین دوسری طرف ہوا، کچا ڈیٹا لگا ہوئے۔

میں نے کہا۔ ”وہ سب ٹھیک، لیکن یہ جو تم نے ایڈوائس حق مہر دیا اور ترکی کو مکان خریدے دیا۔ اس کی پھر کیا ضرورت تھی؟“

وہ چمچ دیر خاموش رہا۔ ”آف کورس، ہم نے بلیک میل کیا اپنے اپنے پیدا کرنے والوں کو۔“

”ہم کا مطلب ہے دونوں؟“

”ہاں، اس نے ماں کو، کب آؤت کی دھمکی دی۔ میں نے بھی دی۔ مگر یہ ایڈوائس حق مہر اور مکان کا آئیڈیا میرا نہیں تھا۔ میں نہ پاگل ہوں اور نہ اتنا لالچی خود غرض اور ذلیل۔ فرض کریں میں ایسا کرتا، کیا دینے کی کوئی ٹرک مجھ سے شادی کرتی؟ جوتہ۔ رتی منہ پر پہنچ کر کہ اسے محبت تہتہ تہتہ تم اور اس لیے شادی کر رہے تھے مجھ سے؟“

”جوتہ نہیں جوتی، رتی جس کی سخت ہائی نہیں تمہارے سر کے بیچ میں شکاف کر کے اندر تر جاتی۔“

”آپ کب سے جانتے ہیں میڈم تو اور کیسے؟“

میں نے حقیقت بتائی۔ ”میں ایک حسین خانوں کے حکم کا غلام ہوں۔ جو آپ کی ساس کی غلام ہیں۔ یعنی میں غلاموں کا غلام۔“

یہ پاکستان کے سب سے بڑے گناہ سراخ رساں ہیں... بڑول تہا تو کیا؟

”آپ کو علم نہیں، میں جو اتنا مطمئن اور تھوڑا سا بے فکر ہوں، آپ کی وجہ سے ہوں۔ ورنہ نوشی انخوا ہو جاتی تو میں سکون سے بیٹھ سکتا تھا۔ کسی نے فون پر مجھ سے کہا کہ آپ اسے باز یاب کرالیں گے۔ اجہ بھی بتائی، ڈاکو آپ کے مر رہے ہیں۔“

”جس نے بھی یہ فرمایا، یا بکواس فرمائی، اسے چھوڑو، تم نے یہ بلیک میلنگ کیوں کی؟“

”میں نے نہیں، نوشی نے۔ آپ جانتے ہیں اس کی ماں کسی خود غرض اور لالچی ہے۔ ماں سے زیادہ جلیہ ہے۔ نوشی نے صاف کہا کہ میں تمہارے گھر میں نہیں رہ سکتی اور تم

میں درد نہیں ہوتا۔ وہاں ہم الگ الگ نیکل پر تھے۔ نفٹ ایک فلور نیچے سے ملتی تھی۔ وہاں ہم اکٹھے ہو گئے کیونکہ رات کے وقت تین میں سے صرف ایک نفٹ کام کرتی تھی۔ اب کرنا خدا کا یوں ہوا کہ نفٹ چلی اور بجلی چلی گئی۔ وہ گھبرائی مگر میں نے ایمر مرضی کا جن دیا اور اسے بھی سلی وی مگر نفٹ وہیں رک رہی۔ بار بار ایمر مرضی کا جن دیا نے سے چمچ بھی نہیں ہوا۔ اس نے پری بیٹنی میں موبائل فون نکالا تو اس کا رنگ اڑ گیا۔ فون میں سٹیل نہیں آ رہا تھا۔ اس کے کہنے سے پہلے میں نے بھی موبائل فون نکالا کہ اپنے دوست کو مطلع کروں۔ سگنل اس میں بھی نہیں آ رہا تھا۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔

نوشی تو بے ہوش ہونے والی تھی مگر میں نے اسے سلی وی کر گھبرانے کی بات نہیں۔ ابھی کسی اور کو نفٹ کی ضرورت پڑے گی تو معذور ہو جائے گا۔ بجلی آ جائے گی ورنہ جزیئر چلا دے گا کوئی۔ میں نے کہا کہ آپ آرام سے بیٹھ جائیں بے ہوش ہو کر گرنے سے پہلے اور مجھ سے ہانکل نہ ڈرتیں۔ خیر وہ بیٹھ گئی۔ میرے ہاتھ میں پانی کی استعمال شدہ بوتل تھی۔ میں نے کہا کہ یہ پانی مجموعہ ضرور ہے مگر پی لیں۔ تمہارے سے تذبذب کے بعد اس نے پی لیا۔ بس اس کے بعد کچھ نہیں ہوا۔ بجلی آئی نہیں۔ بعد میں پتا چلا کہ رات کے وقت جزیئر نہیں چلایا جاتا۔ موبائل فون کا سگنل بھی نہیں آیا۔ جن کو جانا ہو گا وہ سیزھیاں اتر کے چلے گئے۔ ہم دو نفٹ کے قیدی رہ گئے۔ باٹا خر میں بھی بیٹھ گیا۔ ہم رات بھر کیا کر سکتے تھے ہاتھوں کے سوا۔ بجلی آئی صبح۔ چمچ دیر بعد دفتر کے لوگ بھی آ جاتے۔ وہاں میں نے اسے پسند کیا بلکہ اس پر سو جان سے عاشق ہو گیا۔ اور اس کا روتیہ بھی دوستانہ ہو گیا۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ اس کو بھی میں اچھا لگا تھا۔ جب دوسری بار ہمارا آمانا ساٹا دو بیٹے بعد ایک دکان میں ہو اور وہ بچوں کو میرے پاس آئی اور بولی کہ ستر سا جہ کیسے لیا آپ... اور اس نے میری کافی کی دعوت قبول کر لی۔

”میڈم، ایک بیچ کچ کے روٹیں کا ٹلٹی اسٹارٹ۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن اصل کہانی اس کے بعد شروع ہوتی ہے جب ہیرو نے اپنے ابا کو ہیروئن کی ماں کے پاس بھیجا اس کا ہاتھ دنگنے کے لیے... گویا ولن کا کردار کہانی میں آیا۔ اس نے انکار کر دیا۔“

”ہاں، پہلے تو ابا کو مرضی کرنے کا مرحلہ تھا۔ اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیو کے خیال سے امان کی روح فنا ہوئی تھی کہ اس کی اپنی بیوی تو ہوگی نہیں میری چوٹی پھر کمر سے نکال باہر کھڑا کرے گی اور ہڈی خاک خدمت کرے گی۔ ہم سے

ہے... وہ برہمی سے بولا۔

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میرا ڈی ایس پی دوست ایسا سمجھتا ہے کہ اسے ڈاکوؤں نے اغوا نہیں کیا۔ وہ خود چل کے کس گئی ہے۔ ڈاکوؤں کے جانے کے بعد۔"

"گدھا ہے آپ کا یہ ڈی ایس پی دوست۔ اس قابل ہے کہ اسے کانسٹیبل بنا کے چوک میں کھڑا کر دیا جائے۔ آپ کا خیال ہے کہ یہ بھی بلیک میٹنگ ہے؟ میں شریک ہوں اس ڈرامے میں۔ آپ اس کی جان سے کھیل رہے ہیں۔ آپ بزدل ہی نہیں اجتس بھی ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک منٹ۔" میں نے کہا۔ "مجھے تمہارے ساتھ جانا ہے۔ تمہاری ساس کے گھر۔"

"تمناش بننے، دلیل ہونے، میں نہیں جاؤں گا۔ اس بڑھیا کی نکو اس بننے۔"

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "نہیں، ہمارے ساتھ ل کر اس نئی صورت حال اور اس پیچھے سے ٹھنسنے کے لیے۔ اپنے اور ظالم خان کے بارے میں تمہارے خیانات سے میں شفق ہوں۔"

☆ ☆ ☆

صبح دس بجے نئی ہنڈا سوک پھر میڈم کے گھر میں داخل ہوئی تو گھر میں چار افراد موجود تھے۔ ایک سوگوار اٹھارہ ماں۔ ایک ہمسار ڈاکٹر، ایک شرمسار پولیس افسر اور ایک خاکسار۔۔۔ صورت حال ایک دم عجیب ہو گئی تھی اور اس کا ذہن تڑپا۔ ظالم خان کے ساتھ میں بھی تھا جس نے اس کی بات کو سولید قابل اعتبار مان لیا تھا۔

ظالم خان نے گفتیش کا سلسلہ نئے سرے سے شروع کیا تو مجھے توپ صاحب کا خیال آیا۔ آج تو ان کا سوم ہونا چاہیے اصولاً۔ جب ان کا وقت شہادت قریب تھا تو میں واقعی بزدل ثابت ہوا تھا اور بھاگ آیا تھا۔ تمام شکایات کے باوجود توپ صاحب کی شفقت اور ان کے دور رسافت کو یاد کر کے میں آبدیدہ ہو گیا۔ روزنامہ "حقیقت ساز" بھی مرحوم اور میرے بتایا جات بھی پوم حساب تک موقوف۔ مگر ایسی شقاوت بھی کیا کہ میں مرقد مبارک پر فاتحہ تک نہ پڑھوں۔ بہت سے دردناک اشعار مجھے یاد آئے۔ موت سے کس کو ہتکار رہی ہے۔ آج تم کل ہماری باری ہے۔ دشمن مرے تے خوش نہ کرے جتناں دی مر جانا... پھر کیا عجب کہ ناقابل اعتبار فرشتہ اجل نے ناقص کو محتول کر دیا ہو۔ توپ صاحب کرسی ادارت پر نہ ہوں حالات میں ہوں۔

گھر داماد بن کے میرے گھر میں نہیں رہ سکتے۔ میں نے اس کی بات سے سو فیصد اتفاق کیا تو اس نے کہا کہ تمہارا اپنا کوئی گھر ہے نہیں، کرائے کے گھر میں رہنا مجھے منظور نہیں۔" صاعنہ کی آواز پھر میرے کانوں میں گونجی۔ آقرین ہے اس بہادر لڑکی کی دورانہنگی پر اور دانش پر۔

ساجد بوتا رہا۔ "اب میں اپنی ماں کو مزید بیک میل کرتی ہوں۔ ان کو الٹی پٹی پڑھاتی ہوں۔ تمہارے ابا کو انکار تو وہ کریں گی۔ میں کہوں گی کہ انکار کرنا ہے تو اس کے باپ کے سامنے دو مطالبات رکھیں۔ یہ کہ لڑکی کے نام سر چھپانے کا ٹھکانا کر دو۔ اور لڑکا نکالو ہے تو اس کی طرف سے تم میری بیٹی کو مالی تحفہ فراہم کر دو۔۔۔ اس کے پیسے اکاؤنٹ میں اتنی رقم ڈالو، ظاہر ہے وہ آتش فشاں کی طرح ابلتا دیکھ چلا جائے گا۔ آگے دونوں مطالبات باپ سے منوانا اصل امتحان ہے۔ مگر اٹھو بیٹا سپر پاور ہوتا ہے۔ محبت اور جنگ

میں سب جائز ہے اور یہ ہمارے نیچے محبت ہے ہمارے والدین کے لیے جنگ۔ مجھے بھی یہ کام ناممکن لگتا تھا مگر نوشی نے کہا کہ کوشش کر کے تو دیکھو، میری خاطر... میں نے کہا کہ اوکے۔ لیکن میں ناکام رہا تو پھر میری چلے گی۔ لوجی،

میری بات پر ابا صاحب نے مجھے جو گالیاں دیں اور اماں نے جو وساوس میں کیا بتاؤں۔ قصہ مختصر، میں نے ٹرپ کارڈ کھلیا۔ اس کی کوئی دوست ڈاکٹر ہے۔ اس نے کوئی دوا دی کہ چند گھنٹے کے لیے انٹرفیل ہو جاؤ گے مگر مرد کے نہیں۔ سرکاری اسپتال تو وہ لے کر جائیں گے نہیں۔ وہاں پولیس کہیں بن جائے گا۔ قریب ترین پرائیویٹ اسپتال یہی ہے جہاں میں ہوں۔ اور وہ خود علاج کے لیے یہاں آتے ہیں۔ یہاں میں سنبھال لوں گی ورنہ کہہ دوں گی کسی اور کو جو ڈیوٹی پر ہوں۔ خود کسی سے پہلے جنوٹ لکھو کسی خاتون رائٹر سے لکھو آؤ تو زیادہ مؤثر ہوگا۔ ویسے تو میں بھی لکھتی ہوں زائد برسوں میں کہانیاں۔ بس جناب کام تو وہیں بن گیا۔

اور سب ویسے ہی ہو گیا جیسے ہم نے پلان کیا تھا۔"

"ہم نے نہیں صرف نوشی نے۔ خیر، اس نے بھی اچھا کیا۔ ہر فرعون نے رام کوئی... ایسی ماں کو ایسی ہی بیٹی ٹھیک کر سکتی تھی۔ تم دونوں نے اپنا اپنا الو سیدھا کیا۔ لیکن اب یہ نیا لڑاؤ کہیں بیٹھ کے کمر رہی ہے وہ یہ بہت زیادتی ہے۔"

وہ چونکا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب وہی ہے جو وہ پچاس ااکھ نظر اپنی ماں سے بھی اپنے اکاؤنٹ میں چاہتی ہے۔ یہ ڈاکوؤں کا کھیل..."

"یہ کوئی کھیل نہیں ہے اور جو آؤ کا پٹھا ایسا سمجھتا

صونا چاندہیں

وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر سکرانے۔ پھر توپ صاحب گھوری کے غنوبے سمیت گڑگڑا کے بنے۔  
"برخوردار عزیز بن، یہ تو ہمیں اندازہ ہے کہ ایب ہوگا بلکہ ہو چکا ہے۔"

پٹھان ہنسا۔ "ابھی ہم کل سے اور بیٹھا ہے۔ ایک بجی چاں نہیں چلا۔"

میں نے کہا۔ "بہت خوب بیٹھے رہیے جب تک فرشتہ اجل خود کی ایک کواٹھا کے نہ لے جائے میں چلتا ہوں۔"

تیرت انگیز سرعت کے ساتھ توپ صاحب نے کرسی کے سپارے کھڑی چھتری اٹھائی اور اس کا حلقہ میری گردن میں ڈال دیا۔ "ایسے کہاں چلے میاں بزدل... کل قطعہ کی جگہ کیا ہم جلاب کانسٹو جھا ہیں گے؟"

میں نے فوراً ہتھیار ڈال دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں بھی ادائے فرض کے خیالی سے آ گیا تھا، دھوبی فرش کی کوشش کے لیے بھی وقت کہاں تھا۔ میں نے قطعہ جیب سے نکال کر ان کے حوالے کیا۔

"بھئی خان صاحب! بڑا ذمے دار برخوردار ہے گویا اپنا بدیع الزماں دنواز لانا موسوی۔" توپ صاحب بولے۔

پٹھان نے سوچ کے کہا۔ "خو، یہ کون ہے۔ ہم تو نہیں جانتا۔"

توپ صاحب بندہ زن ہوئے۔ "بھئی اپنا بزدل اور کون، اب اتنا لہانام آدی فرصت میں لے سکتا ہے گویا۔ ہم نے مختصر کر دیا ہے۔ جیسے اب تمہارا اسم شریف ہے گویا... آغا سکیم مقصود تو لیاش... تو پہلا حرف لے کر ملائیں تو جتنا ہے احسن..."

پٹھان نے غرا کے کہا۔ "احسن یو لاقم ہم ہو؟"  
"اماں لاجول ولا قوۃ... ہم تو بزدل کی مثال دے رہے تھے کہ ہم نے نام کو مختصر کر کے بزدل بنا دیا۔ تم چال سوچو..."

ابھی سیزھیاں اترتے ہوئے میں توپ صاحب کی دروزہ میں چٹلاخ کی آواز جیسی ہنسی سن رہا تھا کہ سوائل فون صاعتر سے منسوب رنگ لون میں گانے لگا۔ "جگر بھتی ہے دل بھرا رہا ہے۔"

میرے ہیلے کہنے سے پہلے ہی اس نے مجھے ڈانٹنا شروع کیا۔ "حد ہوتی ہے فیر ذمے داری کی بھی۔ اتنے اہم معاملات پر بات چھوڑ کے نکل گئے۔ کہاں ہو اس وقت؟" میں نے کہا۔ "مراجعت کے راتے پر، شرمسار یہ

میں نے محسوس کیا کہ یوں لائق اور بے خبر رہتا ہے جسی اور بزدل ہونے کی دلیل ہے۔ ویسے بھی اس جائے واردات پر میرے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ جو دوسری گئی تھیں سے تو میں فرار ہو گیا تھا۔ میں نے جھوٹ کا سہارا لیا کہ توپ صاحب کئی بار فون کر چکے ہیں اور آخری بار تو انہوں نے بڑا دردناک شمر پڑھا تھا کہ تک میر جگر سوت کی جلد خبر ہے۔ کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا... اور وہاں سے نکل آیا۔

روز نامہ "حقیقت ساز" کے دفتر کی سیزھیاں چڑھتے ہوئے میری نظروں کے سامنے شعور میں جو مناظر آئے وہ اندوہناک ہی تھے مگر دروازے سے اندر قدم رنچر نہ ماتے ہی میں نے جو متکرو دیکھا ناقابل یقین تھا۔ توپ صاحب اسی گن کا عہد کر کے جانے والے پٹھان کے ساتھ میز پر آئے سامنے شلرنگ کی بساط بچھائے بیٹھے تھے۔ دونوں کی نظر مہروں پر مچی چنانچہ کسی نے نظر اٹھا کے میری طرف نہیں دیکھا۔ پھر میرے سامنے پٹھان نے توپ صاحب کو نوسوار پیش کیا اور انہوں نے سر ہلا دیا۔ "میاں تم ہماری گھوری قبول کرتے تو ہم بھی ایک چچی نوسوار کی لے لیتے۔"

"خو یار، یہ تو ایک دم بمبات چیز ہے۔ جنت کا نشہ۔"

"اور ہماری بارہ سالے وان گھوری شاہانہ شوق۔" توپ صاحب بولے پھر انہوں نے مجھے دیکھا۔ "ارے میاں بزدل! تم کیا زمین سے اگے ہو گویا کہ گڑے گڑے ہو رہے ہو۔"

میں ان کے درمیان تیسری طرف بیٹھ گیا۔ "کہتے افسوس کی بات ہے۔ اتنے موافق حالات تھے مگر آپ میں سے کسی کو فوت ہونے یا فوت کرنے کی توقع نہ ہوئی۔ میرا خیالی تھا کہ اب تک آپ ایک دوسرے کو گل کر چکے ہوں گے۔"

توپ صاحب مرفی کی طرح گڑگڑائے جو ان کے بیٹنے کا انداز تھا۔ "نو بھئی اپنے خان صاحب، ذرا اس کو بھی سمجھاؤ کہ ہم اور کیا کر رہے ہیں آخر۔"

اس نے مجھے افسوس ناک نظر سے دیکھا۔ "خو ابھی ہم بتائے گا تم کو... ڈر ہلک کا بھی... اپنا انگریمنٹ ہو گیا ہے لکا۔ جو یہ ہنزی ہارے گا وہ لکھ کر دے گا کہ اس نے خود گئی کیا۔ پھر دوسرا اس کو گل کر دے گا۔"

میں نے ان دونوں کو مشتہ نظر سے دیکھا۔ "اور بازی ہارجت کے فیصلے کے بغیر تم ہو گئی تو... ایسا ہوتا ہے۔"



تا بعد از بار بار... اسے میری بلبل کو ہمارا۔"

مگر میری آزاد نظم کے ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ٹون بند کر چکی تھی۔ اس کی آواز سے صورتِ صحت کے یہ سنگین ہونے کا اندازہ تو مجھے ہوتا تھا۔ جب میں پھر جائے واردات پر نمودار ہوا تو سب کی نظر میں میرے لیے صرف طامت تھی لیکن میں نے پھر بھی مسکرانے کی طاقت کی اور سب سے مخاطب ہوا۔ "اب مجھے بتا دیا جائے کہ میرے جاتے ہی کون سی قیامت آگئی؟"

میزم نے اپنا موبائل فون میری طرف بڑھا دیا۔ "تمہارے جانے کے جس منٹ بعد یہ کال آگئی تھی۔" میں نے ریکارڈنگ کو آن کیا۔ "ہیو۔" میزم نے جواب دیا۔ "تو چالاک بن کے پتھر لینے کی کوشش تو نہیں کر رہی ہے نا؟"

"دیکھو، میں ایک ماں ہوں۔ مجھے اپنی بیٹی کی جان عزیز ہے۔" "اہم جانتے ہیں تو نے نمبر بھی نوٹ کیے ہوں گے۔ کال بھی ریکارڈنگ ہوگی۔ کوئی ضرورت ہے اسی ہٹنا پڑھا رہا ہو گا لیکن اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ ہم نے بلانا کہ تیرا چھو کر اس سے زیادہ سزا دے گا۔"

"دیکھو، اگر تم چاہو تو تصدیق کر لو۔ میں نے صرف ڈکیتی کی رپورٹ کھوائی ہے۔ وہ بھی دوسرے دن۔" "سب جتا ہے اپنے کو۔ کسی سے بات نہیں کرنے کا۔ کسی کو بتائیں گا تو بات خلاص... پیش اسٹیجیم... تم کھود آئیں گا اور اپنا گاڑی میں۔ خود چلائیں گا۔ کوئی اور ساتھ یا آگے پیچھے ہوئیں گا تو ہم کو پتا چل جائیں گا۔ پھر ادھر انتظار کرنا ساری عمر۔"

میں نے کال ختم ہوتے ہی فون بند کر دیا اور ظالم خان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "پریشیل لوگ ہیں۔" اس نے کہا۔ "اور قابو ڈاکو بھی۔ آجی یہ جگہ بدلیں گے۔"

"کانزہاں کہاں سے کی گئی تھی؟" میں نے کہا۔ "ایک کراچی سے، دوسری اندرون سندھ سے آئی تھیں۔ کچے کے علاقے کی طرف سے۔ اسی سے کچھ اندازہ ہوا کہ یہ ڈاکو ہیں۔ ابھی جو کال آئی... اس کی بات سچ میں رہ گئی۔ کیونکہ اس کا موبائل چلانے لگا تھا۔ اس نے کہا۔ "ہیلو، ہاں... تمہیں پکا جاتا ہے۔ اچھا اوکے ٹھیک ہے۔" وہ کال بند کر کے پھر ہم سے مخاطب ہوا جو سانس روکے بیٹھے

تھے۔ "یہ کال مری سے آئی تھی۔"

"مری سے؟" میزم نے بے یقینی سے کہا۔ "مری، پتھر اور کونڈ کال کہاں سے نہیں کرائی جاسکتی میزم۔ میرے آپ کے یہی دوست بیٹھے ہیں۔ میں اب چلتا ہوں۔ آپ طے کر لیں۔ کسی کی مداخلت میں ففٹی ففٹی جانیس ہے کہ تم قتل کیا جائے... مگر ڈرکی نہ ہے۔ آپ کی جگہ میں بھی ہوتا تو رسک نہ لیتا۔"

اس کے جانے کے بعد خادمہ کافی لے کر آئی مگر صرف میرے لیے... ایک گھمبیر دار بیوی کی طرح بعض اوقات وہ مجھے حیران کر دیتی تھی۔ اس کو معلوم تھا کہ میں کہاں گیا تھا۔ وہاں مجھے کافی ٹیکس ٹی ہوگی۔ چنانچہ درمیان میں وہ دو منٹ کے لیے اٹھ کر اندر گئی تھی تو اس نے خادمہ کو کہہ دیا تھا کہ صرف میرے لیے کافی لائے۔

میزم نے کسی گہری سوچ سے نکل کر کہا۔ "بڑول انہوں نے مجھے بلایا ہے کیا... پیش اسٹیجیم، شہر کے سچ میں۔"

"میں نے کہا: جگہ بدلیں گے وہ۔ آپ کو اکیلا جانا تو پڑے گا۔ گاڑی چلا سکتی ہیں نا آپ؟" میں نے کہا۔ اس نے اترار میں سر ہلایا۔ "لیکن... انہوں نے رقم لے لی... اور خوشی نہ ہوئی وہاں... میں کسی کو پچھاتی تو نہیں نا، جیسے وہ پچھاتے ہیں۔"

"ایسا تو ہوتا ہے۔ یہ رسک تو لینا پڑتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا ہو گا امر... وہ مجھے بھی گولی مار کے پیسے گئے... میرا تو دانی وارنٹ بھی نہیں کوئی۔"

میں نے کہا۔ "آپ عجیب باتیں کرتی ہیں میزم... بن حالات میں کوئی ایسا سوچتا ہے؟ دان وارنٹ ہوتا تو کینا فرق پڑتا؟ سوہ، چہلم ہی کرا تا نا... ایف آئی آر کھلی جاتی اور بس آپ کی ساری توجہ خوشی کو بچانے کے لیے ہوتی چاہیے۔ میں نے دیکھا تھا ایک ٹیکس جس میں باپ نے خود کو آفر کر دیا تھا۔ بیٹے کے بدلے اور تھوڑا ہو گیا تھا۔ اس کا بھی اکلوتا بیٹا تھا۔ بسے چوڑے کاروبار کا مالک... روپیا بیسنا سب اس کی تحویل میں تھا۔ وہ اگلے ہی دن ایک گروڈ لے کر خود گیا مگر ڈاکو نہیں آئے۔ اس نے دو دن انتظار کیا پھر پتا چلا کہ اس کے باپ نے ریو لوور چین کے دو ڈاکو مار دینے اور خود بھی مارا گیا۔ پولیس نے کہا کہ بھاگ جاؤ بیوی بچوں سمیت اور وہ روپوش ہو گیا پھر باہر نکل گیا۔ یہاں جو کچھ تھا، سب اس کے وکیلوں نے سچ دیا۔ وہ برعنائیہ کا شہری تھا۔"

سوا جانسی

وہاں کاروبار کر رہا ہے۔“  
 میرے خاموش ہونے کے کچھ دیر بعد میڈم نے کہا: ”تمہارا مطلب ہے... میں بھی ریوٹلو سے جوڑوں اور مار دوں انہیں؟“  
 میں نے اپنے سر پر علامتی انداز میں ہاتھ مارا۔ ”اس باپ نے بھی کوئی عمل مندی نہیں کی تھی۔ وہ خود بھی زندہ رہتا اور بیٹے کا کاروبار بھی یہاں چلتا رہتا۔ شاید اس نے سوچا کہ خون ننگ کیا ہے ان کے منہ کو... اگلی بار یہ بیٹے کے بیٹے کو اٹھائیں گے۔ میری عمر تو 75 سال ہے اور ستا کی اولیٰ گا۔ بس یہی سوچ کے وہ لڑ گیا۔ حالانکہ اس سے فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ دو آدمی پورا گروہ نہیں تھے۔ باقی پہلے دشمن نہیں تھے۔ دوسرا سگن مار سے گئے تو دشمن ہو گئے اور لڑکے کو جان بچو کے بھانگنا پڑا۔ آپ جاؤ، شرافت سے رقم دو، اور بیٹا کے ساتھ واپس آ جاؤ۔“ فاتحہ بات کوئی نہیں۔“  
 جسے جس رات پھر نوشی کے کمرے میں سونا پڑا۔ کھانے کے دوران میں میڈم کو پوری طرح یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ تاوان ادا کرنے کے بعد نہ اس کے نیچے خطرے کی بات ہے اور نہ نوشی کے لیے ڈاکو ہارے ختم انوں سے زیادہ قابل اعتبار ہوتے ہیں۔ تمام عمر کوئی دوسرا ڈاکو بھی دوبارہ تاوان طلب نہیں کرے گا۔ یہ بھتا لینے والوں کی طرح جو اسے پروٹیکشن سنی کہتے ہیں دنیا بھر میں... گارنٹی ہوتی ہے کہ وہ اور ان کا کاروبار محفوظ رہے گا۔ یہ رقم بھی ایک طرح کی لائف انشورنس ہے۔

کھانے کے بعد صائمہ کی تحریک پر میں نے اسے لڑکچ میں گرین ٹی پیٹے ہوئے ایک دماغ درست کرنے والا پتھر دیا۔  
 ”اب نوشی لوٹ آئے تو آپ خدا کا شکر ادا کریں۔ اس اتفاق پر کہ آپ نے جس سے لڑکچ میں ان کا سودا کیا تھا وہی تھا جس کو نوشی چاہتی تھی۔ پسند کی منطلق کوئی نہیں ہوتی اور میری آپ کی دنیا میں ہر شخص کی پسند انگ ہے۔ جو میرے نزدیک ہے تو قوی ہے دماغ کی خرابی ہے وہ دوسرے کے نزدیک شش ہے۔ ایک ناقابل علاج جان لیوا مرض۔“  
 ”اور تم سمجھتے ہو ہر عشق سچا ہوتا ہے۔ کسی میں دھوکا نہیں ہوتا۔ مجھے دیکھو، عبرت کی تصویر ہوں میں کہ نہیں۔“  
 مجھے ایک شاک سا لگا۔ خود صائمہ بھی چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”ہاں، اسی جوانی کی

خاموشی کے ایک پرائسٹوں وقفے کے بعد میں نے کہا: ”نوشی یہ سب جانتی تھی اسی لیے اس نے آپ سے چھپایا۔ کیونکہ وہ خود آپ کی فطرتی دہرا رہی تھی۔ آپ اس کی راہ میں دیوار بن جاتے... مگر... مجھے نہیں لگتا کہ اس کا فیصلہ بھی نہط ثابت ہوگا۔ مستقبل کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے... جو اس نے دھوکے سے لیا اسی کا تھا۔ باقی بھی اس کے نام زد ہیں۔ خوشی اور سکون سے معمور دوسری زندگی کے لیے... جو آپ کو نواسے نواسیوں کی صورت میں سے گا۔ یہ دوسری زندگی آپ کے سارے غم سارے دکھ کو بھڑکا دے گی۔ میں نے لوگوں کی یہ دوسری زندگی دیکھی ہے۔“  
 آدھی رات کے بہت بعد نیک میں اور صائمہ اس چھوٹے سے گھر کے چھوٹے سے لان میں کرسیاں ڈالنے بیٹھے رہے اور اس پورے چاند کو دیکھتے رہے جو نہ چلنے اسکی ہی فطرتی رزقوں میں ہمیں اسی طرح دکھ چکا تھا۔ کبھی ساحل سمندر پر کبھی مری کے کوہساروں کی خاموشی میں، کسی روف ٹاپ ریستورنٹ میں، یا ایسے ہی ویران جگہوں پر سرگرداں... بے چارہ ایک مہربان چاند اور لاکھوں ہم جیسے پیار کرنے والے۔ سنی نے بھی اسے تھیک یونیس کہا۔ ہاں شاعروں نے اس پر لکھا۔ مصیروں نے اس کے جادو کو اپنے کیوں پر یا اپنے گھر سے میں اتارنے کی کوشش ضرور کی۔ تاکہ کوشش۔ چوہو میں شب کا جادو وہ کہاں سے لاتے۔  
 کمرے میں اندھیرا کیسے کھڑکی کا پردہ تھوڑا سا

”ایسے ظالم خان! میں اللہ کو پیارا ہونے والا ہوں... آؤ کے پٹھے۔“

”یار میں سورہ تسکین پڑھتا ہوں۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ ڈکی کے لاک کو بھی یہی وقت خراب ہوتا تھا۔ ظالم خان نے باہر سے فرمایا۔“ اللہ کی مرضی، اس کے بغیر پتا بھی نہیں چلتا تو ملک یک کسے بنے گا۔“

”میری بھی نہ ہونے والی بیوی کو بیچو تو نے کیا۔“ میں نے کہا۔ ”یہ سیٹ بھی تو نہیں تھی۔“

سین یوں تھا کہ میں میڈم کی گاڑی کی ڈکی میں لینا ہوا تھا اور مجھے اندر سے ڈکی کھول کے باہر آنے کی پرمیٹ کرنی تھی۔ جو بظاہر بہت آسان کام تھا۔ ایک بیچ کس کی مدد سے مجھے ڈکی کے ایک ہک کو تھوڑا سا ہلاتا تھا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ ڈکی اٹھ جاتی، ایسا دو بار ہو گیا۔ تیسری بار نہیں ہوا۔ میری تمام عمل لڑانے کے باوجود اور باہر سے ملنے والی ظالم خان کی ہدایات کے باوجود... میرے پاس تاریخ بھی تھی۔ اس کی روشنی میں یہ کئی خرابی کو تلاش کرنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ مجھے معلوم تھا کہ کار کی پیچہ یعنی پیچھے والی لمبی سیٹ کو ہب سے نکال کے آگے جھکا یا جاسکتا ہے اور میں دوسری طرف سے کار کا دروازہ کھول کے باہر آ جاؤں گا۔ لیکن اس سیٹ کا میکانی سسٹم کچھ اور تھا۔ مزید یہ کہ اس کے مین نیچے چار فنٹ کا گول سفید اور ہم کی شکل کا گیس سلنڈر نصب تھا۔

یہ کارروائی ایک خاص پلان کے تحت ہو رہی تھی جو ظالم خان نے مجھ سے سامنے رکھا تھا۔ مجھے اس نے آٹھ پہلے خواب غفلت سے بیدار کیا۔ ”بزدل صاحب! رات کیسی گزری؟“

”جیسی تمہاری گزری ہوگی، ویسی نہیں گزری۔ کوئی خاص بات تھی کہ آپ نے... آٹھ گھنٹہ کر مری دنیا کے فریوں کو جگا دو۔ غلامہ کے فرمودہ پر عمل ضروری سمجھا؟“

”ہاں، پلان بدن گیا ہے۔ میڈم کہاں ہے؟“ میں نے کہا۔ ”ہوئی تاوان کی رقم کے انتظام میں مصروف۔ گل میں نے اور ساتھ نے اس کا دامغ درست کر دیا۔“

وہ ہنسا۔ ”وہ حیران مارغ تو درست کر نہیں سکی۔ خیر، میری بات دھیان سے سن۔ وہ رقم کا بندہ بست کرنے... بینک سے... قرض دینے والوں سے ملے تاکہ کوئی دیکھنے پر مامور ہو تو اسے تسکین آجائے۔ گیارہ پہلے وہ آئی آئی چند گھنٹہ روڈ پر جائے، بینک کے ہال میں ایک پٹھان

ہٹائے میڈم ہمیں دیکھتی رہی۔

”کوئی بد نیزی مت کرنا۔ میڈم دیکھ رہی ہیں چھپ کے۔“ ساعمر نے کہا۔

”ہاں تو یہ دعویٰ ہات ہے کہ... تم تو مجھے جھینڈو گے۔“ میں نے ہنس کے کہا۔ ”اس بڑھاپے کی سزا تو یہی ہے کہ اب اپنے خوابوں کی تصویر دوسروں کی زندگی میں دیکھے۔“

”تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے قصور دار میڈم تھی۔“

”میں یہ بھی نہیں مان سکتا کہ سارا قصور اس کے شوہر کا تھا۔ تالی دو ہاتھوں سے بچتی ہے۔“

”اس نے بتا دیا کہ وہ کس تماش کا مرد تھا۔ اس کے باوجود... وہ احتجاج کے انداز میں بولی۔

”دیکھو بی بی، عورت کو خدا نے سپر پاور بنا دیا ہے۔ قلو پلٹرو سے ایو ابراؤن تک جو ہلکے کنٹرول کرتی تھی۔ مسز اسپنس تک جس کی خاطر ایڈورڈ ہشتم نے تاج برطانیہ کو ٹھکرا دیا جس پر آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا اور طنائق یافتہ مسز پارکر تک جس کے سامنے موجودہ ولی عہد برطانیہ چارلس کو ڈیانا جیسی حسینہ، لم قبول نہ ہوئی۔ خیر، یہ تو تاریخ کی کتابیں ہیں۔ آج بھی عورت نے کتے کی دم جیسے مردوں کو سپرد حاکم کیا ہے۔ ان کی نشے کی لت سے ہوس پرستی کی، دت تک سب چیز ادا ہے۔ انہیں اپنا نظام بنالیا ہے۔ غصے اور تپتے پکار سے نہیں۔ پیار محبت سے۔ جس سے کتنا بھی قدموں میں لوٹنے لگتا ہے۔ اگر یہ اتنی خوب صورت تھی تو وہ کسی اور کی طرف گینا ہی کیوں؟ شرط لگا لو... اس کی بک اور بد مزاجی کی عادت کے باعث... مرد تو ہے طاقتور... اسے طاقت سے عورت کیسے زبرد کر سکتی ہے۔“

ساعمر متنی رہی۔ ”میڈم کا غصہ اور ضد تو دیکھی ہے میں نے بھی۔“

”قاری میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ مرد عورت سب کے لیے۔ ہر کہ خدمت کرنا اور خدمت شد... جو عورت حکومت بن کے رہتی ہے وہی مرد پر حکومت کرتی ہے۔“

”اچھا حاکم صاحب! آپ کچھ کہہ رہے تھے؟ میں نے سنا نہیں۔ خیر میں تھی۔“ وہ اٹھتے ہوئے مکاری سے بولی۔

اس نے بتا دیا تھا کہ وہ حکومت بن کے ہی مانے گی اور حاکم ہوگی۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے میری تصویر سنی ہی نہیں۔

☆☆☆

سونا چاندی



ایسٹ ٹینٹ ہے۔

”جواب بند کرنے کی کوئی... جو مجھے لگ چکے ہوں گے۔“

”ابے! بند رانینڈ ٹیپ... اس پر تصویر صاف نظر آئے گی۔ باہر کے کمروں کی اور آواز بھی ریکارڈ ہوگی۔ دن کی روشنی میں لٹیش لائٹ کی ضرورت نہیں۔ بس میڈیم کو گاڑی نیشنل اسٹینڈیم کے سینٹر میں چاچ کے پاس رکھنی ہے۔ اور باہر نکل کے گاڑی کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ یونٹ سے ٹیک لگا کے انتظار کرنا ہے۔ ابھی تک انہوں نے جگہ نہیں بدلی لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ بدلیں گے۔ ایسا ہوتا ہے۔ دو تین دلدہ بھی وہ ایک جگہ بنائیں گے اور بھی دوسری جگہ۔“

”اور میں بار بار اسی طرح خبرے میں بند ہو کے...؟“

”انہیں ہی طرح گرفتار کریں گے ہم... بعد میں۔“

نتیجہ یہ کہ عین وقت پر میں لاک ہو گیا تھا اور لاک جام ہو گیا تھا۔ اب مجھے سکون سے لیٹ کر دعا کرنا تھی کہ لاک ٹھیک کرنے والا آجائے۔ میں نے ڈکی میں موجود سات انچ کی ٹیلیٹ کے فنکشن چیک کیے۔ مجھے باہر کا منظر

خود اس سے رابطہ کرے گا اور سب کے سامنے اسے پچاس لاکھ دے گا۔“

”کون پٹھان؟“

”تیرا ماما، نام اور ولدیت سے کیا ٹیٹا وچنا میڈیم کا۔ یہ سین کیمرے بھی ریکارڈ کریں گے۔ پھر وہ رقم ایک تھیلے میں ڈال کے باہر نکلے گی اور اپنی گاڑی میں اسپتال چلی جائے گی۔ تمہری بات نہیں۔ سادہ کپڑوں میں پولیس کے کمانڈوز کی گاڑیاں آگے پیچھے ہوں گی۔ کسی نے لے لوٹنے کی کوشش کی تو مارا جائے گا۔ صائمہ کے پاس گاڑی ہے۔ وہ ٹائم پر اسپتال جائے گی اور تم کو توپ صاحب کے آفس پر اتار دے گی۔ سب معمول کے مطابق نظر آئے اگر وہ دیکھ رہے ہوں۔“

”مگر اس وقت وہاں آ تو بھی نہیں بول رہے ہوں گے۔ توپ صاحب بھی نہیں ہوں گے۔“

”الوتیرے جانے کے بعد بولنے لگیں گے۔ تب تو وہیں سوتا ہے یا پھر وہ تجھے اپنے سر قدم پر اتار دے۔ یہی بہتر ہے۔ چار بجے آپ جائیں میڈیم کے پاس۔ صائمہ سے ملنے اور وہاں سے صائمہ کی گاڑی میں میڈیم کے گھر... جب تک وہ پچاس لاکھ کی رقم کے ساتھ گھر پہنچ چکی ہوگی اور گھر کی بات نہیں۔ دن میں جب گھر بند تھا تین کمانڈوز اندر پہنچ چکے ہیں؟ چار بجے میں بھی اندر ہی ملوں گا۔ فیصلہ یہ کیا ہے کہ میڈیم ایٹلی نہیں جائے گی رقم لے کر۔“

”پھر؟ کمانڈوز ساتھ جائیں گے؟ جبے اس میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا؟ میڈیم یا نوٹی کے لیے؟“

”کمانڈوز ساتھ نہیں جائیں گے۔ ایک بہت بہادر بندہ ساتھ جائے گا۔ نام کا تو بزدل ہے۔“

”میں اچھل پڑا۔“ میں؟ عالم خان دشمنی لگانے کا اچھا طریقہ سوچا۔ صائمہ بیوی سے پہلے بیوہ ہو جائے۔“

”برادر عزیز، آپ ایسے جائیں گے کہ نظر نہیں آئیں گے۔“

”اچھا! سلیمانی ٹوپی ایجاد کر لی ہے پولیس نے یا کسی سے مال سر وقت میں برآمد کی ہے؟“ میں نے کہا۔

”آپ ڈکی میں آرام سے بیٹ کر جائیں گے۔ میڈیم کی گاڑی کی بیٹ لائٹس میں بہت طاقتور کیمرے نصب کر دیے گئے ہیں۔ کل رات جب گاڑی گھر کے گیراج میں تھی۔ سائٹنگ کرل میں بھی ایک کیمرا ہے اور سب کے ساتھ ماسک ہیں۔ یہ سب آج کل بچوں کے مٹھونے ہیں۔ پولیس کے پاس بہت اعلیٰ پروڈیشنل سامان ہے۔ ڈکی میں

درد وازہ بند کرنے تک پہنچنے سے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی اور اس کا رخ گیت کی طرف تھا۔

میں مغلوب پڑا دیکھتا رہ گیا۔ انہیں کچھ شبہ ہی ضرورت ہی کہانی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اب میڈیم کی زندگی بھی بن کے دم و کرم پر ہے۔ وہ ایک طرح سے خواہش لوگ تھے۔ ان کو شوٹ کر کے گاڑی بوند کا جاسکتا تھا مگر میڈیم کی لاش گرنے کے بعد... گاڑی شاید اٹ جاتی اور اس میں آگ لگ جاتی۔ پچاس لاکھ کے نوٹ بھی جلنے سے راکھ ہو جاتے۔ میڈیم کی زندگی کا چراغ بھی گل ہو جاتا۔ قاتل تو مرنے کے لیے تیار ہو کے آئے تھے۔ اب وہ یہاں چار بے تھے۔ میں دیکھ سکتا تھا۔ وہ نیشنل ہائی وے کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں سیٹ ٹیسٹ کیس کی خبر ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ گھر بن چکے تھے۔ اس کے سامنے بحر یہ پوچھ رہی تھی۔

تیسرا سپاہی کا قبرستان تھا۔ میں نے نہیں دیکھی مگر تیسرا چیز بڑی دلہنی کہانی والی ریسوس کی ہستی تھی جس میں ساتھ کروڑوں سے نیچے گاھر نہیں ہوتا۔

میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ آگے پیچھے کی ٹریفک میں کوئی بیسیا بچانے کی کوشش کرنے والا بھی ہے یا نہیں۔ اور وہ بچائے گا تو کیسے؟ گاڑی ٹورو کتے کے لیے اگلے گاڑوں کو نشانہ بنا کر تڑکی جاتا تو گاڑی الٹ جاتی۔ یقیناً وہ پیچھے ہی تڑکی کریں گے۔ اور کوئی جب متحرک ٹارگٹ پر چلتی جائے اور خود نشانہ لینے والے متحرک ہوں تو نشانہ غلط ہونے کا امکان بہت زیادہ تھا۔ چھٹی چوڑے ٹارگٹ سے زیادہ بڑا ٹارگٹ ڈکی تھی۔ کوئی اس میں سوراخ کر کے میرے جسم کے قدرتی سوراخوں میں ایک کا اضافہ کر سکتی تھی۔ صرف خون کے نکلنے کے لیے۔ اب تو دماغا نکلنے کا وقت بھی نہیں رہا تھا۔ میں نے کلمہ شہادت کا ورد شروع کیا۔ ایک بار، دو بار، تیسری بار... اور ایک ایک دھڑکن شمار کرتا رہا۔ ایک ایک لوگوں کو بتا گیا۔ گاڑی چلتی رہی۔ دوڑتی رہی۔ ڈائیس ریزو گزرتی۔ عسکری ہسپتال نظر آیا۔ گاڑی چوراہے سے گھومی اور شاہراہ نیس کی طرف ہوئی۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ شاہراہ نیس آگئی۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ گاڑیوں کے رداں جلوں سے آگے نکلتی گئی۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔

ظالم خان، آٹو کے پٹھے۔ پگھل خانے کے مستحق۔ یہ کیوں نہیں سوچا تھا تو نے؟ اللہ میرا نہ معاف کرے کہ تجھے ترقی دلوانے کے لیے میں نے کالوں میں بھوٹ کھا۔ تو نے بھی ماری تو میں نے اسے شیر ناکار بنا دیا۔ میں نے حرام کھانے میں تیرق مدتی۔ اور خود بھی وہ کھانا کھا تا رہا جو

بھی صاف نھر آ رہا تھا اور میں باہر کی ہر آواز سن سکتا تھا۔ جب سٹیٹک نمودار ہوا تو اس نے ایک منٹ سے کم وقت میں نہ صرف ایک کھول دیا بلکہ مجھے تار کا بنا ہوا پھلی کے کانٹے جیسا ایک کپ بھی فراہم کر دیا جو... خدا نخواستہ پھر لاک جام ہونے کی صورت میں میری مشکل آسان کر سکتا تھا۔

رواگی کے وقت تک انوا کاروں نے کوئی کال نہیں کی تھی۔ ایک خوف زدہ پریشان حال بے ہوش ہونے کے قریب میڈیم نے پچاس لاکھ کے ساتھ گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ اب مجھے ایک نیا اندیشہ لاحق تھا۔ میڈیم راستے میں بے ہوش ہو گئی یا اس کا ہارٹ بل ہو گیا تو نہ جانے گاڑی کس سے ٹھرائے گی۔ وہ گدھ گاڑی بھی ہو سکتی ہے اور ویگن یا ڈیپریٹنگ بھی۔ میڈیم کس حال میں لٹائی جائے گی۔ میں دیکھ سکوں گا یا نہیں۔ آوصاف... اس دنیا سے تمہارا واحد عاشق صادق کا کام دہا شد جائے گا۔ اس کے بعد کے منظر میری نظر میں پھرنے لگے۔ ہائی کیمبر سے ٹوٹی قبروں پر... جب کوئی مدد نہیں روٹی ہے... اگلا شعر مسٹر... مجھے اکثر خیال آتا ہے... نوبت ٹھنی سین ہوتی ہے... ہائی لٹ... اور وہ فنی سین بھی غلط کہ عام ارواں میں دو پاک روحوں کا ملن ہو... ساکھالو کی تھی... میری بری سے پہنچے گی...

میرا پریشان خواب ایک دم ٹوٹ گیا۔ نیشنل اسٹیڈیم تک کارا تہ میرے سامنے ٹیب پر چل رہا تھا اور راستے کی ٹریفک کا سارا شور بھی سنا جاسکتا تھا مگر میں نے نہ کچھ دیکھا نہ سنا۔ اور اب گاڑی نیشنل اسٹیڈیم میں کھڑی تھی۔ میں ٹیب پر پولیس دیکھ سکتا تھا۔ اور سٹائن پڑ سے اسٹیڈیم کے اسٹیڈیم... جو سچ کے دوران چائیں ہزار سے زائد تماشاخیوں کے شور سے گونجتے تھے۔ آسیب زدہ منظر پیش کر رہے تھے۔

میں نے میڈیم کو گاڑی سے اترنے سے روکا اور دیکھا اور دماغی کے وہ جتنی ہوش دواں اپنے ہیروں پر کھڑی رہتا۔ حالانکہ مجھے خود اپنے لیے بھی یہی دعا کرنا چاہیے تھی۔ دعا شاید پہنچی بھی نہ ہو کہ میں نے ایک موٹر سائیکل کو آتار دیکھا جس پر دو بھنے گئے جوان سوار تھے۔ ان کے جوان ہونے کا اندازہ ان کی چیز سے اور ہارڈوں سے ہوتا تھا اور انہوں نے مزاحیہ میں چھپائے تھے۔ سامنے آکر وہ موٹر سائیکل رکھتی ہی چھلانگ مار کے اترے... ان کی موٹر سائیکل ہے جان ہو کے گری اور انہوں نے میڈیم کو بوج کے گاڑی میں پیچھے دھکیل دیا۔ دوسرا ان کے ساتھ اندر گیا۔ اس کے

”ابھی کھاتے ہیں بیٹا بریانی اور حلیم تھے...“ اس نے مجھے دکھایا۔ ”بھوکے دانا ہمارے پر حرام ہے۔“ اندر ایک کمرے میں پرانے سینے بیڈ پر میڈم کی لاش کی ضربت چمکی تھی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہمارے میزبان چلے گئے اور جاتے جاتے واحد دروازہ بند کر گئے۔ کمرے کی ایک دیوار کی کھونٹی سے نائین لنگ رہی تھی۔ اس کی اندھی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے ہی دیوار دھوئیں سے سیاہ ہو رہی تھی۔ نیچے اینٹوں کا گرد آلود فرش تھا اور بان کی کھری چار پائی۔ ایک نیم ٹھنک کر سی اور ایجاد ہونے والی بجلی میز... ایک اجنبی اندر آیا اور اسٹین لیس اسٹیل کا جگ اور گلاس رکھ کے ہمیں گھورتا دیکھا۔ اس وقت تک میڈم نے رونا دھونا، کوسا اور سارے زمانے کو گایوں دینا شروع بھی نہیں کیا تھا حالانکہ مزید ساہن کا انتظار لاحق تھا۔ واحد سامع میں ہی تھا۔

میں میڈم کی قصیدہ خوانی سن رہا تھا کہ وہی شخص جو پانی لایا تھا، ایک ٹرے کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوا۔ ٹرے اس نے ہمارے درمیان رکھی اور ٹوٹ گیا۔ میں نے آنکھیں مل کے دیکھا۔ یا مقہر العجایب... صحرا میں پانی کا سراپ... مگر ٹرے میں واقعی بریانی اور حلیم رکھے تھے۔ اس کی اشتباہ انگیز خوشبو نے سچ سچ عاقبت اور عذابِ قبر کے خیال کو بھنڈا دیا جو کچھ دیر پہلے مجھ پر غالب تھا۔ مجھے صائمہ تک یاد آئی۔

میں نے میڈم سے کہا۔ ”بسم اللہ کریں۔ اب یہ تو طے ہے کہ یہ آخری غلام ہے۔ سزائے موت سے پہلے والا۔“

”تم کھا سکتے ہو اس کیفیت میں؟“ وہ غرائی۔  
”میں اس کا عملی مظاہرہ کرتا ہوں۔ آپ کے سامنے۔“ میں نے چپچہا اور کھانے پر ٹوٹ پڑا۔  
”کھالیں ورنہ وہ بچا ہوا تھا کے لے گئے تو دنیا سے خالی پیٹ جاؤ گی جیسے سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے۔“

کھانے کے بعد میں نے بیڈ پر سے ایک کپڑا اٹھایا اور کھری چار پائی پر لیٹ گیا۔ ڈکی میں لیٹ کر مرقا بنے بیٹے میں نیزھا ہو گیا تھا۔ جب کوئی باقی بچا کھانا کھانے نہ آیا تو میرے دل میں ایک امید کی کرن جاگی۔ کیا وہ ہمیں چھوڑ دینا گے؟ ابھی تو میں اندر کے کمرے سے ان کے جشنِ طرب کے قہقہے سن رہا تھا۔ وہ یقیناً پی کے ہنکار رہے تھے پھر کسی عورت کی ہڈ پائی ہمیں بھی اس شور میں شامل ہو گئی۔

تقریر - تم۔ یہ سب اسی کی سزا ہے۔ صائمہ... صائمہ... مجھے صوف کر دینا۔ بس میدانِ حشر میں سامنا ہو گا پھر ہم کھائیں گے جہنم میں کیکر تھوڑا ساگ اور تم بچتا رہتا سب سے دودھ اور شہد۔ جنت میں کسی مولانا کے ساتھ۔“

گازی بیٹھل ہائی دے تک بلا روک ٹوک پہنچی۔ اب نزدیک بہت کم تھی۔ گرد لایا گیا، ذل سے نئی مر سیڈ پر تک مگر اب اندھیرا آ رہا تھا۔ اور بیڈ لائٹس میں کمروں کی نظر کمزور ہو گئی تھی۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ میڈم ہوش میں ہے یا بے ہوشی میں ہی اللہ کو چاری ہو چکی ہے۔ اسی صورت میں ڈکی کھٹنے تک میری زندگی کی ضمانت تھی۔ گری بزم سے اک دم شرم ہوئے تک... کیا اپنے بچا غالب... تم بھی کہاں نازل ہوتے ہو... کل بھی جب میں کموڈ پر بیٹھا تھا تو تم نے کیا کہا تھا...“

گازی رک گئی بدھم روشنی میں کسی دیر ان صحر کے خدو خال دکھائی دیتے تھے۔ اچانک مجھے بڑے کام کی دعا سوچھی۔ یا اللہ میاں یہ لوگ مجھے اسی ڈکی میں چھوڑ کے اندر چھو جائیں۔ پچاس لاکھ اور میڈم کو... زندہ یا مردہ گازی میں ہی چھوڑ جائیں۔ بس دو چار گھنٹے میں رات گہری ہو جائے گی۔ انوکھا کار سو جائیں گے۔ مطمئن اور خوش۔ ان کا مشن کا میاب رہا۔ پھر میں اندر سے ڈکی کھولوں گا۔ اگر جانی گئی تو تھیک... ورنہ نکل کے اندھیرے جنگل میں تم... شیر تو ہوتے نہیں اب... ایک ٹون کال کر کے چڑھ جاؤں گا کسی درخت پر بھیڑیوں کو بریکنگ نیوز کون دے گا کہ لٹاں بیڑ پر خوراک تشریف فرما ہے۔ وہ آئیں گے جد میں گھومتے پھرتے ہوتے تو کرن اور ہم صورت ہیں میڈم اور نو مزی بھی... خیر، جو آئے آئے کہ ہم دل کشا وہ رکھتے تھا۔

ڈکی کھٹ سے کلنی اور میں نے انکی دونوں جوانوں کے مسکراتے چہرے ملاحظہ کیے۔

”یہ ٹیب مجھے دے دو اور باہر آ جاؤ میرا...“ ظہیر ہے وہ مجھے پہچانتے نہیں تھے، ورنہ زبرو کہتے۔

دوسرا قہقہہ مار کے ہنسا۔ ”بڑھیا کے محافظ کو تو دیکھو... سنا لہڑیوں کا کولہس... سات فٹ کی قبر والا۔“

میں نے خوشامد انداز میں دانت نکالے اور باہر چھینا۔ ”گوئی مت ضائع کرو۔ بڑھیا تو ایسے ہی مر گئی ہو گی۔ میں بھی مرنے والا ہوں، بھوک سے۔“

ایک نے مجھے دکھا دیا اور ہنسا۔ ”دیکھو اس بھوتی والے کو... اسے بھوک لگ رہی ہے۔“

ہیں۔ ایمان کے کاروبار میں دخل نہیں دے سکتے۔  
مجھے اندازہ ہو گیا کہ دو ڈاکوؤں کی بات کر رہا ہے جو  
ہمیں اغلا لائے تھے۔ وہ ڈاکے ڈالتے تھے یا انہیں برانے  
تاوان کی وارداتیں کرتے تھے تو ان کو قانون کی گرفت سے  
تحفظ ملتا تھا۔ پولیس ان سے صرف نظر کرتی تھی اور ڈاکو اپنی  
آمدنی کا ایک حصہ جانفوں کو نذرانہ دیتے تھے۔ صحافی  
برادری یا این جی اوز کی سیاست داں پر دباؤ ڈالتے تھے  
کہ انہوں نے دانوں کو بازیاب کرایا جائے یا تاوان نہ لیا  
جائے تو وہ رسم پوری کرنے کے لیے کوشش کا وعدہ کرتے  
تھے۔ اس سے بعض اوقات تاوان کی رقم میں رعایت ہو  
جاتی تھی اور کسی حد تک جان کی سلامتی کی ضمانت بھی مل جاتی  
تھی۔

پیر سائیں اپنی بھردری اور معذوری کا ڈراما کر کے  
چلے گئے تو مجھے کوئی شک نہ رہا کہ اب ہمیں کسی اور ہا اختیار  
اقتاری کے سامنے پیش کیا جائے گا جہاں ہم کو ساری رقم تو  
واپس شاید نہ ملے۔۔۔ شاید نصف مل جائے اور پھر با عزت  
طور پر واپسی ہو تو گوہر مقصود مل چکا ہو۔ ماں اپنی بیٹی کے  
ساتھ خوش و خرم لوٹے اور مہیاں بڑول شرمسار کہ۔۔۔ مرے  
کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے تو ازلی۔

پیر سائیں نے مجھے پہچانا نہیں تھا اور نہ مجھ سے  
شائستگی کا اعتراف کیا تھا۔ حازنکے سفارش کرنے والے نے  
بتا دیا ہوگا کہ وہ نام کا بڑول کتا بڑا توپ صحافی ہے۔ مقصد  
مجھ پر واضح کرنا تھا کہ ہم نہیں توپ سے تلواری سے لارنے  
والے۔۔۔ توپ تو اکیس بار بھی داغی جاتی ہے مگر کیا سلامی  
لینے والے کی چٹون گیلی ہوتی ہے۔  
میڈم نے مجھ سے پوچھا۔ "یہ پیر کیا کہہ رہا تھا، کیوں  
آیا تھا؟"

میں نے کہا۔ "یہ بتانے کہ اب ہماری جان کو خطرہ  
نہیں۔ مالی کو ہم جان کا صدقہ سمجھیں اور بھول جائیں۔"  
"لیکن نوشی۔۔۔ وہ بھی تو نہیں ملی۔"

"آج مل جائے گی۔" میں نے اسے تسلی دی۔  
"ہمارے ساتھ ہی واپس جائے گی۔"

"کیا فائدہ ہو تمہارے تعلقات اور اثر رسوخ کا۔"  
وہ تکی سے ہوئی۔ "بڑی دھوم تھی اس کی۔"

میں نے کہا۔ "وقت بدل گیا ہے میڈم، جیسا سب پر  
غالب ہے۔ کیا خون کے رشتے اور کیا خنوں کے۔۔۔ سب  
برائے فردخت ہے۔ عورت کی عزت بھی مرد کی غیرت بھی۔  
شرانت بھی اور انسانیت بھی۔"

نہ جانے کس وقت میں سو گیا پھر آٹکھ ایک ضرورت سے  
کھلی۔ میں نے دیکھا کہ ٹرے میں کچھ بھی بچا ہوا نہیں ہے  
اور میڈم بیڈ پر چت سو رہی ہے۔

میں نے دروازے کے پاس بیٹھ کے ضرورت پوری  
کی اور زیادہ سکون سے سو گیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ  
دروازے کے پاس فرش پہلے سے گلیا تھا مگر نشیب پاہر کی  
طرف تھا۔ میری آٹکھ میڈم کے ہلانے سے کھلی۔ گھڑی  
دیکھی تو صبح کے سات ہی پہنچے تھے مگر ناشائستہ پر رہا ہوا تھا۔  
دو پیالے دودھ پتی اور چینی کے کپھر سے بھرے بھاپ  
دے رہے تھے۔ ایک رنگین چنگیر میں روئیں رکھی تھیں اور  
اسٹیل کی پلیٹ میں سفید کھن کا ڈھیر۔ میرے کانوں میں  
توپ صاحب کا تہقہ گونجا۔ "وہ کیا ہے بڑول صاحب!  
بھول جاؤ صبح اٹھ کے وائٹ برش کرنے یا منہ دھونے کو۔۔۔  
اور اپنی اس دودھ کے پتھر کتنی سیاہ چائے یا کافی کو۔۔۔ نو ستر  
سے نکلے براؤن کرہی سلاکس اور ہاف فرائی انڈوں کی  
جوڑی کو۔۔۔ سنی سائیڈ اپ۔۔۔ دیر کی تو یہ مشروب جس کو  
یہاں چائے کہا جاتا ہے شربت بن جائے گا۔"

ابھی میں ٹھن روئی نگل کے گرم دودھ پتی اور میڈم  
کی حالت پر نہیں بھی نہ پایا تھا کہ ایک نفس گھبرا یا ہوا سا  
نمودار ہوا اور ہمارے قریب صوفے جیسی کوئی چیز رکھ  
گیا۔ جاتے جاتے وہ برتن اٹھا کے لے گیا اور ہمیں بتا  
گیا۔۔۔ پیر سائیں آنے والے ہیں۔"

صوف اس اعلان کے ساتھ ہی نمودار ہوئے۔  
روایتی پلے ہوئے جسم کھف سے کھڑکھڑائی شلواری کرتے اور  
ٹوٹی کی روایتی وردی۔۔۔ گھڑی داڑھی۔۔۔ ہاتھ میں تھج اور  
آنکھوں میں جلال۔۔۔ میرے ہاتھوں کو چھو کے وہ دم سے  
صوفے پر گر گئے۔

"دیکھو پاپا، ویسے تو اللہ نے ہمیں بڑی عزت دی ہے  
اور خیر سے ہمارے مرید سب ہیں۔ اچھے بڑے لیکن  
تمہارے لیے جو سفارش آئی ہے ہم اس پر کچھ نہیں کر  
سکتے۔"

"سفارش؟ کس نے کی ہے؟" میں کچھ حیران ہوا۔  
"بابا ابھی چھوڑو نام کو۔۔۔ بڑا نام ہے اور بڑا عہدہ  
ہے اس کا۔۔۔ ڈاکو ہے۔۔۔ لیکن وہ بھی مجبور ہے۔۔۔  
زبان سے بات کرتا ہے۔ دل سے چانتا ہے کہ معاملہ روزی  
روئی کا ہے۔"

"کس کی روزی روئی؟"  
"وہی۔۔۔ جو ہمارے مرید اور غلام ہیں مگر محافظ بھی

سونا چاندی

"اچھا؟" وہ حیران ہونے کے انداز میں مسکرائی۔

"کب؟ اس کی بیوی تو تو ہوتا ہے۔"

"چھ سال پہلے اسے بچا کی ہو گئی تھی... تم کس بیوی کی بات کر رہی ہو۔ اس کی بیوی خودکشی کرنے لگی تھی۔" میں نے کہا۔

وہ مجھے دیکھتی رہی۔ "ہاں، وہ بیوی میں تھی۔"

میں محاورے کے مطابق اچھل پڑا۔ "تم، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"تم نے غور سے مجھے دیکھا ہی کب تھا کہ آج پہچان بیٹے... اس کی بیوی کا نام چندرا دتی تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے ننڈے سے نکاح کیا تو چندرا دتی بی بی ہو گئی۔ آؤ، اس سے مل لو، سوئے تم سے ملنے نہیں آ سکتا۔"

میڈم کے ساتھ میں اس کے پیچھے دوسرے کمرے میں گیا۔ وہیں مسکری پر مجھے کا سہارا لیے ننڈا ڈاؤ بیٹھا تھا۔ وہ مسکراتا تھا اور ایک انگلی تک نہیں ہلا سکتا تھا۔ مگر وہ دیکھ سکتا تھا اور بات کر سکتا تھا۔ اس کی داڑھی آدمی سے زیادہ سفید تھی اور سر کے بال بہت کم رہ گئے تھے۔ میں بے چینی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے پاس بیٹھ کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "تم... تم زندہ ہو۔"

وہ مسکرائی۔ ہاں مگر مردے کی طرح... دیکھ صاحب۔"

"مگر تم تو پتھر بنی ہو گئی تھی۔"

"ہاں، پھانسی تو ہو گئی تھی۔ نیل ریکارڈ کے مطابق۔"

ایک رات پہلے میں صبر آ گیا تھا۔ چاندی... میری بیوی اس غریب کی لاش کے آئی تھی جو نادار تھی۔ وقتا دیا تھا ہم نے عزت سے۔ قبر پر نام میرا لکھا ہوا ہوگا۔ دیکھ لیا کبھی ناہور کے میانی صاحب جانے۔"

"میں کیا کروں گا یہ دیکھ کر... مگر یہ کیسے ہو تھا؟"

"جیسے ہوتا ہے، پچاس لاکھ تھی میری زندگی کی قیمت... وہ میں نے ادا کر دی تھی۔ میرے ساتھی وقادار تھے۔ مگر سوہا ڈاکو کو بچایا چاندی نے... اس کی بیوی نے... یہ اب بھی مجھے سوئے کہتی ہے اور میں بھی اسے چاندی... وہ ہنسنا۔"

میں نے چاندی کو دیکھا جو سونے کی حفاظت کر رہی تھی۔ اپنے سہاگ کی اپنی محبت کی حفاظت کر رہی تھی۔ سونا چاندی ایک فی وی ڈراما سیریل تھا جو بے حد ہٹ ہوا تھا۔ یہ ڈراما نہیں اصل زندگی تھی۔ سونا چاندی میری حیرت پر حیران تھے۔ میڈم دم بخود بیٹھی تھی۔

دوا چینی چمے نمودار ہوئے، ایک نے ہاتھ جوڑے کہا۔ "پلو سا میں۔"

میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ باہر وہ گاڑی کھینچا تھی جس میں ہمیں لایا گیا تھا۔ ہم کو دوسری پراڈو جیسی ڈبل کابین پک اپ میں بٹھا دیا گیا جو ان کے بیٹھ بھی تھی۔ بس اس کے دروازے اندر سے کھولے جاسکتے تھے اور سیاہ شیٹوں کو اتارنے کی کوئی سمورت نہ تھی۔ آگے والے کابین میں ڈرائیور کے ساتھ بھی خوفناک داڑھی موٹھوں والے شخص کو دیکھ سکتا تھا جس نے کار ہینڈلنگ تمام رکھی تھی۔

کسی نامعلوم سفارش کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ ہماری آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی اور ہاتھ بھی کھلے چھوڑ دیے گئے تھے۔ دو گھنٹے کے بعد گاڑی روکی تو ہمیں ایک جلی داغ اروں والی عمارت کے اندر لے جایا گیا۔

اب ہمیں جہاں بٹھایا گیا وہ بہتر طور پر آرامتھ کرا تھا۔ فرش پر قالین بھی تھا۔ صوفے سنے تھے اور سامنے ایک چکھرا بھی تھیں رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد جب ہم چائے پانی کے تحفے سے فارغ ہو چکے تھے، میزبان نے قدم رنجہ فرمایا۔ میں روایتی چلیے کے کئی بھاری بھر کم جسم، جہاز بھنگاڑ داڑھی موٹھ اور گرج چنگ والی آواز کا منتظر تھا مگر اندر آنے والی نیک عورت تھی۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہو گئی لیکن قدرتی طور پر اس کا بدن پھیلا اور پھول نہیں تھا۔ اس کا رنگ ماٹونا تھا اور اس نے سیاہ بالوں کو ایک دوپٹے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ سادہ بیکے رنگ کے پرنٹ وائے شٹوار قمیض میں وہ ایک عام گھریلو عورت لگتی تھی۔

ہمارے مقابل بیٹھ کے اس نے میڈم کو اور پھر مجھے نظر بھر کے دیکھا۔ "تو تم ہو بڑول؟"

میں چونک پڑا۔ "تم کیسے جانتی ہو مجھے؟"

"تمہیں کون نہیں جانتا، بس ڈاکوؤں کے اس مرد کی سردار ہوں۔"

میں اسے بے چینی سے دیکھتا رہا۔ "سردار! میں نے کبھی سنا نہیں۔"

"کیوں نہیں سنا؟ کیا اس میں میرا تصور ہے؟ اور میں نے تمہارے بارے میں نہیں سنا تھا تو کیا تمہارا تصور تھا بڑوں صاحب! اس کے لہجے میں ناراضی بالکل نہیں تھی۔

"ننڈے ڈاکو کو جانتے ہو، جو پہلے سونا ڈاکو تھا۔"

"مجھے معلوم ہے، پہلے وہ صرف ستاروں کو لوٹا تھا تو سونا ڈاکو تھا پھر ایک ہاتھ زخمی ہوا اور کاٹ دیا گیا تو۔ ننڈا ڈاکو ہو گیا تھا مگر وہ تو مر گیا تھا۔"



اسے نوکا تھا اور ایک خیرے ڈاکو نے تھی سادگی سے اسے  
لوٹ لیا مال واپس کر دیا تھا۔ وہ انگلیوں سے رو رہی تھی اور  
سب گلے شکوے بھول چکی تھیں۔ اس دوسری زندگی میں  
جیسا ان کے سنے بڑا اہم ہو گیا تھا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ  
ایک ڈاکو نے اتنی بڑی رقم کو کاغذ کے پرزوں سے زیادہ  
اہم نہیں سمجھا تھا۔

☆☆☆

ایک دن کی مہمانی کے بعد واپسی کے سفر میں سب  
کچھ وہی نکلتا تھا جو گزرے وقت کا حصہ تھا۔ ہیں خواب میں  
ہو جاتا ہے ہیں خواب میں... میڈم کی وہی گاڑی تھی۔  
آٹے میں بیٹھا تھا۔ پیچھے ماں اپنی بیٹی سے ان ڈاکوؤں کے  
حسن سوک اور ان کی میزبانی کا قصہ سن رہی تھی۔ سونا  
چاندی پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کی زندگی اور محبت کا اوتھا  
افسانہ ایک نہ بھولنے والی کہانی بن گیا تھا۔

بھئی میڈم کے گھر کے اندر اتار کے ڈرائیور نے  
مجھے سلام کیا۔ "مجھے اجازت دیں سر۔"

میں نے کہا۔ "اتنی جلدی کیا ہے کھانا کھا کے جانا۔"  
"نہیں سر، میں اس گھر کا ٹھک نہیں کھا سکتا۔ اپنا  
اصول نہیں۔" وہ دست بوسی کے انداز میں ہاتھ ملا کے  
پیدل چلتا باہر نکل گیا۔ ساجد کے ساتھ برآمدے میں کھڑی  
صائمہ اس منظر کو بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ میڈم نے اپنے  
ہونے والے داماد کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔ تاریخ  
بدل چکی تھی جب میں صائمہ کی ڈینا کار میں باہر نکلا۔ اس  
نے گاڑی کارشاساں سمندر کی طرف موڑ دیا۔

سائل پر چاندنی کا رومانس لہروں میں اترتا ہوا تھا۔  
صائمہ درمیں چپ چپ بیٹھ رہی۔

پھر میں نے کہا۔ "میں جو کہتا تھا کہ ہمارا جنم جنم کا  
ساتھ ہے یہ دوسرا جنم مجھے تمہاری محبت کے لیے ہی ملا ہے۔  
اب تو ہاں کہہ دو۔"

"میں نے میرے کندھے پر سر رکھ دیا۔" اتنی جلدی کیا  
ہے۔ آخر... یہ دوسرا ہی جنم ہے نا، ابھی تو کوئی جنم باقی ہے۔"  
"چاندنی اور سونا کی محبت دیکھ کے میں سخت جذبہ باقی  
ہوں۔ آئندہ میں تمہیں چاندنی ہوں گا اور تم مجھے سونا۔"

وہ شرارت سے اسی۔ "سونا... انسی بے قدری میں  
نہیں کر سکتی۔ تم تو بیراہن... سونا کیسے کہہ دوں۔"  
چاندنی نے اسی سے ہنس دیکھا رہا۔ یہ محبت کرنے والے  
بھی کہتے پگل ہوتے ہیں۔

"پہلے بتاؤ یہ سب کیسے ہوا؟" میں نے کہا۔ "تم  
کب سے اس حال میں ہو؟"  
"پانچ سال ہو گئے۔ سال بھر بعد کوئی مردن میں  
پیچھے کی طرف تھی اس سے نیچے کا دھڑکتا ہو گیا۔ یہ لمبی کہانی  
ہے کہ چاندنی نے مجھے بچانے کے لیے کیا کوشش کی۔ اور  
اب مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے۔ مجھے گل جتا چلا کہ میرے  
بندے تمہیں بھی اٹھانائے تھا بے وقوف۔"

"مگر میں تمہیں سزا دے موت سے نہیں بچا سکا تھا۔"  
"مگر تم نے کوشش ضرور کی تھی اور تم کامیاب بھی ہو  
جاتے اگر ذاتی دشمنی کا معاملہ نہ ہوتا۔ سیشن کورٹ کے اس  
بیج کا ایک دوست میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ دو سال  
پہلے۔"

"تم اعتراض کر سکتے تھے کہ مقدمہ کسی اور عدالت  
میں برقرار کیا جائے۔"

"لیکن یہ بات تو مجھے اپنی مسترد ہونے کے بعد  
معلوم ہوئی تھی۔ ہائی کورٹ میں تم میرے وکیل نہیں تھے۔  
وہاں مرنے والے کا سال ایک بیج تھا۔ بے شک اپنی اس  
انے نہیں سنی تھی مگر اس نے اپنی مسترد کر لی تھی۔" وہ ہلا۔  
"چاندنی..."

چاندنی نے سر ہلایا اور سینے کے نیچے سے وہ بیگ نکال  
کے سامنے رکھ دیا جس میں پچاس لاکھ تھے۔ "مخاف کرنا تم  
کو تکلیف ہوگی اور یہاں تک آتا ہے اگر کوئی بات نہیں۔ ایک  
ٹرنڈے سے موت کے چھ سال بعد ملاقات ہوئی۔" وہ ہنسا۔  
"ایک بات پوچھوں... جب میں نے تمہیں نہیں کیا  
تمہارے لیے... تو تم یہ نیلی کیوں کر رہے ہو؟" میں نے  
کہا۔

"ایک وجہ تو بتائی میں نے... لیکن دوسری وجہ تو  
سب جانتے ہیں... تم نے میری برادری کے کتنے لوگوں کی  
جان بچائی... ہم پیشہ ڈاکو ایک برادری ہوتے ہیں تم  
برادری کے دشمن ہو... چاندنی... اسے لے آ۔"

چاندنی اندر گئی اور نوٹی تو نوشی اس کے ساتھ تھی۔  
درمیان کا وقفہ موٹو کا تھا۔ میں پانسا پلٹ جانے سے تنا  
حیران نہیں تھا جتنا ڈاکو برادری کے رشتے کی بات سے۔ کیا  
اور کسی برادری میں قربانی کا ایسا جذبہ ہو گا؟ اس دور میں  
جب لحاظ کے رشتے کمزور پڑتے جا رہے ہیں اور ہوس کا  
رشتہ غالب آ رہا ہے۔

میڈم نے نوشی کو دیکھ کر ایک چٹخ ماری۔ "میری  
بیٹی۔" اور وہ دونوں بھول نہیں کہ بیٹی نے تھی چالاک سے



## خونہی تصویر

تجویر ریاض

وقت کی گردنوں کا شکنار ہو جاے والوں کی زندگی کبھی سکون و آشتی سے نہیں گزرتی... وہ ناعمر ناخوش... مضطرب اور بے تل ہی رہتے ہیں... وقت کی دہیز تہوں میں پتیاں واقعات کبھی نہ کبھی عیاں ہو ہی جاتے ہیں... ماضی کے ایک واقعے سے جزی خونہی تحریر... قصہ ختم ہو چکا تھا... مگر اس کی بازگشت باقی تھی... سنسنی... تجسس اور ہر موڑ پر چونکا دینے والی صورت حال اختیار کرتی دلچسپ اور متحیر کہانی کے پیچ و خم...

تصویر کی دنیا سے تعلق رکھنے والی ایک ڈراما ساز اور اداکارہ کی فنکارگی...

کی کوشش کرتا تو ماں کا زخمی چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ اس کی اس دنیا سے روانگی بھی ڈراما کی انداز میں ہوئی۔ وہ گراٹھ دھپٹا نا ہی تھیز میں اپنا شوقم کر کے باہر نکل گیا مگر کہ پادگت لاث میں اس پر حملہ ہوا اور کسی عالم نے

میرے لیے ماں کی دردناک موت اچھائی دہشت تاک واقعہ تھا اور اسے اتنی جلدی بھلا دینا آسان نہ تھا۔ اس کی ایک ایک یاد میرے دل میں تازہ زخم کی طرح بری ہو جاتی اور اگر میں اپنی سوچوں میں گہر کر اس واقعے کو بھلانے

جاسوس ڈائجسٹ 53 جون 2015ء

Scanned By Amir

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

چند ڈالرز کی خاطر اس کی جان لے لی۔ اس کی موت کی تحقیقات کرنے والے سراخ رساں کا کہنا تھا کہ اسے مزاحمت نہیں کرنا چاہیے تھی۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہی ہے کہ ڈاکوؤں کی بات مان کر جو کچھ بھی پاس ہو، وہ ان کے حوالے کر دیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس صورت میں وہ کوئی جسمانی یا جالی نقصان نہ پہنچائیں۔ لیکن میری ماں کے پاس تھا ہی کیا۔ اس کی تو ساری عمر پروڈیوسروں اور ٹھیکڑا بھٹیوں کو اپنے کوائف بھیج کر گزری۔

وہ ایک اداکارہ تھی اور گزراوقات کے لیے اسے سال کے تین سو پچھتر دن کام کرنا ہوتا تھا۔ گزشتہ چند برسوں سے مقامی ٹھیکڑوں میں وہ کیریئر رول تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس لیے بہتر کرداروں کی تلاش میں اسے دور دراز کاسٹر کرنا پڑتا تھا۔ موت سے چند ہفتے پہلے اس نے مرکز شہر میں واقع ڈیٹرائٹ فرسٹ فیڈرل بینک کے نزدیک ایک ریستوران میں میرے ساتھ ٹیچ کیا تھا۔ یہ وہی بینک ہے جہاں میں کام کرتا ہوں۔

مام کی حال ہی میں میرے سوتیلے باپ سے ملنے کی ہوئی تھی جس پر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وارن ٹریوس پرانی ایشیا کا کاروبار کرتا ہے اور مجھے حیرت ہے کہ ماں نے اس کے ساتھ اتنا عرصہ کیسے گزار لیا۔ میرا اپنا باپ ایک صحافی تھا اور ڈیٹرائٹ فری پریس کے لیے جگلی نامہ نگار کے طور پر خدمات انجام دے رہا تھا۔ وہ 2002ء میں افغانستان کی جنگ میں مارا گیا۔ اس نے بہت کھن زندگی گزار لی تھی اور اس کی تقلید کرنا بہت مشکل تھا۔ خاص طور سے وارن جیسے شخص کے لیے جو بظاہر نرم مزاج اور آرام دہ زندگی گزارنے کا عادی تھا۔

ایسا لگتا تھا کہ ماں کو دوسری شادی ختم ہونے کا کوئی ملال نہیں تھا اور وہ ایک بار پھر اپنے کام کے بارے میں پرجوش نظر آ رہی تھی۔ ان دنوں وہ فری پریس کے ایک نوجوان رپورٹر کے ساتھ کام کر رہی تھی جو اس کے کیریئر کے بارے میں ایک کتاب لکھنا چاہ رہا تھا کہ چاہے یہ حادثہ پیش آ گیا اور وہ میری زندگی سے دور چلی گئی۔ میں نے اپنے سوتیلے باپ کو ماں کی آخری رسومات کے موقع پر دیکھا۔ چہرچہ ٹھیکڑوں کے لوگوں، ساتھی اداکاروں، ایکسٹراز اور اسٹارڈرگز سے کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔ بظاہر وہ سب خوش لباس اور خوش مزاج نظر آ رہے تھے لیکن ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ مجھے لگا کہ یہ سب میرے ہی خاندان کے افراد ہیں۔

میں نے تین سال کی عمر سے ہی چھوٹے موٹے کام

شروع کر دیے تھے، کئی مزدوروں کے فورمین کے ساتھ مل کر اس کا ہاتھ پٹا بنا، کئی میٹریکس معاہدے کرتا اور کئی اسٹیج کے پیچھے کلف امور سرانجام دیتا۔ ہر ہفتے کسی نئے شہر یا نئے ٹھیکڑے سے واسطہ پڑتا۔ میرا ٹھیکڑا اسی طرح گزرا لیکن جب کالج میں آیا تو ماں نے مجھ کو کیا کہ کوئی ایسا مضمون منتخب کروں جس کا ٹھیکڑے سے کوئی تعلق نہ ہو چنانچہ میں نے مشی گن اسٹیٹ سے ایم بی اے کیا اور بینک میں ملازمت کر لی۔ میری شادی ایک اسکول ٹیچر سے ہوئی۔ ہماری دو جڑواں بچیاں ہیں اور شہر کے مضافات میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا ہوں۔ اسٹیج کی دنیا سے میرا کوئی واسطہ نہیں لیکن اسٹیج کے لوگ ہمیں نہیں بھولے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہر وہ فرد اس موقع پر موجود تھا جس کے ساتھ ماں نے بھی کام کیا ہو۔ یہ ان کی محبت تھی اور وہ میرے دکھ میں شریک ہونے آئے تھے۔ میں یہ سوچے بغیر تہہ نہ سکا کہ ماں یہ دیکھ کر کتنا خوش ہوتی۔ یہ بہت بڑا مجمع تھا جو برسوں بعد دیکھنے میں آیا۔ کچھ لوگ میرے سوتیلے باپ سے ملنا چاہ رہے تھے لیکن وہ نہ جانے کہاں چھپ گیا تھا۔ مجھ سے بھی اس کے بارے میں پوچھا گیا لیکن میں کیا جواب دیتا، میں نے تو خود اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ البتہ یہ سوچے بغیر تہہ نہ سکا کہ میری ڈراما کوئین ماں نے کیا دیکھ کر اس معمولی شخص سے شادی کی تھی۔ بہت جلد مجھے اس سوال کا جواب بھی مل گیا۔

ایک ہفتے بعد ہماری ملاقات ماں کے وکیل ٹل ہارڈ ڈیل کے دفتر میں ہوئی۔ وہ میری ماں کا پرستار اور شاید پرانا عاشق بھی تھا لیکن اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ وہ پہلے کے مقابلے میں کچھ فریب ہو گیا تھا لیکن اس کے سیاہ گھنے بال ہمیشہ کی طرح پونی ٹیل کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔

”مجھے تمہارے نقصان پر افسوس ہے۔“ ٹل نے کہا شروع کیا۔ ”لیکن میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔“ یہ کہہ کر اس نے میز کے وسط میں رکھا ہوا ڈیجیٹل ریکارڈر آن کیا اور بولا۔ ”ہم یہاں آرٹین سیڈیز ٹریڈرز کی ورافٹ کے سلسلے میں جمع ہوئے ہیں اور اس کے دائروں میں آرٹین کا شوہر وارن ٹریڈرز اور پہلے شوہر سے اس کا بیٹا ڈیوڈ سیڈیز موجود ہیں۔ اب میں اس کی وصیت کی طرف آتا ہوں۔ وکیل کی حیثیت سے میں نے گزشتہ برسوں میں کئی بار اس کی وصیت میں ردوبدل کی ہے۔“

”کئی بار کیوں؟“ وارن نے براہ عملت کرتے ہوئے کہا۔

”کیونکہ ذکاوت سے پڑھنے کی گزرتے ہیں۔“ ٹل نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”آرٹین نے ہمیشہ اپنے

لیے ایک کالج کے فنڈ میں جمع کروادی اور اس کے مکان پر برائے فروخت کا پورڈ لگا دیا۔ ان دنوں مارکیٹ میں کچھ مندی تھی۔ اس لیے فوری طور پر اچھی قیمت ملنے کی امید کم تھی۔ میں نے اس معاملے میں جلدی کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہمارا گزارہ ٹھیک ٹھاک ہو رہا تھا۔ کیٹ، واٹن اسٹیٹ یونیورسٹی میں تاریخ کی استاد تھی اور میں ڈیٹرائٹ فرسٹ فیڈرل بینک میں اون آفسیئر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

اس روز میں بینک میں بیٹھا اپنی ای میل چیک کر رہا تھا کہ ایک پتے نے مجھے چونکا دیا۔ وہ میرے لیے اچھی نہیں تھا۔ میں وہ ای میل کھولنا چاہ رہا تھا لیکن میری انگلیاں نقصا میں ملتی ہو گئیں۔ وہ میری ماں کا ای میل ایڈریس تھا۔ یہ ای میل میری ماں کی طرف سے تھی لیکن میں سمجھے والے کا پتا نہیں پہچان سکا۔ یقیناً یہ میری ماں کے ای میل ایڈریس سے مختلف ہوگا کیونکہ وہ تو اس دنیا میں نہیں تھی۔

بینک میں کام کرنے والی ایک لڑکی میرے قریب سے گزری اور مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”تم ٹھیک تو ہو ڈیوڈ؟“

”ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ میں نے جھوٹ بولا اور اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے ای میل کھول کر پڑھی۔ اس میں لکھا تھا۔

”جان سے پیارے بیٹے ڈیوڈ! جس وقت تم یہ ای میل پڑھ رہے ہو گے میں شاید اس دنیا سے چاہنگی ہوں گی۔ میں نے یہ پیغام چھوڑ دیا ہے تاکہ ایسی صورت میں یہ تمہیں پہنچ دیا جائے۔ میرے بیٹے اسے ضائع مت کرنا، صرف ایک بار تم میری بات پر سنجیدگی سے غور کرو، تمہیں اپنی خاطر اس معاملے کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ڈیوڈ دل دعا میں۔“

اس کے نیچے ایک چودہ ہندسوں کا نمبر اور ایک ٹیلی فون درج تھا۔ میں نے یہ پیغام کئی مرتبہ پڑھا اور اس کا مضمون سمجھنے کی کوشش کی۔ کیا کسی نے میرے ساتھ بے ہودہ قسم کا مذاق کیا تھا لیکن ایسا لگ نہیں رہا تھا۔ صرف میری ماں ہی مجھے ڈیوڈی کہہ کر پکارتی تھی اور مذاق میں مجھے پیار پہنچا کہا کرتی تھی کیونکہ میں اس کی اکلوتی اولاد تھی۔ لہذا یہ غلط فہمی غور پر ماں کی طرف سے ہی تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی ڈراما کو مین تھی اور اب بھی ایسا ہی لگ رہا تھا۔ مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس چودہ ہندسوں والے نمبر کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ میں نے ای میل میں دیے گئے فون نمبر پر رابطہ کیا جو اب میں ایک سرور آڈائز سٹائی وی۔ ”سردہ خانہ۔“ میں کچھ سمجھا نہیں۔ ”میں نے بھلائے ہوئے کہا۔“

کاغذات کو حالات کے مطابق مکمل رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود وہ تازہ ترین وصیت کے بغیر ہی مر گئی۔ ہماری ملاقات گزشتہ ماہ ہوئی تھی جب اس نے مسٹرز یوس سے طلاق لینے کی درخواست دائر کی۔ اس موقع پر اس نے مجھ سے سنی وصیت تیار کرنے کے لیے کہا جس کے مطابق اس کی جائیداد کا وارث اس کا بیٹا اور پوتیاں ہوں گی۔ میں نے ایسا ہی کیا لیکن اس کی موت کے وقت تک طلاق کی کارروائی مکمل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی سنی وصیت پر دستخط ہوئے تھے۔ اس لیے پرانی وصیت ہی قابل عمل ہے جس کے مطابق اس کی جائیداد شوہر اور بیٹے میں برابر برابر تقسیم ہوگی۔ اگر کوئی تنازع ہو تو میں ثالثی کروں گا۔ کوئی سوال؟“

”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”یہ وہ وصیت نہیں ہے جو میری ماں چاہتی تھی۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں قانون بالکل واضح ہے۔“ میں نے کہنا شروع کیا۔

”قانون کو بھول جاؤ۔“ وارن نے کہا۔ ”ڈیوڈ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ وہ وصیت نہیں جو آرٹین چاہتی تھی۔ ہم نے دس سال اگستے گزارے۔ اس لحاظ سے اگر میں دس فیصد پر قاعدت کر لوں تو کیا یہ جائز ہوگا ڈیوڈ؟“

”یہ بہت مناسب ہے۔“ میں نے اعتراف کیا کہ وہ میں دیرین لڑپوس کو دس برس سے جانتا تھا لیکن کسی موضوع پر ہمارے درمیان ہونے والی یہ پہلی گفتگو تھی۔

”مجھے کاغذات بھیج دینا۔“ وارن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”جہاں جہاں ضرورت ہوگی، میں دستخط کر دوں گا، کیٹ اور بچوں کو میری طرف سے پیار۔“

”تم کسی روز ڈنر پر آؤ۔“ میں نے کہا۔ ”وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تم سے رابطے میں رہوں گا۔“ اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے مجھ سے وعدہ کیا لیکن ہم دونوں ہی جانتے تھے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہمارے درمیان صرف ماں کی وجہ سے ایک تعلق قائم تھا اور وہ اب نہیں رہی تھی۔ جب ہم جدا ہوئے تو مجھے بالکل بھی امید نہیں تھی کہ وارن سے دوبارہ ملاقات ہوگی یا اس کے بارے میں کچھ سنوں گا لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے ہم دونوں کو ایک بار پھر آمنے سامنے آنے پر مجبور کر دیا۔

ماں کے انتقال کے چند ہفتوں بعد میں نے اپنی زندگی کو پرانے معمول کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔ ماں کے ترکے میں سے ملنے والی رقم میں نے اپنی بچیوں کی تعلیم کے

”تم ڈیڑھ گھنٹہ فری پریس کے ریکارڈ سیکشن سے بات کر رہے ہو۔ ہماری اصلاح میں اسے مردہ خانہ کہا جاتا ہے۔ کیا تم اس اخبار کے ملازم ہو؟“

”نہیں، مجھے ایک پیغام ملا تھا کہ اس نمبر پر بات کروں۔“

”کیا تم کسی خیر کا موضوع یا ذریعہ ہو؟“

”نہیں، لیکن تمہارا سیکشن یہ کام کرتا ہے؟“

”میں نے بتایا تھا کہ یہ ریکارڈ سیکشن ہے۔ یہاں ہر

چیز محفوظ رکھی جاتی ہے۔ ہمارے پاس تمام اخبارات کی فائیلز، رپورٹوں کے نوٹس، ریویو، پیمائشیں...“

”پیمائشیں۔“ میں نے قطع کلائی کرتے ہوئے کہا۔

”اگر کوئی رپورٹر یا ذریعہ اپنے آپ کو نظر نہ کرنا

چاہے تو ہم ایک ڈاک خانے کے طور پر کام کرتے ہیں اور

کسی بھی خیر سے متعلق تمام ریکارڈ محفوظ کر لیتے ہیں۔ آج

کل یہ ایک قانونی ضرورت ہے۔“

”میں نے تمہارا فون نمبر ایک ای میل سے لیا ہے

لیکن یہ کوئی حالیہ خیر نہیں ہے۔“

”اس طرح کے مضامین تاخیر سے جاری کیے جاتے

ہیں اور جب وہ خیر پریس کو بھیجی جاتی ہے تو کاپی معاون کو بھی

اطلاع دے دی جاتی ہے۔ کیا تمہارے پاس اس کا کوئی نمبر

ہے جس کے بے شمار ہندسے ہوں؟“

میں نے وہ چھوڑ دیا۔ ہندسوں والا نمبر پڑھا تو وہ یوں۔۔۔ یہ

پیغام ایری کوہن کی جانب سے ہے۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟“

”نہیں۔“

”کیا تمہیں اب بھی یہ پیغام چاہیے۔ ہمیں ہدایت

دینی کہ اسے اس وقت تک التوا میں رکھا جائے جب تک کوئی

اس کا مطالبہ نہ کرے۔“

”وہ پیغام کیا ہے؟“

”میں نہیں جانتا۔ یہ ایک ای میل ایچ منٹ ہے۔“

اس نے بے صبری سے کہا۔ ”کیا تمہارا یہ پتا درست ہے۔“

اس نے میری ای میل ایڈریس پڑھنے کے بعد کہا۔

”ہاں، یہ میرا ہی پتا ہے لیکن...“

”تمہارا مطلب یہ پیغام بھیجا جا رہا ہے۔ فری پریس

ریکارڈ سیکشن سے بات کرنے کا شکریہ۔“

”ایک منٹ! ایری کوہن کے ہارے میں تم نے کیا

کہا تھا؟“

لیکن سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ میرا جملہ فضا میں بکھر گیا

تھا۔ میں اس وقت میرے لیپ ٹاپ پر آواز ابھری۔ ریکارڈ

سیکشن سے مجھے ایک ای میل مع آڈیو پیغام آئی تھی۔ میں

نے اپنے کانوں سے بیڈ فون لگا لیا اور ای میل کھول دی۔

”ہائے ڈیوی۔“ میری ماں کی آواز سنائی دی۔ ”میرا

پیارا بیٹا کیسا ہے؟“

میں نے کچھ نہیں کہا۔ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ ”تم میری

آواز سن کر حیران ہو رہے ہو گے۔“ میری مری ہوئی ماں کہہ

رہی تھی۔ ”غور سے سنو ڈیوی، آج فروری کی ٹیکس تاریخ ہے۔

میں ٹیکس جانتی کہ میرے پاس کتنا وقت باقی رہ گیا ہے۔“

اس کا خدشہ درست تھا۔ اس پیغام کے ریکارڈ ہونے کے

چاروں بعد وہ ہندی کی اور بس اس بات کو چھیننے نزد کے تھے۔

”جنوری میں ایری کوہن نامی رپورٹر نے مجھ سے

رابطہ کیا۔ وہ اپنے اخبار کے لیے میری کہانی لکھ رہا تھا۔ میں

اس کی باتوں میں آ گئی۔ اس نے اعتراف کیا کہ وہ میرے

بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا لہذا اس نے صرف مجھ پر ہی

ریویو نہیں کی بلکہ تمہارے باپ کے خطوط بھی دیکھے اور

سوچنے باپ کے پس منظر کے بارے میں بھی معلومات

حاصل تھیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ وارن ایک جنگی ہیرو تھا۔

یہ بات میں بھی نہیں جانتی تھی اور میں نے اس شخص کے

ساتھ زندگی کے دس سال گزار دیے۔“

اس کے ساتھ ہی اسکرین پر ایک تصویر ابھری۔ جس

میں امریکن فوجی ایک لاش کے پاس گھڑے ہوئے تھے۔

لپٹاؤں سے وہ کوئی عرب معلوم ہو رہا تھا۔ تصویر کے نیچے جو

تکسٹ درج تھا۔ اس کے مطابق میری فوج کے کارپورل

کارل بکھر نے ایک میل کے فاصلے سے ایک ہائی کوگولی مار

دی۔ تصویر کے درمیان میں جو رائل برادر کھڑا ہوا تھا اس

کی عمر تیس کے لگ بھگ ہو گئی لیکن میں یقین سے کہہ سکتا

ہوں کہ کارل بکھر ہی میرا سوتلا باپ وارن ٹریوٹ تھا۔

”میرے سنبھے یہ ایک حیرت انگیز انکشاف تھا۔“ ماں

نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں اپنے شوہر کا اصلی

نام بھی نہیں جانتی تھی لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ

ہے کہ تمہارے باپ نے یہ تصویر اپنے پاس رکھ لی اور اس

کے چند ہفتوں بعد اسے لے کر دیا گیا۔ یقیناً وہ ایک دوسرے کو

جانتے ہوں گے جس کا مطلب ہے کہ وارن نے اپنے

بارے میں جو کچھ مجھے بتایا وہ سچ نہیں تھا۔ ایری نے اس تصویر

کے بارے میں بیٹھا گون سے معلومات حاصل کیں کہ کارل

بکھر 2002ء میں افغانستان میں مارا جا چکا ہے۔ انہوں

نے اس تصویر اور اس کی کاپیوں کو ضائع کرنے کی ہدایت بھی

کی۔ میں اسے ایک غلطی سمجھ کر نظر انداز کر دیتی لیکن ایری کا

کہنا تھا کہ تاہا اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور...“

## تیز ہا سوال

سردار جی اپنی بیگم کے ساتھ بہت رومانی موڈ میں بارغ میں بیٹھے تھے۔ دونوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ بیگم نے اچانک ایک تیز حاسوئل کر دیا۔ "سردار جی ایہ اتناؤ کہ پیار اور عشق میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

سردار جی سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر توقف کے بعد بولے۔ "پیار وہ ہوتا ہے جو میں اپنی بہن سے کرتا ہوں... اور عشق... عشق وہ ہوتا ہے جو میں تمہاری بہن سے کرتا ہوں۔"

### اعتراف

انہرٹ بستر مرگ پر تھا۔ بیوی قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے فحاشت زدہ آواز میں کہا۔ "ڈارلنگ! میں تم سے کچھ اعتراف کرنا چاہتا ہوں... تاکہ میں سکون سے مر سکوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں، خاموش لیئے رہو۔" بیوی نے ترشی سے کہا۔

"نہیں... میں اپنے ضمیر پر بوجھ لے کر نہیں مرنا چاہتا۔" وہ بولا۔ "میں نے زندگی بھر تم سے بے وفائی کی ہے۔ تمہاری کئی سہیلیوں سے مراسم رکھے... تمہاری بہن سے میری گہری دوستی تھی... تمہاری بھانج بھی..."

"چپ چاپ لیئے رہو۔" بیوی نے فرماتے ہوئے اسے ڈانٹا۔ "مجھے تمہارے سارے کرتوتوں کا علم ہے... اب خاموشی سے پڑے رہو تاکہ زہر تیزی سے اپنا اثر دکھائے۔"

دعویٰ سے عرفان اظہار کی بے بسی

"اس کی چھوٹی سی دکان سے لیکن وہ بہت سخر کرتا ہے اور اپنی دکان کے لیے چیزیں ذخیرہ کرتا رہتا ہے۔"

"اور اگر تم اس سے کسی خاص شے کی بابت دریافت کرو تو وہ زمین آسمان کے قلابے ملا دے گا اور ایسی ایسی چیزوں کے نام گنونا شروع کر دے گا جو تمہاری سماعت پر کراں گزریں گے۔"

"اس طرح تو وہ اپنے آپ کو جیمو ہانڈ نہیں بلکہ بورڈر نظر کرتا ہے۔"

"جیمو ہانڈ ایک کردار ہے بے بی جبکہ وارن ٹریڈس ایک

لہو بھر کے لیے وہ خاموش ہو گئی پھر اس کی آواز دوبارہ اجری۔ "میری مر گیا۔ صبح کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی جس کے مطابق اس کی موت کثرت شراب نوشی سے ہوئی لیکن میں شو بزنس کے کئی لوگوں کو جانتی ہوں جو بہت زیادہ پتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی اس وجہ سے نہیں مرا۔ میری نشتے پاز تیکس بلکہ اساتذہ اور سرگرم شخص تھا۔ جس طرح تم میری آواز سن رہے ہو اسی طرح میں نے بھی میری کے بارے میں یہ خبر سنی تھی۔ مجھ لیتا کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا ہوگا لیکن میں نہیں جانتی کہ تم اس سلسلے میں کچھ کرو۔ میں نے ایک بہت اچھی زندگی گزاری ہے۔ تم، کیٹ اور بیچیاں میری زندگی کا بہترین حصہ تھے، اگر میں کسی سازش کا شکار ہوئی ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن میں نہیں جانتی کہ تم پر کوئی آئیجے آئے۔ اسی لیے تمہیں انتباہ کر رہی ہوں تاکہ تم اپنی نیکی کی حفاظت کر سکو۔ ڈیوڈ اپنا سر جھکا کر رکھو اور زبان پر نالا ڈال دو جو میں تم سے کہتی تھی۔ خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

اس کا پیغام مٹم ہو چکا تھا۔ میں کافی دیر تک بیٹھا اس کے الفاظ پر غور کرتا رہا پھر میں نے لیپ ٹاپ بند کیا اور گھر آ گیا۔ شام کو میں کچن میں پر کیٹ کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا جب میں نے کیٹ کو ساری روداد سنائی تو وہ بولی۔ "مجھے تو یہ محض ہانگ پین لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اگلی مرتبہ اگر تمہاری ماں سے ملاقات ہو تو اس سے یہ بات ضرور کہنا۔" میں نے جمل کر کہا۔

"دیکھو ڈیوڈ! میں بھی تمہاری ماں سے محبت کرتی تھی لیکن تم جانتے ہو کہ وہ ایک اداکارہ تھی اور اسے ڈرامائی انداز میں بات کرنے کا فن آتا تھا اور تم اپنے سوتیلے باپ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"یہ تو ہے۔ میں واقعی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے کہا۔ "ان دنوں کالج میں تھا جب ماں سے اس کی ملاقات ہوئی۔ میرے والد نے یہ تصویر اپنے مرنے سے چند ہفتے قبل لی تھی۔ وہ اور وارن یقیناً ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے لیکن میں نے پہلی بار اس کے بارے میں سنا ہے اور میری ماں بھی اس کے ماضی کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہیں کچھ نہ بتایا ہو؟"

"خدا کے واسطے یہ مت کہو۔ میں سمجھتی ان آدمیوں درجن ٹرکوں کے بارے میں بتا سکتا ہوں جن سے میری ماں کے ہائی اسکول میں تعلقات تھے۔ اس کی زندگی میں کوئی بات خفیہ نہیں تھی لیکن وارن نے اپنی اصلیت ظاہر نہیں کی۔ وہ اپنے آپ کو پرانی چیزوں کا بیوپاری کہتا تھا لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔"

جیتا جاتا انسان ہے جو لوگوں کو نام بدل کر قتل کرنے کا عادی ہے اور جن دو لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہوا وہ مارے گئے۔"

کیٹ حیرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا تم اس معاملے میں سمجیدہ ہو؟"

"بہت زیادہ۔ میں نے بڑی باریک بینی سے دارن کے بینک اکاؤنٹ کا کھوج لگانے کے علاوہ اس کے خفیہ اثاثوں کا بھی پتہ لگا لیا ہے۔ اس کے پاس گولڈ کریڈٹ کارڈ اور ڈیپازٹ میں دو بڑے اکاؤنٹس کے علاوہ سوئٹزر لینڈ میں بھی اکاؤنٹ ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایسے اکاؤنٹ کھولنے کے لیے کم از کم پانچ لاکھ ڈالر جمع کروانا ضروری ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ پرانی چیزوں کا بیوپاری جس کی ایک چھوٹی سی دکان ہو، اتنا بڑا اکاؤنٹ کھول سکے۔"

"اوہ میرے خدا۔" کیٹ حیران ہوتے ہوئے بولی۔  
 "آگے بھی سنو۔" میں نے کہا۔ "دارن کی دولت میں اضافہ اس وقت شروع ہوا جس سال کارل بکنر اور میرے بڑی افغانستان میں مارے گئے۔"

"اب ہم کیا کریں گے؟" اس نے پوچھا۔  
 "میں اسی پر کام کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

اس حوالے سے میری تیاریاں بڑی مشکل خیز تھیں۔ میری جیب میں صرف ایک پین کے سائز جیسا ٹیپ ریکارڈر تھا۔ کیٹ نے ایک کونے میں گاڑی پارک کی اور لیجن اسٹارٹ ہی رہنے دیا تاکہ بھاگنے میں آسانی رہے۔ میں صرف دارن سے کچھ انگلوان چاہ رہا تھا۔ اس کے بال معاملات کے بارے میں تفصیلات پہلے ہی حاصل کر چکا تھا اور مجھے امید تھی کہ یہ دونوں چیزیں پولیس کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں گی۔

میں نے اپنی ماں کے لیوینگ روم میں قدم رکھا تو آتش دان روشن تھا۔ ایسا لگا جیسے وہ صبر انتظار کر رہا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ دارن ٹریوس ایک کھڑکی کے پاس کھڑا روک کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس نے عام سا لباس یعنی سرے شرٹ اور پتھون پہن رکھی تھی۔ باقی سب کچھ ہمیشہ جیسا ہی تھا۔ وہی ہلکی سی مسکراہٹ، خالی آنکھیں، وہ پورا بیرو پیا تھا۔ میری ساری عمر ادا کاروں کے درمیان گزری تھی پھر میں اس کی اداکاری کو ایسے نظر انداز کر سکتا تھا۔

"مجھ سے ملنے کا شکر ہے۔" میں نے کہا۔ "دراصل میں نے تمہیں اس لیے فون کیا تھا کہ میں مکان کے بارے میں..."  
 "تم مکان کے بارے میں بات کرنے نہیں آئے۔"  
 وہ میری طرف گھومتے ہوئے بولا۔ "جاننا ہوں کہ تم نے بڑی شدت سے میرے اکاؤنٹ چیک کیے ہیں، کیوں؟"

آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے؟"  
 میں نے جھوٹے ہنسنے کے بارے میں سوچا لیکن اس کا وقت گزر چکا تھا۔ اب میری ماں زندہ نہیں تھی اور میرا میرا جو اب دسے چکا تھا۔ میں نے جیب سے وہ تصویر نکالی جس میں وہ اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ایک لاش کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس تصویر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھلنے لگیں۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہیں کہاں سے ملی۔ اس کارروائی کی تمام نشانیاں مٹا دی گئی تھیں۔ یہاں تک کہ تمہوں نے ہماری شناخت بھی ختم کر دی۔"

"میرے باپ نے یہ تصویر فری پریس کو بھیجی تھی لیکن تم نے یہ بھی نہیں بتایا کہ جنگ میں حصہ لے چکے ہو؟"  
 وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جسلی میر وڈو آرگنٹن میں دفن کیا جاتا ہے۔ میں تو صرف ایک ماہر نشانے باز تھا جسے سی آئی اے نے ایک مشن پورا کرنے کے لیے وہاں بھیجا۔"

اور وہ مشن کیا تھا، لوگوں کی لاشیں گرانے؟"  
 "بعض اوقات یہ بھی کرنا پڑتا ہے۔" اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہے کہ کیا ہوا تھا؟" ناٹن الیون کے بعد جب ہم افغانستان میں داخل ہوئے تو ہمارے وہاں تعلقات تھے اور نہ ہی کوئی حمایت۔ یہاں تک کہ ہم روپیوں سے چرانے ہوئے نقشے استعمال کر رہے تھے۔ ہم طالبان سے گیس ٹر سکتے تھے کیونکہ اس وقت نہ ہمارے پاس اسلحہ تھا اور نہ ہی فراوی قوت لہذا ہم نے چھپ کر ان کے سرداروں کو مارنا شروع کر دیا۔"  
 "اس معاملے میں اتنی رازداری کیوں برتی گئی؟ تم نے فرضی نام کیوں اختیار کیا؟"

"ہم نے ایک غلط آدمی کو مار دیا تھا۔" وہ سبگ ولی سے بولا۔ "ہمیں ایک مقامی سرداری طرف سے غلط اطلاع ملی۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ طالبان اور مارڈ ہے لیکن غلطی سے ایک انام کو مار دیا۔ وہ ایک طاقتور مذہبی شخص تھا اور شمالی اتحاد کے آدمی سے زائد قبائل میں اس کی رشتے داری تھی۔ آج بھی اگر یہ سچائی سامنے آئی تو اس خطے میں موجود کوئی بھی امریکی محفوظ نہیں رہے گا۔ اس واقعے کے بعد ہمارے اتحادی خوف زدہ ہو گئے۔ انہوں نے ہمارا اپونت ختم کر دیا۔ ہمیں ملازمت سے لکائی دیا گیا۔ یہاں تک کہ ہمارے نام بھی تبدیل کر دیے گئے۔"

"تم میرے باپ کو کس طرح جانتے تھے؟"  
 "وہ ایک رپورٹر تھا اور اسی علاقے میں اپنے فرانسز انجام دے رہا تھا جہاں ہم کارروائیاں کر رہے تھے۔ وہ اسی



بجائے اس مسئلے کا حل نکالنا چاہیے۔" وارن نے کہا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" چارلی نے پوچھا۔

"یہ دیکھو۔" وارن نے تصویر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

تصویر دیکھ کر چارلی کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ سر پیٹتی ہوئی آواز میں بولا۔ "انہوں نے تو کہا تھا کہ تمام ریکارڈ ضائع کر دیا گیا ہے پھر یہ تصویر کہاں سے نکل آئی؟"

وارن نے اسے جلدی جلدی سب کچھ بتا دیا۔ چارلی نے پوچھا۔ "اس رپورٹر کی موت کب ہوئی تھی؟"

"جب اس نے بیٹھا گون سے اس تصویر کے بارے میں دو پانچت کیا۔ اس کے دس روز بعد۔" میں نے کہا۔

"کیا تمہیں اس بارے میں کوئی اطلاع تھی؟"

چارلی نے وارن سے پوچھا۔ "کسی نے تمہیں وارننگ دی کہ کوئی شخص اس تصویر کے بارے میں سوالات کر رہا تھا؟"

"نہیں، آج میں نے کوئی ہار یہ بات سنی ہے۔"

"ہم کیسے اس پر یقین کر لیں۔" کیٹ نے کہا۔ "تم نے اپنے بارے میں جو کچھ بتا دیا وہ سب جھوٹ ہے۔"

"اس بحث میں نہ پڑو۔" چارلی نے کہا۔ "ہم تمہارا مسئلہ نہیں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا۔"

"تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہم اس تصویر کی بات کر رہے ہیں۔" وارن نے کہا۔ "صرف ہم اس تصویر میں نہیں ہیں۔"

"امام کا کوئی مسئلہ نہیں۔" چارلی نے کہا۔ "وہ مرچکا ہے لیکن اس تصویر میں موجود تیسرا شخص ابھی زندہ ہے۔"

"ہاں۔" وارن نے اس کا نام لینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

"یہ کیسے مسئلہ بن سکتا ہے۔ تم اس کے ساتھ کام کر چکے ہو۔" میں نے کہا۔

"اپنی مرضی سے نہیں۔" وارن نے کہا۔ "تم ٹیٹ بال کھیلتے رہے ہو۔ بعض اوقات ٹیم میں کوئی ایسا لڑکا بھی ہوتا ہے جسے تم پسند نہیں کرتے اور نہ ہی اس پر بھروسہ کرتے ہو۔"

اس کے باوجود تم اسے ٹیم میں دیکھنا چاہتے ہو کیونکہ وہ اچھے نتائج دیتا ہے۔ ہاں میں بھی ایک ایسا ہی شخص تھا۔"

"شاید اس لیے کہ وہ ایک مستعد قائل تھا۔" میں نے کہا۔

"اس زمانے میں ہم سب ایسے ہی تھے۔" چارلی نے کہا۔ "لیکن ہم میں ایک فرق تھا۔ میں اور وارن اس کام کو اچھا نہیں سمجھتے تھے جبکہ ہاں اسے پسند کرتا تھا اور ممکن

ہوئے ایک ہم دھماکے میں ہلاک ہو گیا جب ہی آئی اے نے ہمیں قاریغ کیا۔ تمہیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ میں محاذ پر کام کر رہا تھا اور اچانک ہی مجھے ایک نئے نام اور بھاری بھر کم بینک اکاؤنٹ کے ساتھ ایک طرف کر دیا گیا لیکن میرے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ میرا کوئی مستقل اور کوئی زندگی نہیں تھی۔ مجھے کچھ تو کرنا تھا، پھر میری ملاقات تمہاری ماں سے ہوئی۔ ہم دونوں ہی زخم خوردہ تھے۔ میں نے سوچا کہ ساتھ رہ کر ہم اپنے اپنے دکھوں سے نجات حاصل کر لیں گے۔"

"تم نے اس کے ساتھ دس سال گزارے لیکن اسے بھی کچھ نہیں بتایا؟"

"میں نے کبھی یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔"

بینک میں لون آفیسر کے طور پر کام کرنے کی وجہ سے مجھے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کی مہارت حاصل ہو گئی ہے۔ جب لوگ وقت پر قرضے کی قسط ادا نہیں کر سکتے اور میرے سامنے بیٹھ کر غصے کی کہانیاں سناتے ہیں تو میں فوراً سمجھ جاتا ہوں کہ اس میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ، لہذا مجھے یقین تھا کہ وارن نے سچ بولا ہے لیکن عمل طور پر نہیں۔ اس نے بارہ سال تک رازداری برتی اور اب وہ آزادانہ گفتگو کر رہا تھا کیونکہ وہ بھی اب تھک چکا تھا۔

"دیکھو، میں کسے لے کر آیا ہوں۔"

ہم دونوں نے بیک وقت وہ آواز سنی۔ چڑھے کی جیکٹ میں ملبوس ایک شخص کیٹ کا بازو پکڑے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ "یہ عورت نیچے گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا اٹھنا اشارت تھا۔ شاید یہ پولیس کا انتظار کر رہی تھی۔"

مجھے اس جیکٹ والے شخص کو پہچانتے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ بھی اس تصویر میں وارن کے ساتھ موجود تھا۔ اس وقت اس نے ایک آنوٹیک ریو لوور پکڑ رکھا تھا۔ پھر اس نے کیٹ کو میری جانب دیکھ لیا۔

"آرام سے چارلی، غصہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وارن نے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "یہ چارلی سکی ہے۔ افغانستان میں میرے لیے کام کرتا تھا اور اب میرا بہترین دوست بھی ہے۔" پھر اس نے چارلی سے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ "یہ ڈیوڈ ہے۔ میرا سوتلا بیٹا اور یہ عورت اس کی بیوی ہے۔"

"مخاطب چاہتا ہوں۔" چارلی بولا۔

"تم انتہائی وحشی ہو۔" کیٹ نے مجھ سے کہا۔ "اتنی زور سے دھکا دیا کہ میری پنڈلی میں درد ہونے لگا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں فضول باتوں میں پڑنے کے

”کیا تمہیں اس پر یقین نہیں آ رہا۔“ میں نے کہا۔  
”نہیں۔“

”ہم کیا کر سکتے ہیں؟“

”کچھ نہیں۔ ہم پہلے ہی بہت کچھ کر چکے ہیں۔ اب ہا کس مجھے مارنے آ رہا ہوگا۔ میں کافی عرصہ ہوا سب کچھ چھوڑ چکا ہوں۔ اس لیے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں تنہا دور چلا جاؤں گا۔ اگر میں اس کی کھچکی سے باہر ہو گیا تو ممکن ہے کہ وہ تمہیں سمجھ نہ سکے۔“

”گورا اگر اس نے ایسا نہ کیا وارن تو یہ معاملہ کنٹرول سے باہر ہو جائے گا۔ ہمیں اس بارے میں حکام کو مطلع کرنا چاہیے۔“  
”تم کن لوگوں کی بات کر رہے ہو۔ پولیس پہلے ہی ان اموات کو حادثہ قرار دے چکی ہے اور اگر وہ کسی نیچے پر پھینچے ہیں تو اس وقت تک ہم بھی چارلی کی طرح مر چکے ہوں گے۔ میں ان لوگوں سے کہنے کے لیے لیننگے جا رہا ہوں کہ اپنے منہ زور تیل کو قابو میں رکھیں۔“

”تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ وہ اس بارے میں نہیں جانتے ہوں گے۔ تم نے ہی کہا تھا کہ اگر اس تصویر کی حقیقت سامنے آگئی تو اس کی وجہ سے آج بھی مشکلات کمزری ہو سکتی ہیں۔ شاید اسی لیے وہ ہر اس نشانی کو مٹا دینا چاہتے ہیں جو قوی سلامتی کے لیے خطرہ ہو سکتی ہے۔“

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ اس میں ہماری حکومت کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”تم جو چاہو یقین کرو لیکن میں اپنے بچوں کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ میں تمہارے تیسرے ساتھی سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس کا انتظام کر سکتے ہو؟“

”کیا تم موش و حمار کو بیٹھے ہو۔ ہا کس کو غالباً معلوم نہیں کہ تم اس کے بارے میں جانتے ہو۔ شاید اسی وجہ سے تم ابھی تک زندہ ہو۔“

”پھر تو میں اسے ایک اور اچھی وجہ بتاؤں گا۔ تم جانتے ہو کہ پیسے میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔“

”تم اسے خریدنا چاہ رہے ہو۔ یہی تمہارا شاندار منصوبہ ہے؟“

”تم نے اسے پاگل کہا لیکن احمق نہیں۔ وارن، میں ایک ڈنگر ہوں اور ایسی دنیا میں رہتا ہوں جہاں پیسا بولتا ہے۔ بے شک تم لیننگے دو اور تک دے دو لیکن اس سے پہلے ہا کس سے بات کرو۔ میں اس سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔“

”تم بہت بڑی کھلی کر رہے ہو ڈیوڈ۔“  
میں نے اس سے بحث نہیں کی۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہہ

ہے کہ اب بھی کرتا ہوں۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ کیت نے پوچھا۔  
”کسی شخص نے مجھے یا چارلی کو متنبہ نہیں کیا کہ ایک رپورٹ ہمارے ہارے میں جھانک رہا ہے۔“ وارن نے کہا۔

”لیکن اگر ہا کس کو یہ بات معلوم ہوگئی ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ابھی تک اس کھیل میں شریک ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس تصویر سے جڑے دو افراد کی موت نفس ایک اتفاق ہے۔“  
”میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

”ٹائٹل ایون کے بعد درجنوں سیکر ری ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔“ وارن نے کہا۔ ”ان میں سے کچھ دفاتی، کچھ پرائیویٹ اور کچھ کو قومی سلامتی کے نام پر لوگوں کو کھل کرنے کا لائسنس دے دیا گیا ہے۔ ہا کس ان میں سے کسی بھی ایجنسی کے لیے سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔“

”میرے لیننگے میں کچھ تعلقات ہیں۔“ چارلی نے کہا۔ ”میں معلوم کر سکتا ہوں کہ کیا ہا کس اب بھی اس پٹی کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس میں چند دن لگ سکتے ہیں۔ اس وقت تک ہمیں خاموش رہنا ہوگا۔“

”ہم تم پر کس طرح بھروسہ کر سکتے ہیں۔“ میں نے وارن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے ڈیوڈ۔“ کیت نے کہا۔ ”ہم کسی سے رجوع کر سکتے ہیں۔ پولیس یا کسی دفاتی ایجنسی سے۔ ممکن ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کے لیے کام کر رہا ہو۔“

میں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ شاید وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

ایک کے بعد دوسرا ہفتہ گزر گیا لیکن چارلی کی کوئی خبر نہیں ملی۔ ایک روز میں بیگ سے نکل کر اپنی کار کی طرف جا رہا تھا کہ ایک سایہ میرے راستے میں آگیا۔ وہ وارن تھا۔ وہ وحشت زدہ اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ یوں لگا جیسے اس کی عمر میں دس سال کا اضافہ ہو گیا ہو۔

”چارلی مر گیا۔“ اس نے کہا۔ ”اس کی موت ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہوئی۔“

میں نے کچھ نہیں کہا بلکہ اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

”یہ حادثہ کسی بھی وقت ہو سکتا تھا۔“ اس نے خالی گیراج کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”وہ کبھی کبھی نئے میں گاڑی چلاتا تھا۔“

”کارل بکنر۔ وارن ٹریوس۔ وہ اپنے آپ کو کسی بھی نام سے پکارے۔ میں اسے بکنر ہی کہوں گا۔“

”میں نہیں جانتا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کہیں دور جا رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم سے نہیں ٹھٹھکتا۔“

”وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس نے پیغام بھیجا تھا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔ کیوں؟ کیا تم مجھے دیکھنے وینڈل کر سکتے ہو؟“

”بالکل نہیں۔“ میں نے قہقہہ نکلتے ہوئے کہا۔ ”میں ایک بینگر ہوں اور صرف میز پر بیٹھ کر کام کر سکتا ہوں۔“

”اس کے باوجود تم سب کو۔“ اس نے کہا پھر وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر میری طرف آیا اور اپنی انگلی سے میرے کولٹ کا گر بیان کھول دیا۔ میری جیب کے ساتھ ایک آٹو جیک ریوولور لگا ہوا تھا۔

”بھئی تم نے مجھے میں فائر کیا ہے؟“

”نہیں۔ میں صرف اسے اس لیے ساتھ لایا تھا کہ مجھے تمہارے ہاتھوں مرنے سے ڈر لگ رہا تھا۔“

”تمہیں یہی کرنا چاہیے۔“ ہاگس نے کہا۔ ”لیکن اگر تم نے اسے ٹالنے کی کوشش کی تو اس سے پہلے تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔“

”مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں۔“

”اگر تم مجھے ہو کہ بینک کے محافظ تمہیں بھالیں گے تو اسے بھول جاؤ۔ گوکہ تمہارے یہاں کی سکیورٹی کافی سخت ہے۔ تمہیں کس سے ڈر ہے؟“

”ہم شہر کے مرکز میں بیٹھے ہیں مسٹر ہاگس اور یہ ایک خطرناک شہر ہے۔“

”لیکن اس کا موازنہ کابل سے نہیں کیا جاسکتا۔ تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں کوئی سفیریت ہوں لیکن اگر وہ تصویر منظر عام پر آگئی تو شدت پسند میری گردن اڑا دیں گے۔ لہذا میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا اور یہ کرتا رہوں گا۔ میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھ چکے ہیں۔“ وہ لو بھر کے لیے رکا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

”تم نے اس ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اگر تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو تو تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ تم کیا چاہتے ہو؟“

”میرے پاس تمہارے لیے کچھ ہے۔“ میں نے جیسے ہی دراز کھولی اس کا جسم اکڑ گیا۔ میں نے ایک لفافہ نکال کر اس کے آگے بڑھا دیا لیکن اس نے اسے ہاتھ نہیں لگایا اور بولا۔ ”یہ کیا ہے؟“

”ساتھ ہزار ڈالر۔“

رہا تھا۔ وہ حجاز اور سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ میں اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا لیکن اسے اشارت نہیں کیا۔ سوچ رہا تھا کہ وارن اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔ میں پیشہ ور لوگوں سے سودے بازی کرنے میں بالکل اناڑی تھا۔ میں نے بھی زندگی میں اپنے پاس کوئی گن نہیں رکھی تھی لیکن ہاگس کے پاس گن ہی نہیں بلکہ وہ جاتو کا استعمال بھی جانتا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے میری نظروں کے سامنے ماں کا خون آنسو چہرہ گھوم گیا۔

تین دن بعد ہاگس ڈیزائنٹ فرسٹ فیڈرل بینک کی اس برانچ میں داخل ہوا جہاں میں کام کرتا تھا۔ اس نے عام سا لباس یعنی اسپورٹ جیکٹ، پتلون اور صوب کا چشمہ لگا رکھا تھا اور وہ چاروں طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ یہ جگہ خریدنے آیا ہو۔ اس کی عمر کچھ زیادہ ہو گئی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ وہی قاتل تھا جس کی تصویر کئی سال پہلے میرے ہاگس نے اتاری تھی اور اس تصویر نے میری ماں کی جان لے لی تھی۔ میرے دل میں نفرت اور غصے کی لہر ابھری لیکن میں نے اس پر قابو پایا۔ میرا اس سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ قتل کرنا اس کا کاروبار تھا اور یہیوں کالین دین کرنا میرا۔۔۔

میں نے گہرا سانس لیا اور اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور چشمہ اتار کر مجھے تجسس بھرے انداز میں دیکھنے لگا پھر فراتے ہوئے بولا۔ ”تم ڈیوڈ سیویئر ہو؟“

انتہائی فضولی سوال تھا۔ میں نے میز پر رکھی نیم پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اس کے علاوہ بھی میری کوئی شناخت چاہیے۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری خوب صورت بیوی دائن اسٹیٹ میں پڑھائی ہے اور وہ راستہ بھی جس سے وہ ہر روز کام پر جاتی ہے۔ تمہاری جڑواں بیٹیاں برٹنیم پلیسٹری میں تیسرے گریڈ میں پڑھتی ہیں۔ ان کی نیچر کا نام مس ڈالٹر ہے۔ اس کا قہہ پانچ فٹ دو انچ اور وزن ایک سو ساٹھ پونڈ ہے۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ ایروڈ میں رہتی ہے، کچھ اور بتاؤں۔“

”نہیں۔“ میں اس کی معلومات پر ششدر رہ گیا۔ اس نے اتنے غیر جذباتی انداز میں سب کچھ بیان کر دیے جیسے موسم کا حال بتا رہا ہو۔ ”تم نے اپنا مطلب واضح کر دیا ہے مسٹر ہاگس۔“

”بہت خوب۔“ اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ”بکنر کہاں ہے؟“

”کون؟“

خونی تصویر

ہوئے اور اس پر قابو کھول دیا۔ بینک میں بھگدڑ مچ گئی اور لوگ پیٹھے چلاتے ہوئے باہر کی جانب بھاگنے لگے۔ چھوٹی لکھوں بعد ہانس زمین پر گر پڑا۔ اسے نصف درجن گولیاں لگی تھیں۔ اس کے گرنے کی آواز سن کر میں نے لیٹے لیٹے کروت بدلی تو ہانس کا چہرہ میرے سامنے آ گیا۔ ہم دونوں ہی زخمی تھے اور ہمارے چہروں کے درمیان چند انچ کا فاصلہ تھا۔ وہ اس وقت کسی خون آشام بھیلے کے مانند نظر آ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے دردندگی جھلک رہی تھی۔ اس کا چہرہ تاریک ہو چکا تھا اور وہ جان گیا تھا کہ اس کا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔ اس کے باوجود اس کی وحشت اور دردندگی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

اس نے سیدھا ہاتھ بڑھا کر میری گردن میں ڈالا اور اپنی جانب کھینچنے لگا۔ میں نے اس کی گرفت سے اپنے آپ کو آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن وہ بہت طاقت ور تھا۔ تاہم دیر ہو چکی تھی۔ اس کے جسم سے خون بہ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی طاقت میں کمی واقع ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پیچھے کی جانب گر پڑا۔ لیکن اس کی نظریں اب بھی مجھ پر گڑھی ہوئی تھیں۔ زندگی کی آخری سانس تک بھی اگر وہ مجھے مار سکتا تو ضرور مار ڈالتا۔

یوں لگا جیسے میں بھی ہوش و حواس سے بے گانہ ہوتا جا رہا ہوں۔ پورا کمر اٹھو م رہا تھا اور میں خود کو ایک طویل سرنگ کے دوہانے پر محسوس کر رہا تھا جس کے آخری سرے پر سورج کی روشنی ایک ٹمٹماتے ہوئے ستارے کے مانند نظر آ رہی تھی، پھر میرا ذہن کھل ملود پر تار کی میں ڈوب گیا۔ آکھ کھلی تو اپنے آپ کو اسپتال کے بستر پر پایا۔ میرے سر ہانے پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھا وارن ٹریوں لٹکے رکھے رہا تھا۔ میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن کھٹکھٹانے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ وارن کی آکھ کھل گئی۔ اس نے ریپوٹ کاٹن دھا کرنی وی کی آواز بند کی اور بولا۔ "نئی زندگی مبارک ہو۔ اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"ہانس کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔  
"وہ سوخ پر ہی مر گیا۔ تمہارے گولے میں چوٹ آئی ہے گو کہ زخم زیادہ گہرا نہیں لیکن تم کچھ عرصہ لنگڑا کر چلو گے۔ کیت نیچے ہال میں کافی پی رہی ہے۔" پھر اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ "کیا واقعہ پیش آیا تھا؟"  
"تم نے کہا تھا کہ میں ہانس سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تمہارا خیال ٹھیک تھا۔ ایک انٹری ہمیشہ پیشہ ور کھلاڑی سے بار جاتا ہے لہذا میں نے کھیل کا نقشہ ہی بدل دیا جس میں ہانس انٹری اور میں کھلاڑی تھا۔"

"ساتھ۔" اس کی زبان سے بے اختیار نکلا پھر اس نے وہ لفاظی اٹھایا اور اسے کھول کر دیکھنے لگا پھر اس نے وہ لفاظی اپنے جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور بولا۔  
"کیا تمہاری یا تمہاری بیوی کی زندگی کی قیمت ہے؟"

"ہمارے پاس سبھی کچھ تھا مسٹر ہانس۔"  
"یہ کافی ٹھیک ہے۔ میں تمہیں زندہ چھوڑ کر بہت بڑا خطرہ مول لے رہا ہوں۔ بہر حال اس رقم کو الیونس کے طور پر رکھ رہا ہوں لیکن اگر مجھ سے سودا کرنا چاہتے ہو تو اسے دگنا کرو۔ ساتھ ساتھ ہزاروں دولوں میاں بیوی کی زندگی کی قیمت ہوگی۔ تمہاری جڑواں بیٹیوں کی جان بخشی کے عوض کچھ نہیں لوں گا بشرطیکہ وہ میرے راستے میں نہ آئیں۔ تمہارے پاس ایک ہفتہ ہے۔"

"پلیز مسٹر ہانس میں مزید اضافہ نہیں کر سکتا۔"  
"تم بینک میں کام کرتے ہو۔ کوئی حل تلاش کرو۔"  
وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "ورن تمہارا خاندان مزید کچھ شاخوں سے محروم ہو جائے گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو؟"  
میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس وقت میں یہی کر سکتا تھا۔

"تمہارے پاس ایک ہفتہ ہے۔ اس میں ایک دن کا بھی اضافہ نہیں ہوگا۔" وہ مڑا اور دروازے کی طرف جانے لگا۔  
میں اس پر حملہ کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے میری بیوی اور بیٹیوں کو مارنے کی دھمکی دی تھی۔ میرا دل چاہا کہ کرسی اٹھا کر اس کے سر پر دے ماروں اور اس وقت تک مارنا رہوں جب تک وہ مرتا جائے لیکن میں جانتا تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا لہذا میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور اسے جانے ہوئے دیکھتا رہا۔ چالیس سیکنڈ گزر گئے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور پچاس سیکنڈ پورے ہونے پر میں اس کی جانب لپکا۔  
"ہانس وہیں رک جاؤ۔" میں نے چلاتے ہوئے کہا۔  
وہ مجھے دیکھنے کے لیے ایڑیوں پر گھوم گیا اور جب اس نے مجھے ریوالور نکالتے دیکھا تو اس کی آنکھیں پتھرائیں لیکن وارن نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں اس کے مقابلے میں انٹری تھا۔ جیسے ہی میں نے ریوالور نکالا تو اس نے میری جانب حرکت کی اور میرے بازو پر جوڑو کا وار کیا۔ ریوالور میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں لڑکھڑاتا ہوا کمر کے بل فرش پر جا گرا۔ اس نے ریوالور اٹھایا اور میرے سر کا نشانہ لیتا چاہ رہا تھا کہ میں چلا اٹھا۔

"اس کے پاس ریوالور ہے، اسے روکو۔"  
میری آواز سنتے ہی دونوں محافظ اس کی جانب متوجہ

”ہاں اور اسی وجہ سے وہ بھی مار دی گئی۔ تم بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہو۔“  
 وہ ہنچکتے ہوئے بولا۔ ”کیوں! میں نے کبھی نہیں چاہا کہ ایسا ہو جائے۔ تمہیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے۔“  
 ”میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ بارہ سال پہلے تم اور تمہارے ساتھیوں نے غلطی سے ایک آدمی کو مار دیا اور اس کے بعد سے مسلسل لاشیں سر رہی ہیں۔ میری ماں کا آخری پیغام مردہ خانے سے آیا اور تم نے اسے موت کے منہ میں پہنچایا۔“  
 وہ آہستہ سے اٹھا اور میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔  
 ”میں تمہاری ماں سے محبت کرتا تھا لیوڈ۔ مجھے امید ہے کہ تم میری بات کا یقین کر لو گے۔“  
 ”وہ بھی تمہارا بہت خیال رکھتی تھی۔ اگر تم اسے بچا دیتے تو ممکن ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دیتی اور شاید اب تک زندہ بھی ہوتی۔ ہم بھی یہ نہیں جان پاتے۔“  
 اس نے جواب دینا چاہا لیکن نہیں دے سکا۔ اس کے پاس سب سے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ وہ مڑا اور باہر چلا گیا۔  
 اس کے جانے کے بعد میں نے اپنا سر جھکے پر رکھا اور ایک گہری سانس لی۔ میرے کولھے میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے کئی منظر گھوم رہے تھے۔ ایک منظر میں چار لی، کیٹ کو لیوڈنگ روم میں دھکیل رہا تھا اور وارن کا سناہ پارکنگ گیاراج میں نظر آ رہا تھا۔ دوسرے منظر میں ہاکس بینک کے فرش پر خون میں لت پت پڑا ہوا تھا اور اس کا چہرہ مجھ سے چند انچ کے فاصلے پر تھا لیکن ان میں سب سے واضح تصویر میری ماں کی تھی جو اب بھی اپنی زندگی کا سب سے بڑا ڈراما کر رہی تھی اور مرنے کے باوجود اسٹیج پر ٹھکانی کر رہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ جب میں دس یا گیارہ سال کا تھا تو اکثر ڈراموں کے اختتام پر پردہ گرنے سے پہلے ماں کو دیکھتا جو اپنے دونوں بازو پھیلائے اسٹیج کے وسط میں کھڑی حاضرین سے داد وصول کر رہی ہوتی تھی۔ گوکہ اس وقت میں بہت چھوٹا تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ لیتا تھا کہ اس لمحے وہ بہت خوش ہوتی تھی اور مجھے بس کا آخری پیغام بھی یاد تھا۔ ”اگر میں کسی بڑی سازش کا شکار ہو جاؤں تو کوئی بات نہیں۔ میں ہمیشہ سے دھوم دھام سے رخصت ہونا چاہتی تھی۔“ اور یقیناً وہ اسی طرح دنیا سے روانہ ہوئی۔ اس نے واقعی اپنا کردار بڑی خوبی سے نبھایا اور جاتے جاتے ایسا بندوبست کر رکھی کہ اصل مجرم اپنے انجام سے نہ بچ سکا۔ میں اس کا کوئی کریڈٹ نہیں لینا چاہتا کیونکہ میں نے وہی کیا جو ہاں چاہتی تھی۔

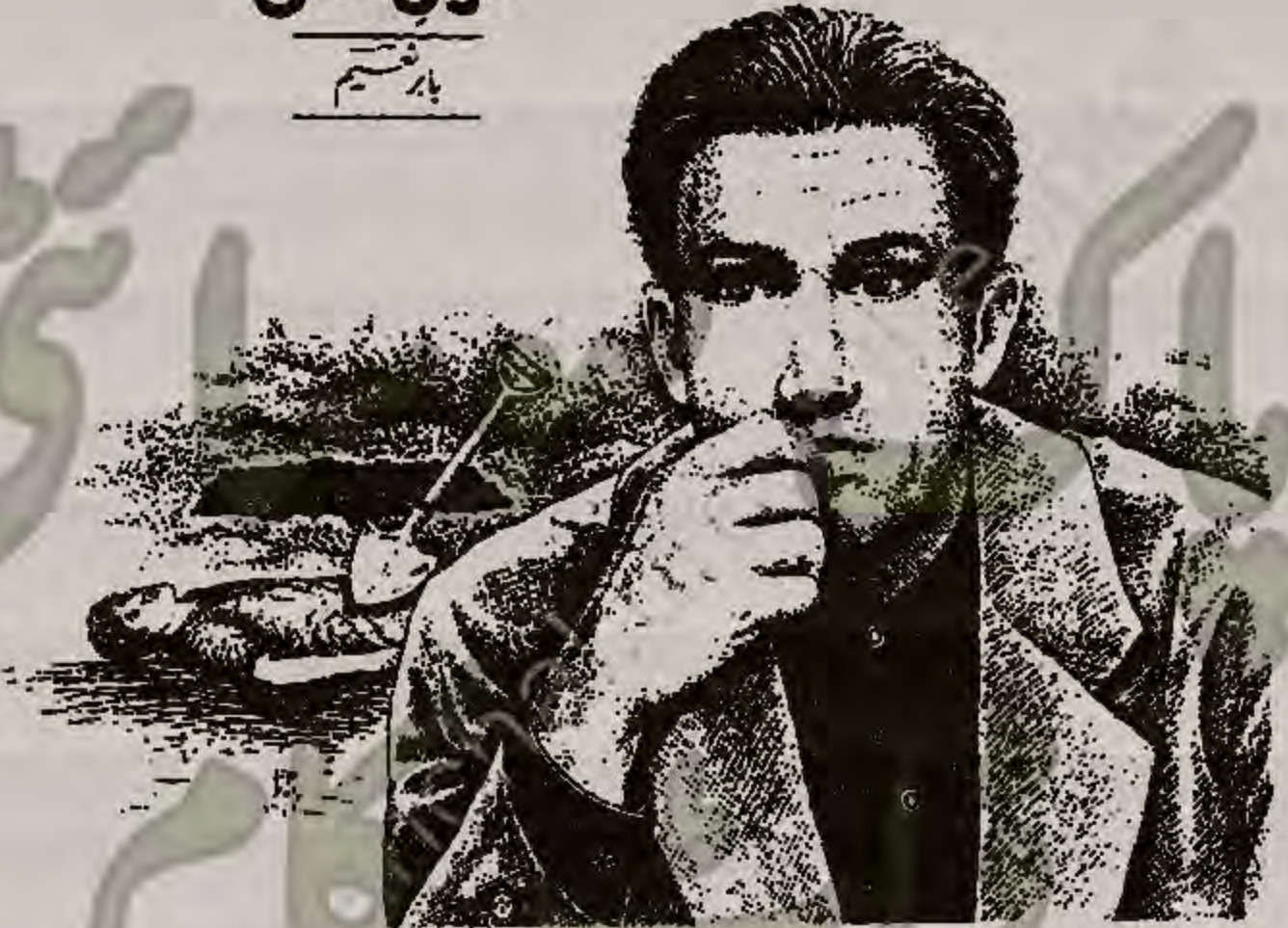
”میں کچھ سمجھا نہیں۔“  
 ”میں اداکاروں کا بیٹا ہوں اور میں نے تھپڑ کے ماحول میں پرورش پائی ہے۔ لہذا میں نے بھی ایک ڈراما سچ کیا۔“  
 ”بینک ڈکیتی کا۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”اور تم نے ہاکس کو اشارہ بنا دیا۔“  
 ”جبکہ وہ برآمدی تھا۔ بہر حال اس طرح کے تبصرے سامنے آتے ہیں۔“  
 ”سب لوگ اس بینک ڈکیتی کو ایک دہشت باز منظر سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ ہاکس کے سرکاری قتل کے بارے میں کچھ ظاہر نہیں کیا گیا۔ البتہ اس کے ریوالور کے بارے میں سوالات اٹھ رہے ہیں۔“  
 ”میں جانتا تھا کہ وہ سچ نہیں ہوگا ویسے بھی بینک میں مثل ڈھکڑے لٹے ہوئے ہیں۔“  
 ”لیکن وہ سچ تھا۔ اس نے اپنی آستین میں پانچ انچ لمبا چاقو چھپایا ہوا تھا جسے ڈھکڑے نہیں پکڑ سکا۔ بس وہ مرنا تو چاہتا اس کی سبلی میں تھا۔“  
 ”اس نے کہا تھا کہ وہ میرا گلا کاٹ دے گا لیکن میں نے اسے محض ایک دھمکی ہی سمجھی۔“  
 ”پولیس کا خیال ہے کہ وہ ریوالور بھی اسی طرح چھپا کر لایا ہوگا جبکہ ایک عورت کا کہنا ہے کہ اس نے وہ ہتھیار تم سے چھینا تھا لیکن پولیس سمجھتی ہے کہ اس عورت کو غلط بھی ہوئی ہے۔“  
 ”جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔“ میں نے کہا۔ ”مجھے سہارا دے کر بٹھاؤ۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“  
 ”کیوں نہیں۔“ اس نے اپنا بازو آگے بڑھا کر مجھے بیٹھنے میں مدد دی۔ میں نے بولنا شروع کیا۔  
 ”میں تم سے ایک آخری بات کی وضاحت چاہتا ہوں۔ وہ تصویر کھینچنے کے کچھ دن بعد میرے ڈیڈی انفنٹسٹان میں رو پے گئے اور یہ کام ہاکس کا تھا۔ تاکہ وہ تصویر منظر عام پر نہ آسکے۔ کیا تمہیں یہ بات معلوم تھی؟“  
 ”اس وقت نہیں۔“ اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ”بلکہ اس کے چند ماہ بعد بھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ نیا نام اختیار کر کے گوشہ نشینی میں چلا جاؤں۔ اس لیے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔“  
 ”سوائے اس کے کہ تم نے میری ماں سے ملاقات کی اور اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے اس سے شادی کر لی۔“  
 ”ممکن ہے کہ شروع میں ایسا ہی ہو۔“ اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن بعد میں اس کی نوعیت بدل گئی۔ بہت زیادہ۔“

ناجائز کسی جائدار کی جان لینے کا کڑا عذاب ہے... اس کی باوجود لوگ اپنے ہاتھوں کو لہو کی سرخی سے آلودہ کر بیٹھتے ہیں... دو بھائیوں کی ذاتی جھگڑا کا فسانہ ایک جرم کا سنگین شاخسانہ...

ادارات کا راز کش کروینے والے موسم کی کارگزاری

## خون ناحق

بار فہرست



اس نے خود تیار کیا تھا۔ وہ دے پاؤں محتاط انداز میں اپنے بھائی کے بیڑی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ سانس بھی اتنی آہستگی سے لے رہا تھا کہ اسے اپنے دل کی دھچکن اپنے دماغ میں کسی طوفان کی گرج کی طرح محسوس ہو رہی تھی.... ساتھ ہی اسے اس بات کی خوشی بھی ہو رہی تھی کہ جلد ہی اس کے بھائی کی ٹھن کی رفتار بے قابو ہو جائے گی۔

اس کا بھائی میکلسن ایک سرانگ رساں تھا۔ وہ ان ایمان دار اور اخلاقی طور پر قانون کے پاس داروں میں سے ایک تھا جو انگریزوں کو خونی رشتے کے باوجود جیل کی سلاخوں کے پیچھے

خون بہانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ انگریز جانتا تھا کہ خون ریزی نے بے شمار تانکوں کے کیے کرائے کاموں کو الٹ کر رکھ دیا تھا اور یہ ان کی بربادی کا سبب بن چکا تھا۔ وہ ان کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اس کا بھائی میکلسن برابر کے کمرے میں سو رہا تھا اور اسکی بیڈ جس سے وہ کبھی بیدار نہیں ہو سکتا تھا۔ انگریزوں نے اس بات کا پختہ حزم کر رکھا تھا کہ یہ اس کے بھائی کی آخری نیند ثابت ہو۔ وہ پوری احتیاط کے ساتھ اس کے بیڈروم کی جانب چل پڑا۔ اس نے ہاتھ میں ہائیڈرک سرخ پکڑی ہوئی تھی جس میں زرد رنگ کا مہلک سیل بھرا ہوا تھا۔ یہ مہلک سیل

جاسوسی ڈائجسٹ 65 جون 2015ء

Scanned By Amir

پہنچانے میں کسی قسم کی رعایت نہیں رہتی۔

الفریڈ و ایک چور تھا اور یہ حقیقت بالآخر اس کے سراغ رساں بھائی کے علم میں آگئی تھی۔ الفریڈ کو یقین تھا کہ اس کا بھائی کسی پس و پیش کے بغیر اس کا کچھ چھٹا کھول دے گا۔ بشرطے کہ الفریڈ و چوہدی کی تمام رقم واپس کر دے یا اس نقصان کی طاقی کر دے۔

تمام رقم واپس کرنا اور وہ بھی ہر مرتبہ دسک لینے کے بعد؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الفریڈ و کو اس خیال پر طیش آ گیا۔

اور طیش کی اسی کیفیت میں اس نے سرخ کی سوئی اپنے بھائی کے جسم میں پوری طرح اندر تک اتار دی۔

سوئی کی نوک اتنی ہار یک اور چھید اتنا کھلی تھا کہ اس کے گہری نیند میں سوتے ہوئے بھائی کو چہن قلعی محسوس نہیں ہوئی اور اس کی آنکھ تک نہیں کھلی۔ ایک منٹ بعد اس کے بھائی کے حلق سے خرخرامٹ کی بلند آوازیں نکلنے لگیں۔ جیسے اس کی سانسیں اٹک رہی ہوں۔

پھر یہ آوازیں کر پڑھتی چلی گئیں اور ان کا درمیانی وقفہ بھی بڑھ گیا پھر یہ غیر واضح آوازیں بالکل عیا بند ہو گئیں۔

الفریڈ و کو باہر کڑھا کھودنے میں خاصا وقت لگ گیا۔ وہ پوری تندہی کے ساتھ خاموشی سے اپنے پیچھے کی مدد سے سخت مٹی کو کھودنے میں مصروف رہا۔ پھر جب وادی میں چاند کی پتیلی روشنی پھیل گئی تو وہ اپنے بھائی کی لاش مکان کے حقیقی حصے میں اٹھا کر لے گیا جہاں اس نے قبر کھودی ہوئی تھی۔ اس نے لاش قبر میں اتار دی۔

کچھ دیر سنانے کے بعد اس نے لاش پر سخت مٹی کے ڈلے ڈالنا شروع کر دیے۔ وہ اس وقت تک مٹی ڈالتا رہا جب تک مٹی کا لاہیر زمین کی سطح کے ہموار نہیں ہو گیا۔ ساتھ ہی وہ مٹی کو پیر سے دبا تا بھی جا رہا تھا تا کہ قبر زمین کے لیول میں آ جائے۔

اب قبر زمین کی سطح کے ہموار آ چکی تھی اور زمین کا ایک حصہ ہی دکھائی دے رہی تھی۔

الفریڈ و صبح دیر تک سوتا رہا۔ اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب کوئی اس کا حتمی دروازہ زور زور سے پیٹ رہا تھا۔

”کون ہے؟“ الفریڈ و نے بلند آواز سے پوچھا۔

”میں ہوں برنارڈ۔“ کہا تم دونوں بھائی ٹھوڑے سچ کر سو رہے ہو؟ میں اتنی دیر سے داخلی دروازے کی گھنٹی بجا رہا ہوں اور تم میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا؟ تمہارے بھائی نے صبح نو بجے میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن میں آیا حالانکہ

وہ وقت کا ہمیشہ سے پابند رہا ہے۔ میں یہ معلوم کرنے کے لیے چلا آیا کہ معاملہ کیا ہے۔ کیا وہ بھیک جانے کے ڈر سے گھر سے نکلیں گلا؟“

”بھیک جانے کے ڈر سے؟“ الفریڈ نے دہرایا پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس پہنچا اور پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔

باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔

الفریڈ و برنارڈ کو اندر بلانے کے ارادے سے دروازے کی جانب بڑھا۔ پھر جب اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس کے بھائی کے سراغ رساں دوست برنارڈ کی نظر میں مکان کے عقب میں شہڈ کی جانب مرکوز تھیں۔

یعنی اس مقام پر جہاں اس نے اپنے بھائی کی قبر کھودی تھی۔

اور اس مقام پر جہاں اس نے لاش دبا لی تھی انسانی خاکے کی طرح مہم می چمکے بالکل طلحہ دکھائی دے رہی تھی اور اس خاکے نما زمین سے مٹی سے پیچھے اٹھ رہے تھے۔

برنارڈ، الفریڈ کی جانب گھوم گیا۔ ”کسی نے حال ہی میں اس جگہ کھدائی کی ہے۔“ برنارڈ نے قبر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اس لیے کہ جو زمین حال ہی میں کھودی گئی ہو تو جب اس میں پانی جاتا ہے تو پیچھے اٹھنا لازمی ہوتے ہیں۔“

پھر اچانک برنارڈ نے الفریڈ و کو ٹیکسی نظروں سے کھورتے ہوئے پوچھا۔ ”تمہارا بھائی کہاں ہے؟“

الفریڈ و خوف زدہ نظروں سے کھڑا کھینکے کے عالم میں ان بھائی پھوڑ دینے والے حقیقی بلبلوں کو دیکھ رہا تھا جو بدستور زمین کی سطح پر نمودار ہوئے جا رہے تھے۔

”تمہارے بھائی نے مجھے تمہاری چوریوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔“ برنارڈ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا کہ تک الفریڈ و نے اچانک اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔

لیکن یہ الفریڈ و کی ایک فاش غلطی تھی۔

برنارڈ پہلے ہی چوکتا تھا۔ اس نے خود کو الفریڈ و کی زد سے بچانے ہوئے اس کے تیز سے پر ایک زوردار گھونسا سید کر دیا۔

الفریڈ و زمین پر گر پڑا۔ برنارڈ نے فوراً ہی جیب سے جھکنڈی نکال کر الفریڈ و کے ہاتھ میں پینا دی۔

پھر اس مقام کی جانب بڑھ گیا جہاں وہ عجیب سے پیچھے کثرت سے اٹھ رہے تھے۔ الفریڈ و کی نظروں میں بھی ان بلبلوں پر جی ہوئی تھیں۔ ٹخن نہ بہانے کے باوجود یہ پیچھے اس کے جرم کی گواہی دے رہے تھے۔

اس نے عداوت سے اچھا سرتھا مہیا۔

## دوسری وصیت

جس سال دستی

انصیت... محبت اور الفت کے تقاضوں کو نبھانے کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں... تبھی یہ بندھن مضبوط تر ہوتا ہے... کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی محبت نبھانے والی لڑکی کا انوکھا ماجرا... اس کے اردگرد ایسے رشتوں کی بازگاہ تھی... جن سے خون کا رشتہ نہ تھا... دو بہنوں کے عجیب و غریب تعلقات کی پرتیں... ایک پرت ہتی تو سلمہ نہ دراز ہوتا چلا گیا...



بہن بھائی... ماں اور بیٹی کے درمیان حائل رکاوٹیں... مغرب کی جمع پرستی کا ہر پلار وہ...

میں سبکی یاد ریٹو گیا تھا اور وہاں جانے کا مقصد  
 ٹینسی ہوسر کے ہارے میں معلومات حاصل کرتا تھا۔ وہ  
 چھبیس ماہ پہلے وہاں گئی تھی اور اس عرصے میں شاید سب  
 اسے بھرا چکے تھے۔ وہ جس ہوٹل میں ٹھہری وہاں کے  
 استقبال سے بھی اس کے ہارے میں کچھ پتا نہ چل سکا۔  
 میں نے اس ہوٹل کے ریستوران، بار اور ہوٹل کے باہر  
 ٹیکسی اسٹینڈ سے بھی اس کے ہارے میں جاننے کی کوشش  
 کی۔ اس نے وہاں کوئی کار کرائے پر نہیں لی تھی نہ ہی اس

جاسوس ڈائجسٹ - [67] - جون 2015ء

Scanned By Amir



کہہ کر میں رک گئی۔ شاید اس سے زیادہ کہنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی کیونکہ اس سادہ بیان کی تہ میں حقائق کا انہار تھا جو آ رہے کار کے علم میں نہیں تھے اور ان کی وضاحت کرنا مجھے ناممکن لگ رہا تھا۔

شاید اس نے میرا ذہن پڑھ لیا، وہ بولا، ”جندی کی ضرورت نہیں۔ کوشش کرو کہ مجھے سب کچھ ترتیب سے بتا سکو۔“

میں نے ماضی کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ میری ماں کا انتقال 1982ء میں ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ڈیڈی بہت زیادہ تنہائی اور افسردگی محسوس کرنے لگے پھر ان کی ملاقات نینسی بلوسر سے ہوئی جسے عرصہ ہوا طلاق ہو چکی تھی۔ وہ ڈیڈی سے چار برس چھوٹی تھی۔ 1984ء میں انہوں نے شادی کر لی اور فلورڈا کے اس مکان میں رہنے لگے جہاں پہلے می اور ڈیڈی اور بعد میں ڈیڈی اور نینسی موسم سرا اور موسم بہار کا کچھ حصہ گزارتے تھے۔ نینسی کی ایک چھوٹی بہن لی کلارن ایک ریٹائرڈ میڈیکل ڈاکٹر ہے اور اسے بھی طلاق ہو چکی ہے۔

”شروع میں ہم بہن بھائیوں میں سے کسی نے بھی نینسی کو پسند نہیں کیا۔ وہ ڈیڈی سے بہت محبت کرتی تھی۔ شاید ہم خوف زدہ تھے کہ اس کی قربت میں رہ کر ڈیڈی ہماری ماں کو جلا دیں گے لیکن وہ بہت اچھی عورت ثابت ہوئی۔ خاص طور پر میرے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔ اسے مددے میں تکلیف رہنے لگی اور جب مگی تکلیف بڑھ جاتی تو وہ ہمارے نظر آنے لگتی۔ گزشتہ سال وہ اور ڈیڈی سردیوں میں نامپاگے لیکن وہ فردری میں چند ہفتے اپنی بہن کے ساتھ گزارنے کے لیے اکیلی واپس آ گئی جبکہ ڈیڈی اپنے دوستوں کے ساتھ گالف کھیلنے چلے گئے۔ اسی دوران ایک بار پھر اس کے پیٹ میں تکلیف شروع ہو گئی اور اس کی بہن نے اس کی تیمارداری کی۔ جیسا کہ میں بتا چکی ہوں کہ وہ ریٹائرڈ ڈاکٹر ہے۔ مگی وہ دونوں فلو میں مبتلا ہوئیں اور نینسی کا انتقال ہو گیا۔

تدین میں ڈیڈی بھی شریک ہوئے لیکن وہ شدید مددے کی کیفیت میں تھے جبکہ نینسی کی بہن کا حال اس سے بھی بُرا تھا۔ وہ خود ایک زندہ لاش نظر آ رہی تھی۔ وہ وہاں دن دن خنجرے لیکن پھر انہیں معاملات نمٹانے کے لیے نامیاجانا پڑ گیا۔ ہم میں سے کسی کو ان کے ساتھ جانا چاہیے تھا لیکن سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بہر حال وہاں سے واپس آنے کے بعد دو نینسی کی یادوں میں کھو گئے۔ وہ

شیر میں اس کا کوئی رشتے دار یا دوست تھا۔ اس نے وہاں کی عدالت میں طلاق کی درخواست دائر نہیں کی اور نہ ہی اس سنبٹے میں کسی وکیل سے رجوع کیا۔ اگر وہ جواھیٹے کسی کیسینو میں مگنی ہوگی تو وہاں سے کچھ معلوم کرنا بہت مشکل تھا۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایک پرائیوٹ سرائے رساں کو اس کے بارے میں کچھ بتاتا۔ ان رپورٹ کی طرف واپس جاتے ہوئے میں نے آخری کوشش کے طور پر مقامی اخبار میں اشتہار دے دیا جس میں اس کی تصویر اور میری مگنی کا پتہ مع فون نمبر درج تھا۔ اس کا مفہوم بالکل روایتی تھا یعنی کسی کو اس خاتون کے بارے میں کچھ معلوم ہو تو اس پتے پر اطلاع دی جائے۔

☆☆☆

میرا نام مورین میکارٹی ہے۔ آ رہے کار کو میں ابھی تک نہیں بھولی تھی گوکہ ہمارے درمیان بات چیت نہیں تھی اور اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بھاس کی دہائی میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں صنف مخالف سے گفتگو کرنے میں احتیاط برتتے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ میں عمر میں اس سے دو سال بڑی تھی اور اپنے سے چھوٹے لڑکوں میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور تیسری یہ کہ وہ بہت لمبا چوڑا اور بد صورت تھا۔ سونے شیشوں کا چشما لگانے سے اس کا چہرہ اور زیادہ بد نما دکھائی دیتا تھا۔ بعض اوقات اس شخص کو نظر انداز کرنا بہت مشکل ہوتا کیونکہ وہ ہم سے چار گھر کے قاصطے پر رہتا تھا اور اب میں ساں بعد بھی میں اس سے ملنے کے بارے میں سوچ کر ہی خوف زدہ ہو رہی تھی لیکن میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کیونکہ اپنے والد سے وعدہ کر چکی تھی۔ ٹیلی فون پر بیانات کے تبادلے کے بعد اس سے ملنے کا پروگرام طے پا گیا۔ مجھے منگل کی شام پانچ بجے اس کے دفتر جانا تھا۔

میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچی تھی۔ اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا، ”تم اپنے والد کے کسی مسئلے پر بات کرنے آئی ہو۔ اس کی کیا عمر ہوگی؟“

”وہ ستر سال کا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اور اس کی صحت کیسی ہے؟“

”جسمانی طور پر وہ صحت مند ہے تاہم ہڈ پریش، ذیابیطس اور کوئیسٹروڈ کی دوائیوں کا عادی سے استعمال کرتا ہے لیکن اس مسئلے کا تعلق اس کی ذہنی کیفیت سے ہے اور میں اسی لیے یہاں آئی ہوں۔ اس کی دوسری بیوی کا فردری کے آخری ہفتے میں اچانک اور غیر متوقع انتقال ہو گیا تھا۔“ یہ

آر جے نے دروازے کی طرف دیکھا اور بولا۔  
 ”اس کام میں کافی اخراجات ہوں گے اور میں سناچ کی بھی  
 ضمانت نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے کوئی ایسی بات سامنے  
 آجائے جو دھوکا دہی سے بھی زیادہ سنگین ہو۔“

”میں جانتی ہوں لیکن ڈیڑی کو سمجھانا بہت مشکل  
 ہے۔ وہ اور تینسی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں سمجھتے  
 تھے۔ البتہ تینسی نے انہیں بتائے بغیر ایک انشورنس پالیسی لی  
 تھی، اس کا پچاس ہزار ڈالر کا چیک ڈیڑی کو ملا۔ میں جانتی  
 ہوں کہ بیسوں سے محبت نہیں خریدی جانی لیکن بعض اوقات  
 اس کا مطلب محبت ہی ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو اسی طرح  
 حیران کر دیتی تھی اسی لیے ڈیڑی اتنے دل شکستہ اور پریشان  
 ہیں۔“

”اس کام میں پچاس ہزار تو نہیں البتہ آٹھ دس ہزار  
 ضرور خرچ ہو جائیں گے۔“  
 ”تھیں فوری طور پر سستی رقم چاہیے۔“ میں نے  
 پوچھا۔

”سب سے پہلے تو مجھے ریو جانا ہوگا۔ اس کے سفری  
 اخراجات کے لیے پندرہ سو ڈالر چاہئیں، باقی رہی میری  
 نفیس۔۔۔۔۔“

”کچھ رعایت نہیں ہو سکتی؟“  
 ”اس پر ہم بعد میں بات کر لیں گے۔“ آر جے کا  
 نے کہا۔ ”پہلے میرے کچھ سوالوں کے جواب دو، نمبر ایک،  
 کیا تینسی جو اصلیتی تھی؟“

”نہیں، ڈیڑی سے شادی کے بعد اس نے کبھی جو  
 نہیں کیلایا بلکہ وہ تو تاش بھی نہیں کھیلتی تھی۔ وہ اجنبائی نہیں  
 عورت تھی اور شاعری و موسیقی سے دل بہلاتی تھی۔“  
 ”تھیک ہے، میرا دوسرا سوال ہے کہ کیا پہلے شوہر  
 سے اس کی کوئی اولاد تھی؟“

”اس کی ایک بیٹی تھی لیکن اس نے ستر کی دہائی کے  
 شروع میں ایک مختلف مسلک اختیار کر لیا اور کہیں چلی گئی۔  
 تینسی نے اسے کئی مرتبہ تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن  
 کامیاب نہ ہو سکی۔“

”اس کا نام بتا سکتی ہو؟“  
 ”میں معلوم کر کے بتاؤں گی۔“  
 ”آخری سوال۔“ آر جے نے دیوار کی طرف  
 دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے بتایا کہ تینسی بہت مال دار عورت  
 تھی لیکن تمہارے والد کو اس کی وصیت سے کچھ نہیں ملا۔ کیا  
 تم جانتی ہو کہ اس کے وارث کون تھے؟“

ہر وقت اس کی چیزیں تولتے رہتے۔ شاید وہ بھی میری  
 طرح اسے یاد کر کے روتے ہوں۔ تینسی کی موت نے ہم  
 دونوں کو دکھی کر دیا تھا۔ ایک دن اس کے سفری بیگ سے  
 ایک کتاب ملی جس میں کسی فضائی کپتی کا پورٹریٹ کارڈ رکھا  
 ہوا تھا۔ ڈیڑی نے یہ کارڈ مجھے بھیجا ہے تاکہ تمہیں دکھا  
 سوں۔“

آر جے نے وہ کارڈ ہاتھ میں لیا اور اپنے سونے  
 پیشوں کی ٹیک سے اس کا بغور معائنہ کرتے ہوئے بولا۔  
 ”تینسی بلوسر۔ اس نے اپنا سا ہتھ نام برقرار رکھا تھا۔“

”اس کی کوئی اہمیت نہیں لیکن تم تاریخ دیکھو۔ 19  
 فروری 1987ء۔ اس سال وہ نامہائیں لگے بلکہ اس کے  
 بجائے انہوں نے دسمبر میں بحری جہاز کے ڈرے ہوئی کا  
 سفر کیا اور وہاں تین مہینے گزارے۔ ڈیڑی سے غلطی یہ ہوئی  
 کہ وہ ہر سال کی طرح اپنے دوستوں کے ساتھ گالف کھیلنے  
 چلے گئے۔ وہ پندرہ فروری کو گئے تھے اور چوبیس فروری کو  
 تینسی کے سرنے کے بعد ان کی واپسی ہوئی۔ لیکن ڈیڑی یہ  
 جانتا چاہتے ہیں کہ وہ انہیں بتائے بغیر ریو کیوں گئی۔ یہ  
 وہم ان کے دل میں بس گیا ہے اور وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے  
 ساتھ دھوکا ہوا ہے۔“

میں ایک بار پھر سانس لینے کے لیے رک گئی۔ میرا  
 خیال تھا کہ کار کوئی تھیرہ کرے گا لیکن وہ خاموش رہا۔ میں  
 نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔ ”میں شکاگو میں رہتی ہوں اور  
 ڈیڑی دوسروں کے مقابلے میں مجھ پر زیادہ بھروسہ کرتے  
 ہیں۔ خاص طور پر تینسی کے معاملے میں کیونکہ میں اسے بہتر  
 طور پر جانتی تھی۔“  
 ”کیا تم نے اس بارے میں اس کی بہن سے  
 پوچھا؟“

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ڈیڑی کو یاد  
 پڑتا ہے کہ ان دنوں ملی اپنے کسی دوست کے ساتھ چھ مہینے  
 کے لیے آسٹریلیا اور دوسرے مقامات پر گئی ہوئی تھی۔ وہ  
 حال ہی میں رٹائر ہوئی ہے اور یہی وہ بات ہے جو ڈیڑی کو  
 پریشان کر رہی ہے۔ وہ واقعی چاہتے تھے کہ تینسی جنوب کی  
 طرف جائے کیونکہ وہ اپنی بہن سے یہاں نہیں مل سکتے گی۔“  
 ”کسی نے اس کی بہن سے بات کی؟“

”نہیں، وہ اس کی آخری رسومات میں شریک ہوئی  
 تھی لیکن اس نے کسی سے بات نہیں کی۔ شاید اس وقت بھی  
 اسے فلو تھا۔ تاہم ڈیڑی اسے اس معاملے سے الگ رکھنا  
 چاہیں گے۔“

”ڈیڑی کو معصوم ہوگا۔“

”ان سے پوچھ کر بتاؤ، اس طرح ہمارا کچھ وقت اور  
پیسہ بچ جائے گا۔“

☆☆☆

میرا نام آر جے کار ہے اور میں ایک پرائیویٹ  
سراغ رساں ہوں۔ ریٹو کے بے نتیجہ دورے سے واپس  
آنے کے تین دن بعد میں لی کلین سے ملنے گیا گوکہ  
میرے کلینٹ کی یہ خواہش نہیں تھی لیکن میں نے اپنے طور  
پر اس سے منہ زور ہی سمجھا۔ وہ نینسی کی چھوٹی بہن تھی اور  
اس وقت اس کی عمر اڑسٹھ سال تھی۔ وہ ریٹائرڈ ڈاکٹر  
ہونے کے علاوہ نباتات سے بھی دلچسپی رکھتی تھی۔ اس کا گھر  
مضائق کے ایک پوش علاقے میں تھا۔ میں اسے اصداغ  
دیے بغیر مچ ساڑھے دس بجے وہاں پہنچ گیا۔ اس نے تاخیر  
سے دروازہ کھولا اور جو لباس اس نے پہن رکھا تھا اس سے  
مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہ باغبانی میں  
مصروف تھی۔

میں نے اپنا تعارف کروا دیا۔ ”کروڑن  
خانہ ان نے تمہاری مرحومہ بہن کے بارے میں چند سال  
کے حوالے سے میری خدمات حاصل کی ہیں گوکہ وہ نہیں  
چاہتے کہ تمہیں پریشان کیا جائے لیکن میرا اپنا ایک طریقہ کار  
ہے اور میں کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں تم  
سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔“

اس نے میرا کارڈ فور سے دیکھا اور مجھ پر میری نظر  
ڈالتے ہوئے بولی۔ ”اندرا آ جاؤ۔“

وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ ”میں باغبانی کے  
پے جا رہی تھی۔ بہر حال باتیں کریں گے۔ تم اپنا کوٹ اتار  
و اور رنگ برنگی ہوگی۔ ریٹائر ہونے کے بعد میں شوقیہ باغبان  
نباتیات بن گئی ہوں۔ اگر بیٹھنا چاہو تو فولڈنگ چیئر لے  
لو۔“

باغ میں پہنچ کر وہ ایک میز کے پاس جھک گئی جس پر  
بہت سارے اوزار رکھے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے کرسی پر  
بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی۔ ”اس سے پہلے کہ تم کوئی سوال  
کرو، میں چند باتیں واضح کر دیتا چاہتی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ  
نینسی کو ایسے مرد پسند تھے جو اس کو ماں جیسی محبت دے سکیں  
اور کروڑن اس معیار پر پورا اترتا تھا جبکہ میں اپنے جیسے  
مردوں کو پسند کرتی ہوں۔ اس کے باوجود نینسی میری زندگی  
میں مرکزی حیثیت رکھتی تھی بلکہ ہم ایک دوسرے کے لیے  
لازم و ملزم تھے۔ کالج کے دنوں میں ہی اس میں ایک

بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگی تھیں جو آگے چل کر مرض شکر  
میں تبدیل ہو گئی۔ میں اس سے پانچ سال چھوٹی ہوں۔ میں  
نے 1942ء میں گرجویٹن کیا جب نئے ڈاکٹرز... کی شہید  
ضرورت تھی۔ اس لیے میں نے شکاگو یونیورسٹی میں داخلہ  
لے لیا۔“

وہ لہجہ بھر کے لیے رکی پھر اس نے کہا۔ ”تم مرضِ علم  
کے بارے میں جانتے ہو؟“

”میرا خیال ہے کہ یہ پیٹ کی کوئی بیماری ہے۔“  
”اس بیماری میں گندم اور آٹے کی لمبیاٹ کو جذب  
کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے جبکہ لمبیاٹ ذائقہ رونی،  
پاسٹا، ٹیک اور گندم کے آٹے سے بنی ہوئی ہر چیز میں موجود  
ہوتے ہیں اور طبی اصطلاح میں انہیں گلوٹین کہا جاتا ہے۔  
اس لیے میں ڈاکٹر بنی پھر میں نے پیٹ کے امراض میں  
اسپیشلائز کیا کیونکہ میں نینسی کا علاج کرنا چاہ رہی تھی۔ تم یہ  
نہیں کہہ سکتے کہ جوئے کروڑن یا اس کی بیٹی نے اس طرح کی  
ذمے داری اٹھائی ہو۔“

میں خاموش رہا۔ ممکن ہے میری مداخلت سے اس کی  
مشکل کا تسلسل ٹوٹ جاتا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے  
ہوئے کہا۔ ”میں نے نینسی کو کروڑن سے شادی نہ کرنے کا  
مشورہ دیا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس عمر میں کروڑن کو  
شادی کرنے کی کیا سوجھن اور میں سمجھتی ہوں کہ اس کے بچے  
بھی یہ نہیں چاہتے تھے لیکن نینسی اس کی محبت میں پاگل ہو  
چکی تھی۔“

اس نے لہجہ بھرتو وقف کیا اور مجھے غور سے دیکھتے ہوئے  
یوں۔ ”اب تم سوال کریں مجھے پوچھنے دو کہ اب کروڑن کو کیا  
سند ہے؟“

”میں اسی طرف آ رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”پہلے تم  
اپنی بہن کے بارے میں بتاؤ، کیونکہ مجھے اس کا کچھ زیادہ  
اندازہ نہیں ہے۔“

”جوانی میں وہ بہت زیادہ سوشل ہوا کرتی تھی۔ اس  
نے مجھے بھی اپنے جیسا بنا دیا۔ وہ ہمیشہ سے بھی دنیا پسند اور  
خوب صورت تھی۔ البتہ پیٹ کی بیماری نے اسے نڈھال کر  
دیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد اسے تھوڑے اور دست کی شکایت  
ہونے لگتی اور اگر اس کے کھانے میں گلوٹین کی معمولی سی  
مقدار بھی چلی جاتی تو پھر وہ کئی دن کے لیے کھانا چھوڑ دیتی  
تھی۔ اس کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی۔ جب جووزف  
کروڑن گالف کھینے چلا گیا تو وہ میرے پاس آ گئی۔ ہم لوگ  
دوسرے روز اوک بروک میں واقع ایک نئے فراسیسی

جسوسی ڈائجسٹ 70 جون 2015ء

Scanned By Amir

ظلمہ ظلمہ اپارٹمنٹس میں رہنے لگے کیونکہ بے حد قریب ہونے کے باوجود میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی تھی تاہم میں نے اس کی پوری نگہداشت کی جب تک جوئے کروان اس کی زندگی میں نہیں آیا۔

”اس کی بیٹی کہاں ہے؟“

”ابن اپنی ماں سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی لیکن نینسی نے اس پر بہت پابندیوں کا بند کر رکھی تھیں جس کے نتیجے میں وہ باغی ہو گئی۔ اس نے نینسی کی مرضی کے خلاف کیلی فورنیا کے ایک نہ بنی کالج میں داخلہ لے لیا اور ایک گروہ میں شامل ہو گئی جو رہائش پر یقین رکھتا تھا اور جس کی پہلی شرط یہ تھی کہ خاندان اور دوستوں سے قطع تعلیق کر لیا جائے۔ مجھے نینسی کے تاثرات اچھی طرح یاد ہیں جب اس نے اپنی کا آخری خط مجھے دکھایا۔ خوش قسمتی سے اس وقت میں اسے سہارا دینے کے لیے وہاں موجود تھی۔“

”اس کے بعد اپنی سے کوئی رابطہ نہیں ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں، خانا تک وہ گروپ چند سالوں بعد ٹوٹ گیا تھا اور نینسی کو تو قلعہ تھی کہ اس کی بیٹی واپس آجائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔“

”کیا تمہیں یقین ہے کہ نینسی اور اس کے پہلے شوہر کے درمیان قانونی طور پر طلاق ہوئی تھی؟“

”ہاں اور جو سر کا انتقال 1981ء میں ہو گیا تھا۔ اس نے بھی دوسری شادی کر لی تھی۔“

”کیا تمہاری بہن کو بھی جو اٹھنے سے دلچسپی رہی تھی؟“

”نہیں، فنسول ہا تمہیں مت کرو۔“

”ٹھیک ہے۔ میں جس معاملے کی تحقیقات کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ 1987ء میں جب جوزف کروٹن، فلوریڈا میں گائف کھیل رہا تھا اور تم ظاہر نامک سے باہر تھیں، تمہاری بہن نے نینسی جو سر کے نام سے شکاگو سے ریٹو کا سفر کیا۔ وہ انیس فروری سے بائیس فروری تک وہاں رہی اور اس نے اپنے شوہر کو اس سفر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور مجھے لگتا ہے کہ اس نے تم سے بھی یہ بات چھپائی۔“

”میرا خیال ہے کہ اس بات کو یقیناً ختم کر دینا چاہیے۔ وہ مجھے خود تے ہوئے پولی۔“ نینسی نے مجھ سے بھی کوئی بات نہیں چھپائی اور اس نے یہ معاملہ مجھ سے خفیہ رکھا تو اس راز کو اس کے ساتھ ہی دُن ہو جانا چاہیے۔ کروٹن خاندان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی

ریستوران میں کھانے کے لیے گئے۔ ہم نے انہیں تاکید کی کہ کسی چیز میں بھی گلوٹین نہ ہو۔ کھانے میں چاکلیٹ کیک بھی تھا جس کے بارے میں ہم نے فرض کر لیا کہ وہ محفوظ ہو گا لیکن بد قسمتی سے اس کے کسی ایک جز میں گلوٹین کی تھوڑی سی مقدار موجود تھی۔ جس کے نتیجے میں اس پر بیماری کا شدید حملہ ہوا۔ اس سے بھی خراب بات یہ ہوئی کہ ہم دونوں کو قہو ہو گیا لیکن نینسی نے مجھے اس بارے میں نہیں بتایا۔ تاہم بیماری کے دوران میں نے اس کا پورا خیال رکھا کیونکہ وہ میرے لیے سب سے اہم تھی۔ پانچ دن بعد نینسی بدھ والے روز میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی اور تب مجھے احساس ہوا کہ نینسی بھی قہو میں مبتلا ہو گئی ہے جبکہ وہ پیٹ کی تکلیف کی وجہ سے پیپے ہی بہت کمزور ہو گئی تھی۔

”میرا خیال تھا کہ چند ہی ٹھیک ہو جاؤں گی لیکن بدھ کی شب میری حالت اتنی خراب ہو گئی کہ مجھے ہسپتال کی امید نہ رہی۔ صبح میری آنکھ کھلی لیکن بیماری اور نقاہت کی وجہ سے میں اپنے آپ کو سمجھتی ہوئی بمشکل نینسی کے کمرے تک پہنچ سکی وہ مر چکی تھی۔ خانا اس کی موت ایک ہفتہ بعد گھنٹا قبل ہوئی تھی۔ کاش میں اس کے پاس ہوتی۔ وہ اپنی ہی موت سے لڑتی رہی اور اب میں تنہا ہو گئی ہوں۔“

”کیا نینسی کی پہلے بھی کوئی شادی ہوئی تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں، یہ بھی ایک دردناک کہانی ہے۔ ہم نیو یارک میں رہا کرتے تھے۔ نینسی نے گریجویٹن کر لیا تھا۔ اس کے ایک سال بعد میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کلف پل گئی۔ نینسی بہت خوب صورت اور سوشل تھی۔ اس لیے مرہ اس کے گرد منڈلاتے رہتے تھے لیکن وہ اپنی بیماری کی وجہ سے شادی کرنے سے ڈرتی تھی پھر میں شکاگو آئی۔ ڈیڑی کے انتقال کے بعد میں نے ماں اور نینسی کو اپنے پاس بلا لیا۔ وہاں اس کی ملاقات چیف بلوسر سے ہوئی جو کالج میں مجھ سے سینئر تھا۔ صرف تین ملاقاتوں کے بعد ہی نینسی اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس کا کہنا تھا کہ بلوسر بھی ماہر امراض قلب ہے اور وہ میری طرح اس کا خیال رکھ سکتا ہے۔

”ان کی شادی 1948ء میں ہوئی اور 1950ء میں وہ ماں بن گئی لیکن وہ اپنی بیماری کی وجہ سے شادی کے فطری تقاضے پورے کرنے سے قاصر تھی۔ اس لیے تمام تر جذباتی وابستگی کے باوجود بلوسر اس کی زندگی سے دور چلا گیا۔ یہ عاثر 1960ء کی بات ہے پھر ماں کا انتقال ہو گیا اور میری بھی شادی ہو گئی۔ ہم دونوں ایک ہی عمارت کے

”جہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“  
 یہ کہہ کر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور  
 بولی۔ ”میرے ناشتے کا وقت ہو گیا ہے، تم چاہو تو میرے  
 ساتھ شریک ہو سکتے ہو۔“

☆☆☆

جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت مورین میکاری کی عمر  
 اڑتالیس سال تھی۔ اس کی شادی جون 1961ء میں جم  
 میکاری سے ہوئی۔ وہ تین لڑکوں کی ماں تھی جو اپنے باپ  
 کے ساتھ ایم وڈ پارک کے علاقے میں ایک دو منزلہ مکان  
 میں رہتے تھے اور ان میں سے ایک اس کے گراؤنڈ آرٹ  
 بزنس سے وابستہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اسے اپنی سوتیلی ماں  
 کے مرنے کا بہت غم تھا اور اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنے باپ  
 کے بارے میں فکر مند تھی۔ مجھ سے ملنے کے چند روز بعد وہ  
 اپریل کی ایک سہ پہرا اپنے دفتر میں طبیعی کسی کام میں مصروف  
 تھی کہ سیکریٹری لیزا نے ایک مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔  
 اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔

وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو مورین اسے دیکھ کر  
 حیران رہ گئی۔ وہ تقریباً تیس برس کی ایک بے حد پُرکشش  
 سنہرے بالوں والی لڑکی تھی۔ مورین نے اسے بیٹھنے کا اشارہ  
 کیا اور بولی۔ ”کہا میں تمہارا نام جان سکتی ہوں؟“  
 ”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ لڑکی سامنے والی  
 نشست پر بیٹھنے ہوئے بولی۔ ”البتہ اس کی شاید تمہارے  
 نزدیک کوئی اہمیت ہو۔“

یہ کہہ کر اس نے پرس کھولا اور چار ضرب چار انچ کا  
 ایک کاغذ اسے پکڑا دیا۔ یہ کسی اخبار کا تراشہ تھا جس میں  
 نیٹسی کی تصویر کے ساتھ اس مضمون کا اشتہار شائع ہوا تھا۔  
 ”نیٹسی بلور نے جون 1987ء میں ریٹو کا تین روزہ دورہ  
 کیا تھا۔ اس بارے میں مصدقہ اطلاعات فراہم کرنے  
 والے کو مقبول انجام دیا جائے گا۔ رابطہ کریں، کارائو نیٹسی  
 کیلین اینڈ سکاچ رٹی 5099 شکاگو۔ مورین نے اشتہار دیکھ  
 کر تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، یہ میرے مؤفیڈ کی  
 دوسری بیوی ہے اور مجھے بہت عزیز تھی۔“

”میں تمہارے لیے ایک چیز لائی ہوں۔“ یہ کہہ کر  
 اس نے اپنے پرس سے ایک لفافہ نکالا اور بولی۔ ”میں نہیں  
 جانتی کہ اس میں کیا ہے۔ شکاگو آ رہی تھی کہ ایک دوست نے  
 یہ لفافہ مجھے دے کر کہا کہ اسے تم تک پہنچا دوں۔“  
 ”لیکن...“ مورین لفافہ ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی۔  
 اس کی زبان گنگ ہوئی تھی۔

”اب چلی ہوں۔ باہر نیٹسی میرا انتظار کر رہی ہے۔“  
 ”کیا تمہارے دوست کو نیٹسی کے بارے میں کچھ علم  
 ہے۔ تم ریٹو میں ہی رہتی ہو؟“

”میرے دوست نے یہ کچھ نہیں بتایا بس لفافہ تمہیں  
 دینے کے لیے کہا تھا۔ میں جا رہی ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ حڑی  
 اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد مجھے مورین نے فون کر کے بتایا۔  
 ”ایک عورت مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اس نے مجھے وہ اشتہار  
 دکھایا جو تم نے ریٹو کے اخبار میں دیا تھا اور پھر مجھے ایک  
 لفافہ دیا لیکن اس نے اپنا نام نہیں بتایا اور چلی گئی۔ اس  
 لفافے میں نیٹسی کی وصیت تھی جس پر 21 فروری 1987ء  
 کی تاریخ درج ہے۔ ڈیڈی نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے تمام  
 اثاثوں کی وارث تھی ہے لیکن اس وصیت کے مطابق اس  
 کے آدمے اٹاٹے نیو او اس واقع خواتین کے ایک لڑائی  
 مرکز کے حصے میں آئیں گے جبکہ چوتھائی مجھے اور چوتھائی لیلی  
 کو ملے گا۔ اس عورت کا کہنا تھا کہ یہ لفافہ اس کے دوست  
 نے دیا ہے اور اسے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں جبکہ مجھے  
 یقین ہے کہ وہ اس بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہوگی۔  
 براہ کرم مجھے تاؤ کر اب بتا کرنا ہے۔“

اگلے دن مجھے ڈاک کے ذریعے اصل وصیت  
 موصول ہوئی جس کے ساتھ ایک خط بھی تھا۔ اس میں لکھا  
 تھا۔ ”تمہارے اشتہار کے جواب میں یہ وصیت بھیجا جا رہی  
 ہے۔ براہ کرم نیٹسی کے شوہر جوزف کروٹن اور اس کی سوتیلی  
 بیٹی مورین کو اس بارے میں مطلع کر دیا جائے۔“ اس  
 لفافے پر شکاگو کی مہر لگی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے وکیل کو فون  
 کر کے صورت حال سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ اب کیا کرنا  
 چاہیے۔ اس نے بتایا کہ اس وصیت کو عدالت میں تصدیق  
 کے لیے پیش کرنا ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہاں پہلے سے کوئی  
 وصیت موجود ہو اور نئی وصیت پر بعد میں دخل کیے گئے  
 ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس وصیت پر عمل کرنے کی  
 ذمہ داری کس کو سونپی گئی ہے۔ میں نے وصیت نامہ غور  
 سے دیکھا۔ اس میں مورین میکاری کا نام درج تھا۔ میں  
 نے وکیل کو اس کا فون نمبر دے دیا اور مورین کو وہ وصیت  
 نامہ پہنچا دیا پھر میں نے اس سے سنہری بالوں والی عورت کا  
 حلیہ پوچھا تو اس نے مجھے اس کا تفصیلی لکچھ بتا کر دے دیا۔  
 اس وقت انٹرنیٹ کا استعمال عام نہیں ہوا تھا لہذا مجھے  
 معلومات کے حصول کے لیے اخبارات اور لائبریری کا سہارا  
 لینا پڑا تھا تاہم تین گھنٹے کے اندر میں اس وکیل کا پتا چلانے

# خدارا۔ خدارا۔ حضرات لے اولاد مایوسی اختیار نہ کریں

کیونکہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا تو سخت گناہ ہے۔ آج بھی ہزاروں گھرانے اولاد کی نعمت سے محروم سخت پریشان ہیں۔ ہم نے ویسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک خاص قسم کا بے اولادی کورس تیار کر لیا ہے۔ خدا کی رحمت سے آپ کے گھر بھی چاند سا خوبصورت بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔ خواتین کے پوشیدہ مسائل ہوں یا مردانہ کمزوری یا مردوں میں جراثیم کا مسئلہ ہو۔ آپ پریشان ہونے کی بجائے آج ہی فون پر اپنی تمام علامات سے آگاہ کر کے بے اولادی کورس منگوا لیں۔ خدا کے لئے ایک بار ہمارا بے اولادی کورس آزما کر تو دیکھ لیں۔ خدا کی رحمت سے آپ کے آنگن میں بھی خوشیوں کے پھول کھل سکتے ہیں۔

## المسلم دار الحکمت (رجسٹرڈ)

(ویسی طبی یونانی دواخانہ)  
ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061  
0301-6690383

فون: 10 بجے سے رات 8 بجے تک

اور اس سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا جس نے نیسی کی وصیت تیار کی تھی۔ دوسرے روز میں نے اسے نیسی کی موت کا شوقیت اور مورین کا مٹا لکس کر دیا جس میں اس نے مجھے اپنا نمائندہ نامزد کیا تھا۔ اس کے بعد وکیل کا لہجہ قدرے تبدیل ہو گیا۔ اس نے حضرت کی کہ وہ میری جانب سے دیا گیا اشتہار نہ دیکھ سکا۔ اس نے بتایا کہ اسے وصیت کی تیاری اچھی طرح یاد ہے۔ البتہ یہ بات غیر معمولی تھی کہ فوراً ہی ایک اجنبی عورت اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئی۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان عورت بھی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا اس کے ہاں نمبرے تھے تو اس نے میری بات کے جواب میں ہاں کہا اور بتایا کہ اسے وہ عورت اس لیے بھی یاد ہے کہ اس کے نام کے ساتھ ہو پ آتا تھا۔

میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری سے پتا لگا لیا۔ اس عورت کا پورا نام کرشنا ہو پ تھا اور وہ عورتوں کے ایک فلاحی مرکز میں کام کرتی تھی۔ اس مرکز میں کسی مرد کا داخل ہونا آسان نہیں تھا لیکن میں استقبالی ٹھکرک کو چمکا دے کر اندر جانے میں کامیاب ہو گیا۔ کرشنا ہو پ اس وقت کی ضرورت مند اور مصیبت زدہ عورت سے پائیں کر رہی تھی۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ تم فرنیچر کی سپلائی کے سلسلے میں آئے ہو۔ اس کے لیے تمہیں..."

میں نے اس کی بات کا سچے ہوئے کہا۔ "میں فرنیچر کی نہیں تمہاری بات کرنے آیا ہوں۔ میرا نام آر ہے جے کار ہے۔ حال ہی میں تم نے میری ایک کلائنٹ مورین میکارٹی سے ملاقات کی اور مجھے یقین ہے کہ تم نے ہی میری بہنی کے بچے پر وہ قانونی دستاویز بھی بھیجی تھی۔ کیا ہم کبھی بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟"

وہ میرے قریب ہوتے ہوئے بولی۔ "میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"کیا تم میری بات سننا پسند کرو گی؟"

"نہیں۔" ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے کہا۔ "یہاں نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک بڑے کمرے کی طرف دیکھا جہاں تقریباً تیس عورتیں بیٹھی تھیں آواز میں ہاتھیں کر رہی تھیں۔

"ہم کبھی لٹچ پر چلتے ہیں۔" میں نے پیکش کی۔

"میں یہاں سے نہیں جا سکتی۔"

"ڈرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "جہاں تمہیں آسانی ہو

اور ہم سکون سے بیٹھ کر بات کر سکیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے مجھے ریو کے ایک ریستوران کا نام بتایا اور بولی۔ ”سوا آٹھ بجے۔ تمہیں ہے کچھ دیر ہو جائے لیکن...“

”میں تمہارا انتظار کروں گا۔“

☆☆☆

میں نے اپنی کرائے کی کار اس ریستوران کے باہر پارک کی اور اسی میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ مقررہ وقت سے دو منٹ پہلے ہی پہنچ گئی۔ وہ ایک سفید فورڈ وین میں آئی تھی جس پر اس کے مرکز کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی پر رک کی اور فوراً ہی ریستوران میں چلی گئی۔ اس کے تیس سیکنڈ بعد میں بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔ میں نے اسے روکھا تو وہ جواب میں مسکرا دی۔ ایک ہوسٹس ہمیں اس بوتھ کی جانب لے گئی جو میں پہلے ہی ریزرو کروا چکا تھا۔ ہم نے اپنے پسندیدہ ڈریک کا آرڈر دیا اور میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے امید ہے کہ تم جموٹ میں بولو گی۔ جب نینسی بلوسر کو روٹن دو سال پہلے خلیہ طور پر ریٹائر ہوئی تو تم اس کے ساتھ وکیل کے دفتر میں جہاں ایک نئی وصیت تیار کی گئی۔ اس وکیل کے ذریعے تمہاری شناخت ہو گئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ نئی وصیت میں سب سے بڑا حصہ اس مرکز کا ہے جہاں تم پروگرام ڈائریکٹر کے طور پر کام کرتی ہو۔ ان دونوں باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم پوری طرح اس معاملے میں ملوث ہو۔ مجھے تمہارے محرکات پر اعتراض نہیں۔ غالباً تم بہ ہمتی ہو کہ تمہیں تمہا چھوڑ دینا جائے لیکن بد قسمتی سے یہ ممکن نہیں۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تم نے جو وصیت مجھے بھیجی اور جس نے مورین کو بھی حیران کر دیا۔ وہ تصدیق شدہ ہے اور اس کے بعد پرانی وصیت منسوخ ہو گئی۔ اس نئی وصیت کی رو سے تمہارے ادارے کو نینسی کے ترکے کا ایک معقول حصہ ملے گا جو کہ اسے نینسی کی بہن کی جانب سے چھیننے کے لیے جانے کا امکان موجود ہے کیونکہ پرانی وصیت کے مطابق...“

”سب کچھ اسے ہی ملنا تھا۔“ وہ بات کا تختے ہوئے بولی۔

”میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی لیکن میرے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر نینسی یہاں آتی تھی...“

”کیوں؟“

اس کے معاندانہ رویے نے مجھے بھی اپنا انداز بدلنے پر مجبور کر دیا اور میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”پانچ منٹ پہلے جوزف کو روٹن کو اپنی مرنے والی بیوی کے سامان کو سنبھالنے ہوئے معلوم ہوا کہ اس نے دو سال قبل فردری 1987ء میں اسے بتائے بغیر ریو کا دورہ کیا تھا کیونکہ وہ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس لیے اس انکشاف سے اسے بہت صدمہ ہوا۔ اس کی عمر ستتر سال ہے اور بیوی کی اچانک موت نے اسے بے حد دکھی کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے ایک خط لکھ کر اس معاملے میں مدد کی درخواست کی۔ ہم کافی عرصے پڑوسی رہے ہیں۔ اس لیے اس کا دھیان فطری طور پر میری طرف ہی گیا۔ پھر اس کی کھلی بی بی مورین میکارٹی میرے دفتر آئی اور اس نے مجھے وضاحت سے بتایا کہ اس کے باپ کو ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس کا باپ جوئے کو روٹن ہمارا پڑوسی اور میرے والد کا قریبی دوست تھا۔ اس لیے میں نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کر لیا۔“

”میں نے ریو جا کر نینسی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں لیکن دو سال پرانی بات کسی کو یاد نہیں تھی۔ اس کے وہاں جانے کی تین وجوہات ہو سکتی تھیں۔ پہلی یہ کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہ رہی ہو، دوسری یہ کہ وہ وہاں جوا کھیلنے لگی ہو۔ میں نے متعلقہ چھبوں پر جا کر معلوم کیا تو یہ دونوں باتیں غلط تھیں۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی بی بی این بوسر کی تلاش میں وہاں گئی ہو جو کئی سالوں سے لاپتا تھی۔ لہذا میں نے اسی لیے اخبار میں اشتہار دیا کہ شاید اسے پناہ کر وہ لڑکی مجھ سے رابطہ کرے۔ اس کی جگہ تم وصیت کے ساتھ سامنے آ سکیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اس وصیت میں بیٹی کے لیے کچھ نہیں ہے۔ تم این بوسر کے بارے میں کیا جانتی ہو؟“

وہ کچھ دیر توقف کرنے کے بعد بولی۔ ”وہ مر چکی ہے۔“

”لیکن تم اسے جانتی ہو؟“

”کچھ زیادہ نہیں۔ کم از کم اس کے مرنے تک مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔“ اس نے سلاک کا تھرامنہ میں رکھے ہوئے کہا۔ ”تمہیں یہ سب جان کر کیا حاصل ہو گا؟“

”مجھے اسی کام کے پیسے ملتے ہیں جس سے میرا گھر چلتا ہے لیکن تمہیں جموٹ بول کر کیا ملے گا۔ بہتر ہے کہ تم مجھے سچ بتا دو کہ اس لڑکی نے جب کالج چھوڑ کر اس گروہ میں شمولیت اختیار کی تو اس کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے؟“

”وہ گروہ چند سالوں بعد بکھر گیا اور وہ ریو چلی آئی۔“

جناموسس ڈائجسٹ | 74 | جون 2015ء

Scanned By Amir

نے دھمکی کے طور پر وہ وصیت تیار کی جس میں سب کچھ لگی کے نام تھا۔

”وہ تمہیں کیوں ڈرارہی تھی؟“

”تا کہ میری مزاحمت دم توڑ جائے اور جہاں تک لگی کا تعلق ہے تو کیا اس نے تمہیں یہ بتایا کہ میں نے کالج کیوں چھوڑا۔ وہ ہمیشہ مجھے برا بھلا کہتی رہتی تھی۔ اس نے میرے ماں باپ میں اختلافات پیدا کیے۔ اس کے ایک دوست نے تیرہ سال کی عمر میں مجھے اذیت دی اور یہ کہ اس نے مجھے زہر آلود چاکلیٹ کا ڈبا ڈاک سے بھیجا۔ اور مجھے گاڑی سے گھر مار کر ہلاک کرنے کی کوشش کی، اس کے بجائے اس نے تمہیں یہ بتایا ہوگا کہ وہ ہمیشہ میری ماں کا خیال رکھتی رہی۔ جب میں نو عمر تھی تبھی دیکھ لیا تھا کہ ان بہنوں کے رشتے کی نوعیت کیا ہے۔ میری ماں ہمیشہ ڈرتی رہتی تھی کہ لگی نہ جانے کیا کر بیٹھے۔“

”اسی لیے تم غائب ہو گئیں؟“

”جوڑی بلوسر کے لیے یہی ایک راستہ تھا۔ پھر دوسری لگی۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں وہ وصیت بھیجتا ایک فلمی تھی لیکن میں وعدہ کر چکی تھی اور میرے مرکز کو بھی پیسوں کی ضرورت تھی اور اس کا قاعدہ مورین کو بھی ہوتا۔“

اس کے بعد میں اسے اپنے موٹیل لے گیا اور اسے اس کی ماں کی موت کے حوالے سے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتایا۔ اس وقت تک میں اپنی بیوی گریٹی سے بات کر چکا تھا۔ وہ کچھ معاملات میں میری معاون ہے۔ میں نے اسے لگی سے ہونے والی گفتگو کی ریکارڈنگ سنائی اور اس کی رائے مانگی۔ اس کا بھی یہی کہنا تھا کہ نینسی اپنی بہن پر بھی بھروسہ نہیں کرتی تھی اور اس نے اپنے سفر کے بارے میں بھی اسے نہیں بتایا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک بیمار عورت کو یہ دور دراز سفر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس نے اپنی بہن سے بھی اسے خفیہ رکھا جس سے وہ بے حد قریب تھی اور اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ نینسی طور پر اس سفر کا تعلق اس کی بیٹی سے تھا۔ کاش میں اس کی تصدیق کر سکتا۔

گریٹی نے مجھے فون کر کے ایک اہم بات بتائی۔ جس روز میں رینو کے لیے روانہ ہوا وہ معمول کے مطابق ساڑھے چار بجے گھر واپس آئی۔ اس نے ایک نگر باغ پر ڈالی اور یہ دیکھ کر خوش ہوئی کہ پوند چینی کے پودے چھ سے آٹھ انچ تک بڑے ہو گئے تھے اور اگلے ہفتے تک چینی بنانے کے لیے ان سے مناسب مقدار میں کریم حاصل ہو

یہاں اس نے گزارشات کے لیے پھوٹے مومنے کام کیے اور جب 1983ء میں ہمارا مرکز قائم ہوا تو وہ وہاں آنے والی پہلی تری تھی۔ ”یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوئی پھر بولی۔ ”کیا تم اس کی خالہ سے مل چکے ہو؟“

”ہاں، وہ تم سے بالکل مختلف ہے۔ اس نے پوچھے بغیر ہی مجھے سب کچھ بتا دیا۔“

”اور تم نے اس کی باتوں پر یقین کر لیا؟“

”اس نے تم سے زیادہ جھوٹ نکس بولا۔“

”کیا جھوٹ؟“

”میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن اگر کوئی جھوٹ بولے تو فوراً مجھ جانتا ہوں۔“

”میں نے کیا جھوٹ بولا؟“ وہ کچھ خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔

”میرا خیال تھا کہ تم سب کچھ سچ سچ بتا دو گی۔ میں آج دوپہر میں فارغ تھا۔ اس لیے اس وقت کو کام میں لیتے ہوئے کچھ باتوں کی تصدیق کر لی۔ جوڑی این بلوسر کا پیرائٹی سٹوڈیو تمہارے قبضے میں ہے۔ تم نے 1984ء میں قانونی طور پر یہ نام تبدیل کر کے کرشائن این ہوپ رکھ لیا۔ تم 1983ء کے اوائل سے نینسی کو رزن سے راپیلے میں لیتیں۔“

”تم نے میرے اپنا رٹمنٹ میں نقب زنی کی۔“ وہ بھرے ہوئے بولی۔

”مجھے اپنا طمیزان کرنا تھا۔“

”بہر حال جوڑی این بلوسر اب مر چکی ہے۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے، مجھے کرشائن ہوپ اور اس مرکز کے بارے میں بتاؤ۔“

”میں نے وہاں ایک رضا کار کے طور پر کام شروع کیا پھر مجھے وہاں سے معاوضہ ملنے لگا۔ کچھ عرصے بعد اسٹنٹ ڈائریکٹر چینیوں پر چلی گئی تو مجھے اس کی جگہ عارضی طور پر لگا دیا گیا۔ اس کے آنے سے پہلے ہی ڈائریکٹر نے بھی اسٹنٹ دے دیا اور میں ہی واحد عورت رہ گئی۔ یہاں تک سال پہلے کی بات ہے۔ مجھے نینسی کو اس بارے میں نہیں بتانا چاہیے تھا کیونکہ اس طرح ہمارے درمیان معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی۔ بہر حال اس نے سوئٹس سے قاعدہ اٹھایا اور مجھے اطلاع دینے بغیر چلی آئی۔ مجھے اس کی دولت اور جائداد سے کوئی غرض نہیں تھی۔ 1982ء میں باپ کی طرف سے جو کچھ ملا وہی بہت تھا۔ شاید اسی لیے میری ماں



سکے گی بھرا جا تک اسے خیال آیا کہ زیادہ مقدار میں اس کا استعمال خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے تصدیق کے لیے انسٹیکلو پیڈیا دیکھا اور اس کے بعد فون کر کے اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کیا۔ جب وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی تو اس نے فون کر کے مجھ سے پوچھا۔

”تم نے بتایا تھا کہ تمہارے پاس نینسی کی موت کے شوقیلیٹ کی نقل موجود ہے؟“

”ہاں، میرے بریف کیس میں ہے۔ تم ہولڈ کرو۔“

”کیا اس میں کسی ڈاکٹر کا حوالہ موجود ہے؟“

”نہی کھائن۔“ میں نے جواب دیا۔ ”موت کی وجہ انفلوزنزا۔“

”لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا؟“ اس نے پوچھا۔

”میرا اندازہ ہے کہ ایک بیمار تہتر سالہ عورت جو

انفلوزنزا میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئی ہو، وہ طبی موت ہی کہلائے گی۔“

”اور لٹی کھائن یہ بات جانتی تھی؟“

”ہاں، وہ ہیٹ کی بیمار یوں کی ماہر ہے۔“

”ذہن میں سمجھ گئی کہ اس نے تمہیں جس گلاس میں

پانی دیا تھا، اس میں کیا ملا ہوا تھا جسے پینے کے بعد تمہیں بار

بارہ اشروم جانا پڑ گیا۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں ایک مرتبہ پھر

لٹی کھائن سے متاثر ہوگا۔“

پتے کی سہ پہر میں اور گرنی اس کے گھر پہنچے تو بظاہر

اس نے پڑتاک انداز میں ہمارا خیر مقدم کیا لیکن صاف لگ

رہا تھا کہ وہ ہماری آمد سے پریشان ہو گئی ہے۔ اس نے اپنا

چشمہ سیدھا کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ عورت کون ہے؟“

میرے بجائے گرنی نے جواب دیا۔ ”دور جینیا

روہ۔“ میں ایک دو اساز نینسی میں کام کرتی ہوں۔ میں

نے ہی تم سے فون پر ملاقات کا وقت طے کیا تھا۔“

”نہیک ہے، لوگ روہ میں آ جاؤ۔“

اس نے میز پر سے دستکی کی بوتل اٹھائی اور تھوڑی

سی مقدار گلاس میں اٹھیلنے کے بعد ایک گھونٹ پیتے

ہوئے بولی۔ ”میں جانتی ہوں کہ تم اس وصیت کے بارے

میں بات کرنے آئی ہو۔ مورین مجھ سے زیادہ ہوشیار

نہی۔ اس نے بے چاری نینسی کو بے وقوف بنا کر یہ وصیت

تیار کروائی تاکہ اس کی ساری جائداد پر قبضہ کر سکے۔

فلاحی مرکز تو ایک دکھاوا ہے۔ اس کے پیچھے بھی کروٹن اور

مورین ہی ہیں۔“

میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”جہلی بات تو یہ کہ وہ

فلاحی مرکز ایک جائز اور قانونی ادارہ ہے۔ دوسری بات یہ

کہ ہم اس وقت وصیت نہیں بلکہ کاسٹرا آئل کے پودے کے

بارے میں بات کرنے آئے ہیں۔“

اسے ایک ہنکا سا لگائیں وہ اپنے حواس مجتمع کرتے

ہوئے بولی۔ ”تم اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے ہو لیکن ایسا

نہیں ہے۔ تم نے شاید ہی اس کا ذائقہ چکھا ہو لیکن میرے

یہاں ایسی کوئی چیز نہیں۔ شاید یہ بات بھی مورین نے ہی

تمہارے کان میں ڈالی ہے۔ نینسی میرے لیے سب کچھ تھی

اور اس کی موت میرے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔“

”کیا تم نے اسے زہر دیا تھا؟“

اسے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ وہ تقریباً تیس سینٹ

تک کچھ نہیں بولی پھر اس نے سنہلنے ہوئے کہا۔ ”شاید تم

نہیں جانتیں کہ وہ موت سے کتنی قریب تھی۔ اس کے اندر

بدترین زہر بھرے ہوئے تھے۔ جو زہر کروٹن کا زہر، مورین

کا زہر، ان سب نے اس کی زندگی کو زہر آلود بنا دیا

تھا۔“

”کیا انفلوزنزا سے پہلے بھی نینسی کے پیٹ میں تکلیف

ہوتی تھی؟“ گرنی نے پوچھا۔

”ہاں، یہ مناسب نہیں ہے کہ تم میرے بیان پر شبہ

کرو۔ اسے واقعی پیٹ کی تکلیف تھی۔“

”کیا اسے انفلوزنزا بھی ہوا تھا؟“

”ہاں لیکن اس کی کسی لیبارٹری سے تصدیق نہیں ہوئی

تھی۔“

”کیا میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں کہ انفلوزنزا اور

ارض کے بیجوں سے بنائے ہوئے سفوف ریسین کی علامات

ایک جیسی ہوتی ہیں؟“

”زیادہ تر پیٹ کی بیماریوں کی ایک جیسی علامات

ہوتی ہیں، یہ کسی جانب اشارہ نہیں کرتیں۔“

”آخری سوال۔ کیا تمہیں واقعی ظلو ہے؟“

”مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے واقعی کا لفظ استعمال کیا۔“

اس نے دستکی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے واقعی ظلو

نہیں ہوا تھا کیونکہ میں نے ریسین لگ لی تھی۔ مجھے مر جانا

چاہیے تھا لیکن ننگا گئی۔“ وہ شاید ہنر کر رہی تھی۔

”لیکن نینسی بہت کمزور تھی۔“ میں نے کہا۔

”ہاں وہ مر گئی۔ مجھے بھی اس کے ساتھ مر جانا چاہیے

تھا۔ تم کسی طرح بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ اسے زہر دیا گیا

ہے۔ وصیت کے مطابق اس کی لاش جلائی جا چکی ہے اور

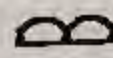
معائنہ کے لیے کچھ نہیں بچا۔ میں بھی یہ اقرار نہیں کر دوں گی

نو۔ بی و وصیت

میری خدمات اس لیے حاصل کی تھیں کہ نینسی بلوسر کروٹن کے خفیہ طور پر ریٹو جانے کی وجہ تلاش کروں جس نے جوزف کروٹن کو ذہنی اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا اور میں یہ جانتے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح کروٹن کے ذہن پر چھائے ہوئے شک و شبہ کے باطل چھٹ گئے اور وہ ذہنی طور پر پرسکون ہو گیا۔ یوس کے طور پر اس تحقیقات کے نتیجے میں نینسی کی اصل وصیت بھی سامنے آگئی۔ اگر میں ریٹو نہ جاتا اور نینسی کے حوالے سے مقامی اخبار میں اشتہار شائع نہ کروانا تو کرسٹائن ہو پ مجھ سے بھی رابطہ نہ کرتی۔ اس کے نتیجے میں وہ بھی گمنامی کے اندھیرے سے باہر آگئی۔ مورین کو اس کی بے غرض نیکی کا صلہ مل گیا اور گراں قدر خدمات انجام دینے والے ایک قلمی ادارے کے حصے میں بھی ایک مقبول رقم آگئی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دونوں سوتیلی بہنیں یعنی مورین اور کرسٹائن آپس میں مل گئیں۔

میں سمجھ رہا تھا کہ ڈیکے پیچھے لفظوں میں اعتراض جرم کر لینے کے بعد لی کے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہوگا لیکن اس کے باوجود اس کے ضمیر کی خلش کم نہ ہوئی۔ اس نے مکمل گرفتاری یا ناکل خانے جانے سے بچنے کے لیے ایک انتہائی قدم اٹھایا جس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ بچنے کے روز ہونے والی ملاقات کے دو روز بعد اس نے ٹرین کے نیچے آکر خودکشی کر لی۔ شاید ایک بار تا کام ہو جانے کے بعد اسے ریٹن پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ میں اور گرتی اس کی آخری رسومات میں شریک ہوئے جس کا انتظام بھی مورین میکارنی نے ہی کیا تھا۔

ایک سال بعد مورین کا بچھلا بھائی متھم ایک تیز رفتاری کنوینشن میں شرکت کے لیے ریٹو آیا۔ مورین نے اسے تاکیڈ کی کہ وہ کرسٹائن ہو پ سے ضرور ملے۔ متھم نے اس کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سنا تھا اور نہ ہی وہ یہ جانتا تھا کہ نینسی کے رشتے سے وہ اس کی سوتیلی بہن ہے۔ اس نے تقریباً بارہ سال نبوی میں گزارے اور چونتیس سال کی عمر میں ریٹارمنٹ لے کر ایک دو اساز کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اب وہ پینتالیس سال کا ہو چکا تھا جبکہ کرسٹائن چالیس برس کی تھی۔ اس کنوینشن کے چھ ماہ بعد اس نے اپنا دفتر ریٹو منتقل کر لیا اور کرسٹائن سے شادی کر کے سب کو حیران کر دیا۔ خود کرسٹائن کو بھی اس مجوزے کی توقع نہیں تھی۔



کہ ہمارے درمیان کبھی یہ منگلو ہوئی تھی۔ اب تم جانتے ہو۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔“

ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے اس سے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر کلائن! اب کروٹن یا کسی دوسری پارٹی کے حوالے سے مزید حراقت مت کرنا۔ پہلی بات یہ کہ میں نے یہ ساری منگلو ریکارڈ کر لی ہے۔“ میں نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”دوسری بات یہ کہ میری معاون ایک ماہر نفسیات بھی ہے، اگر تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو ہم تمہارا ذہنی معائنہ کروانے پر مجبور ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ تمہیں کسی دماغی اسپتال میں داخل ہونا پڑ جائے۔“

”دفع ہو جاؤ۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ وہ چلاتے ہوئے بولی۔

☆☆☆

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں واقعی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ پہلی بات تو یہ کہ میں نے اس کا جو اعتراض بیان ریکارڈ کیا وہ قدرے مبہم تھا اور دوسری بات کہ یہ بیان اس کی رضامندی کے بغیر ریکارڈ کیا گیا جو غیر قانونی تصور کیا جاتا ہے۔ ویسے بھی کسی گواہ اور شہوت کے بغیر اس پر اپنی بہن کوٹس کرنے کا الزام عائد کرنا بے سود تھا۔ اگر اس نے یہ قدم غصے، حسد اور خوف کی حالت میں اٹھایا تو بھی وہ پچھتاوے کی آگ میں جل رہی تھی اور اسے احساس تھا کہ وہ اس ہستی سے محروم ہو چکی ہے جو اس کے سب سے زیادہ قریب تھی۔ اسے صرف یہ ڈر تھا کہ کروٹن سے شادی کے بعد اس کی بہن کٹس اپنی وصیت تبدیل نہ کر دے۔ نینسی اور مورین کے درمیان بڑھتی ہوئی قربت بھی اسے پریشان کر رہی تھی لیکن وہ بھول گئی تھی کہ نینسی کی ایک لاپتہ بیٹی بھی ہے اور اگر زندگی کے کسی موڑ پر وہ نینسی کوٹس کی تو صورت حال بدل سکتی ہے۔ اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ ایسا ہو چکا ہے اور نینسی دوسری وصیت تیار کر چکی ہے۔ اس نے اسی عکد خوف کے پیش نظر اپنی بہن کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ نینسی نے دوسری وصیت میں اس کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ اس کا زندہ رہنا کسی کے لیے نقصان دہ نہیں تھا اور اس کے لیے زندگی خود ایک مزاجین کر رہ گئی تھی۔ اسی لیے میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

دوسری طرف میں سمجھتا ہوں کہ اس کیس میں مجھے ایک بڑی اور واضح کامیابی ضرور ہوئی۔ کروٹن خاندان نے





Scanned By Amir



اعظم نے کہا۔ ”جاؤ۔ ورنہ کامران کا موکل تمہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گا۔“  
 ربانی نے کہا۔ ”ارے حکمرانوا بد لئے میں پازاری عورتیں بھی ایسی پھرتی نہیں دکھاتیں جیسی تم دکھا رہے ہو۔ ذرا دم لو۔ سوچ کچھ کر مٹری بدلو۔“  
 ”جاؤ یہاں سے۔ تم نے ہمارے ساتھ کوئی مٹسی نہیں کی ہے۔ ہمارے عامل کو مصیبتوں سے نہیں نکالا ہے۔ دیکھ لو ہمارا عامل تمہارا محتاج نہیں ہے۔ ہم نے تمہیں نہیں بلایا تھا۔ تاہاں کے کہنے سے آئے تھے۔ ہمارے کہنے سے جاؤ۔ پیچھا چھوڑو۔“

ربانی نے شکایت کرنے کے انداز میں کہا۔ ”تم دوغلے اور دغا باز ہو۔ ابھی بنی کے ذریعے ہماری خوش آمد کر رہے تھے۔ لعنت ہے تمہاری خود غرضی اور مطلب پرستی پر۔ ہم جا رہے ہیں۔ تمہارے کامران سے نمٹ لیں گے۔“

پھر خاموشی چھا گئی۔ جیسے وہ جا چکے ہوں۔ اعظم نے فون پر کہا۔ ”کامران! معلوم کر دیا جا چکے ہیں یا پیچھے ہوئے ہیں؟“

”ابھی میرا موکل معلوم کر لے گا۔ اگر وہ پتلیں میں کھینچے ہوں گے تو ان کی گرد میں دیوچ لے گا۔“  
 اعظم اور اعظم خوش ہو گئے، انتظار کرنے لگے۔ فون خاموش ہو گیا تھا۔ ملازموں نے میز پر کھانا لگا دیا۔ وہ کھانے لگے۔ انتظار میں کھانا بوجھ لگ رہا تھا۔ کامران کو واپس آ کر بتانا چاہیے تھا کہ دشمن نہیں ہیں یا چکے ہیں لیکن وہ تو جیسے واپس آنا بھول گیا تھا۔

جس نمبر سے کال آئی تھی، اعظم نے اس نمبر کو کھینچ لیا۔ دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ ”سوری، آپ کا مطلوبہ نمبر ٹریس نہیں ہو رہا ہے۔“

اس نے تھوڑی دیر بعد پھر اسی نمبر پر رابطہ کیا پھر وہی ریکارڈنگ سنائی دی۔ وہ بھنپلا کر بولا۔ ”لعنت ہے۔ یہ کامران کس مر گیا ہے؟“

اعظم نے کہا۔ ”مرنے کی بات نہ کرو۔ کبھی کبھی زمان سے نکلی ہوئی بات پوری ہو جاتی ہے۔ وہ کجست مر ہی نہ جائے۔“ اعظم پریشان ہو رہا تھا۔

اس نے لقمہ چبانے کے بعد پانی سے بھرا گلاس اٹھایا۔ ایسا لگا کہ گلاس کو بھٹکا لگا ہو۔ وہ ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور پانی دور تک میز پر پھیلتا چلا گیا۔ وہ دونوں ٹھک

معظم کو جیسے بجلی کا جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک دم اچھل پڑا۔ حیرت اور مسرت سے بولا۔ ”کامران...! یہ تم بول رہے ہو؟ تم ہی ہوتا...؟“

اس کا نام سنتے ہی اعظم ٹوٹا ہو کر فون کے قریب آ گیا اور بے یقینی سے بولا۔ یہ ہمارا کامران ہے نا؟ اچانک کہاں سے آ گیا...؟“

معظم نے پوچھا۔ ”تم اب تک کہاں تھے؟ کیا ہمارے پاس آ رہے ہو...؟“

”آ کر کیا کروں گا؟ آپ تو میٹنگ میں مصروف ہیں۔ میں جا رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔  
 وہ چیخ کر بولا۔ ”خبردار...! تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ تمہارے ہی ہارے میں میٹنگ ہو رہی تھی۔ اتنا تا دو تم کسی کے آگے بے بس اور مجبور تو نہیں ہو؟ کسی کی قید میں تو نہیں ہو؟“

”کیا اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے؟ میں کسی کی قید میں ہوتا تو ابھی آزادی سے آپ کو فون نہ کرتا۔“

”کیا تمہیں اتنا کیا گیا تھا؟“  
 ”ہاں۔ یہ پرانی بات ہو گئی ہے۔“  
 ”کیا سچ سے اب تک کوئی مجبوری تھی۔ تم نے ہم سے بات تک نہیں کی۔“

”ہاں مجبور تھا۔ میرے موکل نے اچانک شادی کی ہے۔ وہ تینی سون منٹے گیا تھا اور میں یہاں مصیبت میں تھا۔“

”تمہیں اسے ڈانٹنا چاہیے۔ اپنے منتروں میں جکڑ کر رکھنا چاہیے۔“

”اب میں نے اسے جکڑ لیا ہے۔ میرے منتر پڑھتے ہی یہ اپنی دین کو طلاق دے کر آ گیا ہے۔ میں نے وعدہ کیا ہے اس کی دوسری شادی کراؤں گا۔“

”تم ابھی کہاں ہو؟“  
 ”میں سچ سمندر میں ہوں۔“  
 ”وہاں اسکا لے جاؤ۔ میں ابھی روڈنی ویر کو خوش

خبری بنا رہا ہوں۔“  
 ربانی نے کہا۔ ”یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ابھی تم نے وعدہ کیا تھا کہ کامران کو شہر پاؤر کا غلام نہیں بناؤ گے۔ اسے بوستان واپس لے آؤ گے۔“

وہ بولا۔ ”سنو ربانی، نور رضانی! ہمارا عامل ہمارا موکل آ گیا ہے، ہمیں ڈسٹرب نہ کرو۔ یہاں سے جاؤ۔ ہمیں اپنی ضروری باتیں کرنے دو۔“

مطمخا  
 اعظم خان اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غصے سے بولا۔ "یہ کیا بد معاشی ہے۔ تمہارا موبائل تو میری بیٹی سے شادی کرے گا۔" کامران نے کہا۔ "آپ آرام سے بیٹھیں۔ آپ کی بیٹی سے رشتہ بگا ہے۔ اب مطمخم صاحب کی بیٹی سے بھی بات چلی کرنا چاہتا ہے۔" مطمخم نے کہا۔ "میں اسے گولی مار دوں گا۔" "اسے گولی نہیں لگتی۔ وہ تو بھی دکھ بیماری میں بھی گولی نہیں کھاتا ہے۔"

وہ گرجتے ہوئے بولا۔ "تم سب اپنی اوقات میں رہو۔ اپنے پراسرار علوم سے اپنے مشردوں سے اس بد معاش کو قابو میں رکھو۔"

"وہ میرے قابو میں نہیں رہتا۔ اپنی بد معاشی سے بے قابو ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے جب دو آنکھیں دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں تو دو بیویوں سے بھی دو کا ہندسہ پورا ہونا چاہیے۔ وہ میری ایک نہیں سنے گا۔ ابھی اس نے آپ کی تمام فون کالز کو گزرا دیا تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان رابطہ منقطع کر رہا تھا۔ پیڑا اس کے لیے فرم گوشہ میں درتہ..."

"درتہ کیا...؟" "وہ ہمارا دشمن اور رہائی رحمانی کا دوست بن جائے گا۔"

یہ زبردست دھماکا تھا۔ بہت بڑا چیخ تھا کہ رہائی اور رحمانی اس موبائل کے اتھاڑ سے زور زیادہ ناقابل شکست بن جائیں گے۔ ادھر رحمانی نے ان کی گردنوں میں لگ کر کاہنڈا ڈال کر گھبرانے کے انداز میں کہا۔ "یہ۔ یہ۔ دیکھیں۔ میرے ہاتھ سے فون چھوٹ رہا ہے۔ موبائل ہمارا رابطہ کاٹ..."

ہات ختم ہونے سے پہلے ہی فون بند ہو گیا۔ مطمخم پہلو پہلو کہتا رہا۔ کوئی جواب ملنے والا نہیں تھا۔ یہ سمجھ میں آ گیا کہ موبائل نے اپنے آقا کامران کے ہاتھ سے فون گرا دیا ہے۔

وہ ذوقی آواز میں اعظم سے بولا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ ادھر ہم نے رہائی اور رحمانی کو پھر سے دشمن بنا لیا ہے۔ ادھر کامران کا موبائل پھری بدل رہا ہے۔" اعظم نے کہا۔ "جو ہونا تھا، وہ تو ہو گیا۔ اس موبائل کے لیے سوچو ابھی وہ دشمن نہیں ہے مگر ہونے والا ہے۔ ایک بات سراسر ہمارے فائدے کی ہے، وہ ساری عمر میرا اور تمہارا غلام بن کر رہنے کی قسمیں کھا رہا ہے۔" وہ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "میں تو مجبور

میں۔ اعظم نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آواز دی۔ "کامران! کیا تم آئے ہو...؟" مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اچانک ہی جیسے ہر سمت سے فون کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ مطمخم کے فون سے اور میز پر رکھے ہوئے ٹیلیفون سے بیک وقت کانگ ٹون ابھرنے لگیں۔ انہوں نے فوراً ہی اپنے اپنے فون اٹینڈ کیے تو وہ بند ہو گئے۔ مطمخم نے ٹیلیفون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا تو وہ فون بھی خاموش ہو گیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا منہ ہٹکنے لگے۔ ان کے اندر کی دوغلی کینٹینی سمجھ رہی تھی کہ انہوں نے جس خوش نصیبی کو ابھی ٹھکرایا تھا وہ بد نصیبی کا تہاڑا کھا رہی ہے۔

وہ پھر چونک گئے۔ انٹرا کام سے کانگ ٹون ابھر رہی تھی۔ مطمخم انٹرا کام کو گھوم کر دیکھنے لگا۔ آخر اس نے انٹرا کام کا ٹن دہنایا۔ پی نے اسے کی آواز سنائی دی۔ "مرا کامران کی کال ہے۔"

اس نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر کان سے لگا دیا۔ کامران کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہاں اس کے نام سے کیا تماشیا ہو رہا ہے؟ "سوری آنے میں دیر ہو گئی۔ دراصل موبائل سے ایک معاملے میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ وہ اپنا ایک مطالبہ منوانا چاہتا ہے۔" "جو بھی مطالبہ ہے مان لو، دیر نہ کرو۔ وہ ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔"

"مطالبہ بہت بڑا ہے۔ اس کی اوقات سے زیادہ ہے۔ وہ کہتا ہے آئندہ آپ کا غلام بن کر رہے گا۔" مطمخم نے خوش ہو کر پوچھا۔ "کیا واقعی؟ وہ تمہارا نہیں میرا غلام بن کر رہنا چاہتا ہے؟"

"جی ہاں۔ اس کا دماغ پھر گیا ہے۔" "دماغ تمہارا پھر گیا ہے۔ کیا تم کس جانتے وہ میرا تاجدار بن کر رہے؟ فوراً اس کا مطالبہ مان لو۔ ابھی مجھ سے بات کراؤ۔"

"وہ آپ سے بات کرتے ہوئے شرما رہا ہے۔" "اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟" "وہ کہتا ہے آپ اسے اپنا فرزند بنا لیں۔" اس کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ وہ غصے سے چیخ کر بولا۔ "کیا تمہارا ہے یعنی وہ میرا داماد بننا چاہتا ہے؟" "جی ہاں۔ وہ مستی میں جموم جموم کر قسمیں کھا رہا ہے کہ ساری عمر آپ کا غلام بن کر رہے گا۔"

اپنے وقت کے مطابق ڈرائنگ روم میں آگئے تھے۔ انہوں نے سلطانہ یاقوت کو سلام کیا۔ پھر سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہونے لگا۔

وہ ہلالہ کی شانہ خواب گاہ تھی۔ موی ہمتیں دہی دہی سی روشنی میں رومانی ماحول کا سماں چل کر رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی سی موسیقی جیسے کانوں میں بھاری کی سرگوشی کر رہی تھی۔ ہلالہ ایک طرف سر جھکائے کھڑی تھی۔

جب سلطانہ یاقوت وہاں سے چلی گئی تو ہلالہ نے ایک ادائے باز سے محوم کر سلام کیا۔ رہانی نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”خدا کا شکر ہے۔ تمہاری آواز سنائی دے رہی ہے اور تم دوسرے روپ میں ہی سہی آئی ہو۔“

”میں بھی دل کی گہرائیوں سے خدا کا شکر ادا کر رہی ہوں۔ آپ میرے لیے دعا کریں کہ جلد ہی اصلی چہرے کے ساتھ سامنے آسکوں۔“

وہ دونوں میز کے اطراف آئے سانسے بیٹھ گئے۔ وہ ایک دوسرے کو کھانے کی ڈشیں پیش کرنے لگے۔ کھانے کے دوران میں بظاہر رکی باتیں ہوتی رہیں۔ ہلالہ جیسے انجان سی بینا کر لگاؤٹ اور اپنائیت کی باتیں بھی کرتی رہی۔ آخر ہلالہ نے کہا۔ ”ایک بات پوچھوں؟ تم نے شادی کے لیے کیا سوچا ہے؟“

”شادی تو ایک دن کرنی ہی ہے۔ اس کے لیے سوچنا کیا ہے۔ فی الحال جو درجنوں پروپوزیشنس جا رہی ہیں انہیں مٹا کر رہا ہے اور پورے ملک پرستان کو سرد ناؤن جیسا مٹائی بنا تا ہے۔ اس کے بعد شادی کا مرحلہ آئے گا۔“

وہ پتپت ہوئی۔ اس کی کچھ میں نہیں آیا کرتا ہے اور کیا کہے؟

رہانی نے کہا۔ ”یہ ہم سب جانتے ہیں کہ تم آسیب زدہ ہو۔ اس آسیب کی گرفت سے نکلنے کی بات کرو۔ یہ بتاؤ کیا تمہاری نائن نائف میں ایسے کھاتے ہیں جب تم معمول کے خلاف کچھ عجیب محسوس کرتی ہو؟“

وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ”عجیب سا...؟ ہاں کچھ عجیب سا ہی لگتا ہے۔ کبھی گھبراہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ جب کوئی ڈراؤنا خواب دیکھتی ہوں۔“

”اسے خواب بیان کرو۔ بعض خواب حقیقت کی سمت راہ نمائی کرتے ہیں۔“

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ ”نام کے ساتھ جیش کے جنگوں میں جو جوش آیا تھا وہ سب تمہیں معنوم ہے۔ وہ مجھے بھی

ہو کر اسے دلدادہ بنا لوں گا لیکن تم تو سمجھتے ہو میری بیٹی اس پر تو کتنا بھی نہیں چاہے گی۔“

”تاہاں کی فخر نہ کرو۔ مزائل اسے محرزوہ کر لے گا پھر وہ اپنے آپ میں نہیں رہے گی۔ رہانی اور رحمانی کو بھول جائے گی۔“

وہ قائل ہو کر بولا۔ ”واقعی وہ جاوے سے تاہاں کا دماغ پھیر دے گا پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے تاہاں سے کچھ کہنا نہیں ہوگا۔ بیٹی کے سامنے شرمندگی نہیں ہوگی۔“

وہ جو شیلے انداز میں بولا۔ ”یہ ہوئی نا بات... مقدر ایسے ہی اجا تک بنتا ہے۔“

اعظم نے پوچھ لکھتے ہوئے کہا۔ ”آج کھانے کی نہیں صرف پینے کی رات ہے۔ آج تو ڈوب کے نکسے گئے۔“

پوچھ لکھ گئی تھی۔ وہ گلاس لہا لب بھر رہے تھے۔ سر پھروں کو پاگل بنانے میں دیر نہیں لگتی رہانی اور رحمانی کو پاگل بنانے کا ہنر خوب آتا تھا۔



رہانی اور رحمانی سلطانہ یاقوت کے محل میں ڈنر کے لیے آرہے تھے۔ تاہاں نے ان سے کہا۔ ”پندرہ منٹ کے بعد ڈرائنگ روم میں آؤ۔ ہلالہ اپنا چہرہ تبدیل کر رہی ہے۔ وہ رہانی سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتی ہے۔ میں ایسے وقت رحمانی کے ساتھ وقت گزاروں گی۔“

وہ فون بند کر کے آئینہ خانہ میں آئی۔ ہلالہ بڑی حد تک تبدیل ہو گئی تھی۔ اس نے نئے چہرے کو بھی بہت خوبصورت اور دلکش بنا دیا تھا۔ وہ آئینے میں دیکھتے ہوئے تاہاں سے بولی۔ ”کیسی لگ رہی ہوں؟“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”سیدھی دل میں اتر رہی ہو۔ تمہیں دیکھنے والا کسی اور کو دیکھنا بھول جائے گا۔ تمہارے لیے خوش خبری ہے۔ وہ دونوں پندرہ منٹ میں آرہے ہیں۔“

وہ تاہاں کا ہاتھ تھام کر بولی۔ ”تھینک یو تاہاں! تم دل سے یہ سب کر رہی ہو۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔“

تاہاں نے مسکرا کر سلطانہ یاقوت سے کہا۔ ”ہلالہ تمہائی چاہتی ہے۔ آپ اپنی بیٹی اور رہانی کے ڈنر کے لیے کسی دوسرے کمرے میں انتظام کریں۔“

دونوں ماں بیٹی خوشی سے نہال ہو رہی تھیں۔ ان ماں بیٹی کو جیسے دنیا جہاں کی خوشیاں مل رہی تھیں۔ ہلالہ نے فوراً ہی اپنی خواب گاہ میں ڈنر کا انتظام کرایا۔ رہانی اور رحمانی

”میرا ہر کی بات صرف نکاح نامہ میں ہوتی ہے۔ منہ زبانی نہیں ہوتی اور میں کہہ چکا ہوں شادی خانہ آبادی کے موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔“

ربانی نے پھر اسے خوبصورتی سے ٹان دیا۔ وہ بولی۔  
”تم مجھے پھو کر جادو ٹونے کی حقیقت معلوم کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے منہ زبانی رد عمل ہو۔ وہ منہ زبانی رد عمل تمہیں زنگورارا اور اس کے جادو گروں تک پہنچا سکتا ہے۔“

ربانی اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بھر بولی۔ ”تم اس خبیث تک پہنچ سکتے ہو۔ مجھے اور نام کو اس سے نجات دلانے کا راستہ مل جائے گا۔“

”درست کہتی ہو۔ لیکن ہاتھ پکڑنے کی شرط ایسی ہے جسے فی الحالہ قبول نہیں کر سکتا گا۔“

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے کا ارادہ کر چکی تھی لیکن شرط منوانے میں ناکام ہو رہی تھی۔ ایک طرح سے سبکی محسوس کر رہی تھی۔

اس نے کہا۔ ”میں تمہارے اصولوں کو سمجھ رہی ہوں اور شیطانی رد عمل کو بھی سمجھتا ضروری ہے۔ پلیز مجھے چھو۔“

ربانی نے ہاتھ بڑھا کر پہلے ایک انگلی اس کی ہتھیلی کی پشت پر رکھی۔ اسے چھو لیا۔ ہلالہ کو جیسے کرنٹ لگ گیا۔ اندر ہی اندر جذب پاتی کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔ پھر ربانی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے اسے تھام لیا۔

ہلالہ نے بے اختیار گہری سانس لی۔ چھو نے اور پکڑ لینے کے ان لمحات کو اپنے اندر سمجھ لیا۔ ایسے وقت وہ سرتاپا ادھر کھینچی جا رہی تھی۔ حیا روک رہی تھی۔ ورنہ ٹرپ کر اس کے بازوؤں میں پہنچ کر سینے میں گھس جاتی۔

بانے رے جادو گر...! وہ خبیث زنگورارا کیا جادو کرے گا جو تو کر رہا ہے۔

ربانی نے اپنا ہاتھ ہٹا کر کہا۔ ”تم پر منہ زبانی رد عمل نہیں ہوا ہے۔ تم تارل ہو۔“

وہ خوش ہو کر بولی۔ ”ہاں۔ ہات سے بات بنتی ہے۔ اب دوسری بات ذہن میں آرہی ہے۔“

”وہ دوسری بات کیا ہے؟“

”میں اگر میب آپ میں نہ رہوں۔ اور اپنا پیدائشی چہرہ دکھاؤں تو کیا اسی طرح تارل رہوں گی؟“

”چھو لینے اور آنکھوں سے دیکھ لینے کے رد عمل میں فرق ہو سکتا ہے۔ تکلیف دہ رد عمل ہو سکتا ہے۔“

”تم نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔ میرا

مضمون ہے اور وہ سب میرے ذہن میں نقش ہو گیا ہے اور وہی کچھ میں خوابوں میں دیکھتی رہتی ہوں۔“

”یعنی کیا دیکھتی ہو؟“

”وہی کالے لکڑے لوگ ہاتھوں میں نیزے اٹھائے ایک شیطان کے قد اور مجسے کے سامنے ہاتھ پٹے گاتے ہیں۔ ایک ہاتھی جیسے ذیل ڈول والا سیاہ قام بھڑا سا پہلوان نما شخص کہتا ہے۔“

”میں زنگورارا ہوں۔“

”وہ اور کیا کہتا ہے؟“

”اس نے ایک بار کہا تھا کہ اس کے منہ سے آگلی ہوئی شیطانی خوراک پہلے نام کے حلق سے اترتی تھی۔ وہی خوراک میرے اندر رچ بس گئی تھی۔ اس حوالے سے میں اس کی حکایت ہوں۔ کوئی اور مرد مجھے نہ چھو سکے گا۔ نہ ہی دور سے دیکھ سکے گا۔“

ربانی نے کہا۔ ”تم خواب بیان کر رہی ہو۔ جبکہ حقیقت ایسا ہی ہو رہا ہے۔ تم میرے سامنے ہو اور میں تمہاری پیدائشی صورت دیکھ نہیں پا رہا ہوں۔“

”ہاں خواب سچ ہو رہا ہے۔ وہ کہتا ہے نام اس کے پاس نہیں جائیں گی تو وہ ایک دن میرے پاس آئے گا اور مجھے یہاں سے مکھن کے ہال کی طرح نکال کرے جائے گا۔ کیا اس کی یہ باتیں سچ ہوں گی؟“

وہ سر اٹھا کر جیسے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”خدا بہتر جانتا ہے۔ ہم ایک خدا کے سہارے ساری عمر شیطان سے بڑے رجتے ہیں۔ تمہارے لیے بھی لڑتے رہیں گے۔“

وہ سچے ہوئے انداز میں بولی۔ ”مجھے ڈر لگتا ہے۔ کب زنگورارا یہاں بھی آئے گا؟“

ربانی نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”زنگورارا کی یہ بات بھی ٹھٹھ ہو رہی ہے۔ کوئی بھی تمہیں چھو لیتا ہے لیکن جان بوجھ کر نہیں اٹھانے میں۔“

”ہو سکتا ہے جان بوجھ کر چھونے سے بھی کسی طرح کا شیطانی رد عمل نہ ہوتا ہو۔“

وہ سر ہلا کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے رد عمل نہ ہو۔“

ہلالہ نے بڑی خاموشی سے میز پر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ربانی نے اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ وہ بولی۔

”مجھے چھونے سے پہلے ایک شرط ہے۔“

ربانی کی نظروں نے سواں کیا۔ وہ بولی۔ ”یہ ایک کنواری کا ہاتھ ہے۔ جو دانستہ چھوئے گا یہ میرا ہی کارہے گا۔“



بھی اسے اور رحمانی کو ہاٹ اسکاٹی کے معاملات سے نینٹے کے لیے جانا تھا۔ وہ دونوں پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ تاہم تمہارہ گئی۔

تھوڑی دیر بعد سلطانہ یاقوت نے آکر پوچھا۔  
 ”ربانی اور رحمانی کہاں ہیں؟“

اس نے کہا۔ ”انہیں فوراً ہی جانا پڑ گیا۔ ان کی مصروفیات ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ پھر کسی وقت آئیں گے۔“

”میں ان کی مصروفیات اور مجبوریاں سمجھتی ہوں مگر ہلالہ اداس ہے۔ ربانی اس سے کچھ کہے سے بغیر گیا ہے۔“

”میں جانتی ہوں وہاں کیا ہوا تھا۔ ربانی اچانک نہ جاتے تو ہلالہ مستقل تکلیف میں مبتلا رہتی۔ آپ جینی کو سمجھا لیں۔ اس نے غلطی کی ہے۔ اسے اصلی چہرے کے ساتھ اس کے سامنے نہیں آنا چاہیے تھا۔“

ہاں پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ”جینی کو کیا سمجھاؤں۔ باؤلی ہو رہی ہے۔ ربانی کو اپنا اول اور آخر کہتی ہے۔ یہ سمجھنا نہیں چاہتی کہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں ہوتا۔ تقدیر ہمارے خلاف چال چلتی ہے تو ہم بے بسی سے دیکھتے اور سوچتے رہ جاتے ہیں۔“

ہلالہ دروازے پر آکر ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہاں سے چپ چاپ اٹھنے یا ڈال اپنے بند روم میں آگئی۔ اس کے اندر جو بچہ لگا ہوا تھا وہ کم نہیں ہو رہی تھی۔ اسے اپنا ہاتھ اب تک ربانی کی گرفت میں محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کی زندگی کا پہلا مرد تھا جس نے اسے چھوا تھا۔

اس نے الماری کھولتے ہوئے کہا۔ ”یا خدا! مجھے دے۔ ربانی میرا ہے۔ مجھے دے۔“

اس نے الماری کے ایک حصے سے پلاسٹک کی ایک ڈبیا نکالی پھر اسے کھولا۔ اس میں وہ شیطانی مجون تھا جو پہلے اس کی مام کے حلق سے اتر تھا۔ پھر ماں کی کوکھ سے جینی تک پہنچا تھا۔

اس مجون کو ہاتھوں میں نیچے ہی ڈھن پر ڈھندسی چھا جاتی تھی۔ وہ سحر زدہ سی ہو کر اس کی ایک خوراک زبان پر رکھ لیتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے ایک بیج خوراک حلق سے اتر لی۔

دوا کی عجیب سی تاثیر تھی۔ ذہن کھل جاتا تھا۔ پھول کھلنے لگتے تھے۔ وہ جیسے ہوا کی تھیلیوں پر چلنے لگتی تھی۔ اس وقت بھی وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے بند پر آکر چاروں شانے دھبہ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

دل کہتا ہے ’کاتب تقدیر نے مجھے تمہارے نام لکھا ہے۔ تم میری اصلی صورت دیکھو گے تو زنگورارا کا چادو ہے اثر رہے گا۔“

”ایسا نہیں ہوگا۔ تمہاری پیدائش کے دن سے دنیا کا ہر مرد تمہارے لیے ممنوع ہو چکا ہے۔ جب تک شیطانی طلسم نہیں ٹوٹے گا میں بھی ممنوع رہوں گا۔“

اس نے جلد کی۔ ”میرا دل میرا اعتماد کہتا ہے میں صرف تمہیں اپنی صورت دکھا سکتی ہوں۔ میرا نام ہلالہ ہے مگر قدرت نے مجھے تاہاں بنا کر تمہاری تاہاں بنا کر بھیجا ہے۔“

وہ جواہا کوئی بات سے بغیر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ”میں ابھی میک اپ آتاری ہوں۔ ابھی ثابت کروں گی کہ تقدیر مجھے تمہارے نام کر چکی ہے۔“

وہ میک اپ اتارنے چلی گئی۔ وہ یہ ثابت کرنے پر تل گئی تھی کہ اسے کامیاب تقدیر نے اس کے نام لکھ دیا ہے۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”میں آ رہی ہوں۔ اپنی تاہاں کو دیکھو۔“

دروازہ پوری طرح کھل گیا۔ ربانی نے نظریں اٹھائیں۔ تاہاں کی ایک جھلک دیکھی۔ اس کے ساتھ ہی ہلالہ کے حلق سے بیج نکل گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے پھر وہ جہاں کھڑی تھی وہیں پکرا کر بند ہو گئی۔

ایسا بس چند ساتوں کے لیے ہوا تھا۔ اسے تکلیف کی شدت سے پکرا کر پڑا تھا لیکن وہ فرش پر بیٹھتی ہی سنبھل گئی۔ جس تکلیف سے دوچار ہوئی تھی وہ یکتا ختم ہو گئی۔

وہ اس کے روبرو ہونے کے لیے اٹھ کر کھڑی ہوئی تو وہ کمرے میں نہیں تھا۔

ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ کہاں گیا...؟  
 دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ اسے کھول کر نہیں مینا تھا... مگر جا چکا تھا۔

تاہاں ڈرامنگ روم میں رحمانی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی اور بات بات پر ہنس رہی تھی۔ رحمانی اسے بتا رہا تھا کہ کامران اب تک کیسے کیسے مضمحلہ خیر حالات سے گزر چکا ہے۔

اسی وقت ربانی وہاں آ گیا۔ تاہاں نے مسکرا کر پوچھا۔

”کیا بات ہے۔ بڑی جلدی آگئے؟“  
 اس نے بتایا کہ ن حالات سے گزر کر آیا ہے۔ یوں

بولی۔ ”کیا میں خوبصورت ہوں؟ تمہیں اچھی لگتی ہوں؟ مجھے قبول کرو گے؟“

وہ بولا۔ ”میں گھر کا ہوں نہ گھاٹ کا۔ کل کہاں تھا۔ آج کہاں ہوں اور یہ نہیں جانتا، اگلے لمحوں میں کہاں رہوں گا۔ میرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔“

دروازے پر آہٹ سی ہوئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کاسٹرو نے کمرے میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے موٹل نے مجھ سے فون پر بات کی تھی۔ میں حیران ہوں۔ جادو نوٹنے سے پیدا ہونے والا موٹل سوبائل فون استعمال کر رہا تھا؟“

وہ بڑے غم سے بولا۔ ”ارے سوبائل فون کیا چیز ہے۔ میرا موٹل ہوائی جہاز بھی اڑاتا ہے۔ تمہارے اس بحری جہاز کو کنارے بھی لگا سکتا ہے اور ہلکے جھپکتے ہی اسے ڈبو بھی سکتا ہے۔“

وہ سر ہلا کر بولا۔ ”ہاں۔ وہ اتنی لاکھ ڈالرز کے دو کنٹینرز کو فرق کر چکا ہے۔ اب میں اس سے زیادہ نقصان اٹھانے کا تحمل نہیں ہو سکتا۔“

”پھر کیا ارادہ ہے؟“

”تمہارے موٹل سے سمجھوتا ہو گیا ہے۔ میں تمہیں رہا کروں گا۔ تم وہاٹ اسکائی جا کر ہمارے دشمنوں کے پاس رہو گے اور وہاں صرف روٹنی دیکر کے لیے ہی نہیں میرے سر بیویوں پر ٹاؤٹ کے لیے بھی کام کرو گے۔“

وہ بولا۔ ”ہم سب کام کرنے کے لیے ہی دنیا میں آئے ہیں۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ سمجھوتا ہو گیا ہے۔“

وہ بہت مجبور ہو کر اسے رہا کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”تم اسی لمحے سے آزاد ہو۔ بوستان اور وہاٹ اسکائی کے حکمرانوں سے ہاتھیں کرو۔ ان سے بھی معاملات طے کرو۔ انہیں بتاؤ کہ کن شرائط پر یہاں سے جا رہے ہو اور وہاں جا کر کسی کے دہاؤ میں رہے پھر آزادی سے ہمارے اور ان کے کام آتے رہو گے۔“

وہ ایک نیا سوبائل فون سینٹر بیل پر رکھتے ہوئے بولا۔ ”یہ تمہارے لیے ہے، تم کسی سے بھی رابطہ کر سکتے ہو۔ اس میں تمام اہم فون نمبرز محفوظ ہیں۔“

وہ بولا۔ ”میں رہا ہو کر یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔“

کاسٹرو نے لیزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نے یہ خوبصورت تحفہ دیا ہے۔ یہ تمہاری بوڑھی اور خالی دنیا کو اپنے وجود سے بھر دے گی۔ جب تک چاہو گے

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے تاریخ میں کہیں تیزی سے اڑتی چلی جا رہی ہے۔ ہاتھیں کننا دیدہ مقامات سے گزر رہی تھی؟ اس طلسمی بیجون نے اسے جکڑ لیا تھا۔

ہاتھیں کتنا وقت گزر رہا تھا، وہ اس قدر آدر شیطانی جینسے کے سامنے پہنچ گئی جس کا ذکر اپنی مام سے سنتی رہتی تھی۔ شیطان شباشت سے سکر رہا تھا۔

اس نے خود کو شیطان کے قدموں کے قریب دیکھا۔ وہاں وہ چاروں شانے چھٹ لپٹی ہوئی تھی۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اوپر بائٹری کے پینڈے میں سوراخ تھا۔ وہاں جمع ہونے والی رال قطرہ قطرہ پلاس کے منہ میں چپک رہی تھی۔

گانے بجانے اور رقص کرنے والوں کے شور میں زنگورار کی سیاہ چمکتی ہوئی صورت دکھائی دی۔ وہ شیطان کی بے جے کار کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”جا... تیری مراد یہاں پوری ہوں گی۔ جسے مانگتی ہے۔ وہ تجھے... صرف تجھے ملے گا۔“

یکدم اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ کھڑکی سے آنے والی دھوپ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔



کامران گہری نیند میں تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک حسین عورت اپنی رنگی زلفیں نہرا رہی ہے۔ وہ ان زلفوں کی رنگینی نزاکت کو اپنے چہرے پر سے بھیسے دیکھ رہا تھا۔ اسے عجیب سی گدگدی ہوئی۔ سرسراہٹ ہی محسوس ہوئی تو آنکھ کھل گئی۔

بعض اوقات آنکھ کھلتے ہی خواب کی تعبیر مل جاتی ہے۔ اس نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ عین نگاہوں کے سامنے وہ حسین تعبیر تھی۔ حسن و جمال کی جتنی جاگتی صورت تھی۔

وہ اس پر جھگی بڑے پیار سے مسکراتے ہوئے بولی۔ ”میرا نام لیزا ہے۔“ اس نے زلفوں کو جھک کر چہنتے ہوئے کہا۔ ”جو ان کی راتیں سونے کے لیے نہیں جاگنے کے لیے اور جگانے کے لیے ہوتی ہیں۔“

وہ اٹھ کر بیٹھنا چاہتا تھا۔ لیزا نے اٹھنے نہیں دیا۔ وہ سحر زدہ سا ہو کر بولا۔ ”تم کون ہو؟ میں بحری جہاز میں ہوں؟“

”ہاں تم سمندر کی مود میں اور میری بانہوں میں ہو۔ آج سے تم تمہا نہیں رہو گے۔ میں تمہارے ساتھ آنکھوں کا نور اور دل کا سُرور بن کر رہوں گی۔“

وہ اپنی جھلی سے اس کے سینے کو سہلاتے ہوئے

ایک بار ہمیں انوا کیا جا چکا ہے پھر ایسی واردات ہو سکتی ہے۔ تمہاری مخالفت کرنا ہماری ٹھنکی ذمے داری ہے۔“  
 اس نے لڑھکتے دیوار کے مطابق دھمکی دی۔ ”تو پھر لکھ لؤ میں تمہارا مہمان بن کر نہیں رہوں گا، بیگن برنارڈ کو میزبانی کا موقع دوں گا۔“  
 ”کیا بکواس کر رہے ہو؟ وہ ہمارا بدترین سیاسی مخالف ہے۔ تمہیں یہاں رہ کر اس کے خلاف کام کرنا ہے۔“  
 ”سوری، میں کسی کا دشمن نہیں سب کا دوست بن کر رہوں گا اور اسی کے کام آتا رہوں گا جو میرے وطن پاکستان کی بہتری کے لیے ہمارے کام آتا رہے گا۔“  
 دیکھنے کہا۔ ”اپنے ملک کے اعلیٰ حکام معظم خان اور اعظم خان سے پوچھو۔ ہم نے تمہارے ملک کی ترقی اور خوش حالی کے لیے اربوں روپے قرض کے طور پر دیے ہیں۔“  
 کامران اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔  
 ”میرے ساتھ ایک حسینہ اور دو ہاڈی گارڈز آرہے ہیں۔ وہاں میں تمہاری طرف سے دو ہاڈی گارڈز کو قبول کروں گا پھر بیگن برنارڈ کی طرف سے دو اور ہاڈی گارڈز رکھوں گا۔“  
 ”یہ کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہو؟ ہمارے اور دشمنوں کے بیچے ہوئے ہاڈی گارڈز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ ان کی آپس کی دشمنی سے تمہیں بھی نقصان پہنچے گا۔“  
 ”نہیں پتہ ہے گا۔ میں شیر اور بھری کو ایک ہی گھاٹ میں پانی پلاتا رہوں گا۔“  
 دیکھنے نے ناگواری سے کہا۔ ”تم آؤ گے تو باتیں ہوں گی۔ ہم نیکی کو پہنچ رہے ہیں۔“  
 کامران بظاہر سنگین محاسلات پر مفرد حکمرانوں سے باتیں کر رہا تھا۔ حقیقتاً موجودہ حالات میں اور محاسلات میں اس کی فہم و فراست نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ بس وہی کہہ رہا تھا جو بانی اور رحمانی اسے سمجھاتے تھے۔  
 پھر اس نے بیگن برنارڈ کو فون پر مخاطب کیا۔ ”ہیلو میں کامران بول رہا ہوں۔“  
 وہ خوش ہو کر بولا۔ ”شکر یہ مسٹر کامران! میرے دلوانو نے یہ تھا کہ تم مجھ سے بات کرنے والے ہو۔ میں انتظار کر رہا تھا۔ ایک بار پھر شکر یہ۔ کہو میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“  
 ”تم نے تو بڑی خدمت کی ہے۔ یہاں پہنچتے ہی مجھے

تمہارے ساتھ رہے گی اور پوچھ لیا چاہتے ہو؟“  
 وہ ذرا سوچ کر بولا۔ ”پاکستان میں میری بیوی کے بینک اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ ڈالرز جمع کرادو۔ اور بھی کچھ چاہتا ہوں مگر سوچ کر بتاؤں گا۔“  
 رہنی اور رحمانی آگئے۔ انہوں نے تحریر پیش کی۔ کامران نے اسے پڑھا۔ ”میں دو بہت ہی دلیر مجر بہ کارکن میں اپنے ہاڈی گارڈز کے طور پر چاہتا ہوں۔“  
 وہ خوش ہو کر بولا۔ ”یہ میرے دل کی بات کہہ رہے ہو۔ تم وہاں میرے دشمنوں کے پاس رہو گے اور میرے آدی ہاڈی گارڈز کی حیثیت سے میرے رپورٹر بن کر رہا کریں گے۔“  
 وہ ہنستے ہوئے اور نوشتہ دیوار پڑھتے ہوئے بولا۔  
 ”میں نادان نہیں ہوں۔ میرا موکل مجھے بتا رہا ہے کہ یہ لیزا بھی میری نہیں تمہاری وفادار بن کر رہا کرے گی۔ میرے ساتھ رہ کر تمہارے لیے جاسوسی کرے گی۔“  
 لیزا نے کہا۔ ”ابھی میرے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کرو۔ تمہیں بہت جلد میری محبت اور وفاداری کا یقین ہو جائے گا۔“  
 وہ بولا۔ ”عورت کی وفاسرد کو خوش نصیب بنا دیتی ہے۔ ایسا ہوا تو میں دینر فیئر میں واقعی خوش نصیب بن جاؤں گا۔“  
 اس نے نیا فون سینئر مینل سے اٹھا کر دیکر کوہنلی کال کی۔ اس کے پی اے نے بتایا کہ کامران کی کال ہے تو اس نے شدید حیرانی سے فوراً ہی کال اٹینڈ کی۔ بے یقینی سے پوچھا۔ ”کیا واقعی؟ تم۔ تم کامران ہو؟“  
 اس نے کہا۔ ”یقین کر لو۔ ورتہ واپس چلا جاؤں گا۔“  
 ”ہیلز ہماری حیرانی اور بے یقینی کو سمجھو۔ تم ایک خطرناک حامل کال ہو کر اب تک خاموش اور لاچار رہے۔ اس لیے ہم تمہارے معاملے میں اچھے ہوئے ہیں۔“  
 ”میں خاموش رہ کر دیکھ رہا تھا کہ تم لوگ کتنے پانی میں ہو؟ اور میری رہائی کے لیے کیا کر رہے ہو؟ افسوس کہ سیر پا دروڑھوں کا پول ثابت ہوا ہے۔“  
 ”ہم تمہارا انھوج لگا چکے تھے۔“  
 ”میرے وہاں آنے اور رہائش اختیار کرنے کی شرائط سن لو۔ میری رہائش گاہ کے اندر اور باہر تمہاری طرف سے سیکورٹی کے انتظامات نہیں کیے جائیں گے۔“  
 ”یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم ہمارے لیے بہت اہم ہو۔

دی جائے۔“  
 آری کے اس کڑک افسر نے کہا۔ ”سوری، ابھی کسی کو تم سے ملنے کی اور کسی سے فون پر بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔“

وہ بولا۔ ”میں تمہاری اجازت کا محتاج نہیں ہوں۔ روڈنی ویلر سے بات کراؤ۔“

وہ بولا۔ ”عالی جناب روڈنی ویلر اپنے حمبر میں تمہارے منتظر ہیں۔ وہاں ایک ہنگامی اجلاس کا حلقہ تم سے ہے۔ وہاں تمہاری حاضری ضروری ہے۔“

اس نے کہا۔ ”میں جا رہا ہوں۔ لیکن پہلے فون پر بیگون سے بات کرنے دو۔“

”سوری یہی سے بات کرنے میں ہمارا وقت ضائع نہ کرو۔ اٹھو یہاں سے چلو۔“

ہنگامی اجلاس میں روڈنی ویلر اپنی آری کے اعلیٰ افسران اور اعلیٰ جنس کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ موجود تھا۔ وہاں کامران پہنچا تو اسے بیٹھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اسے ایک مجرم کی طرح اونچی جگہ کھڑا رہنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ وہ سب کو نظر آسکے۔

روڈنی ویلر نے کہا۔ ”کامران! تم فون پر ایسے بول رہے تھے جیسے ہمارے آقا ہو اور ہم تمہارے تابعدار ہیں۔ ہم سے اپنی شرائط منوار ہے تھے۔ اب اپنی اوقات کو بگھو۔“

وہ بے چارہ اپنی اوقات کیا سمجھتا۔ خلا میں نکلتے ہوئے بولا۔ ”اے میرے باپ! تو کہاں چلا جاتا ہے؟ میں ان سے کیا کہوں؟“

ایک افسر نے کہا۔ ”یہ اپنی زبان میں منتر پڑھ رہا ہے۔ کوئی گڑبڑ کر سکتا ہے۔ اس کا منہ بند کرو۔“

ایک گارڈ نے فوراً ہی قریب آ کر اس کی کینٹی سے ریوایور کی نال لگا دی۔ ”ٹوشٹ اپ۔ ہماری زبان میں بولو۔ نہیں تو حرام موت مرد گے۔“

وہ بولا۔ ”میں منتر نہیں پڑھ رہا ہوں۔ میری عادت خراب ہو گئی ہے۔ لوگ مصیبت میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔ میں اپنے باپ کو پکارتا رہتا ہوں۔“

”خبردار! یہاں صرف ہماری زبان بولو گے اور وہ تمہارا باپ کون ہے۔ اسے بھی معصوم ہونا چاہیے کہ تم ہمیشہ ہمارے تابعدار بن کر ایک رہائش گاہ کی چار دیواری میں رہو گے۔ اس چار دیواری کے باہر بھی آسمان نہیں دیکھ سکو گے۔“

اعلیٰ جنس کے چیف نے کہا۔ ”ہمیں یہ راز بتاؤ کہ

انہو کر ایسے ہر طرف سے اندھی گولیاں برسائیں۔ اگر کوئی گولی مجھے لگتی اور میں مر جاتا تو تمہارے باپ کا کیا جاتا؟ میری بیوی بیوہ اور بچے یتیم ہو کر سڑکوں پر بھیک مانگتے دکھائی دیتے۔“

”سوری مسٹر کامران! سیاست بڑی کینٹی شے ہے۔ برتری اور اقتدار حاصل کرنے کے لیے سیاست وہاں کچھ بھی کر گزرتے ہیں۔ اپنے باپ کی بھی گردن اڑا دیتے ہیں۔ پلیز جو ہو گیا اسے آپ بھول جائیں۔“

”تم سے سیکھا ہوا۔ سٹی بھی نہیں بھولوں گا۔ کبھی اپنا انوسیدھا کرنے کے لیے تمہیں داؤ پر لگاؤں گا۔ پھر تمہاری طرح سوری کھدوں گا۔“

”میں ایسی دوستی بھاؤں گا کہ تمہیں دشمنی کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ یہاں آؤ کچھ سیاست روڈنی ویلر سے اور کچھ ہم سے بھی سیکھتے رہو۔“

”ہاں۔ میں سیکھنے بھی آ رہا ہوں اور سکھانے بھی۔ یہ جانتے ہوتا کہ کن شرائط پر دوست بن کر رہوں گا؟“

”کاسٹرو نے بتایا ہے کہ ہم میں سے جو یوستان کی ترقی اور خوش حالی کے لیے زیادہ سے زیادہ تعاون کرے گا، تم اس کے دوست بن کر کام آتے رہو گے۔ کامران! ہم نادان نہیں ہیں کہ تمہیں دشمن بنا نہیں گے۔ آؤ، ہماری دوستی ہماری محبت تمہارا انتقاد کر رہی ہے۔“

☆☆☆

کینٹنل زون کے رپورٹ میں آری اور اعلیٰ جنس کے مسلح افراد ہر طرف موجود تھے۔ روڈنی ویلر نے سیکورٹی کے بہت سخت انتظامات کیے تھے۔ بیگون برنارڈ بھی اپنے مسلح گارڈز کے ساتھ کامران کے استقبال کے لیے آیا تھا لیکن کسی کو اس کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔

وہ وہی آئی بی روم میں تھا۔ اس سے ملاقات کرنے کی اجازت دینا تو دور کی بات ہے، اسے دور سے بھی دیکھنے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ ربانی اور رحمانی اس وقت کامران کے پاس موجود تھے۔ اس کے کالوں میں ضرورت کے وقت بولتے رہتے تھے۔ وہ خوش تھا کہ اس کا مشکل مسئلہ راپٹل میں ہے۔

اس نے آری کے ایک اعلیٰ افسر سے کہا۔ ”یہاں میری ایک بی بی اسے اور دو ہاؤزی گارڈز ہیں جنہیں میں کاسٹرو سے لے کر آیا ہوں۔ بیگون برنارڈ بھی میرے لیے دو ہاؤزی گارڈز لے کر آیا ہے۔ اسے یہاں آنے کی اجازت

اور ابیدار ہوا پھر سو گیا۔ روڈنی ویلر نے اپنی کار اسٹارٹ کی تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس کی جھنجھکی شامدار کار کا انجن نرم ہوا پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کوئی معمولی کار نہیں تھی۔ اس میں خواہ مخواہ خرابی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے دوسری بار کوشش کی تو اطمینان ہوا کار اسٹارٹ ہو گئی۔ اس نے سر ہٹھا کر دور اس گاڑی کو دیکھا جو کامران کو لے جانے والی تھی لیکن زکی ہوئی تھی۔

ویلر کی کار اسٹارٹ ہو کر پھر زک مچی۔ اس نے پریشان ہو کر قریب کھڑے ہوئے گاڑو کو دیکھا۔ اس سے گھبرا چاہتا تھا کہ وہ کار کا بونٹ اٹھا کر انجن کو چیک کرے۔ اس بات کے سنے اس نے کار کے شیشے کو ذرا نیچے کر کے اسے مخاطب کرنا چاہتا تو پتا چلا شیشہ جام ہو گیا ہے۔ وہ نیچے نہیں ہو رہا تھا۔ کھڑکی نہیں کھل رہی تھی۔

یہ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ پھر اس نے دروازہ کھول کر گاڑو کو مخاطب کرنا چاہتا تو حیران رہ گیا۔ دروازہ بھی نہیں کھل رہا تھا۔

اس نے دوسری بازو کوشش کی۔ پھر دوسری طرف کے دروازے اور کھڑکی کو کھولنا چاہا۔ حیرت انگیز انکشاف ہوا۔ وہ دروازہ بھی مقفل ہو گیا تھا اور اس کھڑکی کا شیشہ بھی اوپر نیچے نہیں ہو رہا تھا۔ دماغ میں بات آئی کہ یہ بلیک بلیک ہے۔

اس نے پریشان ہو کر فون کے ذریعے اطلاع دی۔ ”نمبرے ساتھ کچھ عجیب سا ہو رہا ہے۔ یہاں آؤ اور دیکھو۔ یہ پوری گاڑی مقفل ہو گئی ہے۔ مجھے باہر نکالنا چاہئے۔“ کار کا یوں مقفل ہونا حیرانی کی بات تھی۔ پھر حیرت جیرانی یہ دیکھ کر ہوئی کہ وہ چاروں دروازے باہر سے بھی نہیں کھل رہے تھے۔ طرح طرح سے کوششیں کی چاروں تھیں اور وہ ناکام ہوتے جا رہے تھے۔

اُدھر قیدی کو لے جانے والی گاڑی کا انجن ناکارہ ہو گیا تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ کامران کو دوسری گاڑی میں منتقل کیا جائے۔ پھر جب فیصلے پر عمل کرنے کے لیے اس گاڑی کے دروازے کو کھولا گیا تو سب حیران رہ گئے۔ یکساںگی روڈنی ویلر کی کار کے چاروں دروازے آپ ہی آپ کھل گئے۔

سب کے منہ ایسے کھل گئے جیسے وہ سب آنکھوں سے نہیں منہ سے کوئی معجزہ دیکھ رہے ہوں۔ وہ اسے شہدہ بازی نہیں کہہ سکتے تھے۔ کامران کا بلیک بلیک انجن چلتی کر رہا

ہزارے اپنی ریکارڈز روم میں کیسے پہنچ گئے تھے؟ اور وہاں سے اب تک کتنے راز معلوم کر چکے ہو؟“

وہ بولا۔ ”مجھے تمہارے ملک ’تمہاری سیاست اور تمہارے چھوٹے بڑے رازوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ رہے گی۔ میں نے تمہارا کوئی راز نہیں چرایا ہے۔ صرف معظّم خان کی ایک فائل کو دیکھا تھا اور اس کا ذکر کیا تھا۔ اب جیسے زمانہ گزر گیا ہے۔ اس فائل کو بھی بھول چکا ہوں۔“

”تمہیں ہماری سیاست سے ابھی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن دشمن تمہیں مت مانگا معاوضہ دیں گے تو تم ہمارے ریکارڈز روم میں بہ آسانی گھسے رہو گے اور ہمیں نقصان پہنچاتے رہو گے۔“

”تم قیدی بن کر بھی عیش و عشرت سے زندگی گزارتے رہو گے۔ تمہارا کام اتنا ہی ہو گا کہ ہمارے تمام مخالفین کے ارادوں، تمام رازوں اور ان کی سازشوں سے ہمیں آگاہ کرتے رہو گے۔ ان کے خفیہ ریکارڈز روم میں جا کر ہمارے لیے تمام سیاسی اور عسکری راز مضموم کرتے رہو گے۔“

وہ بے ہوشی سے بولا۔ ”قیدی بن کر تو کبھی کوئی کام نہیں کروں گا اور کام کرنے کی شرائط پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔“

”تمہاری شرائط نامنظور ہیں۔ تم ہمارے لیے جتنے ضروری ہو سکتے ہو اس سے زیادہ خطرناک بن سکتے ہو۔ کسی بھی وقت ہمارے ملک کی دشمنی چھپی ہوئی کمزوریاں جن الفین کو بتا سکتے ہو۔ اس لیے تمہیں آزادی نہیں ملے گی۔“

انہوں نے حقیقت طور پر یہ فیصلہ کیا کہ کامران کو ایک بڑے خانے کی چار دیواری میں قیدی بنا کر رکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس کی طرف سے کوئی منفی رد عمل ہوتا ہے یا نہیں؟ انہیں یقین تھا کہ وہ کچھ عرصہ قید میں رہ کر ان کا تابعدار بن جائے گا۔ ازل سے جادو گروں کی ہنسی یہ بتاتی آرہی ہے کہ فرعون جیسے حکمران خطرناک جادو گروں کو اسی طرح جبراً اپنا تابعدار بناتے آئے ہیں۔

اس فیصلے کے مطابق اجلاس کے کمرے سے نکال کر باہر ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں اسے پہنچا دیا گیا۔ اس کے دروازے کو باہر سے لاک کر دیا گیا۔ اجلاس پر حاسد ہو چکا تھا۔ روڈنی ویلر بھی معزز اراکین کے ساتھ پائین کرتا ہوا وہاں آیا پھر اپنی شامدار کار میں آ کر بیٹھ گیا۔

اس اجلاس میں کئی گاڑیاں تھیں۔ کامران کو لے جانے والے ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی تو اس کا انجن

"ہم سے بڑی بھول ہوئی ہے ہم نے کامران کی صلاحیتوں اور مہارت کو کبھی بغیر لاکھوں ڈالر زبانی کی طرح بہا دیے اور ہمارے کئی وفادار بھی جان سے گئے۔ ہم سراسر نقصان میں رہے۔"

کاسترو نے کہا۔ "یہ کامران کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی سیدھا سادہ سا بیوقوف شخص دکھائی دیتا ہے۔ یہی خطرناک موت کا ہر کارہ بن جاتا ہے۔"

ہیکون نے ناگواری سے پوچھا۔ "وہ خطرناک عامل اب کہاں مر گیا ہے؟ ویلر نے اسے نہ جانے تھی رازداری سے کہاں قیدی بنا کر رکھا ہے اور وہ چپ ہے۔ اس کی طرف سے کوئی توری ایکشن ہونا چاہیے؟"

"ذرا صبر کرو۔ وہ خاموش نہیں ہوگا۔ کچھ کر رہا ہوگا۔ کل تک ضرور اپنی اصلیت دکھائے گا۔"

انہیں تو چپ رہنا تھا۔ صبر کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے لیز اور دو باؤی گارڈز کو اپنے جاسوس کے طور پر کامران کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ وہ تینوں بھی قیدی بنا کر نئی الجھان ان کے لیے ناکارہ ہو گئے تھے۔

لیزا ان سیناؤں میں سے تھی جنہیں کاسترو دھماشوں کی منڈی میں فروخت کرنے والا تھا۔ اسے انوار کے چہرے میں لایا گیا تو وہ روتی مڑ گزرتی رہی تھی۔ اس نے کاسترو سے التجا کی۔ "مجھے چھوڑ دو۔ گھر جانے دو۔ مجھے برباد کرنا چاہو گے تو خود برباد ہو جاؤ گے۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو یہاں جبر آرائی جاتی ہیں وہ سب نئی بدعاتیں دیتی اور کوشی ہیں پھر مال خوب کمانے لگتی ہیں تو دعائیں دیے لگتی ہیں۔"

پھر اس نے کہا۔ "اگر تم چاہتی ہو کہ دس ہاتھوں میں نہ جاؤ تو کسی ایف کو فریب کرو اور اسی کے ساتھ رہ کر میرے کام آتی رہو۔ تمہیں اچھی خاصی رقم ملتی رہے گی۔"

وہ راضی ہوئی۔ اس نے کہا۔ "تم کامران کو اپنا دیوانہ بنا کر میرا تابعدار بنا دو اور اس کی ذاتی اور خفیہ مصروفیات کے بارے میں رپورٹ دیتی رہو۔ اس طرح جان و مال سے محفوظ رہو گی۔ عزت آبرو سے زندگی گزارتی رہو گی۔"

وہ بولی۔ "عزت آبرو کی سلامتی کے لیے جو بولو گے وہ کروں گی۔ لیکن جس مرد کے سائے میں رہوں گی اسے کبھی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ کامران کو نقصان پہنچاؤ گی تو ہمیں بھی نقصان پہنچے گا۔ بس تم اتنا کرو گی کہ اسے دشمنوں کی

تھا۔

یہ بات سمجھ میں آنے کے باوجود وہ آسانی سے جھکتے اور شکست تسلیم کرنے والے نہیں تھے۔ سپاہیوں نے کامران کو دوسری گاڑی میں بٹھا کر اس کے پچھلے حصے کو لاکڈ کر دیا۔ وہ پھر قیدی بنا گیا۔

روڈنی ویلر ایک اسپورٹس کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اس کار کی محبت نہیں تھی۔ وہ چار دیواری کی طرح مقفل نہیں ہوتی تھی۔ اسے کسی طرح کا بلیک بکج جبر اقدیدی نہیں بنا سکتا تھا۔ ویلر کار ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

رہائی اور رحمانی نے اسے جانے دیا۔ وہ دشمنوں کو ان کا حوصلہ اور تہ ابر آزمانے کا موقع دے رہے تھے۔ یہی ایک چھلانگ میں چوہے کو بوجھ سکتی ہے۔ لیکن ذرا سا نیچے مار کر چھوڑ دیتی ہے۔ وہ نرمی ہو کر بھانستے ہیں تو پھر نیچے مارتی ہے۔ آخر میں شکار خود ہی بڑھتا ہوا سا ہو کر بچاؤ کی ساری تدبیریں بھول جاتا ہے۔

کامران کو قیدی بنانے والے مطمئن ہو گئے تھے کہ وہ ان پر جادوئی جھکنڈے آزمانے میں ناکام رہا ہے۔ آئندہ مجبور ہو کر ان کا تابعدار عامل بنا کر رہے گا۔

☆☆☆

کاسترو کے بحری جہاز سے کامران کے ساتھ لیز اور دو باؤی گارڈز آئے تھے۔ وہ انٹ اسکاٹی کی زمین پر کھینچے ہی آری کے افسران نے اسے حراست میں لے لیا تھا ساتھ ہی لیز اور اس کے باؤی گارڈز کو بھی لاک اپ میں ڈال دیا گیا تھا۔

لیزا کو لاک اپ سے الگ ایک جگہ میں پہنچایا گیا تھا۔ کیونکہ ایک کرنل کا دل اس پر آ گیا تھا۔ کرنل دو ڈاگے ماہ ریٹائر ہونے والا تھا۔ بڑھاپے کے باعث فرائض ادا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ پھر بھی دیکھی تھا کہ بوڑھا نہیں ہے۔

وہ ہنستے ہوئے کہتا تھا۔ "جنگ کے میدان میں بوڑھا کہہ دو بڑے جوانی کے میدان میں جوان ہوں۔ یہ تو دنیا کھتی ہے کہ شیر بھی بوڑھا نہیں ہوتا۔"

کاسترو کے سسر بیٹوں کے خلاف قانونی کارروائی ہو رہی تھی۔ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ان سسر داماد نے کامران کو انوار کرنے کے لیے قیامت برپا کی تھی۔ خون کی ندیاں بہائی تھیں اور شہر کا امن و امان تباہ کیا تھا۔

ہیکون یہ دیکھ کر مایوس ہو گیا تھا کہ کامران وہاں اسکاٹی پہنچنے ہی قانونی جھگڑے میں آ گیا ہے اور اس کا کوئی پراسرار مہم کام نہیں آ رہا ہے۔ اس نے اپنے داماد سے کہا۔

تو اپنی محسوس کی۔ پھر کہا۔ "بڑھے کھوسٹ! کیا میں تیری  
بچی سے بھی کس نہیں ہوں؟ وہاں جا۔ ورنہ ایک ہاتھ  
باروں کی تو سر سے وگ اتر جائے گی۔ دوسرا ہاتھ باروں کی  
تو نقلی دانت باہر آ جائیں گے۔"

وہ غصے سے گرجتا ہوا اس کی طرف لپکا۔ اس کے منہ  
پر ایک ہاتھ مارنا چاہا لیکن ہاتھ ہوا میں لہرا گیا۔ جو ایلیزا کا  
لہراتا ہوا ہاتھ منہ پر پڑا تو آنکھوں کے سامنے ستارے تاپنے  
لگے۔ ایک نازک حسینہ کا ہاتھ ایسا زوردار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ  
کچھ نہیں پایا۔ اسے تو ایسا ہی لگا تھا کہ لیزا نے اسے پٹائی کی ہے۔

ایک فوجی افسر اور ایک چھوٹی سی بچی سے مار کھا جانے؟ یہ  
تو غصے سے پاگل کر دینے والی بات تھی اور وہ پاگل ہو گیا۔  
اس نے گرجتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی۔ وہ دوسری  
طرف کھڑی مسٹر اری تھی۔ اس کی جان جلا رہی تھی۔

وہ اسے گالیاں دیتا ہوا پھر اس کی طرف نپکا پھر کچھ  
میں نہیں آیا کہ اس پر چھلانگ لگانے کے باوجود فریش پر  
اوندھے منہ کیسے گرجا ہے؟ وہ سامنے کھڑی نہیں رہی تھی۔  
اس کا دعویٰ تھا کہ جوانی کے میدان میں جوان ہے۔

لیکن ذرا سی دیر میں ہی نمدی طرح ہانپنے لگا تھا۔ ایک جوان  
لڑکی کے سامنے انسلٹ ہو رہی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑا  
ہو گیا۔ گرجتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔  
"آج تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تجھے..."

ہات پوری ہونے سے پہلے لیزا نے اس کے منہ پر  
تھوک دیا۔ پھر تو جیسے ذلت کی انتہا ہو گئی۔ جیسے دماغ پھٹ  
گیا۔ وہ حلق پھاڑ کر چیخا ہوا اس پر لپکا۔ لیکن دوڑتا ہوا اس  
سے آگے نکل گیا۔ وروا زہ کھول کر بیڈروم سے باہر آ گیا۔  
اس کی آواز دور تک گونج رہی تھی۔ سڑک گارڈز دوڑتے  
ہوئے آگئے۔ انہوں نے حیرانی سے دیکھا۔ کرن ایتا لباس  
پھاڑ رہا تھا۔ لیزا کو گالیاں دے رہا تھا اور قسمیں کھا رہا تھا کہ  
اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

گارڈز نے قریب آ کر اسے لباس پھاڑنے سے روکنا  
چاہا تو انہیں یوں لگا جیسے کسی نے پیچھے سے کھینچ لیا ہو۔ وہ  
اپنے بڑے افسر کے قریب نہ جاسکے۔ اتنی دیر میں وہ بے  
لباس ہو گیا تھا۔ وہاں سے دوڑتا ہوا باہر جا رہا تھا۔

پچھلے کے باہر ماتحتوں نے اس کے پیچھے دوڑ لگائی۔  
فون کے ذریعہ اور والوں کو اطلاع دینے لگے کہ کرنل ووڈ  
پاگل ہو گیا ہے۔ ایسی غضب کی سردی میں لباس پھاڑ کر باہر  
آیا ہے اور ایک موٹر سائیکل پر بیٹھ کر کھینچ جا رہا ہے۔

تمام حکام اور آرمی کے افسران پریشان ہو رہے تھے

حمایت میں ہمارے خلاف کوئی کام نہیں کرنے دو گی۔"  
"میں اسے ضرور اچھی یا تمیں سمجھاؤں گی۔ تم میری  
بہتری چاہتے ہو میں بھی تمہاری بہتری کے لیے کام کرنی  
رہوں گی۔"

اسے دولت کمانے کا شوق نہیں تھا۔ وہ عیاش اور  
بر معاش لوگوں سے گھبراتی تھی۔ اس نے کامران کو دیکھا تو  
وہ کچھ عمر رسیدہ تھا لیکن معقول شخص تھا۔ اس کے سائے میں  
وہ ٹیکہ نہی سے ایک گھریلو ازہ والی زندگی گزار سکتی تھی۔  
وہ ٹیکہ نیٹی سے فیصلہ کرنے کے بعد کامران کے ساتھ  
وہاں اسکا کی آگئی تھی۔

پھر وہاں پہنچے ہی کامران سے جدا ہو گئی تھی۔ اسے  
کرنل ووڈ کے قسم سے ایک پچھلے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ پہلے  
کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ روڈنی ویلر ان کے ساتھ  
بحرموں جیسا سلوک کرے گا۔ ویسے رہائی اور رحمتی نے  
ویلر اور دیگر اعلیٰ حکام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ  
وہ کامران کے ساتھ جیسا سلوک کریں گے ویسا ہی سلوک  
ان کے ساتھ ہونا ہے گا۔

ویلر اور دیگر اکابرین دوسری صبح کامران سے سمجھوتا  
کرنے والے تھے۔ اس نے کہا۔ "سمجھوتا بعد میں ہوگا۔  
پہلے لیزا اور میرے دونوں باڈی گارڈز کو روکا گیا جائے اور  
انہیں میرے پاس پہنچایا جائے۔"

یوڈھا کرنل ووڈ لیزا کو حاصل کیے بغیر رہا نہیں کرنا  
چاہتا تھا۔ اس نے قسم دیا کہ اس کی رہائی کو ایک رات کے  
کے لیے مان دیا جائے۔ صبح ہوتے ہی اس حسینہ کو کامران کے  
پاس پہنچا دیا جائے۔ آرمی کے اعلیٰ افسر کے قسم و وعده نہیں جا  
سکتے تھا پھر ان کا یہ خیال تھا کہ لیزا کے ساتھ جو ہوگا اس سے  
کامران بے خبر رہے گا۔ ویسے بھی وہ نوگ کامران کو مختلف  
پہلوؤں سے آزار دے تھے۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے  
اور وہ کس افسر کے گھر میں پہنچائی گئی ہے؟ کرنل سستی میں  
لڑکھڑاتا ہوا بیڈروم میں آیا تو لیزا نے اسے دیکھ کر مصومیت  
سے پوچھا۔ "انگل! یہ کس کا گھر ہے؟ مجھے یہاں کیوں؟" لیزا  
گمنا ہے؟ کامران کہاں ہے؟"

وہ ایک حسینہ کے منہ سے انگل کا لفظ سنتے ہی غصے  
سے تھملا کر بولا۔ "نہ تان سنس! انگل ہوگا تیرا باپ۔ تیری تو  
اسکی کی بھی کرے رکھ دوں گا۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے دائیں بائیں نجات دہندہ  
کھڑے ہیں۔ اس نے ان لمحات میں اپنے اندر عجیب سی

اور اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟  
تھوڑی دیر بعد ہی روڈنی ویلر اور دوسرے تمام حکام  
کو اطلاع ملی کہ کرنل ووڈ کو ایک جان لیوا حادثہ پیش آیا ہے۔  
اس کی گردن کی بڑی ٹوٹ گئی ہے اور اس کی بے لباس لاش  
ایک گڑھے میں پائی گئی ہے۔

ویلر نے ایک ٹھہر ٹھہری سی لی پھر کہا۔ ”ہم نے  
یوستان سے کامران کو نہیں اپنی موت کو بلا یا ہے۔ آج ایک  
ہی دن میں یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے کہ یہ ہمارے لیے  
آئے دن عذاب بن رہا ہے گا۔“

ایک اعلیٰ حاکم نے کہا۔ ”یہ یہاں اپنے حراج کے  
مطابق رہے گا۔ ہمیں اپنے حراج کے مطابق ڈھلنے پر مجبور  
کرنا رہے گا۔ یعنی یہ رہا تو ہم اس کے تابعدار بن  
جائیں گے۔“

ایک نے کہا۔ ”ہماری بہتری اسی میں ہے کہ اس  
سے اسی لمحے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔“

یہ ایسے سوالات تھے جو خوف طاری کر رہے تھے۔  
ان سب کے دماغوں میں یہ بات تھی کہ کامران اپنے  
بے اسرار علوم کے ذریعے اس وقت بھی ان کی باتیں سن رہا  
ہے۔

ویلر نے کہا۔ ”اس سے دوستی نہیں کی جاسکتی اور دشمنی  
بھی نہیں کی جاسکتی۔ نہ وہ ہمارا تابعدار بنے گا نہ ہم اس  
کے آگے ٹھکانا گوارا کریں گے پھر کیا کیا جائے؟“

اس نے تمام اکابرین پر ایک نظر ڈالی پھر کہا۔ ”یہ  
صدیوں پرانا کالے جادو کا علم دائمی اثر نہیں رکھتا ہے۔ جادو  
کی تاریخ پر صحتاً معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اثرات ہمیشہ  
عارضی ہوتے ہیں یا پھر کسی بھی جادو کا توڑ جلد ہی ہو جاتا  
ہے۔“

اس نے کامل یقین سے کہا۔ ”میں نے کچھ نظامات  
کھینچے ہیں، آپ حضرات مسٹر ہارپر ہو کس جیسے قابل فخر سائنس  
داں کو جانتے ہیں۔ وہ سائنس داں ہیں لیکن کالے علوم کی  
بھی معلومات اور مہارت رکھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ  
سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے کالے علم کو فنا کر دیتے  
ہیں یا اسے کمزور اور بے دست و پا بنا دیتے ہیں۔“

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ”بے شک کامران نے  
یہاں آتے ہی خوف زدہ کیا ہے لیکن ہم خوف سے مرنے  
والے نہیں ہیں۔ لڑنے والے ہیں۔ مسٹر ہارپر کل صبح یہاں  
آ رہے ہیں اور وہ مستقل میرے ہاڈی گارڈ بن کر

رہیں گے۔“  
ریڈنی اور رحمانی ان کی باتیں سن رہے تھے۔ رحمانی  
نے کہا۔ ”ہم کامران کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ اس  
کے باوجود وہ خطرات سے دوچار ہوتا رہے گا۔“  
ریڈنی نے کہا۔ ”ہمیں اس کی جان کا خطرہ مول لینا  
نہیں چاہیے۔ ہم اسے جلد ہی یوستان لے آئیں گے اور  
اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھا کریں گے۔“

رحمانی نے جماعتی لیتے ہوئے کہا۔ ”ہمارے سونے  
اور آرام کرنے کا وقت ہو چکا ہے۔ یہاں سے چلو۔“

وہ دونوں سرد ناؤن کی رہائش گاہ میں آگئے۔ وہاں  
کے وقت کے مطابق رات کے دس بجے تھے اور وہ عادی  
نیرہ بچے سو جایا کرتے تھے۔ محنت و مشقت کے عادی  
تھے۔ بڑی تک و دو میں زندگی گزار رہے تھے۔ ٹھکانا نہیں  
جاتے تھے۔ ابھی ایک گھنٹے تک جاگن تھا۔ اس کے بعد نیند  
پوری کرنے والے تھے۔

انہوں نے تاہاں سے فون پر رابطہ نہیں کیا۔ یہ یقین  
تھا کہ وہ سلطانہ یا قوت اور ہلالہ کے ساتھ اچھا وقت گزار  
رہی ہوگی۔

رحمانی نے حسب معمول ای میل چیک کی تو وہاں  
ورشا کا پیغام موجود تھا۔ اس نے لکھا تھا۔ ”آج میرا جنم دن  
ہے۔ آج کے دن کنول کے پتہ (پاکیزہ) پتے پر میرا نو  
زائید وجود پایا گیا تھا اور میں ایک سوال بن گئی تھی۔ یہ سوال  
آج بھی ہے کہ کس نے مجھے پیدا کیا تھا؟ اور جو لوگ میری  
پیدائش کے ذمے دار تھے وہ تلاش بسیر کے باوجود میلوں  
دور تک نظر کیوں نہیں آئے؟“

میں کوئی عجوبہ نہیں ہوں۔ ہماری دنیا میں کتنے ہی  
سوال ہیں جنہیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کئی سوال یہ ہیں کہ وہ  
کس گھر سے پھینکے گئے تھے۔ کئی وہ آخری سانسوں تک  
سوال ہی بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان کی پیدائش کے اسباب  
اندھیرے میں ہی رہتے ہیں۔

ایسے تمام بچوں میں اور مجھ میں ایک واضح فرق ہے۔  
تمام بچوں کو دنیا والوں سے چھپا کر کسی گھڑیا پکڑا گھر میں  
پھینکا جاتا ہے۔ حفاظت کی پوٹ کو حفاظت میں ڈال دیا جاتا  
ہے۔ لیکن مجھے کنول کے مقدس پتے پر لاکر رکھ دیا گیا تھا۔  
خواہ انسانی ہاتھوں سے خواہ قدرت کی رضا سے کئی مجھے  
پاک و معصوم جبکہ پہنچایا گیا تھا۔

مگر وہ روحان نے میری اسکی پرورش کی جیسے پوجا  
کرتے رہے ہوں۔ انہوں نے یادداشت کی پوگی میں لکھا



## منیحا

معمولی صلاحیتوں سے ایسی کوئی بات معلوم کریں جس کا اشارہ تمہیں گیان دھیان سے آتما شکتی سے اور گرد و دروہان کی پونگی سے مل رہا ہے۔

رحمانی نے تحریر کے ذریعے پوچھا۔ ”اور تم نے کہا ہے کہ تم ہمارے کام آنے کے لیے دنیا میں آئی ہو۔ پلیز وضاحت کرنا کس طرح ہمارے کام آؤ گی؟“

وہ بولی۔ ”ایک انا رو دو پیار۔ ایک تاہاں اور دو دیوانے۔ یہ مسئلہ بھی حل ہونے والا نہیں ہے اور...“ اس کی تحریر ذرا ڈک گئی پھر رواں ہوئی۔ ”اور میں... صرف میں اسے حل کروں گی۔“

انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔ ”کیسے؟ نہ ہم میں سے کوئی تاہاں کی طلب سے باز آئے گا نہ تاہاں کی ایک سے محروم ہونا چاہیے گی۔“

”میں ابھی کچھ نہیں کہوں گی۔ مجھے جواب دینے کے لیے مجبور نہ کرنا۔ ذرا صبر و تحمل سے انتظار کرو۔“ پھر اس نے لکھا۔ ”تم دونوں میرے لیے دیوتا سماں ہو۔ میری پیدائش میں کوئی عیب ہے تو وہ تم ہی معلوم کر سکتے ہو۔“

رحمانی نے کہا۔ ”یہ معلوم کرنے کے لیے اجنبیت کی دیوار گرانی ہوگی۔ فاصلے مٹانے ہوں گے۔“

”میں مانتی ہوں مگر شاید فاصلے مٹ نہیں سکیں گے۔ اگر مٹ بھی گئے تو میں نظر نہیں آؤں گی۔“

یہ چونکا دینے والی بات تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر رحمانی نے پوچھا۔ ”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ نظر کیوں نہیں آؤ گی؟ کیا ہماری طرح نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہو؟“

اس نے جواب دیا۔ ”نہیں میرا وجود سب کو نظر آتا ہے اور مجھ میں قائب ہو جانے والی شکتی لگتی ہے۔ لیکن مجھے گیان حاصل ہوا ہے کہ ایک خاص مدت تک میں تم دونوں کے سامنے نہیں آسکوں گی۔ تم میری صورت تو کیا میرا سایہ بھی نہیں دکھ پاؤ گے۔“

رحمانی اور رحمانی نے پھر ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھا اور کہا۔ ”یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ شہزادی ہلالہ کا وجود بھی ہم سے چھپا ہوا ہے۔ وہ سامنے نہیں آسکتی۔ یہ بھی رُوبرُو نہیں آئے گی۔ یہ قدرتی آئینہ پھولی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔“

رحمانی نے ورشا کو ہلالہ کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھا۔ ”صرف ہم دونوں کے سامنے نہیں آسکتی یا ہلالہ کی طرح تم مردوں سے پردہ کرتی ہو؟“

رحمانی نے کہا۔ ”تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم اپنی غیر

ہے کہ میں دیوی کا اوتار ہوں اور اس آتما لوک سے آئی ہوں جہاں سے صرف دیوی اور دیوتا آتے ہیں۔

یہ گرد و دیو کا سچا گیان ہو سکتا ہے یا محض ان کی عقیدت مندی... بہر حال انہوں نے مجھے آتما شکتی کے آخری مرحلے تک پہنچا دیا ہے۔ وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ آج میں اپنے جنم دن میں انکل دل کی گہرائیوں سے یاد کر رہی ہوں۔

آج کے دن تم دونوں مسیحاؤں کو بھی یاد دلا رہی ہوں کہ اس دنیا میں کیسے آئی تھی؟ خدا اپنے خاص بندوں سے کوئی خاص کام لینے کے لیے انہیں دنیا میں بھیجتا ہے۔ گرد و دیو نے اپنی پونگی میں لکھا ہے کہ بھگوان نے مجھے بھی کسی خاص مقصد کے لیے اس سنسار میں بھیجا ہے۔ میں دین و حرم کا پرچار کر رہی ہوں۔ لیکن آج دین و حرم سے الگ مجھے ایک آتما شکتی حاصل ہوئی ہے۔

اور آتما شکتی ہے کہ ایک خاص مقصد کے لیے ہی مقدر نے مجھے تم دونوں تک پہنچایا ہے۔ میں تم دونوں کے لیے دنیا میں آئی ہوں۔“

رحمانی اس کی تحریر کو پڑھتے پڑھتے رُک گیا۔ ربانی سے بولا۔ ”یہ کیا کہہ رہی ہے؟ ہمارے لیے دنیا میں آئی ہے؟“

رحمانی نے کہا۔ ”آگے چلو۔“

اس نے آگے لکھا تھا۔ ”تم دونوں سے بیٹی (ابھی) کرتی ہوں کہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے میرے حلقہ ایسی کوئی بات معلوم کرو جس کا اشارہ مجھے گیان دھیان سے آتما شکتی سے اور گرد و دیو کی پونگی سے مل رہا ہے۔ یعنی میں کون ہوں؟ کیسے پیدا ہوئی؟ تعجب ہے کہ اپنی پیدائش کے سلسلے میں کوئی آگہی نہیں مل رہی ہے اور نہ میری آتما شکتی کام آ رہی ہے۔“

آخر میں اس نے لکھا تھا۔ ”آج رات دس بجے اپنا ای میل چیک کروں گی۔ سونے سے پہلے مجھ سے دو باتیں کر لیں۔“

دس بج چکے تھے۔ رحمانی نے فوراً رابطہ کیا۔ ”عظیم بدھا کی بیٹی کو رحمانی اور رحمانی کا سلام پہنچے۔“

اس کا جواب موصول ہوا۔ ”ایٹورنم دونوں کو بھی سلامتی دے۔ میں نے ابھی ابھی کیپوٹر اوپن کیا ہے۔“

رحمانی نے لکھا۔ ”ہماری طرف سے جنم دن کی بدھاٹی ہو۔ آج سارے سنسار میں کنول کے پتے خوشبو لٹا رہے ہوں گے انہیں کبھی تمہارے وجود کا تھکا ملا تھا۔“

رحمانی نے لکھا۔ ”تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم اپنی غیر

رحمانی نے لکھا۔ ”تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم اپنی غیر

”تمہیں اندازہ ہے کہ آتما ہستی کی تعلیم کب تک مکمل ہوگی؟“

”میرے دھیان میں یہ بات آتی ہے کہ یہ تعلیم کا آخری سال ہے۔ میں اسی سال چند مہینوں میں یا چند ہفتوں میں آتما کی گہرائیوں سے اُبھر آؤں گی۔ تب میری تپتا پوری ہوگی۔ دیویوں اور دیوتاؤں والی آتما ہستی حاصل ہوگی۔ اس وقت گرو دیوی کی یہ بات سچ ہوگی کہ میں دیوی کا اوتار ہوں۔ پھر وہی ہوگا۔“

رحمانی نے بے تابی سے کہا۔ ”خدا جانے وہ دن کب آئے گا۔ تب تک پردہ داری رہے گی۔ صرف تحریر یا آواز کے ذریعے شناسائی رہے گی۔“

”ہاں صرف یہ بات نہیں ہے کہ میں خود دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔ اپنے آپ کو دکھانے کا جذبہ بھی چھٹا ہے کہ دوسرے دیکھیں اور بیان کریں کہ قدرت کی صلاحیتوں نے مجھے کتنی خوبصورتی سے تراشا ہے؟“

”آتما ہستی حاصل کرنے کے لیے ایسا پابندی کیوں عائد کی گئی ہے کہ خود کو بھی دیکھنے سے محروم رہوں۔“

”تم نے اپنی ذات سے بے حد دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ ابھی بہت کچھ کہنے اور سننے کو رہ گیا ہے۔ بہر حال نیند بھی ضروری ہے ہم پھر بات کریں گے۔“

اس نے دوسرے دن رابطہ کرنے کا وعدہ کیا پھر رحمانی نے کپورٹ آف کر دیا۔ لیکن دونوں کے دماغ آن ہو گئے۔ اب نئی اور اچھے والی باتیں سامنے آ رہی تھیں۔

ایک تو یہی باتیں یقین اور محبت کی بات تھی کہ درشا نے آج تک اپنی صورت نہیں دیکھی تھی۔ کبھی بھول کر بھی کسی آئینے کے سامنے سے نہیں گزری تھی۔ اس نے صرف پوجا پاٹ والی محدود زندگی نہیں گزاری تھی۔ وہ کپورٹ جیسے جدید علوم کی بھی حامل تھی اور کپورٹ صرف ایک دنیا میں ہی نہیں پوری کائنات میں پہنچا دیتا ہے۔

یہ عجیب سی بات تھی کہ پوری کائنات کو دیکھنے والی نے اب تک اپنی صورت نہیں دیکھی تھی۔ یہ بات ان دونوں کے حلق سے نہیں اُتر رہی تھی۔ پھر درشا نے دونوں سے گزارش کی تھی کہ وہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے ذریعے اس کی پیدائش کا راز معلوم کریں۔ وہ جھیل کنول کے پتے پر کہاں سے آگئی تھی؟

کنول کے پاکیزہ پتے پر پہنچانے کا اشارہ یہی تھا کہ اس کا وجود پاکیزہ ہے اور وہ سچ سچ ایک دیوی کی طرح آسمان سے دھرتی پر اتاری گئی ہے۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہلالہ کی بات اور ہے۔ مجھ پر ایک نامعلوم سی قدرتی پابندی ہے کہ جب تک مجھے مکمل آتما ہستی حاصل نہ ہو تب تک میں تم دونوں کے سامنے نہ آؤں۔“

ایک نے پوچھا۔ ”صرف ہم دونوں سے پردہ کرو گی؟“

وہ بولی۔ ”ہاں... صرف آتما ہستی کی تکمیل تک...“

”ہمارے ذہن میں ایک بہت اہم سوال گونج رہا ہے۔“

”کیسا سوال...؟“

”دوسری تاہاں یعنی ہلالہ پردے میں ملی۔ تم بھی پردے میں مل رہی ہو۔ کیا تم بھی تاہاں کی ہم شکل ہو...؟“

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی۔ ”شاید تمہیں یقین نہیں آئے گا میں نے آج تک اپنی صورت نہیں دیکھی ہے۔“

انہوں نے بے چینی سے کہا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”نہیں ہو رہا ہے۔ میں نہیں جانتی میری صورت میرا ہاک نقشہ کیسا ہے؟ گرو دیو نے بچپن سے پابندی عائد کی تھی۔ آتما ہستی کا پانچہ پڑھانے سے پہلے تاکہ یہ گئی کہ جب تک مکمل ہستی حاصل نہ ہو میں آئینے کے سامنے نہ جاؤں۔ کبھی ٹھہرے ہوئے پانی میں بھی اپنا عکس نہ دیکھوں۔“

وہ تا کاٹیل یقین بات کہہ رہی تھی۔ ایسا کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا کہ کسی نے آئینہ نہ دیکھنے کی قسم کھانے کے باوجود کبھی بھول سے بھی آئینہ نہ دیکھا ہو۔

یہ تو انسانی فطرت ہے۔ انسان پہلے اپنی صورت پر عاشق ہوتا ہے۔ دنیا کی تمام صورتوں پر اپنی صورت کو ترجیح دیتا ہے پھر جوانی میں کسی دوسری صورت پر عاشق ہوتا ہے۔

وہ کہہ رہی تھی۔ ”گرو دیوی کی پوہی میں یہ لکھا ہے کہ جس دن آتما ہستی مکمل ہوگی، اس دن میں پہلی بار آئینے میں اپنی صورت دیکھوں گی پھر تم دونوں کے گرو دیو آؤں گی۔“

”کیا گرو دیو رحمان کی پوہی میں ہمارا ذکر ہے؟“

”تم دونوں کے نام نہیں لکھے ہیں صرف نجات دہندہ لکھا ہے۔ یہ چشم گوئی درج ہے کہ وہ نجات دہندہ میری زندگی میں آئیں گے۔ ان کے آنے سے ہی شاید مجھے اپنی پیدائش کا مجید معلوم ہوگا۔“

”اور ہم تمہاری زندگی میں آگئے ہیں۔“

”اسی لیے کہہ رہی ہوں تم دونوں ہی مجھے میرے بارے میں بہت کچھ بتا سکو گے۔“

میں بھی ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟“  
”میرا محبوب جس نام سے پکارے وہی میرا نام ہے۔“

”تمہارے والدین نے تمہارا کوئی تو نیم رکھا ہوگا؟“

”میرے والدین نہیں ہیں اور تمہارے بھی نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو تمہارا وہ کون ہیں؟ کہاں ہیں؟“

وہ چپ رہا۔ آج تک کسی نے ان دونوں سے نہ ولدیت پوچھی تھی نہ ہی وہ اپنا شمارہ جانتے تھے۔ اپنے شناختی کارڈز کے مطابق وہ آدم ربانی اور آدم رحمانی کہلاتے تھے۔

اور ان کے پاس اس سوال کا جواب بھی نہیں تھا کہ ربانی اور رحمانی کی حیثیت سے ان کے شناختی کاغذات کیسے بن گئے تھے؟

اور یہ عجیب سی بات تھی کہ وہ خود اپنے متعلق کبھی جنس میں جھٹکا نہیں ہوتے تھے کہ اس دنیا میں اچانک کہاں سے آگئے ہیں؟ اور کیسے آگئے ہیں؟

اس وقت بھی تیسری تاہاں نے کہا۔ ”میں تو نہیں جانتی کہ کہاں سے آئی ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہاں سے آئے ہو؟“

وہ چپ رہا۔ وہ بولی۔ ”یہ بات سب سے اہم ہے۔ یہ جاننا لازمی ہے کہ ہماری ابتدا ہماری شروعات کیا ہے؟ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟“

ان سچاؤں کی زندگی کے اس سوڑ پر ایک عجیب سی بات سامنے آئی۔ مہاتما بدھ کی بخشش جی ویشا کی شروعات بھی تم تھی۔

تیسری تاہاں بھی آکر کہہ رہی تھی کہ اس کی شروعات بھی نامعلوم ہے۔ یہ واضح ہو رہا تھا کہ آنے والی ورشا ہے۔ وہ بولا۔ ”تسلیم کرو تم ورشا ہو؟“

”ہاں میں ورشا ہوں۔“

”اور تم تاہاں کی ہم شکل ہو۔“

”عظیم برہما کی قسم، میں نہیں جانتی۔ میں نے کبھی اپنی صورت نہیں دیکھی ہے۔ یہ جانتی ہوں اس کمرے میں آئینہ نہیں ہے۔ یہاں بھی خود سے چھسکی رہوں گی۔“

”ابھی یہ معلوم ہو گیا ہے کہ تاہاں کی ہم شکل ہو۔ میں چشم دید گواہ ہوں۔“

”تمہاری گواہی مستہر ہے۔ میں یقین کرتی ہوں۔ پھر بھی آتما شکتی کی تکمیل تک آئینہ نہیں دیکھوں گی۔“

”میری زبان سے سن کر کیسا لگ رہا ہے کہ تم تاہاں

یہ ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ سوچتے سوچتے جمادی آنے لگتی ہے پھر نیند آ جاتی ہے۔ انہیں بھی معمول کے مطابق نیند آرہی تھی۔

☆☆☆

وہ بیڈ پر چاروں شانے چٹ لینا ہوا چھت کو تک رہا تھا۔ کمرے میں زیر و پاہور کی سبز خواب آور سی روشنی تھی۔

دھیما دھیما سا خواب آور ماحول پراسرار اور رومان پرور لگ رہا تھا۔ کسی کے آنے کی آہٹ ملنے والی ہو تو ماحول خود بخود رومان پرور ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں۔

وہ برسوں سے اپنے وقت پر سونے کا عادی تھا۔ دن بھر کی محنت نے اسے سلا دیا۔ یا پھر نامعلوم ہاتھوں نے اسے تھک کر نیند کی آغوش میں پہنچا دیا۔

خواب دیکھنے کے لیے سونا شرط ہے۔ وہ بھی سو گیا۔ ایسے وقت سنے گیت سناتے ہیں۔ اسے تنگنائی ہوئی

مترنم ہی آواز سنائی دی۔ ”میں آگئی ہوں۔ کیوں اس قدر روڑتے ہو کہ تھک جاتے ہو۔ نیند کے مارے آنکھیں بھی نہیں کھلتیں؟“

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ دروازے پر ہلکی ہلکی ہی جھٹک رہی تھی۔ ایک خیال ایک تھوڑا لگ رہی تھی۔

اس نے سوچا وہ آچکی ہے؟ یا محض خیال آیا ہے؟ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ دروازے سے چلتی ہوئی مل

کھاتی ہوئی کمرے کے وسط میں آئی۔ اس کے آتے ہی کمرے میں بھینی بھینی سی خوشبو پھیل گئی۔ اس نے گیروی رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ ماتھے پر مٹھی سی بند یا چمک رہی تھی۔ سونہ سنگار نہیں تھا۔ وہ زیورات اور آرائشی سامان سے خالی تھی۔ صرف ایک چولی اور ساڑھی میں اس کی سادگی

غضب ڈھارہی تھی۔ اور غضب ڈھانے کے لیے سو بات کی ایک بات یہ تھی کہ وہ تاہاں تھی... تاہاں...

خواد پہلی ہو، دوسری ہو یا تیسری ہو۔ وہ ہو، ہو تاہاں تھی۔

وہ بیڈ پر سے اتر کر اس کے روبرو ہوا۔ وہ دیکھے لہجے میں بولی۔ ”ہمارے درمیان فاصلہ ہے گا۔“

وہ بولا۔ ”ہاں جب تک اعتماد قائم نہ ہو فاصلہ رہتا ہے۔ لیکن تم کون ہو؟“

”وہی ہوں جو میری صورت کہتی ہے۔“

”یہ صورت والی اس وقت سلطانہ یا قوت کے گل

ہو؟

وہ رقص کے انداز میں گھوم کر بولی۔ "میں سزوتوں سے بھر گئی ہوں۔ میں نے نہ دیکھتے ہوئے بھی تمہاری آنکھوں سے خود کو دیکھ لیا ہے۔ مجھے درست آگئی ملی تھی۔ میں تم دونوں کا مسئلہ حل کرنے دنیا میں آئی ہوں۔"

"مجھے تو یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہیں آتا۔ اس معاملے میں بڑی عجیب گویاں ہیں۔"

وہ احتیاط سے بولی۔ "مگر ہیں جتنی بھی ہوں وہ ایک ایک کر کے کھلتی چلی جائیں گی۔"

پھر اس نے کہا۔ "میں جانتی ہوں۔"

رحمانی نے پوچھا۔ "کیا جانتی ہو؟"

وہ گہری سجدگی سے بولی۔ "یہی کہ تم جہاں سے آئے ہو میں وہیں سے تمہارا اچھا کرتی آئی ہوں۔"

وہ پھر پچھ ہوئی پھر بولی۔ "اور ہم دونوں بے شک عالم ارواح سے آئے ہیں۔"

"یعنی یہ تمہارا اندازہ ہے۔ ایک مفروضہ ہے کہ میں نے اور ربانی نے کسی ماں کی کوکھ سے جنم نہیں لیا ہے اور تم بھی پیدائش کے بتدریج مرحلوں سے گزر کر جنم آئی ہو۔ ہم تینوں پلے پلے چائے چائے اچانک زمین پر آ گئے ہیں۔"

"یہ خام خیالی یا مفروضہ نہیں ہے۔ میں جب مراقبے میں رہتی ہوں تو مجھے صاف دکھائی دیتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ایک نامعلوم ہی دنیا میں ہوں۔"

"تم مراقبے کے دوران بصارت سے نہیں بصیرت سے دیکھتی ہو پھر وہ دنیا نامعلوم ہی کیوں ہے؟ تم نے اس پاس کے ماحول کو دیکھا تو ہوگا؟"

شاید دیکھا ہوگا۔ مجھے یاد نہیں ہے۔ میں تو صرف تمہیں دیکھتی ہوں۔ اسی لیے باقی سب کچھ بھول جاتی ہوں۔ پتا نہیں یہ کسے معلوم تھا کہ ہم بھی اس موجودہ دنیا میں آئیں گے اور اپنی خواہش کے مطابق یہاں بھی ہم ساتھ رہیں گے اور کبھی جدا نہیں ہوں گے۔"

رحمانی نے کہا۔ "مجھے ایسی کوئی بات یاد نہیں ہے۔"

"اس لیے کہ تم بے وقار اور ہرجائی ہو۔ اس نامعلوم دنیا میں جسے میں عالم ارواح کہتی ہوں وہاں تم تاہاں پرفریٹ ہو گئے تھے۔ میں دعا مانگتی تھی کہ تمہارا دل تاہاں سے پھر جائے۔ پھر جیسے دعا قبول ہو گئی۔ تاہاں اس دنیا میں آنے کے لیے پیدائشی مرحلوں سے گزرنے کے لیے ایک ماں کی کوکھ میں چلی گئی۔ اس طرح وہ تم سے بھڑکی۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیسی باتیں کر رہی

ہو؟ کیا قصہ کہانی سنا رہی ہو؟"

"یہ حقیقت ہے۔ تاہاں کی روح ایک ماں کی کوکھ سے گزر کر اس دنیا میں آئی۔ تم اس کے پیچھے قدرتی طور پر پیدائش کے مراحل سے گزر کر نہیں آ سکتے تھے۔ کیونکہ میری تمہاری پیدائش غیر قدرتی ہوتی تھی اور وہ ہو چکی ہے۔ ہم انسان ہیں لیکن انسانوں سے ذرا مختلف ہیں۔ ہم نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ چشم زدن میں دنیا کے دوسرے حصے میں پہنچ جاتے ہیں اور اپنے کام نمٹا کر واپس آ جاتے ہیں۔ ارضی انسان ایک حد تک جسمانی قوت رکھتا ہے۔ ہم فولادی قوتوں کے حامل ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گئی پھر بولی۔ "یہ ہم جانتے ہیں روح کا جسم اور چہرہ نہیں ہوتا۔ کوئی پاک نقشہ نہیں ہوتا۔ وہاں ہماری تمہاری اور تاہاں کی صورتیں نہیں تھیں۔ ہم ایک دوسرے میں روحانی کشش محسوس کرتے تھے۔ یہ روحانی کشش تمہیں تاہاں کے پیچھے اور مجھے تمہارے پیچھے لے آئی ہے۔"

وہ زبردست مسکرا کر بولی۔ "یہاں آ کر آج دیکھ رہے ہو کہ میں اسی تاہاں کی ہم شکل ہوں جسے حاصل کرنے اس دنیا میں آئے ہو۔ اب بولو مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہے؟"

وہ قریب آ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوئی فرق ہوگا۔ تب بھی خدا کا شکر ادا کروں گا۔ دوسری تاہاں کا یہ وجود ہزاری ٹیک نائی بھاننا کرے گا۔ ایک انار اور دو پتھر نہیں ہوں گے۔ ہمیں اپنے اپنے نصیب کی تاہاں مل رہی ہے۔"

وہ بڑے ہنرے سے ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "میں تمہیں چھو کر محسوس کرتا چاہتا ہوں۔"

اس نے طبع کرنے والے ہاتھ کو بڑے جذب سے دیکھا پھر کہا۔ "میں تمہاری ہوں۔ میرے وجود کا ذرہ ذرہ تمہارا ہے۔ لیکن ابھی تک نہیں رہتے دو۔"

رحمانی کی نظریں سوالی ہو گئیں۔ "دھکی...؟"

وہ بولی۔ "میں جب مراقبے میں ڈوب جاتی ہوں تب مجھے آگئی ملتی ہے اور میں اس کے مطابق عمل کرتی ہوں۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگی۔ "ہمیں اس دنیا میں اپنی پیدائش کا راز معلوم کیے بغیر... ازودا جی زیمگی کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں فاصلہ رکھنا چاہیے۔ کھلی رہنے دو۔"

مجھے ہاتھ لگانے میں ناکام ہو کر پانگوں کی طرح اپنے کپڑے پھاڑ رہا تھا تب ہی میں سمجھتی تھی کہ تم اپنے جاؤ ستر سے صبری عزت بجا رہے ہو۔

ایسا کہتے وقت اس کی آنکھیں میٹک گئیں۔ وہ اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”تم عزت کے رکھوالے ہو۔ میں تمہیں سلام کرتی ہوں۔“

وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ اپنے آنسو پونچھ لو۔“

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ”اس لیے رو رہی ہوں کہ ایک کزور لڑکی ہوں۔ مجھے انوا کیا گیا۔ بازار میں بیچنے کے لیے لایا گیا۔ تم اس جہاز میں آتے تو میرا کیا بننا؟ میں اب تک دو کوڑی کی ہو چکی ہوتی۔“

”یہ سب خدا کی طرف سے ہے۔ اس مجھ کو دینے کا وسیلہ بنا کر بھیجا ہے۔ اس لیے میں شہاری حفاظت کر رہا ہوں۔“

وہ بولی۔ ”جب ہم جہاز میں تھے تو میں نے تمہاری مہربانی سے اپنے والدین کو فون پر اطمینان دلایا تھا کہ میں عزت آمو کے ساتھ محفوظ ہوں۔ وہ تمہیں دعا میں دے رہے تھے۔“

وہ پوچھ رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے وقت کیا بولنا چاہیے؟ وہ بولی۔ ”ایک بات کہوں؟“

”ہاں۔ کہو۔“

”تم ناراض ہو جاؤ گے۔“

وہ سچیدگی سے مسکرا کر بولا۔ ”گالی تو نہیں دو گی نا؟“

”بعض باتیں اتنی تکی اور کھری ہوتی ہیں کہ گالی لگتی ہیں۔“ لیزا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر سر جھکا کر کہا۔

”میں بازار میں بیچی جاتی اور لٹ جاتی۔ تم نہ بچاتے تو بوڑھا کر ل جتھے برباد کر دیتا۔ میرے حسن! میرے حافظ! ایک داشتہ بھی ٹوٹ مار کی چیز ہوتی ہے۔“

کامران کے دماغ کو پھر ایک جھٹکا لگا۔ فوراً ہی یہ سچ سمجھ میں آیا کہ وہ لیزا کو پناہ دے کر داشتہ بنانے والا ہے۔ عزت تو وہ بھی ٹوٹے گا۔ کیا حافظ دوسروں سے جان بچا کر خود جان لیتے ہیں؟ اور عزت ٹوٹنا تو جان لینے سے بڑا جرم ہے۔

وہ ایک جھٹکے سے دوسری طرف گھوم گیا۔ تیزی سے چتا ہوا بیڈروم کے دروازے پر آیا۔ پھر بولا۔ ”حالات سے زیادہ تمہاری باتوں نے تمہارا دیا ہے... جاؤ، سو جاؤ۔“

ان کے سامنے کئی سوالات تھے اور جواب ایک سوال کا بھی نہیں تھا۔ وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تاباں نے بیڈ کے سر ہانے آکر سر گھما کر اسے دیکھا پھر جھک کر اپنی پیشانی کیسے پر جھک دی۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس وقت سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید اس سے کیسے کو یوسر دیا تھا۔

ایسے وقت اذان سنائی دی۔ رحمانی نے ایک ذرا بے چینی محسوس کی پھر یکبارگی اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ بیڈ پر چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا اور دور مسجد کے مینار سے مؤذن کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ ”آؤ اپنی نماز کے لیے آؤ۔ دنیا کو بھنڈاؤ۔ آؤ اپنی بہتری کے لیے آؤ۔ بہتری وہی محبوبا ہے۔“

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں... وہ نہیں تھی۔ اس کے وجود سے پھونسنے والی خوشبو بھی کم ہو گئی تھی۔ کمر اس کے وجود سے خالی ہو گیا تھا۔

یہ کیا تماشائے؟ کیا وہ خواب میں آئی تھی؟ جیسے بھی آئی تھی۔ آکر جا چکی تھی۔ آئے بھی وہ گئے بھی وہ قسم قسم نہ مانہ ہو گیا...

وہ ٹری طرح اُٹھ گیا۔ اس کے حالات گرگت کی طرح رنگ بدل رہے تھے۔

یہ حیرت...! حالات پھر بدل گئے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو چونک گیا۔ وہ پھر آئی تھی۔ اس کے بیڈ پر تھی۔ وہ تڑپ کر آگے بڑھ کر بیڈ پر اونٹھے سے منہ کر پڑا۔ بعض اوقات گرتے پڑتے رہنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا... وہ تو نہیں تھی۔

گرگتی۔ کیسے پر گھسی ہی بند یا چک رہی تھی۔

☆☆☆

کامران کو رہائی مل گئی۔ اسے خانے کے ناک اپ سے نکال کر ایک آرام دہ رہائش گاہ میں پہنچا دیا گیا۔ وہ انت اسکاٹی کے حکام عارضی طور پر جھک گئے تھے اور جھکنے سے پہلے آئندہ اسے جھکانے رکھنے کے منصوبے بنا چکے تھے۔ وہ جلد ہی ان منصوبوں پر عمل کرنے والے تھے۔

کامران کے دونوں ہڈی گاڑا کو بھی رہائی مل چکی تھی۔ وہ بھی اسی رہائش گاہ میں آگئے تھے۔ آدھی رات سے پہلے لیزا بھی آگئی۔ اس نے کامران کو بتایا کہ بوڑھا کر ل دوڈ اس کی عزت کو کھلونا بنانے آیا تھا لیکن خود ہی تماشابن گیا تھا۔

وہ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ یز اس کے سامنے فرش پر گھٹنے تکی کر بولی۔ ”تم نے تو کمال کر دیا۔ جب وہ

نور انکھ بھون کی طرح نہیں ایک دم سے کیسے جوان ہو کر اس دنیا میں آئے ہیں؟“  
 ”ایسا کبھی نہیں ہوتا اور ایسا ہو رہا ہے تو اس کے نہیں پر وہ کوئی بات ہوگی کوئی عہد ہوگا۔“  
 ”خیرانی تو یہ ہے کہ ہم اپنے بارے میں نہ سوچتے ہیں نہ کبھی تجسس میں چلا ہوتے ہیں۔“  
 ان دونوں نے آپ دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کی نظروں میں ایک ہی سوال تھا۔

دونوں نے سر اٹھا کر جھٹ کو دیکھا۔ گویا آسمان کو دیکھا اور خاموشی سے پوچھا۔ ”یا اللہ ہم مجوہ کیوں ہیں؟“  
 رحمانی نے کہا۔ ”اب نکلتا ہے جیسے ہمارے دماغ کو لاک کر دیا گیا ہے۔ تاکہ ہم اپنی صحیح ہنسی معلوم نہ کر سکیں۔“

”کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کسی طاقت نے ہمیں عمر زدہ کر دیا ہے؟ اسی لیے اپنے بارے میں صحیح حقائق سے بے خبر رہتے ہیں۔“  
 ”اگر کسی سے عمر زدہ نہیں ہیں تو ہمیں اپنی عیادتیں کاراز معلوم کرنا چاہیے۔“

”خیریتہ یہ ہوگا کہ پہلے دوسری مصروفیات کم کریں گے۔ تب اپنے بارے میں کھوج لگا سکیں گے۔“  
 رحمانی نے کہا۔ ”سرمد ناؤن کی مصروفیات بڑی حد تک کم ہو گئی ہیں۔ ہمیں دوسری تیسری تہاں نے الجھایا ہوا ہے۔ ان الجھنوں کو تولا زنی سلجھانا ہوگا۔“

”معتظم خان، معتظم خان اور روڈنی ویٹر جیسے مخالفین سے معرکہ جاری رہے گا۔ ان لوگوں کے ساتھ بھی نہ جانے کب تک مصروف رہنا ہوگا؟“

”ہم نے کامران کو اپنا آلہ کار بنایا ہے۔ اس کی حفاظت اور سلامتی کے لیے ہمارا دھرم جانا پڑتا ہے۔ اگر اسے سرمد ناؤن لے آئیں اور اسے اپنی پناہ میں رکھیں تو ہماری مصروفیات خاصی کم ہو جائیں گی۔“

”ہاں۔ یہ قرار اور اندیشہ نہیں رہے گا کہ وہ کبھی ہماری ناطقہ میں یا ہماری غفلت سے مارا جائے گا۔“  
 ”تو پھر چلیں۔ دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟“

وہاں فی الحال کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ سب ہی سکون سے تھے۔ یہ تک دوست اور دشمن سب ہی تھوڑی دیر پہلے نیند سے بیدار ہوئے تھے۔ نہاد دھوکے کھانی کرتا رہا دم ہو رہے تھے اور یہ ثابت کر رہے تھے کہ جب تک آدمی سوتا رہتا ہے تب تک

اس نے بیڈروم میں آ کر دو واڑے کو اندر سے بند کر لیا۔ لائٹ آف کر کے بستر پر گر پڑا۔ وہ اپنی گھر والی کے ساتھ ایک سیدھی سادی سی زندگی گزارتا آیا تھا۔ اب حالات بدل رہے تھے۔ دولت اور شہرت مل رہی تھی۔ وہ سپر پاور پر حاوی ہو رہا تھا۔ اس لیے ڈراموں مستی کے لیے دل پھیلنے لگا تھا۔ مگر لیزا نے اس کی فطری شرافت کو محفوظ ڈالا تھا۔ اچانک پتھر آ کر گئے تو تکلیف ہوئی ہی ہے۔ وہ تکلیف سے کمر میں بدلتے بدلتے سو گیا۔

☆☆☆

رہانی اور رحمانی اپنے معمول کے مطابق صبح بیدار ہوئے پھر مسجد میں جا کر نماز ادا کی۔ واپسی پر رحمانی نے وہی آواز میں کہا۔ ”وہ آئی تھی۔“

رہانی نے مسک کر کہا۔ ”مجھے یقین تھا آئے گی اور میرا خیال تھا سائے گی تو پھر نہیں جائے گی۔“

وہ بولا۔ ”ہمارے نصیب سے ایک نہیں تین تہاں آئیں لیکن ان میں سے ایک بھی ہمارے نام نہیں ہو رہی ہے۔“

”تم اس کی بات کرو جو رات آئی تھی۔ وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ پھر آ کر پہلی کیوں گئی؟“

وہ بڑی خشکی سے ایک گہری سانس چھوڑتے ہوئے بولے۔ ”کیا تاؤں کیوں چلی گئی؟ پہلے یہی یقین نہیں ہو رہا ہے کہ وہ صحیح آئی تھی۔“

رہانی نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا...؟ کیا وہ پہلی رات کی طرح خواب میں آ کر گئی ہے؟“

”ہاں... سمر...“ رحمانی نے کہا پھر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر شخص کی باہر نکالی اور اس کے سینے سے گھول دی۔ اس کی ہتھیلی پر ایک گھنگنی کی بند پتھک رہی تھی۔

رہانی نے پوچھا۔ ”کیا کہنا چاہتے ہو؟“  
 ”یہ اس کے ماتھے کی بند پتھک ہے۔ جب وہ آئی تھی تو اس کی پیشانی پر پتھک رہی تھی۔ اسے میرے ہتھکے پر چھوڑ دیا ہے۔“

”یوں ثابت ہو رہا ہے کہ وہ حقیقتاً آئی تھی۔ درشنے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تہاں بھولی کھلیاں ہے۔ دیکھ لو کہ ہم بھولی کھلیوں گزر رہے ہیں۔“

وہ تھوڑی دیر تک چپ رہے۔ اپنے اپنے طور پر سوچتے رہے پھر رحمانی نے کہا۔ ”ہمارا اہم مسئلہ ولدیت کا ہے اور ہم کبھی نہیں سوچتے کہ ہمارے والدین کون ہیں؟“  
 رہانی نے کہا۔ ”ہاں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ہم

ستائیس سال کی ہے۔ میرے نواسے نواسیاں ہیں۔“  
وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”ایک اور بیٹی سترہ  
کی ہو چکی ہے۔ اسے جلد ہی سہاگن بنانا ہے۔“ اس نے  
بڑی محبت سے بڑے جذبے سے لیزا کو دیکھا بھر کہا۔  
”میری وہ بیٹی کینز فاطمہ ابھی میرے سامنے بیٹھی ہے۔“  
لیزانے چونک کر اسے دیکھا۔ کامران نے اس کے  
ہاتھ کو پیار سے تھپتھپایا۔ وہ ایک دم سے تڑپ کر وہاں سے  
اٹھی۔ پھر اس کے پاس آکر فرش پر بیٹھ کر اس کے قدموں  
سے لپٹ گئی۔ اچانک ہی دہائیں دہرا کر رونے لگی۔

وہ لڑکی جو شیطانی خواہشات کے میلے میں بچنے والی  
تھی۔ اسے اچانک عزت اور سلامتی مل رہی تھی۔ اس کی سمجھ  
میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح محافظ فرشتے کا شکر یہ ادا کرے؟  
کامران نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔ ”میں  
تمہارے آنسوؤں میں چھٹی مسرتوں کو بھردہا ہوں۔ یہ آنسو  
میرے لیے بہت اہم ہیں۔ یہ مجھے میری پیار کرنے والی  
بیوی کے پاس لے جانے والے ہیں۔“

رحمانی ایک طرف بیٹھا یہ پیار پر منظر دیکھ رہا تھا اور  
دل میں کہہ رہا تھا۔ ”جیو کامران! تم نے دل خوش کر دیا  
ہے۔“

پھر اس نے دیوار پر تحریر پیش کی۔ کامران نے اسے  
پڑھا۔ وہاں لکھا تھا۔ ”تم پر خدا کی رحمت ہو۔ تم بیوی بچوں  
کے پاس جاؤ گے اور ایک خوش حال گھریلو زندگی  
گزارو گے۔ یہ موکل ہمیشہ تمہاری بہتری چاہے گا۔“  
کامران نے آنکھیں بند کر لیں۔ بند آنکھوں کے  
پچھے خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔

☆☆☆

ربانی، روڈنی وینر کے پاس پہنچا ہوا تھا۔ وہ اپنی بیوی  
اور بچوں کے ساتھ روٹین کے مطابق ناشتا کر رہا تھا اور ان  
سے کہہ رہا تھا۔ ”کامران کا معاملہ بہت سنگین ہے۔ اس نے  
جک جک کے ذریعے مجھے اپنے ساتھ لپیٹ رکھا ہے۔ یہ  
کیسی بات ہے کہ اسے کوئی سزا دی جانی ہے تو وہ سزا مجھے  
بھی ملتی ہے۔“

بیوی نے ناگواری سے کہا۔ ”آپ اسے گولی مار  
دیں۔ قصہ ختم ہو جائے گا۔“  
”اس کے مرتے ہی تمہارا قصہ بدل جائے گا تم  
بیوی سے بیوہ کہلانے لگو گی۔“

بیٹے نے کہا۔ ”ڈیڈ! اس سے دوستی رکھیں پھر اس کی  
کمزوریوں سے ٹھیل کر اس سے نجات حاصل کریں۔“

دنیا میں امن و امان قائم رہتا ہے۔

رحمانی، کامران کی خیریت معلوم کرنے آیا۔ وہ لیزا  
کے ساتھ شہتے کی میز پر تھا۔ پُپ چاپ سر جھکانے چائے  
پی رہا تھا۔ لیزا نے کہا۔ ”کل رات مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں  
نے تمہاری عمر کا حساب کیا تھا۔ ایک طرح سے تمہیں  
بڑھاپے کا احساس دلا رہا تھا۔ تم ناراض ہو گئے ہو؟“  
وہ چائے کا ایک گھونٹ لے کر بولا۔ ”نہیں، میں  
ناراض نہیں ہوں۔“

”پھر خاموش کیوں ہوئے؟ کیوں نہیں؟“

”تمہاری کل کی باتوں نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر  
مجبور کر دیا ہے۔ میں سلیجی کی سے سوچ رہا ہوں کہ میں کیا  
ہوں...؟ یہ تو نہیں ہوں جو نظر آ رہا ہوں۔“  
وہ سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تمہیں پتا ہے؟  
میں کوئی عالم جاوڈر نہیں ہوں۔ میں جنتر منتر کچھ نہیں  
جاتا۔ میں کبھی کسی پر جاوڈر ہی نہیں سکتا۔“

وہ بے بیٹنی سے ہنستے ہوئے بولی۔ ”تم کسی پر جاوڈر  
نہیں کر سکتے۔ پھر یہ سیر پاؤر کہلانے والے حکمران تمہارے  
دباؤ میں کیوں ہیں؟ کیوں تمہیں سر پر بٹھا رہے ہیں؟“

”وہ کسی وقت اچانک گرا دیں گے۔ کسی دن یہ مجھ  
کے گلے کا کوئی موکل کوئی جاوڈر میرے پاس آتا ہے۔ وہ  
دیوار پر جو لکھتا ہے، میں اس پر عمل کر کے جاوڈر کہلانے لگتا  
ہوں۔ بہر حال میری اس بات کا کوئی یقین نہیں کرے گا۔“  
”میں تو کبھی یقین نہیں کروں گی۔“

”میں موکل کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ آئے گا تو اس  
سے کہوں گا مجھے تماشا نہ بنایا جائے۔ اگرچہ اس کی  
مہرمانوں سے لاکھوں روپے کمایا ہوں۔ آئندہ کروڑوں  
کا سکتا ہوں لیکن دنیا ہی سکون نہیں ہے۔ ہر وقت اندیشوں  
میں گھرا رہتا ہوں۔“  
”یہ تمہاری عجیب سی پریشانی سمجھ میں نہیں آ رہی  
ہے۔“

”یہ سمجھو کہ میں ایک سیدھا سادہ سانجھوی تھا۔ ایک  
محبت کرنے والی بیوی کا شوہر اور پیارے پیارے بچوں کا  
باپ۔ یہاں دولت کھاتے ہی بیوی کی محبت اور وفاداری  
بھول کر تمہیں داشتہ بنانے کا ارادہ کر لیا۔“

وہ ندامت سے بولی۔ ”میں درست بھڑھری ہوں۔  
میری کل کی بات سبھی کی ہے۔“

”ہاں کل بڑی گئی تھی۔ آج اچھی لگ رہی ہے۔ تم  
نے اپنی عمر بتائی تھی کہ اٹھارہ برس کی ہو۔ میری ایک بیٹی

ذریعہ کرنے اور اسے تاجدار بنائے رکھنے کے لیے آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں بہت پریشان ہوں۔"

ہوکس کے پیچھے دو چار پراکے بڑا سا ہنسنے لگا۔ اس پر کامران کی بڑی سی تصویر ابھر آئی۔ ہوکس نے کہا۔ "میں نے اپنی ایک ہنٹری... مشین سے معلومات حاصل کی ہیں۔ کل سے اب تک اس کے ساتھ جو ہوتا رہا وہ یہ ہے کہ..."

اسے یہاں آتے ہوئے انوا کیا گیا۔ وہ اپنے پڑے اسرار علوم سے خود کو انوا ہونے سے بچا سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ کئی گھنٹوں تک ایک مجبور اور بے بس کمزور ساقیدی بنا رہا۔ جو خطرناک اور زبردست جادوگر ہوتے ہیں وہ دشمنوں کی گرفت میں آنے کی ذلت گوارا نہیں کرتے۔ پھر وہ کاسترو کی قید سے نکل کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے بھی اس سے ہر مومن جیسا سلوک کیا۔ لیڈ اور... پلائی گارڈ کو چین لیا۔ یہاں بھی اس نے ذلت برداشت کی... کیوں کی؟

کیا وہ ان تمام لمحات میں نہ اسرار علوم سے محروم ہو گیا تھا یا وہ ہیک بیک جانتا ہی نہیں ہے...؟

میری ہنٹری... مشین نے اس کا ایک مکالمہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ "میں کچھ نہیں جانتا۔ میں کچھ نہیں کرتا۔ جو کرنا ہوتا ہے وہ میرا مؤکل کر گزرتا ہے۔"

وہ جو اردو زبان میں بولتا تھا اسے آپ سب مترجم تھے۔ اس کا ترجمہ میری مشین نے سنایا ہے۔ وہ مترجمیں پڑھتا تھا پریشان ہو کر اپنے مؤکل کو نکارتا رہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جادو ٹونے کی ایجنڈے سے بھی واقف نہیں ہے۔ جادو متر کا ایک لفظ ایک حرف بھی نہیں جانتا ہے۔"

روڈی ویلر نے شدید حیرانی سے ہار پر ہوکس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ جادو نہیں جانتا ہے...؟ اگر نہیں جانتا ہے تو کوئی مؤکل اس کا تاجدار کیسے بن گیا ہے؟"

ہوکس نے کہا۔ "اگر کوئی مؤکل اس کا تاجدار ہوتا تو معینتوں میں فوراً اس کے کام آتا۔ اسے انوا ہونے اور تمہارے درخانے کے سئل میں جانے کی زمتوں سے دو چار نہ ہونے دیتا۔"

ویلر نے پوچھا۔ "یہ کیا سما ہے؟ جب وہ پڑ اسرار علوم نہیں جانتا ہے تو کوئی مؤکل اس کی مدد کے لیے آپ ہی آپ کیوں آ جاتا ہے؟ پلیز ہمیں سمجھائیں۔"

ہوکس کے پیچھے ہنٹری پر ایک عجیب ساقت کی مشین دکھائی دی۔ وہ بولا۔ "یہ مشین ایک سچا آئینہ ہے۔ یہ جھوٹ کو ظاہر کر دیتی ہے۔ اس کے آئینے میں تمام جادو

"شاہاش! تم میرے بیٹے ہو۔ میری طرح سوچتے ہو۔ میں یہی کرنے والا ہوں۔"

وہ ناشتا کرنے کے بعد اپنے چیمبر میں آیا۔ وہاں اس کے چند مشیر موجودہ حالات پر بحث کر رہے تھے۔ اس نے پی اے کو حکم دیا کہ ہار پر ہوکس سے فون پر رابطہ کرائے۔ ایک مشیر نے کہا۔ "ہمارے سائنس دان ہار پر ہوکس کو کالے جادو پر بھی عبور حاصل ہے۔ ہمیں امید ہے وہ آتے ہی کامران کے جادو کا ایسا توڑ کریں گے کہ وہ ذمہ دہا کر یہاں سے بھاگ جائے گا۔"

دوسرے مشیر نے کہا۔ "وہ بھاگے یا مر جائے۔ ہمارے ویلر صاحب کو اس سے نجات ملنی چاہیے۔"

ویلر نے کہا۔ "میں نے بھی بہت کچھ سنا ہے۔ اس کے پاس چند ایسی مشینیں ہیں جن کے ذریعے وہ پاتال میں پیچھے جادو گروں تک پہنچ جاتا ہے۔"

مشیر نے کہا۔ "سائنس کے سامنے جادو ہتھیار ہے۔ ہار پر ہوکس آئے گا تو ہم یہ دلچسپ مشادہ دیکھیں گے کہ کس طرح سائنسی علوم کے ذریعے نہ اسرار علوم کا توڑ ہوگا۔"

اسی وقت پی اے نے انٹر کام پر کہا۔ "سر! مسٹر ویلر پر ہوکس کی کال ہے۔"

ویلر نے فوراً ہی انٹر کام کا بجن دیا۔ پھر کہا۔ "میں مسٹر ہوکس! میں بول رہا ہوں۔ آپ یہاں کب تک آئیں گے۔"

ہوکس نے کہا۔ "پلیز آپ ٹی وی آن کریں۔ ہم اسکاٹل کے ذریعے ایک دوسرے کے روبرو کر کے گفتگو کر سکیں گے۔"

ویلر نے اس کی فرمائش کے مطابق اسکاٹل پر رابطہ کیا۔ تب وہ ایک دوسرے کو روبرو دیکھنے لگے۔ ہوکس بہت ہی عمر رسیدہ تھا۔ اس نے کہا۔ "تھینکس مسٹر ویلر! میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ بھی مجھے دیکھ رہے ہیں۔ سون بھینس کہ میں دوسرے کے مطابق آپ کے پاس آ گیا ہوں۔"

"میں چاہتا ہوں آپ ہنس نہیں یہاں تشریف لائیں۔"

"معذرت چاہتا ہوں۔ میری مصروفیات اچانک ہی بڑھ گئی ہیں۔ میں اپنی یہ لیہارٹری چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ چوتھا آپ کا کام بھی میری موجودہ مصروفیات کے مطابق ہے۔ اس لیے وقت ضرورت آپ سے اسی طرح رابطہ رکھوں گا۔"

"پلیز اسی طرح رابطہ رہے۔ یہ بتائیں کامران کو



وہ قدرتی طور پر نئے اسرار علوم کے حامل ہو گئے ہیں۔“  
 ویلر نے کہا۔ ”مسٹر ہوکس! جسٹ اے سنٹ۔ آپ  
 کہتے ہیں کہ وہ دو ہیں اور کامران کی پشت پر رہ کر ہماری  
 مخالفت میں کرامات دکھا رہے ہیں۔“

”جی ہاں۔ یہ تو صاف ظاہر ہے۔ اب آپ علی سمجھ  
 سکتے ہیں کہ وہ دونوں آپ سے دشمنی کیوں کر رہے ہیں؟“  
 ”میری سمجھ میں آگیا ہے۔ وہ آدم ربانی اور آدم  
 رحمانی ہیں۔ وہ یوستان کے حکمرانوں اور ہمارے دشمن ہیں۔  
 بڑی مکاری سے کامران کو ہمارا عامل کامل بنا کر ہمیں  
 یہ قوف بناتے آرہے ہیں۔“

ہوکس نے کہا۔ ”میرا ذہن ان کی طرف نہیں گیا۔  
 جبکہ میں یہ سن چکا تھا کہ کمروں کے ذریعے ان کی تصویریں  
 اُبھری نہیں جاسکتیں۔ میری مشین میں بھی اسی لیے ان کے  
 چہرے نظر نہیں آتے کہ وہ ربانی اور رحمانی ہیں۔“

”جی ہاں، وہی ہیں۔ میں پورے یقین سے کہتا  
 ہوں۔ وہ بے نقاب ہو چکے ہیں۔ آپ تو ان کے چاندو کا  
 تو ذکر کریں۔“

”آپ بھول رہے ہیں۔ ابھی میں کہہ چکا ہوں کہ وہ  
 جو کر رہے ہیں، وہ چاندو نہیں ہے اور جب چاندو نہیں ہے تو  
 میں اس معاملے میں کیا کر سکوں گا؟ وہ کوئی اور طرح کی غیر  
 معمولی صلاحیتیں آزار ہے ہیں۔“

ہوکس۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک مشین کے پاس آیا  
 پھر اسے آپریٹ کرتے ہوئے بولا۔ ”یہ اسپیس ٹریڈر (خلا  
 نورد) مشین ہے۔ میں اس کے ذریعے ستاروں، سیاروں  
 اور خلائی مخلوقات کے بارے میں کھوج لگا رہتا ہوں۔“

وہ بڑے فخر سے بولا۔ ”مسٹر ویلر! میں بہت ہی  
 حیرت انگیز کامیابی حاصل کرنے والا ہوں۔ مجھے ایک ایسی  
 خلائی مخلوق کا سراغ مل رہا ہے جو ہم انسانوں جیسی ہے اور  
 ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ یہ وہی ہیں۔ میرے خلائی  
 کمبرے نے ایک غیر ارضی مخلوق کو پکڑ لیا ہے۔“

ہوکس نے اس مشین کی اسکرین کو آن کیا۔ ربانی اور  
 رحمانی تو راعی اس لیڈر ٹری میں پہنچ گئے جہاں ہوکس اس  
 مشین کے ذریعے ایک خلائی مخلوق کو پیش کر رہا تھا۔

اسکرین پر ایک انسانی خاکہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس  
 انسان کا چہرہ دیگر جسمانی اعضا اور لباس وغیرہ نظر نہیں  
 آ رہے تھے۔

ہوکس کہہ رہا تھا۔ ”مسٹر ویلر! توجہ سے دیکھیں۔ یہ  
 انسانی خاکہ بھی سنٹ جاتا ہے بھی پھیل جاتا ہے۔ بھی

گروں کے چہرے نظر آجاتے ہیں۔ کامران کا چہرہ نظر نہیں  
 آتا۔ اس لیے کہ وہ کوئی وجہ ڈاکٹر (چاندو گر) نہیں ہے۔  
 صرف ایک نبوی ہے۔“

ویلر نے کہا۔ ”تو پھر اصل چاندو گر اس کا مؤکل ہوگا۔  
 تمہاری اس مشین میں اس مؤکل کی تصویر نظر آنی چاہیے۔“

اصل کمال دکھانے والا ربانی وہاں بیٹھا ہوا ان کی  
 ہاتھیں من رہا تھا۔ اس نے رحمانی کو آواز دی۔ ”فوراً یہاں  
 آؤ۔ کامران کا مجھ پر حمل رہا ہے۔ میرا خیال ہے ہمارے  
 بارے میں بھی کوئی انکشاف ہونے والا ہے۔“

رحمانی نے وہاں پہنچ کر ویلر کے ٹی وی اسکرین پر  
 ہار پر ہوکس کو دیکھا، وہ کہہ رہا تھا۔ ”بے شک کامران کے  
 پاس آنے والا مؤکل ہی دراصل چاندو گر ہے۔ وہ کامران کو  
 آلہ کار بنا کر خود کو آپ لوگوں سے چھپا رہا ہے۔“

ویلر نے کہا۔ ”تجربہ ہے۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟ وہ  
 اپنے آپ کو ہم سے کیوں چھپا رہا ہے؟“

ایک مشین نے کہا۔ ”آپ کی یہ مشین چاندو گروں کو  
 بے نقاب کرتی ہے۔ کیا اس مؤکل کہلانے والے چاندو گر کا  
 چہرہ دکھا رہی ہے؟“

ہوکس نے کہا۔ ”میں کئی بار کوشش کر چکا ہوں۔ اس  
 مشین کے آئینے میں وہ انسانی خاکے اُبھرتے ہیں لیکن ان  
 کی صورت اور جسمانی اعضا نظر نہیں آتے۔“

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ ”اور وہ دو خاکے یہ  
 ظاہر کرتے ہیں کہ کامران کے پاس ایک نہیں دو مؤکل آتے  
 ہیں۔“

ربانی اور رحمانی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ رحمانی  
 نے کہا۔ ”یہ تو بڑا ہی پاکمال ساتھیس واں ہے۔ ایک مشین  
 کے ذریعے ہم تک پہنچ رہا ہے۔“

ہوکس کہہ رہا تھا۔ ”وہ دونوں مؤکل چاندو گر نہیں  
 ہیں۔ اگر ہوتے تو اس مشین کے آئینے میں ان کی صورتیں  
 نظر آ جاتیں۔“

ویلر نے کہا۔ ”آپ کی ہاتھیں الجھا رہی ہیں۔ آپ  
 کہتے ہیں کامران چاندو گر نہیں ہے پھر یہ کہتے ہیں کہ اس  
 کے دو مؤکل بھی چاندو گر نہیں ہیں۔ تو پھر کس نے مجھے کار میں  
 پھر نوائلٹ میں بند کیا تھا۔ کامران کو ہمارے آئی ریکارڈز  
 روم کی خفیہ فائلوں کے بارے میں کیسے معلومات حاصل  
 ہو جاتی ہیں؟ کیا یہ سب چاندو نہیں ہے؟“

ہوکس نے کہا۔ ”وہ دونوں چاندو گر نہیں ہیں۔ وہ جو  
 کرشمے دکھا رہے ہیں ان کا تعلق یا تو روحانیت سے ہے یا

پہلی رات تیسری تاہاں نے اپنی اور ان کی پیدائش کے سلسلے میں کئی سوالات اٹھائے تھے۔ اب ان کا جواب ایسے عجیب انداز میں مل رہا تھا کہ وہ حیران ہو رہے تھے۔ یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ خلائی انسان کی طرح اس ارضی دنیا کے باہر سے خلا کے کسی حصے سے آئے ہوں گے۔

وہ دونوں ہار پر ہو کس میں دلچسپی لینے لگے۔ انہوں نے بڑی دیر تک لیہار ٹری میں رہ کر اس کی مصروفیات کو دیکھا۔ اس کی مختلف مشینوں کی کارکردگی کو دیکھا۔ انہیں خود آپریٹ کرنا سیکھا۔ فی الحال یہی معلوم ہوا کہ ان مشینوں نے اب تک اتنا ہی بتایا ہے جتنا ہار پر ہو کس بیان کر چکا ہے۔ آئندہ توقع تھی کہ مزید حیران کن معلومات حاصل ہوتی رہیں گی۔

☆☆☆☆

ویلر اور ہو کس کے درمیان رابطہ ختم ہو گیا۔ ویلر اپنے مشینوں سے باتیں کر رہا تھا۔ ایک مشین نے کہا۔ ”کامران کی چٹکی کریں۔ وہ جہاں جانا چاہتا ہے اسے جانے دیں۔ اب آپ کو رہانی اور رحمانی سے ٹکنا ہے۔“ دوسرے مشین نے کہا۔ ”یوں نہیں آپ کامران کے پیچھے ان ہی دونوں سے ٹکنتے آ رہے تھے۔“

ویلر نے کہا۔ ”ان کی غیر معمولی صلاحیتوں نے ہمیں بے بس کر دیا ہے۔ ان سے کسی طرح سمجھنا کرنا ہوگا۔“ اس نے اپنے پی اے سے کہا۔ ”مہتمم خان کو کال کرو۔“ پی اے نے حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑی دیر بعد ہی مہتمم فون پر تھا۔ ”ہیلو سر! میں ابھی آپ کو کال کرنے ہی والا تھا۔ کیا کروں کامران کے موٹوکل نے ذرا الجھا دیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ پہلے اس سے نمٹ لوں پھر آپ کو خوش خبری سناؤں گا۔“

”وہ خوش خبری کیا ہے؟ ابھی سناؤ۔“

وہ بولا۔ ”کامران آئندہ ہمارے لیے غیر ضروری ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا موٹوکل اب مہتمم کے لیے مہمرا تا بعد از بین کر رہا چاہتا ہے۔“

ویلر نے پوچھا۔ ”وہ موٹوکل تمہارا تا بعد از کیوں بین کر رہتا چاہتا ہے؟ تا بعد از کی پیچھے کوئی تو بات ہوگی؟“

”جی ہاں۔ اس نے تا بعد از کی یہ شرط پیش کی ہے کہ میں اسے اپنا داماد بنا لوں۔“

ویلر نے ایک زوردار قبضہ لگا دیا۔ اس نے پوچھا۔ ”سر! آپ یہوں نہیں رہے ہیں؟“

”تمہاری اور اپنی عقل پر روٹا آ رہا ہے۔ اس لیے

غائب ہو جاتا ہے اور کبھی نمودار ہو جاتا ہے۔“

رہانی اور رحمانی اس مشین کے سامنے ہو کس کے دائیں بائیں کھڑے اس خاکے کو دیکھ رہے تھے۔ ویلر نے کہا۔ ”بے شک یہ ایک انسانی خاکہ ہے۔ لیکن صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔“

وہ بولا۔ ”یہ یقیناً صورت شکل والا ہوگا۔ لیکن یہ بھی رہانی اور رحمانی کی طرح کبھی سے کی گرفت میں نہیں آ رہا ہے۔“

ویلر ایک دم سے چونک کر صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر بولا۔ ”کیا وہ انسانی خاکہ رہانی اور رحمانی کی طرح ہے؟“

”ہاں۔ ان دونوں کی تصویریں بھی آج تک کوئی اُتار نہ سکا۔ میں اس کی تصویر اُتارنے میں ناکام رہا ہوں۔“

ویلر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹی وی اسکرین کے پاس آ کر اسپیس ٹریڈر مشین کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”رہانی اور رحمانی اس خلائی انسان کی طرح کیوں ہیں؟ مائی گاڈ...! کیا ان دونوں کا تعلق اس خلائی انسان سے ہے؟“

ہو کس نے اس مشین کو آپریٹ کرتے ہوئے اس خاکے کو مختلف زاویے سے دکھاتے ہوئے کہا۔ ”ان دونوں میں اور اس خلائی مخلوق میں بڑی مماثلت ہے۔ یہ کبھی سے کی گرفت میں نہیں آتا۔ وہ دونوں بھی اس خاکے کی طرح کبھی غائب ہو جاتے ہیں اور کبھی حاضر ہو جاتے ہیں۔“

”پلیز مسٹر ہو کس! کچھ اور معلوم کریں۔ ابھی تو یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ رہانی اور رحمانی اس خلائی انسان کی طرح ہیں۔ ان تینوں میں ایک جیسی غیر معمولی صلاحیتیں ہیں۔ پلیز بتائیں یہ مشین اور کیا بتا رہی ہے؟“

”فی الحال اتنی ہی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ میں تحقیق میں مصروف ہوں۔ مجھے امید ہے آئندہ بہت کچھ معلوم کر سکوں گا۔“

”آپ یہی فرصت میں معلوم کریں کہ رہانی اور رحمانی کی غیر معمولی صلاحیتوں کا توڑ کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ آئندہ ہم کس طرح اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟“

وہ ان سے بول رہا تھا۔ رہانی اور رحمانی خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ بڑی سنجیدگی سے ہو کس اور مشین کی کارکردگی کو دیکھ رہے تھے۔

وہ مشین واضح طور پر کہہ رہی تھی کہ ان دونوں کا تعلق اس خلائی مخلوق سے ہے اور وہ مخلوق جہاں کی پیداوار ہے وہاں سے ان کی پیدائش کا بھی تعلق ہوگا۔

## مسیحا

جاننا ہے۔ کوئی مؤکل اس کا تابعدار نہیں ہے۔ وہ دونوں مؤکل بن کر ہمیں دھوکا دے رہے تھے۔

”ہاں یہ میں جانتی تھی بلکہ جانتی ہوں۔“

”تم نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ کامران محض ایک بناستی جاو کر ہے؟“

”کیا آپ نے مجھے بتایا تھا کہ اس بناستی کو کس مقصد کے لیے وہ انٹ اسکائی بھیج رہے ہیں؟“

”تم میرے سیاسی معاملات سے نہ لپکتی تھی۔ نہ میں بتاتا ہوں۔“

”یہی تو آپ سے غلطی ہوئی۔ آپ بتاتے تو میں بھی آپ کو بتا دیتی۔“

”تم صاف کیوں نہیں سمجھیں کہ ربانی اور رحمانی کو اپنے باپ پر ترجیح دیتی ہو۔“

”آپ یہی بات ان الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ میں سچ کو بھولتی ہوں اور بھلائی کو برائی پر ترجیح دیتی ہوں۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تم سے سخت ناراض ہوں۔ تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔“

”لو! یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ آپ مجھے دل کی گھبراہٹوں سے چاہتے ہیں۔ اگرچہ آپ ایک ظالم خود غرض اور مفاد پرست حکمران ہیں لیکن آپ کے سینے میں صرف اور صرف ایک باپ کا دل ہے اور وہ دل صرف میرے لیے دھڑکتا ہے۔“

”اور تمہارا دل صرف ان سیمائل کے لیے دھڑکتا ہے۔“

”ان کی سچائی اور ایمان داری پر بے اختیار پیار آتا ہے۔ آپ ان کے جیسے ہو جائیں پھر کچھ بھی خوش نصیب بنیں ان سیمائل سے زیادہ آپ پر نظر کرے گی۔“

”زیادہ نہ بولو۔ میں تم سے نہیں بولوں گا۔ صرف ایک بات کہنے آیا ہوں۔ ان دونوں سے کہو ہماری فون کال اینڈ کریں۔ ہم کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔“

”ابھی کہتی ہوں۔ ایک ذرا انتظار کریں۔“

اس نے باپ سے رابطہ ختم کر کے ربانی کو کال کی۔ اس نے پوچھا۔ ”ہاں بولو شاہی گل میں خیریت سے ہو؟ ہلالہ کے ساتھ کیسے گزار رہی ہے؟“

”اچھی گزار رہی ہے۔ تم ہلالہ کو اچانک چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کا موڈ آف ہے۔ وہ بظاہر مسکرا کر مجھ سے باتیں کرتی ہے۔ مجھ سے پوچھ رہی تھی تم کب آؤ گے؟“

”تم نے کیا کہا ہے؟“

نہیں رہا ہوں۔ ربانی اور رحمانی جو ہمارے بدترین دشمن ہیں وہی کامران کے مؤکل ہیں۔ وہ ہمیں اٹو بتاتے آرہے تھے اور ہم بچنے چلے آرہے تھے۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر؟“

”وہی کہہ رہا ہوں جو اب تک ہمارے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ آدم ربانی اور آدم رحمانی نے کامران کو اپنا آلہ کار بنا کر اسے ایک بناستی عامل جاو کر بنا دیا تھا اور خود اس کے مؤکل بن کر ہمیں دھوکا دیتے رہے۔“

وہ رحمانی سے بولا۔ ”یعنی ہم کامران کے ذریعے ان کے خلاف جو کرتے رہے تھے وہ دراصل اپنے ہی خلاف کرتے آرہے تھے؟ یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”یہی ہوتا رہا ہے۔ ہم ان کے خلاف محالاً آرائی کے پہلے دن جہاں تھے وہیں آج بھی ہیں۔ وہ ہمیں سبز باغ دکھاتے رہے ہیں۔ ہمیں ایک کنویں میں ڈال کر سمندر کی سیر کراتے رہے ہیں۔ لعنت ہے کہ ہم دھوکا کھا گئے۔“

”اب آپ کیا کریں گے؟ مجھے یقین ہے آپ انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

”ان کی غیر معمولی صلاحیتیں ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گی۔ فی الحال ہم غصہ نہیں دکھا سکتے۔ انہیں چیلنج نہیں کر سکتے۔“

معتزم ہانپوس ہو کر بولا۔ ”ہاں۔ ہمارے پاس وہ ہتھیار نہیں ہیں جو ان کے پاس ہیں۔ پھر بھی جو اب کچھ کرنا ہی ہوگا۔“

”فی الحال بھگوتا کرنا ہوگا۔ تم انہیں کال کرو۔ ان سے کہو کہ ہم موجودہ حالات پر گھنگو کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں انہیں کیسے کال کروں؟ ان کے موبائل فون بھی عجیب ہیں۔ ہماری کال وہاں تک نہیں پہنچتی ہے۔“

”فون سے بھی مضبوط ذریعہ تمہارے پاس ہے۔ اپنی بیٹی سے کہو۔ وہ ہم سے رابطہ کرانے کی۔“

”ٹھیک ہے میں ابھی یہاں سے بات کرتا ہوں۔“

معتزم نے ویٹر سے رابطہ ختم کر کے تاپاں کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا۔ ”جی انو! فرمائیے؟“

وہ قدرے ناراضی سے بولا۔ ”کیا فرماؤں؟ تم ربانی اور رحمانی کے ساتھ مل کر اپنے باپ کو اٹو بنا رہی تھیں۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے؟“

”کیا تم نہیں جانتی تھیں کہ کامران بلیک بلیک نہیں

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

کہ وہ اپنی مشینوں کو کیسے آپریٹ کرتا ہے۔ جب وہ لیبارٹری سے چلا جائے گا تو ہم وہاں جائیں گے اور اس خلائی تحقیقات کرنے والی مشین کو آپریٹ کرتے ہوئے اپنے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

وہ دونوں سر جھکا کر تصور میں ان مشینوں کو دیکھنے لگے۔

☆☆☆

وہ خیالات سے چونک گئے۔ فون سے رنگ لون ابھر رہی تھی۔ رہانی نے تھی سی اسکرین کو پڑھ کر رحمانی کو دیکھا پھر کہا۔ "روڈنی ویلر ہے۔"

اس نے مین کو دیکھا پھر فون کو کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو۔ ہم آدم ربانی اور آدم رحمانی بول رہے ہیں۔" اس نے کہا۔ "میں روڈنی ویلر بول رہا ہوں۔"

"ہم جانتے ہیں۔ آگے بولو۔" وہ بولا۔ "مظلم خان اور اعظم خان کے ذریعے تم سے شناسائی رہی۔ آج پہلی بار فون پر براہ راست منگلو ہو رہی ہے۔"

وہ ذرا چپ رہا۔ رہانی نے کہا۔ "آگے بولو۔" "ہم نے مظلم اور اعظم سے تم دونوں کے متعلق جو سنا اس سے غلط فہمی پیدا ہوگئی اور ہم نے خواہ مخواہ تم سے عداوت مول لی۔ آج سے براہ راست منگلو ہوتی رہے گی تو تمام گلے شکوے اور جھگڑیں ختم ہو جائیں گی۔"

وہ پھر چپ ہوا۔ رہانی نے کہا۔ "آگے بولو؟" ویلر نے کہا۔ "ہیلو" میں جو کہہ رہا ہوں اس کا جواب سننا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری کوئی بات جواب طلب نہیں ہے۔ میں کس بات کا جواب دوں؟"

"ہم نے تم دونوں سے مخالفتیں مول لیں۔ کیا اس سلسلے میں کچھ نہیں کہو گے؟"

"بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایجنٹ کا جواب پتھر سے دے چکے ہیں۔ اسی لیے سوانی بن کر پہلی بار فون پر ہم سے بات کر رہے ہو۔ اب تک تم نے کوئی کام کی بات نہیں کی ہے۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان جو عداوتیں ہیں وہ ختم ہو جائیں۔"

"ہم نے تمہارے گھر آ کر کوئی عداوت نہیں کی۔ تم نے کی ہے۔ تم ہی ختم کرو۔"

"اسے تسلی دی ہے کہ اپنی مصروفیات سے فارغ ہوتے ہی آؤ گے۔ ابھی یہ معلوم ہوا ہے کہ کامران کا بھید کھل گیا ہے۔ اس کی پشت پر تم دونوں ظاہر ہو گئے ہو۔"

"ہاں۔ روڈنی ویلر کا ایک سائنس دان ہمارے بارے میں اور بہت سی معلومات حاصل کر رہا ہے۔ میں فرصت سے آؤں گا تو تمہیں تمام باتیں بتاؤں گا۔"

"اتو تم سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی یا روڈنی ویلر کی کال ابھی آئے گی۔ اسے اسٹینڈ کر دو کچھ وہ کہنا کہتے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ہمارے پاس فون کہاں ہے؟ ہم جھیلی کان پر رکھ کر ہائے بولو کہتے ہیں۔ ویسے میں جانتا ہوں وہ کیا کہتے والے ہیں۔ بہر حال ان سے باتیں تو کرنی ہوں گی۔"

"اچھی بات ہے۔ ابھی لفو سے کہتی ہوں۔ وہ انتظار کریں گے۔ ادھر میں تمہارا اور رہانی کا انتظار کروں گی۔ میرا خیال ہے ڈنر کے وقت آؤ گے؟"

"شاید اس سے پہلے ہی آجائیں... اچھا اللہ حافظ۔" رہانی نے کان سے ہاتھ ہٹا کر رحمانی کو آواز دی۔ "کہاں ہو؟ کیا کر رہے ہو؟"

وہ کمرے میں داخل ہو کر بولا۔ "سلسل سوچ رہا ہوں۔ ہمارا وجود ہمیں الجھا رہا ہے۔ یہی ایک سوچ حاوی ہو رہی ہے کہ ہو کس ہمیں اس خلائی انسانی خاکے سے منسوب کر رہا ہے اور بڑی حد تک درست لگ رہا ہے۔"

"ہم میں اور اس خلائی مخلوق میں دو باتیں مشترک ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی بھی تصویریں اتاری نہیں جاسکتیں۔ دنیا کا کوئی کیمرا ہماری تصویریں بھی اتار نہیں پاتا ہے اور ہماری طرح وہ خلائی مخلوق بھی بھی قابو ہو جاتی ہے بھی حاضر ہو جاتی ہے۔"

اس طرح جلد ہی یہ ثابت ہو جائے گا کہ ہم اس ارضی دنیا کے باشندے نہیں ہیں۔ وہ جو ہو کس کی مشین میں نظر آیا ہے اس کی طرح ہم کسی سیارے سے آئے ہیں۔"

رہانی نے کہا۔ "یہ سوچ کر عجیب سا لگ رہا ہے کہ ہم اس دنیا کے باشندے نہیں ہیں۔"

رحمانی نے کہا۔ "ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ہم اپنی اسی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ اسی مٹی کے حوالے سے خاکی انسان کہلائیں گے۔ ہو کس کی مشین خواہ مخواہ ہمیں بھٹکا رہی ہے۔"

رہانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہم نے دیکھا ہے"

”یہی کہ آج تکہ ورشا کی تصویر بھی اتاری نہیں گئی ہے۔ اگر اتاری جاتی تو وہ بھی بھول چوک سے اپنی صورت دیکھ ہی لیتی۔“

رہانی نے تصور میں خیالی ورشا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم نے اس پہلو سے غور نہیں کیا تھا۔ وہ بدھ مت کے پرچار کے لیے دنیا گھومتی رہی ہوگی۔ کتنی بھی کسی نے تو اس کی تصویر اتاری ہوگی۔“

”یہ دنیا ایک آئینہ خانہ ہے۔ کبھی نہ کبھی انسان کو اپنا عکس ضرور نظر آتا ہے۔“

”ذہن تسلیم نہیں کرتا کہ اس نے آج تک اپنی صورت نہیں دیکھی ہوگی۔ کیا ہماری طرح کبیرے کی آنکھ اس کی تصویر اتارنے سے بھی قاصر رہتی ہے؟“

یہ ایسا بات تھی کہ دونوں چونک کر ایک دوسرے کا منہ بچھے لگے پھر رحمانی نے کہا۔ ”ایسی کوئی بات ہوتی تو ورشا ہم سے کہتی۔ یہ ہمیں خود سمجھنا چاہیے کہ وہ آتما شکتی حاصل کرنے تک اپنی صورت نہیں دیکھی گی۔ اسی لیے کسی کو تصویر اتارنے کی بھی اجازت نہیں دی ہوگی۔“

”ایک لیکچر وکس میڈیا اور پرنٹس میڈیا کے فوٹو گرافرز اجازت کے بغیر ہی عکس کر تصویریں شائع کر دیتے ہیں۔“

”بے شک ایسا کرتے ہیں لیکن ورشا کے ساتھ ایسا ہوتا تو اس کی تصویر کبھی نہ کبھی ضرور شائع ہوتی۔“

”کیوں نا ہم ورشا سے وضاحت طلب کریں؟ چلیں دیکھتے ہیں۔ ابھی اس سے رابطہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟“

”وہ دونوں کپیوٹر کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ رحمانی نے اسے آپریٹ کیا اور اپنا پیغام لکھا۔“ کیا ابھی باتیں ہو سکتی ہیں؟“

وہ کپیوٹر کو دیکھنے لگے۔ ورشا کی طرف سے جواب موصول ہوا۔ ”میں حاضر ہوں۔ تم دونوں خیریت سے ہو؟“

رحمانی نے جواب دیا۔ ”خدا کا شکر ہے۔ ویسے ہم نے بے وقت تمہیں زحمت دی ہے۔“

وہ بولی۔ ”کوئی بات نہیں۔ جہاں اپنا عیت ہوتی ہے دل وہاں بے وقت بھی دوڑا چلا آتا ہے۔“

”ورشا! تمہاری یہ بات ذہن میں آگئی ہوئی ہے کہ تم نے آج تک اپنی صورت نہیں دیکھی ہے۔ اس سلسلے میں ایک سوال ہے کیا کبھی کسی نے تمہاری تصویر نہیں اتاری ہے؟“

اس نے جواب دیا۔ ”میں نہیں جانتی۔ اگر کسی نے اتاری ہو تو اس نے مجھے نہیں دکھائی ہے۔“

”ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ میں یہی کہہ رہا تھا کہ ہمارے درمیان روتی اور امن و امان کا معاہدہ ہو جائے۔“

”وہ تو پھر سیاسی معاہدہ ہوگا کہ بوستان ہمارا ملک ہے۔ تم ہمارے ملکی معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کرو گے۔“

”متکور ہے۔ ہم کبھی مداخلت نہیں کریں گے۔“

”تم نے اریوں روپے معظم اور اعظم کو دے کر ہمارے ملک کو مقروض بنا دیا ہے، یہ اعلان کرو گے کہ تمہارا مقروض ہمارا ملک نہیں ہے کرپٹ حکمران ہیں۔ تم وہ تمام قرضے ان کرپٹ حکمرانوں سے وصول کرو گے اور یہ اعلان کرو گے کہ آدم رہانی اور آدم رحمانی نے بوستان کو قرضوں کی لعنت سے نجات دلائی ہے۔“

وہ ہنپکھاتے ہوئے بولا۔ ”میں وہاں اسکاٹی کے اعلیٰ حکام سے مشورے کر کے جواب دوں گا۔“

”جب جواب دو گے تب آگے بات ہوگی۔ رابطہ ختم کرنے سے پہلے کہہ دوں کہ لیز اور کامران کو عزت اور سلامتی سے ان کے گھر پہنچا دو۔ ویش آئل۔“

رہانی نے فون بند کرتے ہوئے رحمانی سے کہا۔ ”اللہ نے چاہا تو ہماری سیاسی گرفت مضبوط ہوگی۔ ہم نے سرحد یا دن کو بہت ہی خوبصورت اور خوش حال لوگوں کا شہر بنایا ہے۔ یہاں بے روزگاری مہنگائی اور کرپشن نہیں ہے۔ یہ مثالی شہر اپنی زبان ہے نہ ہائی سے کہتا ہے کہ پورا ملک بوستان اسی طرح ترقی یافتہ اور خوش حال ہو سکتا ہے۔“

رحمانی نے کہا۔ ”اب روڈنی ویلر ہمارے دباؤ میں آ رہا ہے۔ وہ معظم اور اعظم کی لگام کھینچے گا۔ سیاسی حالات تبدیل ہوں گے۔ الیکشن ہوں گے تب اللہ کی مرضی سے اگلا الیکشن ہم جیتیں گے۔“

”ہمارے خوابوں کی تعبیر اور دن رات کی جدوجہد کے ثمرات تیار جلد ہی سامنے آئیں گے۔“

رحمانی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ”یہ سب تو ٹھیک ہے۔ میرے سر میں تو وہ غلائی مخلوق گھوم رہی ہے جس کی تصویر ہاربر ہوکس کی مشین بھی نہ اتار سکی۔ ہماری بھی تصویریں کوئی نہیں اتار سکتا۔ یہ کیا بھید ہے...؟“

”تم اپنے ذہن کو زیادہ نہ الجھاؤ۔“

”کیوں نہ الجھاؤں؟ یاد ہے ورشا بھی کہہ رہی تھی کہ اس نے آج تک اپنی صورت نہیں دیکھی ہے۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟“

رہانی نے پوچھا۔ ”کیا ہوا...؟“

رابطہ ختم ہو گیا۔ ربانی نے کہا۔ ”میرا دھیان اوجھ نہیں گیا تھا۔ بد بھکشوؤں کا گہوارنگ۔ ایک ہندو عورت کی ساڑھی... اور ماتھے کی بند پانچ... تم نے تو خواب میں ہی اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ درشا ہے اور تاپاں کی ہم شکل ہے۔“

”ہاں۔ وہ پہلی بار ہم دونوں کے خوابوں میں آئی پھر دوسری رات صرف میرے خواب میں آئی۔ کیا ہم واقعی خواب دیکھ رہے تھے؟ اگر دیکھ رہے تھے اور وہ خواب میں آئی تھی تو اس کی بند یا میرے کمرے میں کیسے رہ گئی؟“

”وہ کسی شک و شبہ کے بغیر آئی تھی۔ لہذا وہ آنے والی ہماری طرح غائب ہوتی ہے اور بند دروازوں سے گزر جاتی ہے۔“

ربانی حیرانی سے رحمانی کا منہ دیکھنے لگا۔ یہ ایسے حقائق تھے جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ بولا۔ ”یا خدا! کیا درشا کا تعلق بھی ہماری ارضی دنیا سے نہیں ہے؟ ہرگز ہو سکتا ہے اور یافتہ کیا ہوا خلائی انسان اور شا اور ہم دونوں ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔“

رحمانی نے کہا۔ ”درشا میں ایک اور غیر معمولی صلاحیت ہے جو ہم میں نہیں ہے اور وہ یہ کہ وہ دوسروں کو سحر زدہ کر دیتی ہے۔“

”عجب ہے۔ تم جیسے کہہ سکتے ہو کہ اس میں سحر زدہ کرنے والی صلاحیت ہے؟“

”جب وہ دو راتوں میں یہاں آئی تھی تو ہم دو راتوں کو خواب نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس نے ہم پر سحر طاری کر دیا تھا۔“

وہ قائل ہو کر سر ہلا کر بولا۔ ”ہات بکھ میں آ رہی ہے۔ جب وہ یہاں سے گئی تو ہم خواب سے نہیں جاگے تھے۔ سوتے ہی رہے تھے۔ اس نے جانے کے بعد سحر توڑ دیا تھا۔ ہمیں ایسا ہی لگا جیسے خند کے بعد آنکھ کھلی ہے۔“

”وہ ہم سے کھیل رہی ہے۔“

”یہ جھوٹ ہے کہ اس نے اب تک اپنی صورت نہیں دیکھی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ تاپاں کی ہم شکل ہے۔“

”ایک طرف تاپاں بن کر یہاں راتوں کو آ سکتی ہے۔ دوسری طرف یہ بے گلی بات کہتی ہے کہ اس نے آج تک اپنی صورت نہیں دیکھی ہے۔“

وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور سوچتے رہے پھر ایک نے کہا۔ ”ہم نظروں سے اوجھل ہو کر کہیں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن کسی عورت کی تمہائی میں نہیں جاتے۔ کیونکہ یہ اخلاق اور شرم و حیا کے متنی ہے۔“

”لیکن جھوٹے کو اس کے جھوٹ سے اور فریبی کو اس

”شاید اس لیے نہیں دکھائی ہو کہ تم آتما شکتی کی تحصیل تک خود ہی اپنی صورت دیکھنا نہیں چاہتی ہو۔“

وہ بولی۔ ”ہو سکتا ہے یہی وجہ ہو۔ ویسے میں جب بھی اپنی چار دیواری سے باہر نکلتی ہوں تو گھونگھٹ میں رہتی ہوں۔ میرا آدمے سے زیادہ چہرہ چمکاتا رہتا ہے۔“

رحمانی نے درشا کو ہار پر ہو سکر کی مشینوں کے بارے میں بتایا کہ ایک مشین کے ذریعے ایک خلائی مخلوق کا خاکہ دیکھا گیا ہے۔ خلائی تحقیقات والا طاقتور کیمرا بھی اس کی تصویر نہ اتار سکا۔ صرف خاکہ ہی اسکرین پر دکھائی دے رہا تھا۔“

رحمانی نے کہا۔ ”دنیا کا کوئی کیمرا ہماری تصویریں بھی نہیں اتار سکتا۔ ہمارے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید تم بھی ہماری طرح ہو۔ شاید کمرے کی آنکھ تمہاری تصویر اتارنے سے قاصر رہتی ہو۔“

وہ بولی۔ ”میں تو باہر گھونگھٹ میں رہتی ہوں۔ میں نے کسی کو تصویر اتارنے نہیں دیکھا۔ اگر اتاری گئی ہوگی تو تصویر میں صرف گھونگھٹ ہی دیکھنے کو ملا ہوگا۔“

”درشا! برا مت ماننا۔ میری چہرہ جس کہہ رہی ہے کہ تم پوری طرح ہم سے متعارف نہیں ہو۔ شاید اپنی کچھ ذاتی باتوں سے بھٹپا رہی ہو۔“

”میں بھلا کیا چھپاؤں گی؟ مجھ پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ کوئی دلیل ہے؟“

وہ بولا۔ ”میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو اس وقت میرے دل کی دھڑکنوں کے قریب ہے اور وہ مجھے بار بار تمہاری ہی طرف متوجہ کرتی ہے۔“

ربانی نے حیرت سے پوچھا۔ ”کیا واقعی تمہارے ساتھ ایسا کچھ ہو رہا ہے؟“

رحمانی نے کہا۔ ”ہاں۔ ابھی جیسے ہی درشانے رابطہ کیا تھا۔ مجھے یہ تہذیبی محسوس ہونے لگی تھی۔“

ربانی نے پوچھا۔ ”تمہاری دھڑکنوں کے قریب کیا ہے؟“

”اوجھ سے درشانے بھی پوچھا۔“ وہ کہہ چکی ہے۔“

رحمانی نے پوچھا۔ ”تمہارے ماتھے کی وہ سٹیجی سرخ بند یا کہاں ہے؟“

کیچوڑ کی اسکرین پر دوسری طرف کی تحریر نہیں ابھری۔ طویل خاموشی رہی۔ رحمانی نے لکھا۔ ”وہ بند یا میری چپ میں دل کی دھڑکنوں کے قریب ہے۔“

تھوڑی دیر کے بعد تحریر ابھری۔ ”مجھے شہ کر دو۔ میں ابھی کچھ بول نہیں سکوں گی۔ پھر کسی وقت رابطہ کر دوں گی۔“

ایسے کم ہونے لگی جیسے دور ہو رہی ہو اور یہی ہوا۔ وہ گم ہو گئی۔

گویا فرار ہو گئی۔ آنے والوں کا نہ استقبال کیا۔ نہ صورت دکھائی، نہ آواز سنائی۔ ایسی کیا بات تھی جس نے اسے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا؟

انہوں نے پھر تازہ دیدہ وہ گراس کی خوشبو کی سمت پرہیزگی اور اس سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے۔ وہ ایک برسے بھرے جنگل میں آبشار کے قریب تھی۔ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ تین ہی تازہ دیدہ تھے۔ کوئی کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

پھر اس کی رس بھری آواز سنائی دی۔ "تم مسلمان ہو۔ تمہیں اللہ اور رسول کا دستہ دہی ہوں۔ مجھے دیکھنے کی خدمت کرو۔ چند گھنٹے اور وہ گئے ہیں۔ میری آتما شکتی کی تپتیا کو پوری ہو جانے دو۔"

رحمانی نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوگا؟"  
"پھر میں سبک اسکی چٹان پر طولوں کی اور ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھاؤں گی۔"

"وہ...؟"  
"وہ وہ اعظم بدھا کی بنی اپنا وطن پورا کرے گی۔" انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ دونوں کی خوشبو گم ہو گئی۔ آبیٹر گھنٹا رہا تھا۔ گھنٹے پالی کے چھیننے اس چٹان تک آ رہے تھے۔ وہاں خوشبو تنہا رہی تھی۔

سلطانہ باقوت کے محل میں سرسٹیاں بھی تھیں اور مایوسیاں بھی۔ سرسٹیاں تھیں کہ وہاں تابوں ربانی اور رحمانی کا وجود تھا۔ ان کے ہم قدم سے یقین تھا کہ بدھ ہی ماں بنی کو قبیلہ زگورادرا کی شیطانی گرفت سے نجات مل جائے گی اور اس محل سے بیٹھ کے نیے کالے جادو کی لعنت ختم ہو جائے گی۔

پورے محل میں صرف ہلال مایوسی کا شکار تھی۔ باقی خوش تھے۔ ربانی اور رحمانی آنے والے تھے اور وہ ربانی کی دیوانی تھی یہ حقیقت اس کا بلیجا نوج رہی تھی کہ وہ آئے گا آ تاہاں کے ساتھ وقت گزارے گا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کبھی کبھی صل نہیں ہوتا، وہ منھیاں بچھ کر کمزری ہو گئی۔ اس کے اندر دھول تاشے بج رہے تھے۔ ہو ہو ہا ہا کی بے ڈھنگی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ ٹھہرنے لگی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جیٹھی اس کے چاروں طرف رہ گئی۔ سر ہے ہیں، وہ بھی ان کے ساتھ سستی میں رہ گئی تھی۔ وہ دروازے پر دستک کی آواز سننے ہی ٹھہرنے لگی۔ اس

کے فریب سے مات دی جا سکتی ہے۔ ابھی وہ جہاں بھی ہے۔ ہم وہاں اچانک پہنچیں گے اور اس کی اصلیت معلوم کریں گے۔"

یہ کہتے ہی وہ بیٹھے بیٹھے گم ہو گئے۔ وجود سے صدم ہو گئے۔ ایک نئے سفر پر ہوا ہو گئے۔

وہ ٹیکس جانتے تھے کہ ورث کہاں ہوگی؟ کسی انسانی آبادی میں ہوگی یا جنگل میں؟ انہوں نے صرف اس کے پاس پہنچنے کا ارادہ کیا اور پہنچ گئے۔

وہ مہاتما بدھ کے ایک بہت بڑے مجسمے کے سامنے آ گئے تھے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی کو کاٹ کر اسے بڑی مہارت سے تراش کر عظیم بدھا کی صورت بنائی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں ہر اہمراہ جنگل تھا۔ خوش نما پرندے چھپا رہے تھے۔ صاف و شفاف پہتے ہوئے چشمے کے قریب ایک مورلی کچھ بھیلے تھے ناچ رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں پہنچے تو وہ ناپتے ناپتے ٹھہر گئی۔ اس نے اپنے پر سیٹ لیے۔ ایسے شرمیلی ہو۔

وہ اُدھر دیکھ رہی تھی جہاں وہ پہنچے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ لیکن جانوروں کی ایک چونکا دینے والی جس ہوتی ہے۔ یہ سمجھ میں آ رہا تھا کہ اسی جس نے مورلی کے ناپتے ہوئے پھروں کو روک دیا تھا۔

وہاں دور تک بھٹوس مرد اور عورتیں آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن اس کا سراغ مل رہا تھا۔ اس کے جننا کی مخصوص خوشبو ان کی سانسوں کو مہکا رہی تھی۔ چٹلی کھا رہی تھی کہ وہ قریب ہی ہے۔

یہ بھید کھل گیا کہ وہ کوئی معمولی نہیں غیر معمولی لڑکی ہے اور ان کی طرح نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور وہ بھی اسیس بڑے پیر مشین کے خدائی انسان سے مماثلت رکھتی ہے۔

کہاں ہے وہ...؟  
وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ دونوں یوں اچانک ہی آ جائیں گے۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ رحمانی نے کہا۔ "تم یہاں ہو۔ میرے بولنے سے پہلے تم نے بھی ہماری موجودگی کو سمجھ لیا ہے۔"

ربانی نے کہا۔ "تم دو بار ہماری رہائش گاہ میں آ چکی ہو۔ تم نے تو ہمارے گھر آ کر ہمیں دیکھ لیا۔ ہم بھی تمہارے گھر آتے ہیں... آؤ۔ سامنے آ جاؤ۔"

جواہر کوئی صدا نہیں تھی۔ صرف اس کے بدن کی خوشبو آ کر ہنا سے لپٹ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ خوشبو



میں۔ کبھی اس کا برا نہیں چاہوں گی۔ اسے اپنی سبیلی اپنی بہن سمجھتی رہوں گی۔"

ماں نے اسے تھک کر کہا۔ "ڈرائنگ روم میں چلو اور اسے سین کی محبتیں دو۔ کم آن۔"

وہ بولی۔ "آپ چلیں۔ میں فریٹس ہو کر آتی ہوں۔"

"ربانی اور رحمانی آنے ہی والے ہیں۔ وہیں ان سے حوا بھی سیک اپ میں ہو۔ کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

وہ دوش روم چلی گئی۔ سلطان ڈرائنگ روم میں تاباں کے پاس آئی تو ربانی اور رحمانی وہاں آچکے تھے۔ انہوں نے ادب سے اٹھ کر سلطانہ کو سلام کیا۔ وہ دعا میں دیتے ہوئے

بولی۔ "میرے بچو! میں بہت پریشان ہوں۔ جلالہ وہ کہہ رہی ہے۔ یہ اس کی طرح شیطانی عمل کا توڑ کرو۔"

رحمانی نے کہا۔ "آپ کی پریشانی کہہ رہی ہے کہ وہ ابھی ایب نارن ہو گئی تھی؟"

"بات یہ ہے کہ ربانی اس کے حواس پر چھا گیا ہے۔ ان حالات میں عورت ہو یا مرد وہ رقابت سے سوچتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی رقیب کوئی سوکھ نہ آئے۔"

تاباں نے سلطانہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں سمجھ رہی ہوں۔ وہ مجھے اپنے رشتے کی رکاوٹ سمجھ رہی ہو گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں اسے بھلائی رہتی ہوں۔ چادو کا توڑ ہو جائے دو پھر سارے مسئلے پیار و محبت سے حل ہو جائیں گے۔"

وہ ربانی اور رحمانی سے بولی۔ "تم دونوں کسی بھی خاتون کی تنہائی میں چھپ کر نہیں جاتے ہو اور نہ ہی کسی محرم کے ڈھکنے چھپے خیالات پڑھتے ہو۔ مگر میں کہتی ہوں، میری بیٹی کے چور خیالات پڑھو۔"

ان دونوں نے سلطانہ یا قوت کو دیکھا، وہ بولی۔ "میری بیٹی مریضہ ہے۔ میری اجازت سے تم دونوں اس کی علاج کرنے کی خاطر چھپ کر اس کے اندر جا سکتے ہو۔ یہ سراسر نیکی ہوگی۔ تم اس کے اندر کے شیطان کو پکڑ سکو گے۔"

ربانی نے کہا۔ "آپ درست فرماتی ہیں۔ ہم چور خیالات پڑھ کر ہی شیطانی عمل اور راز کشی کو سمجھ سکتے ہیں۔"

رحمانی نے کہا۔ "آؤ آج ہم اصولوں کے خلاف چلیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔"

وہ دونوں بیٹھے بیٹھے کم ہو گئے۔ ماں نے بیٹی کے پاس جانے کی اجازت دی مگر لیکن وہ دوسرے ہی لمحے واپس آ گئے۔ پھر وہیں صوفوں پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔

نے آگے جا کر دروازہ کھولا۔ سامنے والدہ محترمہ تھیں۔ اس نے اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔ سلطانہ یا قوت نے خواب گاہ میں قدم رکھے ہی اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ بیٹی نے منہ پھیر کر بیڈ کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔ "آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔"

"نیا ہے۔" اس نے سخت لہجے میں کہا پھر اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف گھماتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے نظریں ملاؤ۔ تم نے ابھی وہ شیطانی خوراک لی ہے؟"

"میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔"

"میں نے تمہیں قسم دیا ہے۔ نہ مجھ سے چھپ سکتی ہو، نہ کوئی بات چھپ سکتی ہو۔ تم بند کمرے میں ایب نارن تھیں۔"

جلالہ بیڈ کے سر سے پر بیٹھ گئی۔ "ہاں۔ ایب نارن ہوئی تھی۔ ان مصیبتوں کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ وہ سب یا نکل اپنے رشتے دار تک رہے تھے۔"

ماں پریشان ہو کر اس کا منہ بھٹکنے لگی۔ "مام! میرے ہاتھوں میں نیرد تھا۔ میں ناچتے ناچتے نیرد کی انی کو تاباں کے سینے میں اتار دینا چاہتی تھی۔"

سلطانہ یا قوت حیرت سے بیٹی پڑی۔ "نیا! کواں کر رہی ہو؟ تم زندگی بھر اس کا احسان نہیں چکا سکو گی۔ کس منہ سے اسے مارنے کی بات کر رہی ہو؟ تمہیں شرم سے مر جانا چاہیے۔"

جلالہ نے تڑخ کر کہا۔ "اور اسے کھلی بے شرمی سے پیش کرنا چاہیے۔ کیا وہ ربانی کو میرے لیے نہیں چھوڑ سکتی، کیا ایک رحمانی سے اس کی ہوس پوری نہیں ہوتی ہے؟"

وہ بیٹی کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "پاگل ہو رہی ہو۔ کیوں اس پر کچھ اجھال رہی ہو؟ اس کا احسان مانو۔ وہ تمہاری خاطر ربانی کی طلب سے باز آ گئی ہے۔"

"مام! ربانی میرے ساتھ ان بیڈ روم ٹھہر گیا۔ اچانک مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ تاباں کی کشش نے اسے کھینچ لیا تھا۔ وہ نہیں رہے لی تو پھر وہ مجھ میں ہی تاباں کو دیکھتا رہے گا۔"

ماں نے سمجھتی سے کہا۔ "اگر تم تاباں کو ابھی سے اپنی سوکھ بھتی رہو گی تو میں آج ہی اسے بوستان جانے کا کہہ دوں گی۔ وہ جائے گی تو ربانی بھی چائے گا۔ پھر اپنے محبوب کو ایسے یہاں بلاؤ گی؟ جو بازی رفتہ رفتہ جیتنے والی ہو؟ کیا اسے حسد رقابت کے باعث ہار جانا چاہتی ہو؟"

وہ ماں سے لپٹ گئی۔ "سوری مام! میں نارن رہوںی

دونوں اپنا سر پکڑ کر رہ گئے پھر رہائی نے کہا۔ "تم نے کہا تھا میری خاطر تاہاں سے دست بردار ہو جاؤ گے۔" رحمانی نے کہا۔ "تم نے بھی یہی کہا تھا۔ آج سے وہ میرے لیے ضروری ہوئی ہے۔" "میں بھی اسے حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔" "یا خدا...! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہم ضدی ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے رقیب بن رہے ہیں۔" اس دنیا میں پہلا ل ایک عورت کے لیے ہوا تھا۔ عورت ہی کی خاطر رقابت اور عداوت شروع ہوئی تھی۔ وہ دونوں اب تک ایک دوسرے کے دوست اور جاں نثار تھے۔ اب تک جس تاہاں کو دیکھتے آئے تھے اسے ایک دوسرے کی خاطر چھوڑ سکتے تھے۔ لیکن آج جس تاہاں کو دیکھا تھا، اسے حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی بن سکتے تھے۔

دونوں کے درمیان کشش جاری تھی۔ یہی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ دونوں اٹھ کر دروازے پر آئے تو سامنے تاہاں اور ہلال کھڑی تھیں۔ وہ اچانک انہیں دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ ابھی تک ذہن بھٹک رہا تھا۔ کیا تھوڑا رات کی ستم گر لینی تھی کہ انہیں دیکھنے سے اور بہت کچھ دکھائی دینے لگا تھا۔ انہوں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "ہم ابھی آنے والے تھے۔"

رہائی نے کہا۔ "اچانک سیاسی حالات بدل گئے ہیں۔ سپر پاور ہمارے حائی ہو گئے ہیں۔ پاکستان کی حکومت گرنے والی ہے۔ ہم انشاء اللہ اپنی حکومت بنائیں گے۔" تاہاں نے پوچھا۔ "تم دونوں ہمیں نہیں دیکھ رہے ہو۔ نظریں کیوں چراتے ہو؟"

ہلال نے کہا۔ "ہماری صورت اچھی نہیں ہے تو کیا چلے جائیں؟"

رہائی نے کہا۔ "اسکی بات نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم کچھ ڈسٹرب ہو گئے ہیں۔"

"مجھے دیکھ کر؟ میری تہائی میں پھپھپ کر آئے تھے۔" دونوں نے چونک کر اسے دیکھا جیسے چور چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے ہوں۔ "آں۔ ہاں، ہاں ہاں ہم سے غلطی ہوئی۔ ہم شرمندہ ہیں۔ ہمیں معاف کر دو۔"

"میں نے رحمانی کو معاف کر دیا۔ تمہیں نہیں سروس کی۔ اپنا مقدمہ میری عدالت میں لاؤ۔ میں تہائی میں انتظار کروں گی۔"

ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ تاہاں اور سلفا نہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

رحمانی نے عداوت سے کہا۔ "ہمیں مجبور ہو کر تہائی کرنے کے لیے بھی کسی دوشیزہ کی تہائی میں نہیں جانا چاہیے۔"

بات کچھ میں آگئی۔ یہ پوچھنا مناسب نہیں تھا کہ وہاں جاتے ہی کیا دیکھا؟ کیوں فوراً ہی منہ پھیر کر چلے آئے؟

وہاں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر رحمانی نے کہا۔ "ہم تھوڑی دیر کے لیے دوسرے کمرے میں جا رہے ہیں۔ ہلال یہاں آئے گی تو ہم بھی آجائیں گے۔"

وہ دونوں اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ رہائی نے کہا۔ "اچھا ہوا ہم یہاں تہائی کے لیے آگئے۔ میری حالت عجیب سی ہو رہی ہے۔ بدن کرم ہو رہا ہے۔" رحمانی نے کہا۔ "میرا دل نے ہی طرح دھڑک رہا ہے جو دیکھا ہے، وہ آنکھوں کے سامنے سے نہیں مٹ رہا ہے۔" "وہ نظارہ میرے دماغ سے بھی نہیں مٹ رہا ہے۔" آنکھیں اب بھی دیکھ رہی ہیں۔

یا خدا...! حسین بدن ایسا ہوتا ہے؟ اسکی کشش ہوتی ہے کہ ابھی تک سچا رہی ہے اور خوش خدا ہمیں روک رہا ہے۔"

رحمانی نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے جکڑ کر کہا۔ "وہ بدن بے اختیار چھوٹنے کی دگوت دے رہا تھا۔ ایک دم سے دل جھل گیا۔ ہم تھوڑی دیر بعد جاتے تو اچھا ہوتا۔ وہ لباس لیکن سبکی ہوئی۔"

"رہائی نے کہا۔ "آج معلوم ہوا کہ عورت پردے میں حصہ ہو شر باہوتی ہے۔"

اس نے چونکا دینے والا سوال کیا۔ "رہائی! ہم نے وہاں کسے دیکھا تھا؟ ہلال کو...؟ یہ تاہاں کو...؟"

دونوں ہم شکل تھیں۔ اگرچہ ہلال نے چہرے کو ذرا تہیل کیا تھا۔ تاہم وہ ہو ہوتا ہاں تھی۔

رحمانی کے اس سوال نے دل کو دھڑکا دیا کہ انہوں نے بلا لہ کے آئینے میں اپنی تاہاں کو کھلی کتاب کی طرح دیکھا ہے۔

اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ ان لمحات میں دراصل ہلال نہیں تاہاں ان کے دل و دماغ کو دھڑکا رہی تھی۔ انہوں نے ہلکا پارٹیا پردہ اس کے حسن کو دیکھا تھا اور پاگل ہو رہے تھے۔

ہور ہاتھ جسے دیکھتے ہی جذبات میں پھیل پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اس کی کمزوری کو سمجھ لینے کے بعد اسے ہاتھ سے جانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اپنے بدن کو درد و بیماری کو مار دینا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی گڑ بڑا گیا۔

وہ نہیں تھی لیکن لبرس ہوتے ہوئے بھی نہیں تھا۔ عبا میں بدن چھب جاتا ہے۔ وہ عبا میں تھی اور عبا نے اس پر نہ تھا۔ حسن بدن کی تمام کشش باہر چھٹ رہی تھی۔ اس حریری پردے کا حاصل یہ تھا کہ کچھ چھپانے کے لیے رہا نکل تھا۔ ربانی کے دماغ کو جھٹکا لگا۔ ایسا خوبصورت شیطانی جھٹکا تھا کہ وہ چند لمحات تک نظریں نہ ہٹا سکا۔ پھر وہ فوراً ہی منہ پھیر کر جذبات سے سنبھالی ہوئی آواز میں بولا۔ ”ممہ۔ میں۔۔۔ سچ۔ جا رہا ہوں۔“ مگر وہ پیچھے سے آ کے اس سے لپٹ گئی۔

اس کے ہوش اُتر رہے تھے۔ کلن ہار حسین بدن کی رحمتیاں آ کر گم رہی تھیں۔ ایسے جادوئی انداز میں متعارف ہو رہی تھیں کہ وہ انگ ہوتا اور فرار ہونا بھول گیا تھا۔

بالآخر وہ مرحلہ تمکینا جب دونوں کی سانسیں ٹکرائیں اور لب سے بے اور لبوں کی کھیاں کھلیں تو ربانی نے اپنے لعین دہن میں اس کھٹی اور سلی وہ اکھوس سب۔ جسے شیطانی تجربے سے نکالنے آیا تھے اسی کے جال میں پھنس رہا تھا۔ وہ بلا سے پیار سے چار اڈال رہی تھی اور وہ ایسا سحر زدہ ہو رہا تھا کہ شیطانی خوراک کی طرف دھیون نہیں جا رہا تھا۔ کہیں دور سے ڈھول تاشے اور ہو ہوا ہا کی دھکی دھکی سسی آواز میں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن وہ سننے اور دیکھنے کے احساسات سے محروم ہو گیا۔ زگورارا کے جادو سے زیادہ وہ طلسمی بدن اس کے حواس پر چھین گیا تھا۔

وہ زگورارا کی جاگیر تھی۔ اس نے کہا تھا کہ سلطانہ یا قوت اس کے بستر پر نہیں آئے گی تو اس کی بیٹی کو لے آئے گا۔

اس نے ہلالہ کو پیدائش کے پہلے لمحہ سے ہی اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ کسی مرد کے سامنے جانے نہیں دیتا تھا۔ اب اتنی مدت کے بعد ربانی اس کی انانت پر ڈاکا ڈال رہا تھا۔ وہ شیطان یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک ہی ایک نیزے کی ٹوک ربانی کی پشت میں آ کر پھوست ہوئی تو وہ یکبارگی ہلالہ کے طلسم سے نکل آیا۔

پہلے وہ جہاں تھا وہاں اب نہیں تھا۔ ہلالہ کے ساتھ

وہ جواب سے بغیر جانے لگی اور ربانی نے کہا۔ ”ابھی میں ضروری معاملات سے نمٹنے جا رہا ہوں۔“

”مجھے تمام معاملات سے زیادہ ضروری سمجھو گے۔ تب ہی صاف کروں گی۔ میں بیضرورم میں جا رہی ہوں۔“ وہ بھی گئی۔ ربانی نے تاہن کو جھکی جھکی نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔ ”تم نظریں نہیں ملتا رہے ہو۔ بات کیا ہے؟“

وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ”تاہن۔۔۔ میں آج ہی تم سے نکاح پر حواہن چاہتا ہوں۔“

رحمانی نے ترخ سے کہا۔ ”تاہن سے میرا نکاح ہو گا۔ اپنی زبان سے نہ پھر دو۔ تم نے تاہن کو میری خاطر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔“

”لیکن تم نے بھی میری خاطر یہی فیصلہ کیا تھا۔“ ”تب کی بات اور تھی۔ اب کی بات اور ہے اور تم سمجھ رہے ہو کہ ہم دونوں کے ارادے اور فیصلے یوں بدل گئے ہیں؟“

تاہن نے پوچھا۔ ”کیوں بدل گئے ہیں؟“ وہ دونوں جواب نہ دے سکے۔ بات ہی اسکی تھی۔ رحمانی نے کہا۔ ”ربانی۔۔۔ اور اپنے بیضرورم میں انتظار کر رہی ہے۔ سمجھیں جانا ہی ہو گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ایب پارت ہو جائے۔“

وہ چاہتا نہیں چاہتا تھا لیکن ہلالہ کو تاراض کرتا تو وہ اپنا علاج نہ کرانی۔ شیطانی عمل کے خلاف اس سے تعاون نہ کرتی۔ اس نے کہا۔ ”میں ہلالہ کے پاس جا رہا ہوں لیکن ہم تینوں کو آج یا کل تک ایک آخری فیصلہ کر لینا چاہیے۔“ تاہن نے کہا۔ ”آخری فیصلہ آسان نہیں ہے۔ تم دونوں میں سے جب تک کوئی ایک دوسری کو مستلک نہیں بنائے گا۔ جب تک تم میں سے کسی ایک کو قبول کر کے دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گی۔“

وہ اپنا فیصلہ سنا کر سلطانہ یا قوت کے پاس چلی گئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ رحمانی نے کہا۔ ”میں اپنے ذاتی معاملات میں الجھ کر یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم ملک بوستان کی تقدیر بد بنے آئے ہیں۔ اللہ کی کرم نوازی سے کامیاب ہو رہے ہیں۔ ایسے فرانس کی اولادگی میں ایک ذرا کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ میں وہانت اسکائی جا رہا ہوں۔ تم ہلالہ سے مل کر وہاں آؤ۔“

ربانی پر ایٹان ہو کر سوچ رہا تھا کہ ہلالہ کے پاس کیسے جائے؟ اس کی تنہائی میں جاتے ہی وہ گزرا ہوا جلوہ نمایاں

میں ہانسیں ڈال دیں۔ ربانی نے کہا۔ ”ہلال! ہوش میں آؤ۔ اس سے دور رہو۔“

کلونے زنگورارا نے جیتے ہوئے سفید ہاتھوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔ ”مرد کا بچہ ہے تو اسے مجھ سے الگ کر دے۔“

ربانی نے ان کے قریب آ کر کہا۔ ”ہلال! اسے چھوڑو۔ میرے پاس آؤ۔ میں اسے جہنم میں پہنچا کر تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔“

وہ جیسے اس کی آواز نہیں سن رہی تھی۔ زنگورارا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے حملہ کیا۔ وہ ہاتھ بھی ٹرفت میں آ گیا پھر دونوں زورا آزمانے لگے۔

زنگورارا نے اپنی کمر سے گن نکال کر اس کا نشانہ بنا پھر گولی چلائی۔ ایک کے بعد دوسری پھر تیسری چوگی گولیاں چلا تا گیا لیکن ایک بھی گولی اسے نہیں لگ رہی تھی۔ سب ادھر ادھر جا رہی تھیں۔ پھر کئی جیشی موٹے موٹے ڈنڈے لے کر آگے اڈاس کے سر پر مارنے لگے۔

کمزوری پھر حاوی ہو گئی تھی۔ اس کا سر اور چہرہ لمبو میں تر ہو چکا تھا۔ وہ چل کر گر پڑا۔ اس شہرور کو زخمی میں پہلی بار معلوم ہوا کہ کمزوری کیا ہوتی ہے۔ اس پر نیم بے ہوشی حاوی ہوئی تھی۔ وہ زمین سے اٹھنے کے قابل نہیں رہا۔ دشمن نے ہلال کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر ایک کانچ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ”اسے مار ڈالو یہ زندہ نہ رہے۔ میری امانت کو ہاتھ لگاؤ۔“ دیکھو میری جان! کس طرح میں نے تمہیں حاصل کر لیا ہے۔ چلو میں برس کا قرضہ وصول کرو۔“

ربانی پھر ہوش میں آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ رہا تھا۔ کلام پاک کی آیتیں پڑھتا چاہتا تھا لیکن سمجھن اور شیطانی رمال نے اسے تاپاک کر دیا تھا۔ منہ کی غلاتوں کے باعث نہ تلاوت کر سکتا تھا، نہ سجدہ کر سکتا تھا۔ ایسے ہی حالات میں شیطان خبہ حاصل کرتا ہے۔

ہلا ہلا ہلا

سلطانہ باقوت پریشان ہو گئی۔ اس نے تیزی سے ڈرائنگ روم میں آ کر کہا۔ ”ہلال! خواب گاہ میں نہیں ہے۔ میں نے پورے گل میں دیکھا ہے۔“

تاہاں اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”وہ کہاں جائے گی؟ ربانی اس کے پاس گئے تھے۔ شاید وہ جا چکے ہیں۔“

اس نے فوراً ہی ان کے عجیب ڈاؤن ہون سے رابطہ

شیطان کے مجھے کے نیچے چاروں شانے چت پڑا تھا اور اس مجھے کے منہ سے رال نکلتی ہوئی اس پر اور تاہاں کے منہ پر آ رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف رقص کرنے والے جیشی نیزے اچھا لہ رہے تھے۔

ربانی نے ہوش میں آتے ہی کروٹ بدلی تاکہ شیطانی رمال منہ پر نہ آئے۔ جیشی آہلی تھی، اسے ٹھوک رہا تھا۔ اسے اندر سے لکالنے کے لیے تے کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ لیکن وہ نہیں نکل رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جیتے میں آچکا تھا۔

ہلال بے حس و حرکت جیشی ہوئی رال کے نیچے پڑی تھی۔ ربانی نے اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ ایسے ہی وقت ایک نیزے کی انی اس کے بازو میں آ کر قفس کٹی۔ شیطان کے پجاری نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔ ”یہ ہمارے سردار زنگورارا کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ تو نے اسے ہاتھ لگا یا ہے۔ تیرے ہاتھ پاؤں کو کاٹ کر قتل کووں کو کھلایا جائے گا۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت سر چلار رہا تھا۔ شیطانی سمجھن اور ٹیکنے والی رال اس کے اندر تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے جادوئی اثر سے کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ پجاری نے حکم دیا۔ ”اسے پکڑ کر شیطان کے آگے جھکاؤ اور اس کی گردن بڑاؤ۔“

کئی جیشی اسے پکڑنے کے لیے آئے۔ وہ ایسا بھی کمزور نہیں تھا کہ آسانی سے گرفت میں آجے۔ نیزے اسے زخمی نہیں کر رہے تھے، وہ قریب آنے والوں کی پٹائی کرنے لگا۔ جو اس کے قریب آ رہا تھا، اس کے ہاتھ اور اس کی اٹھن کھا کر رہا تھا۔

وہ پہلے جیسا پریمن نہیں رہا تھا۔ مشینی انداز میں ہاتھ پاؤں نہیں چل رہے تھے۔ اس کے باوجود درجنوں نیزہ بردار مار کھا کر اٹھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ دوسرے جیشی پیچھے ہٹ رہے تھے۔

ایسے وقت گھنٹیاں بجنے لگیں۔ زنگورارا آ رہا تھا۔ کئی حواری اس کے پاس آئے اور گھنٹیاں بجا رہے تھے۔

اس نے ربانی سے پوچھا۔ ”اسے کون ہے رہے تو؟ بڑی جیوری سے میرے آدمیوں کو کھانک کر رہا ہے؟“

پھر اس نے زمین پر لیٹی ہوئی ہلال کو دیکھا۔ وہ زنگورارا کو دیکھ کر کھڑی ہوئی۔ سحر زدہ تھی۔ شیطانی سمجھن اس کی رگ رگ میں پہنچا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھیں پھیلا کر زنگورارا کے پاس آئی پھر اس کے سینے سے لگ کر گردن

شروع کر دے۔ کسی بھی کالے جادو کے ذریعے سے ابھی اسے گل میں پہنچا دے۔“  
اس کی گردن جیسے آہنی ٹکڑے میں کسی ہوئی تھی۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیختے ہوئے بولا۔ ”پڑھتا ہوں۔ ابھی پڑھ رہا ہوں۔ گردن چھوڑو۔ مجھے مستروں کا چاب کرنے دو۔“

رحمانی نے چھوڑ دیا۔ وہ جلدی جلدی سانسیں نیتے ہوئے پڑھنے لگا۔ زنگورارا کیوں لگ رہا تھا کہ سینے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اپنی زبان میں زہر لپ بچھ کر رہا تھا۔

وہ اس کے زخمی سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا تو گویا وہ پیاز تلے آگیا۔ ایک کے بعد دوسری سانس نہ لے سکا۔ ایک جھٹکا کھا کر بے دم ہو گیا۔

اس کا دم نکلتے ہی ہلالہ کے ساتھ کالے جادو کا تعلق ٹوٹ گیا۔ بیماری کے ستر نے بھی کام لیا۔ وہ یکفوت وہاں سے غائب ہو گئی۔ رحمانی نے محل میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ اپنی خوب گاہ میں بیڈ پر پڑی تھی۔ اس کا منہ چہرہ اور گردن غلاعت سے آلودہ تھے۔ وہ رک رک کر جھٹکے کھاتی ہوئی سانسیں نہ رہی تھی۔

رحمانی نے ڈارنگ روم میں جا کر تاپاں اور سلطانیہ یاقوت سے کہا۔ ”بندر روم میں جائیں۔ ہلالہ کو سنبھالیں۔ بڑی سنگین پھونپھون ہے۔ میں رہائی کے پاس جا رہا ہوں۔“  
رہائی شیطانی مجسمے کے ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اب کوئی اس پر حملے کرنے والا دشمن نہیں رہا تھا۔ وہ ایک بڑے سے بچنے سے پانی نکال کر منہ میں جانے والی غلاعت کو دھور ہا تھا۔

شیطان کا صہ بیماری ریخت ہو کا بیج سے باہر آیا۔ وہ بیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بیج کر بون رہا تھا۔ ”اسے ہمارے سبب شیطان! ہمارا زنگورارا مارا گیا ہے۔ ہم بے آسرا ہو گئے ہیں۔ ہماری مدد فرما۔“

یہ خبر سنتے ہی تمام جمعی نیز سے پھینک کر رونے لگے۔ رحمانی نے رہائی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”آہیں پڑھو۔“  
”نا پاک زبان سے پیسے پڑھوں۔“

”روح ناپاک نہیں ہوتی۔ ایمان والوں کا دل سدا پاک رہتا ہے۔ دل ہی دل میں پڑھو۔“

رہائی دل میں پڑھنے لگا اور اگلے لگا۔ اس سے پڑھا نہیں جا رہا تھا۔ رحمانی نے کہا۔ ”میں دیکھ رہا ہوں، تم کمزور ہونے کے باوجود ان لوگوں کو جہنم میں پہنچاتے رہے ہو۔

کہنا پھر دیکھا۔ نکل نہیں جا رہی تھی۔ آواز ڈرا سی ابھر کر بند ہو گئی تھی۔ اس نے رحمانی سے رابطہ کیا پھر پریشانی ظاہر کی۔ ”ہلالہ گل سے قاسب ہو گئی ہے۔ رہائی سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ کوئی گزب ہو رہی ہے۔ فوراً ان کی خبر لو۔ وہ کہاں کم ہو گئے ہیں؟“

رحمانی دوسرے ہی لمحے میں رہائی کے پاس پہنچ گیا۔ اپنے دوست کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ اپنے لبوں میں ڈوبا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ اس نے رحمانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہلالہ کو پہنچاؤ۔ وہ اس کا بیج میں ہے۔“

کامیج کے اندر ہلالہ سو گئی گھاس کی بیج پر پڑی تھی۔ زنگورارا اسے بے لباس کرنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت اس پر دورہ پڑا تھا۔ وہ ابکائیاں نے رہی تھی۔ وہ شیطانی دوا میں اس کے منہ سے خارج ہو رہی تھی۔ زنگورارا نے بیماری کو جلا کر پوچھا۔ ”یہ اچانک اسے کیا ہو رہا ہے؟ اسے ٹھیک کرو۔ اس کی ماں میرے ہاتھوں میں آکر کھیل گئی تھی۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔“

بیماری نے کہا۔ ”ذرا صبر کرو۔ میں ستر پڑھتا ہوں۔ یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔“

وہ ہلالہ کے سر ہانے آکر دونوں ہاتھ اٹھا کر ستر پڑھنے لگا۔ اسی وقت اس کے منہ پر ایک زور کا ہاتھ پڑا۔ سامنے کے دانت ٹوٹ گئے۔ منہ سے خون اٹھ پڑا۔ وہ زمین پر گر کر رہنے لگا۔

رحمانی نظر نہیں آ رہا تھا۔ زنگورارا نے بیماری سے پوچھا۔ ”اسے تجھے کیا ہوا ہے؟“  
وہ بونے کے قابل نہیں رہا تھا، منہ ٹوٹ چکا تھا۔ رحمانی نے ہلالہ کے پاس آکر پوچھا۔ ”یہ تمہارے منہ سے کیسی غلاظتیں نکل رہی ہیں؟ خود کو سنبھالو۔ میں ابھی تمہیں گل میں لے جاؤں گا۔“

زنگورارا حیرانی سے خلا میں گھومتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”یہ کون بون رہا ہے؟ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔“

رحمانی نے اچھل کر اس کے سینے پر لات دہری۔ وہ ہاتھی جیسا ڈیل ڈول رکھنے کے باوجود لات کھا کر پچھے گیا۔ سینے پر جیسے سون کا پتھر آکر لگا تھا۔ سانس رکتی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ اس کے حلق سے گراہیں نکلنے لگیں۔

بیماری سنبھل رہا تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب وہ نونے ہوئے منہ سے ایک ایک کر ستر پڑھ رہا تھا۔ رحمانی نے اس کی گردن کو دو بوج کر کہا۔ ”تو نے ہلالہ کو یہاں لڑنے کا جو ستر پڑھا تھا، ویسا ہی اسے گل میں پہنچانے کا ستر پڑھنا

## مسیحا

ہے کہ ہم تم سے دشمنی کریں گے۔ فی الحالیہ ہوگا کہ سواتیوں کو حکومت کر جائے گی۔ جلد ہی انتخابات ہوں گے۔ تمہارے مقابلے میں رہائی اور رحمانی ہوں گے۔ وہ سیاسی جھنڈے نہیں جانتے۔ بوستان کے تمام حصوں میں تمہارا... دولت بینک بہت زیادہ ہے۔ سیاسی چابلیں چلو۔ ہم سے شکایتیں نہ کرو۔“

روڈی و دیگر حالات سے مجبور ہو کر ان دونوں سے سمجھوتا کر رہا تھا۔ وہ ان کی غیر معمولی جادوئی صلاحیتوں کے باعث کامران سے بندھ گیا تھا۔ اس فوجی کو قید کیا جاتا تھا تو دیگر بھی کسی کار میں یا کسی کمرے میں قید کیا جاتا تھا۔ کامران کو جو تکلیف پہنچائی جاتی تھی۔ وہی تکلیف دیگر کو پہنچتی تھی۔

رہائی اور رحمانی سے سمجھوتا کرتے ہی اسے عارضی طور پر نجات مل گئی تھی۔ ایسے وقت سائنس دان ہو گئے اپنی ایک مشین کے ذریعے انکشاف کیا کہ رہائی اور رحمانی زمین کی حقوق نہیں ہیں۔ شاید کسی ستارے سے آئے ہیں۔

مشین کی اسکرین نے دکھایا تھا کہ آسمان کی بندہ یوں سے مختلف اوقات میں تین ستارے ٹوٹ کر زمین پر آتے تھے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بھیجی بھی آسمان سے ٹوٹنے والے ستارے زمین کی طرف آتے ہیں اور آتے آتے تحلیل ہو جاتے ہیں لیکن وہ تین ستارے تحلیل ہو کر گم نہیں ہوئے تھے۔ جسم ہو گئے تھے۔

رہائی اور رحمانی کے علاوہ ایک اور ستارہ مجسم ہو کر اسکرین پر نظر آتا رہتا تھا پھر جھک دکھا کر گم ہو جاتا تھا۔ ہو گئے کہا۔ ”یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ تیسرا ستارہ یا تیسری ہستی خود کو ظاہر کیوں نہیں کر رہی ہے؟ میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ اس ستارے سے کسی طرح رابطہ ہو جائے۔ وہ خود کو ظاہر نہ کرے تو کم از کم اپنی آواز ہی سنائے۔“

رہائی اور رحمانی کے دماغوں میں بھی یہ بات آ رہی تھی کہ اسکرین پر نظر آنے والا خاکہ ان کا مخالف نہ ہو۔ وہ اس ارضی دنیا میں آ گیا ہے۔ ان کی طرح کسی کیمبرے اور مشین کی گرفت میں نہیں آ رہا ہے۔ وہ دونوں زمین پر آ کر نہیں چھپ رہے ہیں لیکن وہ چھپ رہا ہے۔ کیوں پراسرار بن رہا ہے؟

جب ہو کس سونے کے لیے گیا تھا تب وہ دونوں اس کی تجربہ گاہ میں آ گئے تھے۔ مشین کو آن کر کے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

چلو اس شیطانی مجسمے کو گراؤ۔ آج ان کا قصہ تمام کر رہی دو۔“  
رہائی نے زمین پر ریٹنے والے پجاری کو دونوں ہاتھوں میں اٹھایا۔ اسے سر سے بلند کیا پھر اسے شیطان کے سامنے پھینک دیا۔ رحمانی نے دوڑ گاتے ہوئے اچھل کر شیطان کو نانت ماری۔ اس کی ایک ہانگ ٹوٹ گئی۔ دوسری لڑائی تک رہائی نے لگائی۔ دوسری ہانگ کے ٹوٹنے ہی وہ تہ آور شیطان اوندھے میں گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ پجاری سمیت کتنے ہی جیشی اس کے نیچے دب کر مر گئے۔ خوفناک گئے وہ بھاگتے چلے گئے۔ کاٹا جاوہ وہاں سے ہمیشہ کے لیے فنا ہو گیا۔

وہ دونوں محل میں آ گئے۔ رہائی پاک و صاف ہونے کے لیے ہاتھ روہ میں چلا گیا۔ ہلالہ کی حانت تشریش ناک تھی۔ معروف اور تجربہ کار ڈاکٹر علاج کرنے آ گئے تھے۔

تاہاں اور سلطانہ یا قوت اس کے سر ہانے کڑی آتیں پڑھ رہی تھیں۔ رحمانی اسے مایوس ہو کر دیکھ رہا تھا۔ ٹیڈو وہ اس کے حلق میں پھنس ہوئی تھی اور اسے سانس لینے سے روک رہی تھی۔

آخر سانس رک ہی گئی۔ ماں روٹی ہوئی دھاڑیں مارتے ہوئے بیٹی سے لپٹ گئی۔ وہ ماں اس کی پیدائش کے پہلے لمبے سے اس کی سلامتی کے لیے دن رات ایک کرتی رہی۔ لیکن سلامتی کسے ہے؟ کسی کو نہیں...  
☆☆☆

وہ ہلالہ کی تدفین ہونے تک سلطانہ یا قوت کے ساتھ رہے۔ دنیا کی ہر غم زدہ ماں صبر کر لیتی ہے، اسے بھی رختہ رختہ صبر آ جاتا۔ وہ تینوں اس کے محل سے آ گئے۔

شیطان کو مارو تو وہ بظاہر مرتا ہے لیکن اپنی باقیات چھوڑ جاتا ہے۔ ہلالہ ان دونوں کے دماغوں میں اپنے بدن کے بے پاک نظارے چھوڑ گئی تھی۔ وہ ہوشربا نظارے ان کے ذہنوں میں چھپ گئے تھے۔

فی الحالیہ سیاسی مصروفیات اہم ہو گئی تھیں۔ سپر پاور و باعث اہلکائی سے سمجھوتا ہو رہا تھا۔ معظّم خان اور اعظم خان کی حکومت کرنے والی تھی۔ آئندہ انکیشن میں وہ دونوں بڑی آسانی سے کامیاب ہو کر اقتدار حاصل کر سکتے تھے۔

وہ بوستان کو ایک خوبصورت مٹائی لک بتانے کے سلسلے میں معروف ہو گئے۔ معظّم خان نے دیگر سے شکایت کی۔ ”کیا آپ ان دونوں سے دوستی کر رہے ہیں۔ کیا ہمیں اقتدار سے محروم کرنے والے ہیں؟“

وہ نے کہا۔ ”ان سے دوستی کرنے کا مطلب یہ نہیں

جاسوسی ڈائجسٹ [113] جون 2015ء

Scanned By Amir

دنیا میں کہاں سے آئی ہے؟“  
 ”یہ راز کھل رہا ہے کہ ہم تینوں ارضی باشندے نہیں  
 ہیں۔ خلا کے کسی حصے سے آئے ہیں۔“  
 رحمانی نے کہا۔ ”میں گھٹنے گزر گئے۔ ورثا نے  
 وعدے کے مطابق ہم سے رابطہ نہیں کیا ہے۔“

”تو پھر چلو۔ ہم پھر ایک بار احضار و پے بغیر اس کے  
 روبرو جائیں گے۔ دیکھیں تو کسی ذہ کیا کر رہی ہے؟“  
 ”رحمانی! ایسا کرو کہ تم جاؤ۔ میں یہاں اسکرین پر  
 دیکھتا رہوں گا کہ تم اس دوسرے خاکے کے ساتھ جتنی ورثا  
 کے ساتھ یہاں دکھائی دے رہے ہو پائیں؟“

رحمانی وہاں سے چلا گیا۔ ربانی نے سرچ کا بین و بایا  
 تو ایک خاکہ نظر آنے لگا۔ یہ اندازہ تھا کہ وہ رحمانی ہوگا۔

اس نے اپنے کان پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ہیلو رحمانی!  
 اسکرین پر خاکہ نظر آ رہا ہے۔ یہ تم ہی ہو گے؟“  
 رحمانی نے اپنا ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”یہ دیکھو میں ایک  
 ہاتھ اٹھا کر فضا میں لہرا رہا ہوں۔“

”ہاں۔ یہ خاکہ بھی ٹھیک کر رہا ہے۔ یہ تم ہی ہو۔ ابھی  
 کہاں پہنچے ہو؟ کیا وہ نظر آ رہی ہے؟“  
 ”میں اسی عظیم بدھا کے جسم کے قریب ہوں۔  
 یہاں ہم ہیں گھٹنے پہلے آئے تھے لیکن وہ نہیں ہے۔ یہاں  
 اس کی مہب بھی نہیں مل رہی ہے۔“

”ہمس کیا سمجھنا چاہیے؟ کیا وہ پھر ہم سے چھپ رہی  
 ہے یا کسی مصیبت سے دوچار ہو رہی ہے؟“  
 ”ربانی...! اپنے نادیدہ خون کے ذریعے فضا میں  
 کال نشر کرو۔ ہو سکتا ہے تمہاری آواز اس کے کانوں تک  
 پہنچ جائے۔“

اچانک ہی اسپیکر سے اس کی آواز سنائی دی۔  
 ”میرے لیے پریشان نہ ہوں۔“  
 ربانی نے کہا۔ ”رحمانی! فوراً آؤ۔ ورثا بول رہی  
 ہے۔“

وہ وہاں آ گیا، وہ کہہ رہی تھی۔ ”ہمس مشین نے ہم  
 تینوں کو سچ کیا ہے۔ لیکن یہ ہمارے گوشت پوست کے وجود  
 اور چہروں کو نہیں دکھا سکے گی۔ ہم کسی سیرے کی گرفت میں  
 نہیں آئیں گے۔“

”تم کہاں ہو؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ چند گھنٹوں بعد  
 میرے گرد و آؤ گی؟“

”میں وعدے کے مطابق پندرہ گھنٹے بعد آئی تھی۔  
 اس وقت بلالہ اپنے بیڈروم میں ربانی کو چہ بانی انداز میں

پہلے تو اسکرین پر دھند چھائی رہی۔ سفید باریک  
 ذرات اٹھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ رحمانی نے اس  
 مشین کی نام واضح میں نہیں گھنٹے پہنچے کا وقت سیت کیا تو وہ  
 مشین میں گھٹنے پیچھے چلی گئی۔ اب وہ خاکہ سحر۔ دکھائی  
 دے رہا تھا۔

وہ اسے توجہ سے دیکھنے لگے۔ وہ خاکہ نہیں بیٹھا  
 ہوا تھا، متحرک نہیں تھا پھر اچانک ہی وہ ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔  
 پھر وہاں سے بھاگتا ہوا اسکرین سے آؤٹ ہو گیا۔  
 وہ اسکرین چند لمحوں کے لیے خالی ہوئی۔ پھر وہ  
 خاکے گیس سے دوڑتے ہوئے آگئے۔ ربانی نے کہا۔ ”یہ ہم  
 ہیں۔“

رحمانی نے کہا۔ ”ہاں۔ ہم ہی ہوں گے اور ہم وہاں  
 پہنچے ہیں جہاں وہ تیسرا خاکہ تھا۔“

”اگر یہ ہم ہیں تو یاد کرو۔ ہم جس گھٹنے پہلے پہاں تھے  
 اور کیا کر رہے تھے؟“

”ہم ورثا کا جید معلوم کرنے کا ذریعہ ہو کر اس کی  
 طرف گئے تھے اور اس کی خوشبو کے قریب پہنچ گئے تھے۔“  
 ”اور ہمارے وہاں پہنچتے ہی وہ فرار ہو گئی تھی۔ ہم پھر  
 اس کے پیچھے گئے تھے۔“

وہ بول رہے تھے اور دیکھ رہے تھے۔ اسکرین پر وہ  
 خاکے کسی ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں وہ تیسرا خاکہ بیٹھا ہوا تھا۔  
 رحمانی نے کہا۔ ”تعب ہے تین خاکے ایک جگہ نظر  
 آرہے ہیں۔ کیا ہم جس گھٹنے پہلے تیسرے وجود تک پہنچ گئے  
 تھے؟“

”ہم بس وقت ورثا کے پاس پہنچے تھے۔ وہ ایک  
 آہستہ کے قریب ایک چٹان پر ٹٹلی ہوئی تھی۔“  
 وہ ربانی کے بازو کو جو شینے انداز میں پکڑ کر بولا۔  
 ”یہ عظیم بدھا کی بیٹی ورثا ہے۔ ہم جس گھٹنے پہلے اسی جگہ پہنچا  
 ہوئے تھے۔“

ربانی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔  
 ”کوئی شبہ نہیں ہے۔ رحمانی! یہ... یہ ورثا ہے۔ اور یہ  
 دیکھو اور مزید دو خاکے اسکرین سے چلے گئے ہیں۔ ورثا نے  
 ہم سے اجتناب کی تھی کہ چند گھنٹوں کے بعد اسے کھل آتی ملتی  
 حاصل ہو جائے گی۔ ہم ابھی روبرو آئیں۔ وہ خود سننے  
 آئے گی۔“

”یہ جید کھل گیا ہے۔ وہ بھی ہماری طرح خلا کے کسی  
 حصے سے ایک ستارے کی طرح ٹوٹ کر آئی ہے۔“

”وہ بھی ہماری طرح یہ کیلی بوجھنا چاہتی تھی کہ اس

کے ربانی پندرو منت کے بعد پہنچے تو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ سامنے تھی لیکن نظر نہیں آ رہی تھی۔ سر سے پاؤں تک عبا میں چھپی ہوئی تھی۔ جو رحمانی چاہتا تھا وہی ہو رہا تھا۔

اس نے تعجب سے اعتراض کیا۔ ”تاہاں...! یہ کیا؟ مجھ سے چھپ رہی ہو؟“

وہ بولی۔ ”رحمانی سے بھی چھپتی رہوں گی۔ تم دونوں پر دشمنی کی وجہ اچھی طرح سمجھ رہے ہو۔“

اس کا سر جھک گیا۔ اس نے کہا۔ ”اب تمہیں دیکھنے کی ایک ہی صورت رہ گئی ہے۔ میں تم سے آج ہی نکاح پر حواؤں گا۔“

”تم دونوں جو فیصلہ کرو گے میں مان لوں گی۔“  
 ”میں ابھی جا کر رحمانی سے بات کرتا ہوں۔ آخری فیصلہ یہی ہوگا کہ تم میرے نکاح میں آؤ گی۔“  
 وہ رحمانی کے پاس آ گیا، اس نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے جاتے ہی آگئے؟“

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”وہ عبا اور نقاب میں چھپی ہوئی ہے۔ ایک ذرا دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ کیا مصیبت ہے پہلے سے زیادہ لچا رہی ہے۔“

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ”رحمانی! میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ تم ہمارے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ میں آج ہی اسے اپنی منگودہ بنا لیتا چاہتا ہوں۔“

رحمانی اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔  
 ”ورش تاہاں کی ہم شکل ہے۔ وہ میری خواب گاہ میں میرے خوابوں میں آئی رہتی ہے، مجھے چاہتی ہے۔ میں اسے منگودہ بناؤں گا۔ تاہاں تمہاری ہے۔“

وہ خوش ہو کر بولا۔ ”جو رحمانی...! تم نے بہت ہی اچھے ہوئے مسکے کو ایک لمبے میں حل کر دیا ہے۔ تاہاں آج ہی میری زندگی میں آ جائے گی۔“

”آج نہیں رہائی! جلدی نہ کرو۔ کچھ روز انتظار کرو۔“

”کیوں انتظار کروں؟“  
 ”تم آسپ زدہ ہو۔ ورش نے کہا ہے کہ شیطان ہمارے ہاتھوں مرنے کے باوجود تمہارے ماتہ زندہ ہے۔“  
 ”وہ جھوٹ کہتی ہے۔“

وہ انتظار کرنے کے مشورے پر جھجلا گیا تھا، اس نے کہا۔ ”میں آج ہی اسے اپنی خواب گاہ میں لے آؤں گا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میرے ہوتے ہوئے تاہاں کو شیطان سے نقصان کبھی نہیں پہنچے گا۔ میری ازدواجی

فریب کر چکی تھی۔ وہ شیطانی سمجھوں اس کے اندر منتقل کر چکی تھی۔ دونوں منہ کے سر تکب ہو رہے تھے۔“

وہ بول رہی تھی۔ ”میں نے ابھی ابھی آتما شکتی حاصل کی تھی۔ میری پاکیزگی مجھے گناہ گاروں سے دور رہنے کی تاکید کر رہی تھی۔ مجھے دور ہی دور سے اس کے کام آتا تھا لیکن اس سمجھوں کی وجہ سے شیطانی قوت اس پر حاوی ہو گئی تھی۔“

پھر وہ بولی۔ ”رحمانی! میں تمہیں خبردار کرتی ہوں۔ رہائی سے فاصلہ رکھو۔ اس کا جھوٹا پانی نہ پیو۔ اس کی پلیٹ میں نہ کھاؤ۔ اس کی استعمال کی ہوئی چیز استعمال نہ کرو۔ میرا مشورہ ہے۔ فی الحال تمام ویناوی معصومیات اور ذلتے دار لوگوں کو ترک کرو۔ دن رات عبادت کرو۔ عبادت کی پاکیزگی تمہارے اندر کی غلاقت کو موڑا لے گی۔“

رہائی سن رہا تھا اور پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔  
 ”میں تمہارے گمان کو نہیں جھلاؤں گا لیکن میں اندر سے صاف ستھرا ہو گیا ہوں۔ کسی طرح کی غلاقت اور ناگواری محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ یقین سے کہتا ہوں کسی طرح کی شیطانی قوت مجھ پر غالب نہیں آ رہی ہے۔“

وہ بولی۔ ”شیطان کی یہی خوبی ہے کہ وہ انسان کے اندر خود کو ظاہر نہیں کرتا ہے۔ چپ چاپ آدمی کا ہم خیال اور بد روین کر اس کی سوچ اور اس کے مزاج کو بدلتا رہتا ہے۔“

رحمانی نے کہا۔ ”ہر انسان اپنے اندر کی خامیوں کو دوسروں سے زیادہ دیکھتا ہے۔ خدا کرے تمہارا احماد درست ہو اور شیطان تم پر مسلط نہ ہو۔ لیکن ورش آتما شکتی کے ذریعے تمہارے اندر شیطانی اثرات کو دیکھ رہی ہے۔ تم اس کی بات مان لو۔ دو چار روز صبر و تحمل سے انتظار کرو۔ اگر تمہارا باطن پاک صاف ہوگا تو پھر تمہاری طرف سے کبھی کسی طرح کا منفی رد عمل ظاہر نہیں ہوگا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں دیکھوں گا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ ابھی تاہاں کے ہنس جا رہا ہوں۔ پچھلے پندرہ گھنٹوں سے اس کی صورت نہیں دیکھی ہے۔“

”میں بھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“  
 ”جب میں ہو آؤں تب جاؤ۔ اس سے ہاری ہاری ملنا مناسب رہے گا۔“

”اچھی بات ہے لیکن تاہاں کو پہلے سمجھایا جائے کہ وہ ہم سے پردہ کرے۔ ہمارے سامنے نقاب میں رہے۔“  
 وہ سرکاری محل کی خواب گاہ میں گئی۔ اجازت لے



اور چاہتی ہوں کہ مجھے حاصل کر لو لیکن مجھے پالنے کی منزل تک پہنچنے کا راستہ بہت ہی دشمن ہے۔  
 ”دشمن کیوں ہے؟ کیا رکاوٹیں ہیں؟“  
 ”میں بتاؤں گی لیکن انہی نہیں۔ ابھی ربانی اور تاباں کے درمیان جو رکاوٹیں ہیں، ان شیطانی رکاوٹوں سے تمہیں تمننا ہے۔“

”تمہاری آتما شکتی کیا کہتی ہے؟“  
 ”تمہیں بڑی مصیبتوں سے گزرنا ہے اور تم پر مصیبتیں لانے والے کوئی دشمن نہیں ہے، دوست ہے۔“  
 اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”دوست یعنی ربانی؟“  
 درشا نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ ”یا اللہ...! مجھ پر اور ربانی پر رحم فرما۔ یا میرے اللہ...! وہ دوست ہے۔ دوست ہی ہے۔“

اس وقت ربانی اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ تیند آڑھی تھی۔ تاباں اس کے اندر کمرے میں لے رہی تھی۔ وہ آج ہی اس کی منگواہٹیں سنی تھی۔ آج ہی اس کی خواب گاہ میں آسکتی تھی لیکن رحمانی نے نکاح خوانی کے معاملے کو ٹال دیا تھا۔ اس کی آغوش میں آنے والی تاباں کو دور کر دیا تھا۔  
 وہ اپنے کمرے سے نکل کر رحمانی کے دروازے پر آیا۔ اس سے تاباں کے حلق بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن بند دروازے کے پاس پہنچ کر روک گیا۔ اندر سے درشا کی رس بھری آواز سنائی دے رہی تھی اور وہ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

ذہن میں بات آئی۔ ”اچھا تو مجھے تاباں سے دور کر کے درشا کے ساتھ صبح سستی ہو رہی ہے۔“  
 وہ نادیدہ ہو کر بند کمرے میں ان کی تنہائی میں آ گیا۔ پھر درشا کو دیکھتے ہی دم بخود رہ گیا۔ نگاہوں کے سامنے وہاں کھڑی تھی۔ گہرے رنگ کے بلاؤز اور ساتھی میں تھی۔ ہاتھ پر بننے والا چمک رہی تھی۔ اس کا ہندوستانی حسن لوٹ رہا تھا۔ اپنی طرف پہنچ رہا تھا۔ اگر وہ لہو بھر کے لیے بھی رستا تو تاباں نقر آنے والی سے جا کر لپٹ جاتا۔

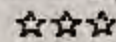
وہ نورانی اپنے بیڈروم میں واپس آ گیا۔ ایک دیوار سے لگ کر خلا میں تلنے لگا۔ ذہن چیخ رہا تھا کہ بس نے اپنی تاباں کو وہاں دیکھا ہے۔ عقل کب رہی تھی اور شاہ کو دیکھ کر آ رہا ہے۔ بہر حال جسے بھی دیکھا تھا وہ حوائی بنی تھی۔ کسی بھی پہلو سے آدم کے سینے کو پاگل بنا رہی تھی۔

وہ نے کہا۔ ”تاباں کے پاس جائے۔ رحمانی اپنی تاباں کے ساتھ خوبصورت لمحات گزار رہا ہے۔ مجھے بھی اپنا

سرتوں کو تالنے کی ہیشش نہ کرو۔“  
 ”میں تمہاری سرتوں کو تال کر کیا کروں گا۔ جبکہ اس کی حذب سے دست بردار ہو رہا ہوں۔“  
 ”میں اندر کی بات سمجھ رہا ہوں۔ تم بظاہر دست بردار ہو رہے ہو، حقیقتاً تاباں پر ایل انکا ہوا ہے۔“

وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”ایسا ہرگز نہیں ہے۔ پلیز تم تاباں پر رحم کرو۔ اس کے لیے چند روز تک اپنا جوتہ لیتے رہو۔ جب میں زبان دے رہا ہوں کہ وہ تمہاری ہے تو پھر بہر حال میں تمہاری رہے گی۔“

ربانی نے کہا۔ ”یہ تمہارے ناقص خیالات ہیں۔ بہر حال میں بحث نہیں کروں گا، انتظار کروں گا۔“ وہ ناگواری سے منہ بنا کر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔



وہ دونوں اس جذبے سے دنیا میں آئے تھے کہ بوستان کو ایک مثالی مکتب بنا لیں گے۔ ان کا عزم و حوصلہ قائم تھا۔ ان کی جدوجہد رنگ لارہی تھی۔ ایسے وقت وہ نادیدہ شیطانی چنگروں میں پڑ گئے اور اپنے ذاتی معاملات و جذبات میں الجھتے چ رہے تھے۔

اس رات وہ دونوں اپنے اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔ درشا اپنے وعدے کے مطابق آدھی رات کو رحمانی کے پاس آئی۔ وہ سو رہا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا پھر بے یقینی سے خود ہی اپنے بازو میں زور کی چمکی لی۔ تکلیف کے اس سانس نے یقین دلایا کہ وہ سچ سچ آئی ہے۔ خواب نہیں ہے۔

درشا ہنسنے لگی پھر اس نے پوچھا۔ ”یقین ہو گیا؟“  
 ”ہاں۔“ وہ بستر سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جلدی سے بولی۔

”پلیز ہمارے درمیان فاصلہ ہے گا۔“  
 اس نے کہا۔ ”پلیز“ مجھے چھو کر یقین کرنے دو۔“  
 ”ہوس کی ابتدا دیکھنے اور چھونے سے ہوتی ہے۔“

ہلال نے ہنس پر وہ جھٹکیاں دیکھ کر تمہاری ہوس کو چکا دیا ہے۔ وہ بھی تاباں کی ہم شکل تھی۔ میں بھی ہوں۔ ہمارے چہرے ہمارے بدن ایک جیسے ہیں۔ وہ بدن تمہیں میری طرف پکار رہا ہے اور تم چھونے کے بہانے مجھے پالینے چاہتے ہو۔“

”کہا نہیں نے تمہارا پیار نہیں پایا ہے؟ تم مجھے چاہتی ہو اسی لیے آئی ہو کہ میں تمہیں حاصل کر لوں؟“  
 ”ہاں، میں تمہیں سوچتی ہوں۔ تمہیں یاد کرتی ہوں

نقطیاں کرنے والے سبج سمت میں سوچتا بھول جاتے ہیں۔ اپنی غلطیوں کو ہی درست سمجھتے رہتے ہیں۔ اس کے دماغ میں یہ خواہش خوب رہی تھی کہ وہ ابھی تاباں کو حاصل کر لے۔ کم از کم اس کا ہاتھ ہی پکڑ لے۔ اسی وقت اس کے سینے میں جلن سی محسوس ہوئی۔ رات کو جو کھا یا تھا وہ ہضم نہیں ہوا تھا۔ وہ ہاتھ روہ میں آ کر واش نہین پر جھک گیا۔ اس کے حلق سے وہی کٹھا کھیلا اور بد مزہ سا پانی نکلا جو ہلانہ کے ذریعے اس کے اندر منتقل ہو گیا تھا۔

وہ پریشان ہو کر کلیاں کرنے لگا۔ زبان اور حلق سے بد مزگی ختم نہیں ہو رہی تھی۔ دور بہت دور سے ڈھول تاشے کی دھیمی دھیمی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ہاتھ روہ سے نکل کر ڈگمگاتا ہوا کمرے میں آ کر بھر بیڈ پر گر پڑا۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

تحت اشکور میں چھپیں ہوئی خیانت ابھر کر سامنے آنے لگی۔ اس نے اور رحمانی نے شیطان کے جس جسے کتوتز کر اوندھے منہ گرا دیا تھا وہ بھر جڑ گیا تھا۔ پہلے کی طرح سالم ہو کر زمین پر کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے رال فہک رہی تھی۔

تمام جیسی خوشی سے نعرے لگا رہے تھے اور نیزے اچھال اچھال کر رقص کر رہے تھے۔ ربانی شیطان کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے ماتھے پر نیکا لگائے گیندے کا ہار پہنے عمر زدہ سا بیٹھا تھا۔ بیماری نے مشروب سے بھرا ہوا پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے لے کر ہونٹوں سے لگا کر پینے لگا۔

ربانی نے پیالے کا آخری ٹھونٹ لی کر اسے اپنے سر پر مارا تو وہ کٹوے کٹوے ہو گیا۔ اسی وقت آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اب تک شیطان کے قدموں میں بیٹھا ہوا ہے۔ فجر کے سنائے میں اذان ابھرنے لگی۔

وہ اذان کی آواز سنتے ہی بڑے بے ایمانی جذبے سے جل جلاؤ۔ جل شانہ کہتا تھا۔ اس وقت بھول گیا۔ اذان سن کر بھی نہیں سن رہا تھا۔ اس کے اندر تاباں بکا رہی تھی۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی، رحمانی نے کہا۔ ”نماز کے لیے چلو۔“ اس نے بند دروازے کی طرف دیکھا پھر ناگواری سے منہ بنا کر بولا۔ ”تم چلو، میں آتا ہوں۔“

تاباں کے ساتھ روحانی اور جذباتی لمحات کو انجوائے کرنا چاہیے۔“

دوسرے ہی لمحے وہ محل کے اندر پہنچ گیا۔ وہ حینہ اپنے بیڈ پر سو رہی تھی۔ نیند کی حالت میں اور زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف کھینچ چلا گیا۔ بیڈ کے سرے تک پہنچ گیا۔ وہ ایک ہاتھ کے فاصلے پر رہ گئی۔

وہ اس پر جھک گیا۔ اس کے کان میں دھیمی سی سرگوشی کی۔ ”تا۔ با۔ں۔ میں ہوں۔ تمہارے خواب میں آیا ہوں۔“

اس کی آنکھ کھل گئی۔ خواب گاہ میں زبرد پادری دھیمی سی روشنی تھی۔ وہ خلا میں تھکنے لگی۔

پھر دھیمی سی سرگوشی ابھری۔ ”چلو میں خواب میں نہ سکی۔ سچ سچ آ جاؤں تو کیا شکایت کرو گی؟“

وہ اس کی آواز سنتے ہی بڑبڑا کر بیٹھ گئی۔ ایک چادر وٹھا کر جلدی سے اس میں جھپٹے ہوئے بولی۔ ”یا اللہ! تم آئے ہو۔ یہاں تادیدہ ہوا اور مجھے دیکھ رہے ہو؟“

”تمہیں تو روز ہی دیکھنا تھا لیکن آج عبا میں چھپ کر مجھے تپا رہی ہو۔ یہ کیا کر رہی ہو۔ کہیں چادر میں چھپ گئی ہو؟ خدا کے لیے اپنی صورت دکھاؤ۔“

”یہاں سے چلے جاؤ۔ تم نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔“

”تم چھپ کر اور تپا رہی ہو۔ میں ابھی کسی قاضی کو پکڑ کر لاتا ہوں۔ ابھی میری منگولہ بن جاؤ۔“

”ازدواجی رشتے کو کھیل نہ بناؤ۔ آدمی رات کے وقت چھپ کر نیکاح نہیں پڑھایا جاتا۔“

”تم مجھے ٹال رہی ہو۔“

”نہیں، میں راضی ہوں۔ گواہی کے لیے رحمانی کو بلاؤ۔“

وہ سمجھ گیا کہ تاباں ابھی راضی نہیں ہوگی اور چادر سے باہر نہیں آئے گی، اس نے کہا۔ ”میں جا رہا ہوں، ایک وعدہ کرو۔“

رحمانی تو نہیں بتاؤ گی کہ میں یہاں آیا تھا۔“

”وعدہ کرتی ہوں، یہاں کی باتیں اسے نہیں بتاؤں گی۔“

وہ خدا حافظ کہہ کر وہاں سے آ گیا۔ جذباتی حرارت سے بدن پہلے ہی گرم ہو رہا تھا۔ تاکامی و نامرادی کے باعث دماغ بھی گرم ہو گیا۔ وہ پاؤں دھوئے کمرے میں بیٹھنے لگا۔

تاہاں نے کہا۔ "تعب ہے، کیا آج اس نے نماز نہیں پڑھی ہے؟"  
 "نہی تو میں اس سے پوچھتا چاہتا ہوں۔ اس کا ایمان کمزور کیوں ہو گیا ہے۔ اس نے نماز کیوں چھوڑی ہے؟"

تاہاں نے پوچھا۔ "کیا تم اس کے پاس پہنچ نہیں پارہے ہو؟"  
 "اس کی خوشبو جہاں ہوتی ہے وہاں پہنچ جاتا ہوں لیکن خوشبو نہیں مل رہی ہے۔ تمہاری خواب گاہ میں یہ عجیب سی بو کیسی ہے؟"  
 "شاید پورے محل میں ہے۔ چلو باہر چل کر دیکھتے ہیں۔"

وہ دونوں اس کمرے سے باہر آگئے۔ دوسرے کمرے اور راہداری میں گئے۔ رہتی ان کے ساتھ چل رہی تھی۔ وہ ناگوار سی مہک بھی ساتھ چلی آ رہی تھی۔ وہ دونوں خواب گاہ میں آگئے۔ تاہاں نے روم پر فریوہ اسپرے کرتے ہوئے کہا۔ "رہانی کو کال کرو۔ وہ آخر کیا کہیں ہے؟ تم تو اسے کہیں بھی دیکھ لیتے ہو۔" اس نے کہا۔ "نادیہ وہ ہونے کے بعد ہم اپنی مرضی سے ایک دوسرے کو دکھائی دیتے ہیں۔ مرضی نہ ہو تو روپوش رہتے ہیں۔"

وہ تاہاں کے سامنے نادیہ ہو گیا۔ بند کمرے سے باہر آ گیا۔ پھر ایک کوریڈور میں پہنچ کر رُک گیا۔ اس نے ایک لمبی سانس لی۔ وہ ناگوار سی بو نہیں تھی۔ وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی پیشانی پر ٹھکنیں پھیل گئیں۔ ایک سوالیہ چیخ رہا تھا۔ کیا رہانی وہاں موجود ہے؟ کیا اس کی بوجھل گئی ہے؟

اس نے سوچتی ہوئی اور چھتی ہوئی نظروں سے تاہاں کے کمرے کی طرف دیکھا۔ عقل سمجھ رہی تھی، کچھ توقع کے خلاف ہو رہی ہے۔ رہانی خواب گاہ کے اندر تاہاں کے قریب تھا۔ رحمانی کے جاتے ہی گویا ہاتھوں کے بعد تنہائی نصیب ہوئی تھی۔ اس پر تڑپا دینے والی بات یہ تھی کہ وہ عبا اور نقاب اتار رہی تھی۔ اچی تمام جھوہ سامانوں کے ساتھ لپٹا رہی تھی۔ اس نے سرگوشی میں پکارا۔ "تاہاں...!" وہ حیرت سے اچھل کر آواز کی سمت گھوم کر چیخ پڑی۔ وہ اس کی بجز ماند موجودگی سے لرز گئی۔

اس نے نادیہ ہو کر باہر آ کر دیکھا۔ رحمانی مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ یہ اطمینان ہوا کہ وہ راستے کا پتہ نہیں بنے گا۔ اس وقت دل میں نماز نہیں تھی، اس کی دھڑکنوں میں تاہاں جگ رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ تاہاں کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مصنفے پر تھی۔ فجر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ اس نے عبادت کے دوران عجیب سی ناگوار سی بو محسوس کی۔ رہانی کی قدرتی خوشبو فوت ہو گئی تھی۔ اس لیے یہ خیال نہیں آیا کہ اس کی خواب گاہ میں پھر رہانی آ گیا ہے۔

وہ قریب... کھڑا سے دیکھ رہا تھا۔ انتظار کر رہا تھا کہ نماز ادا ہو جائے تو اسے ہاتھ لگائے۔ وہ نقاب میں نہیں تھی۔ آہنی کی طرح شفاف اور چمک کی طرح اجلی دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے سوچا۔ اگر اس کے پاس بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو وہ متاثر ہوگی۔ بغیر اجازت آنے پر اعتراض نہیں کرے گی۔ وہ نماز کے بعد دعا، تک رہی تھی اسی وقت نون سے کالنگ نون ابھرنے لگی۔ تاہاں نے منہ پر ہاتھ پھیر کر فون کو اٹھایا۔ منہ کی اسکرین کو دیکھا پھر ٹیٹن و باکر اسے کان سے لگا کر کہا۔ "ہاں رحمانی! بولو؟"

اس نے پوچھا۔ "ابھی آ جاؤں؟"  
 وہ خوش ہو کر بولی۔ "دس منٹ بعد آؤ۔"  
 وہ فون بند کر کے مصنفے سے اٹھ گئی۔ رہانی نادیہ وہ تھا۔ سوچ رہا تھا۔ "یہ رحمانی کہاں میں بیٹھی بننے آ رہا ہے۔ میں ظاہر نہیں ہوسکتا گا۔ تاہاں کو چھو بھی نہیں سکوں گا۔" وہ سامنے ہی عبا پہن رہی تھی۔ نقاب میں پوری طرح چھپ جانے والی تھی۔ اگر رحمانی ابھی نہ آتا تو رہانی اسے پردے میں رہنے نہ دیتا۔ اس سے عبا اور نقاب پھینک لیتا۔ فی الحال مجبور ہو گیا تھا۔

دس منٹ بعد رحمانی وہاں آ گیا۔ تاہاں کو دیکھ کر بولا۔ "تم پر خدا کی رحمت ہو۔ یہ اچھا ہے کہ مجھ سے بھی پردہ کر رہی ہو۔ کیا رہانی یہاں آیا تھا؟"  
 وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں۔ ویسے میں بڑی دیر سے عجیب سی بو محسوس کر رہی ہوں۔"  
 "میں بھی محسوس کر رہا ہوں لیکن یہ رہانی کہیں گیا ہے؟ آج مسجد میں نماز پڑھنے بھی نہیں آیا۔ میں نے سوچا کہ اس کی طبیعت تازہ ہوگی۔ اس کے کمرے میں جا کر دیکھا تو وہاں نہیں تھا۔"

تھا۔ اس لیے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش بھی کر رہا تھا اور اس پر حملے بھی کر رہا تھا۔

روحانی ایجنٹ کا جواب پتھر سے دے رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو رگیدر ہے تھے۔ قدرتی طور پر دونوں بلا کے شہزور تھے۔ ربانی کو قدرتی توانائی کے علاوہ شیطانی قوت بھی حاصل ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ روحانی پر حاوی نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ اللہ تھا۔ اس کی مدافعتی قوت بڑھ گئی تھی۔ ربانی اس کی گرفت سے نکل نہیں پا رہا تھا۔

وہ چشم زدن میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ آگھ بھولی ختم ہو گئی۔ وہ نظر آنے لگے۔ تب روحانی نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہوئے الگ ہو گئے۔

فیصلہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ہونے والا تھا۔ ربانی نے کہا۔ ”کیوں دشمنی کر رہے ہو؟ یاد کرو ہم کتنے اچھے دوست تھے۔ اپنی ذات سے بڑھ کر ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔“

”اب ہمارے درمیان تمہارے شیطانی ارادے حائل ہو گئے ہیں۔ تم باہاں کو نکاح کے بغیر حاصل کر لینا چاہتے ہو۔“

”پلو پھر ابھی تمہارے سامنے نکاح پڑھا رہا ہوں۔“

”جب تک قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھ کر نہیں سناؤ گے۔ تب تک تمہارا نکاح قابل قبول نہیں ہوگا۔“

وہ خچ کر بولا۔ ”میں تمہارا منہ تو زدنوں گا۔ تم میرے ہاتھوں سے مرد گے اور ابھی ہزاروں فٹ کی گہری کھائی میں جاؤ گے۔“

یہ کہتے ہی اس نے پھر حملہ کیا پھر ان کی جنگ جاری ہو گئی۔ وہ دقتے دقتے سے بولتے وقت رک جاتے تھے۔ پھر ایک دوسرے سے کمرانے لگتے تھے۔ ایک اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آ رہا تھا۔ دوسرا اس کے شیطانی دھرم کو ٹھوکروں میں اڑا رہا تھا۔

صبح سے دوپہر پھر دوپہر سے شام ہو گئی۔ دونوں بری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ اپنے اپنے لبو میں نہا رہے تھے۔ تاہاں اس دوران میں انہیں کال کرتی رہی اور وہ نا دیدہ فون کے ذریعے اسے تسلی دیتے رہے۔

اسے دونوں زخموں کی روداد معلوم ہو رہی تھی اور وہ پریشان ہو رہی تھی۔ یہ جانتی تھی کہ دونوں غیر معمولی قوتوں اور صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ کوئی کسی سے مات نہیں کھائے گا اور نہ کوئی قانع بن سکتے گا پھر کیا ہوگا؟

کچھ بہتری نظر نہیں آ رہی تھی۔ رات کی تاریکی میں

ربانی نے کہا۔ ”پلیز استراحت نہ کرنا۔ کوئی شکایت نہ کرنا۔ تم میرے مقدر میں لکھ دی گئی ہو۔ میں تمہیں دھڑکنوں سے لگانے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ آؤ تاہاں...!“

وہ آگے بڑھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔ ”رک جاؤ۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں شرم سے سر جاؤں گی۔“

اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑا تاہاں وہ فوراً ہی کترا کر دور جانے لگی۔ لیکن اس نے چھلانگ لگا کر اسے دیوچ لیا۔ ایسا صرف ایک ساعت کے لیے ہوا۔ دوسری ہی ساعت میں ربانی کے منہ پر جیسے ہتھوڑا آ کر لگا۔ تاہاں پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ ”کے روحانی کھڑا تھا۔

وہ گرجتے ہوئے بولا۔ ”تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ فوراً یہاں سے ملے جاؤ تو تمہیں معاف کر دوں گا۔“

ربانی نے اچانک ایک ایسا ہاتھ اس کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔ ”یہ میری ہے۔ تمہیں ہماری خلوت میں نہیں آنا ہے۔ جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ۔“

وہ بھی فولادی تھا۔ اس کا ایک ہاتھ کھا کر روحانی چکرا گیا۔ وہ تاہاں کے سامنے ڈھال بن کر بولا۔ ”تم پر شیطان سوار ہے۔ میں تمہیں نکاح کے بغیر تاہاں کو ہاتھ لگانے نہیں دوں گا۔ مجھ سے جتنی دشمنی کرنا ہے کرو لیکن یہاں سے پلو۔“

ربانی نے اچانک اس پر چھلانگ لگائی لیکن وہ ہوشیار تھا۔ فوراً ہی نا دیدہ ہو کر ایک طرف ہٹ گیا۔ تاہاں چھلانگ نے اسے اونٹ سے منہ فرش پر گرا دیا۔ روحانی نے اس کے منہ پر ایک ٹھوک مارتے ہوئے کہا۔ ”پلو میرے ساتھ۔“

وہ بھی نا دیدہ ہو گیا۔ دونوں کم ہو گئے۔ اب وہ دونوں اپنی مرضی کے بغیر ایک دوسرے کو نظر نہیں آ سکتے تھے۔

تاہاں آنکھیں چھڑ کر خواب گاہ میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سمجھ رہی تھی کہ دونوں وہاں ہیں۔ ربانی وہاں سے جانا نہیں چاہے گا اور روحانی اسے بھاگ کر رہے گا۔

ربانی دونوں ہاتھ پھیلائے تاہاں کے چاروں طرف اندھے کی طرح روحانی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ روحانی بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ ربانی تاہاں کے آس پاس ہوگا۔ ایسی ہی اندھی تلاش میں وہ ایک دوسرے سے کمرانے پھر کمراتے ہی ایک دوسرے کو دیوچ لیا تا کہ کوئی پھر کہیں گم نہ ہو جائے۔

ربانی گم رہ کر اسے مات دے کر اپنی ضد منوانا چاہتا

کہ رہی آپ کی نگرانی میں رہ کر ایک پل کے لیے بھی  
نادیدہ نہیں ہوگا تو میں ابھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔"  
رہائی نے سوچا۔ "نی الحال جنگ بندی ہو جائے تو  
اچھا ہے۔ مرہم بی بھی ہو جائے گی اور تاپاں تک پہنچنے کی  
از سر نو پانگ کر سکوں گا۔"

اس نے افسران سے کہا۔ "میں آپ کی تحویل میں  
جسمانی طور پر موجود رہا کروں گا۔ لیکن بارہ گھنٹے کے بعد  
نادیدہ ہو جائوں گا۔ آپ ابھی وقت دیکھیں۔"  
وہ دونوں راضی ہو کر ان کے ساتھ نیلی کوپٹر میں آ کر  
بیٹھ گئے۔ دارالسلطنت شہر آباد پہنچ کر ملٹری اسپتال میں  
داخل ہو گئے۔

آرمی کے ایک افسر نے معظم خان اور اعظم خان کو  
اطلاع دی کہ رہائی اور رحمانی ایک پہاڑ کی چوٹی پر کین  
حالات میں پائے گئے ہیں۔ یہ خوش کرنے والی اطلاع تھی  
کہ وہ دوست تھے اب ایک دوسرے کے دشمن بن گئے  
ہیں۔ تا قاتل شکست مخالفین کا اتحاد ٹوٹ گیا ہے۔

انہوں نے اپنے ان واپار روڈنی ویلر کو یہ خوش خبری  
سنائی۔ اس وقت سائنس دان ہو کس اپنی مشین سے حاصل  
ہونے والی معلومات پہنچا رہا تھا۔

معلومات یہ تھی کہ چوبیس گھنٹے پہلے وہ دو خاکے  
اسکرین پر دکھائی دیے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے ہاتھ پائی  
کر رہے تھے۔ پتا نہیں وہ کہاں تھے؟ پورا ایک دن اور پوری  
ایک رات لڑتے رہے۔ پھر اسکرین پر ایک نیلی کوپٹر دکھائی  
دیا۔ اس میں سے کئی خاکے باہر آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ  
نڑنے والے دو خاکے ان کے ساتھ میں چلے گئے۔

ادھر بوستان کی آرمی نے یہ رپورٹ پیش کی تھی کہ  
رہائی اور رحمانی میں اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور وہ ایک  
دوسرے سے لڑتے رہے ہیں۔ ادھر اس رپورٹ سے  
تاریت ہو گیا کہ مشین پہلے چوبیس گھنٹوں سے رہائی اور رحمانی  
کو پیش کرتی رہی ہے۔

ویلر نے معظم خان سے کہا۔ "یہ سنبری موقع ہے۔  
نور ان کے اختلافات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ منہم کرو کہ  
وہ ایک دوسرے کے دشمن کیوں ہو گئے ہیں؟ جتنی جلدی  
ہو سکے ان کی کزوریاں منہم کر دو۔"

معظم نے تاپاں کے پاس آ کر پہنچا۔ "بی بی! یہ رہائی  
اور رحمانی اچانک ایک دوسرے کے دشمن کیوں ہو گئے  
ہیں؟"

وہ بولی۔ "برتن ایک جگہ رہیں تو کبھی ٹکرا جاتے ہیں،

بھی دونوں مقابلے پر ڈنٹے رہے۔ شیطان کی خدمتھی کہ وہ  
تاپاں کے ساتھ رات گزارے گا اور ایمان محکم کہہ رہا تھا کہ  
وہ حیوانی پرگناہ کا سایہ بھی نہیں پڑنے دے گا۔

وہ کھانا پینا بھول گئے تھے۔ تھک ہار کر سو جانے  
والے نہیں تھے۔ انہوں نے دن سے رات بھر رات سے صبح  
کردی۔ دن کی روشنی میں آرمی کا ایک نیلی کوپٹر وہاں سے  
گزر رہا تھا۔ دو افسران نے ووربین کے ذریعے دو افراد کو  
پہاڑ کی چوٹی پر لڑتے دیکھا۔ ایک نے کہا۔ "یہ کون ہیں؟ لہو  
لہان دکھائی دے رہے ہیں۔"

وہ نیلی کوپٹر ان کے چادروں طرف چکر کاٹنے لگا۔  
دوسرے افسر نے کہا۔ "وہ ایک دوسرے پر حملے کر رہے  
ہیں۔ اس ویران اور حسناں پہاڑی پر یہ کہاں سے آئے  
ہیں؟"

نیلی کوپٹر اس بلندی پر اترنے لگا تو وہ دونوں لڑتے  
لڑتے رکت گئے۔ آرمی کے دو افسران اور کئی سپاہی نیلی  
کوپٹر سے اتر کر ان کی طرف آ رہے تھے۔ پھر ان کی  
صورتیں دیکھتے ہی ٹھک گئے۔ ایک افسر نے حیرانی سے  
پوچھا۔ "سنر آدم رہائی! سنر آدم رحمانی! یہ آپ ہیں؟ او  
گاؤ! آپ دونوں لہو لہان ہو گئے ہیں۔ اتنی بلندی پر آ کر  
ایک دوسرے کو زخمی کر رہے ہیں؟"

دوسرے افسر نے کہا۔ "ہمیں یقین نہیں آ رہا ہے کہ  
آپ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں۔"  
رہائی نے کہا۔ "ہمارا ایک ذاتی مسئلہ ہے، ہم اسے  
اپنے طور پر حل کر رہے ہیں۔"

افسر نے تعجب سے کہا۔ "کیا سائنس اس طرح حل  
کیے جاتے ہیں۔ یہ تو عداوت ہے۔ جبکہ آپ دونوں کی دوستی  
اور اتحاد بے مثال ہے اور آپ دونوں جلد ہی بوستان کو ایک  
مثالی ملک بنانے والے ہیں۔"

رحمانی نے کہا۔ "انشاء اللہ ہم ضرور بوستان کو صحیح  
معنوں میں اسلامیہ جمہوریہ بنا لیں گے۔ نی الحال آپ  
ہمارے ذاتی مسائل میں پریشان نہ ہوں۔ ہمیں تمہا چھوڑ  
دیں۔"

"سوری! خون ریزی ہر خان میں غیر قانونی ہوتی  
ہے۔ آپ دونوں کو حراست میں لے کر آپس کی دشمنی کو ختم  
کرنا ہمارا فرض ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ نادیدہ ہو کر  
ہم سے نہ چھپیں۔ راضی خوشی ہمارے ساتھ چلیں اور زخموں  
کی مرہم بی ہونے تک ہماری نگرانی میں رہیں۔"

رحمانی نے کہا۔ "اگر آپ بس بات کی ضمانت دیں

”یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ مجھ سے ملنے آئیں گے۔ میرے ملک کے عوام آپ کی آمد پر جشن منائیں گے۔“

”میں ایسی رگی خوشیاں نہ منائیں۔ میں ناپید ہو کر خاموشی سے آؤں گا۔ بوستان میں آئندہ انتخابات کے سلسلے میں اہم باتیں کروں گا پھر چلا جاؤں گا۔“

”یو آر ماسٹ ویلکم مسز ربانی!“ کچھ دیر بعد اس نے فون پر رہمانی سے کہا۔ ”مسز رحمانی! میں یہ سن کر حیران ہوں کہ ربانی نے آپ جیسے پہاڑ کو زخموں سے چور کر دیا ہے، یقین نہیں آ رہا ہے۔“

رحمانی نے کہا۔ ”یقین کر لیں۔ بڑے بڑے پہاڑ زلزلوں کے ایک ہی ٹکڑے سے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ میں بھی زخموں سے چور ہو گیا ہوں۔ میں انسان ہوں۔ پیرمین نہیں ہوں۔“

”آپ ہمارے لیے پیرمین ہیں۔ میں شروع سے آپ کا فین ہوں۔ آپ کی میعادت کے لیے آج ہی وہاں آنا چاہتا ہوں۔“

”پہنچ یہاں آنے کی زحمت نہ کریں۔ میں کل کسی وقت خود ہی وہاں آ کر اہم سیاسی معاملات پر گفتگو کروں گا۔“

اس نے خوشی کا اظہار کیا۔ ”یو آر ماسٹ ویلکم مسز رحمانی!“

اسے ان دونوں کا یہ اہم معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا کہ آئندہ انتخابات میں وہ اپنا پناہ محاذ بنا کر اپنے ووٹ کو تقسیم کرنے کی حماقت کرنے والے ہیں۔ معتمد خان اور اعظم خان کے لیے واقعی سنہری موقع تھا۔ وہ اپنے حصہ ووٹ بینک سے ذریعے ان سے بازی لے جا سکتے تھے۔

تاہم ربانی اور رحمانی کا مضبوط شلٹ نوٹ چکا تھا۔ وہ پریشان تھی۔ اس نے فون پر رحمانی سے کہا۔ ”میں کبھی ہوئی ہوں۔ وہ آٹھ گھنٹے بعد اسپتال سے ناپید ہو کر میرے پاس ضرور آئے گا۔“

وہ بولا۔ ”فکر نہ کرو۔ میں اس سے غافل نہیں رہوں گا۔ وہ جب بھی تمہارے پاس آئے گا تو میں اس کی گردن پر سوار ہو جاؤں گا۔“

تھوڑی دیر بعد ربانی نے فون پر اسے مخاطب کیا۔ ”میں کب سے انتظار کر رہا ہوں۔ تم اس کے ساتھ ہنسنے بولنے میں لگی ہوئی تھیں؟“

”تم نے ہنسنے بولنے کے قابل کہاں رکھا ہے؟“

تشویش کی بات نہیں ہے۔“  
”مگر اوہ معصومی نہیں ہے۔ وہ دونوں زخموں سے چور ہو کر اسپتال میں پڑے ہیں۔ پلیز مجھ سے نہ چھپاؤ۔ حقیقت کیا ہے، مجھے بتاؤ۔“

”ابو! ان کی ایسی کوئی کمزوری نہیں ہے جس سے فائدہ اٹھا کر آپ اپنی حکومت کو گرنے سے بچائیں گے۔“  
”میری حکومت کے گرنے سے پہلے وہ دونوں گر چکے ہیں۔ ایسے وقت ہاپ کے کام آؤ۔ کسی ایک سے میری دوستی کراؤ۔“  
”آگ اور پانی میں دوستی نہیں ہوتی۔ سوری آپ مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔“

وہ جھجھلا کر بولا۔ ”میں نادان نہیں ہوں۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ وہ تمہاری خاطر آپس میں لڑ پڑے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک ہی تمہیں اپنی ملکیت بنانا چاہتا ہے اور دوسرا تم سے دست بردار ہونا نہیں چاہتا ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔“

وہ اپنی سے ناراض ہو کر چلا گیا۔ ویلر کے نمائندے اسپتال میں ربانی اور رحمانی سے ملاقات کر رہے تھے۔ ان سے پوچھ رہے تھے کہ وہ ایک جان دو قلب تھے۔ اب ان کی آپس کی دشمنی سب کو حیران کر رہی ہے۔

رحمانی نے کہا۔ ”آپ حضرات کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہم کل تک پھر دوست بن جائیں گے۔“

دو ہفت اسکاٹی کے سفیر نے کچھ لیا کہ ربانی کو تشویش میں اتارا جا سکتا ہے، رحمانی ہاتھ نہیں آئے گا۔ سفیر نے ویلر اور ربانی کے درمیان میں فونک رابطہ کرا دیا۔

ویلر نے فون پر کہا۔ ”ربانی صاحب! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ رحمانی نے آپ جیسے پہاڑ کو اسپتال پہنچا دیا ہے۔“

وہ تن کر بولا۔ ”مگر نے بھی اسے اس اسپتال میں پہنچایا ہے۔ ہائی واد سے میں کسی سے ذاتی معاملات پر گفتگو نہیں کروں گا۔“

”بے شک، بے شک میں آپ کے کسی بھی ذاتی معاملے کو چھیڑنے کی حماقت نہیں کروں گا۔ میں تو شروع سے آپ کا فین ہوں۔ آپ دشمن ہیں۔ آپ سے ہنسنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔“

”میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ اب سے آٹھ گھنٹے بعد میں اس اسپتال سے چلا جاؤں گا۔ پھر کسی وقت بھی آپ سے ملاقات کے لیے آ جاؤں گا۔“

وہ تاہاں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔ "ہاں، درشا ہوں۔ پہلی بار تمہارے سامنے آئی ہوں۔"

"رہانی اور رحمانی تمہارے بارے میں بولتے رہتے ہیں۔ تم نے آتما شکتی حاصل کی ہے۔ ان دونوں کی طرح غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل ہو۔"

اس نے ورشا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "میں بہت خوش ہوں مجھ سے ملنے آئی ہو۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے۔"

وہ بولی۔ "میں رحمانی کے لیے پریشان ہوں۔ وہ چوبیس گھنٹوں تک تمہاری خدمت کرنے کے لیے جنگ لڑتا رہا ہے۔ میری آتما شکتی کہتی ہے۔ رہانی اس سے کم نہیں ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے شکست نہیں کھائیں گے اور کوئی کسی پر قابض نہیں آسکے گا۔ یہ جنگ نہ رکنے تو دونوں ہی مارے جائیں گے۔"

تاہاں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یا اللہ! میں کیا کروں؟ یہ خونیں کھیل میرے لیے جاری ہے۔ میں مرجاؤں گی تو کھیل ختم ہو جائے گا۔"

"تم ایمان والی ہو۔ خودکشی حرام ہے اس لیے تم نہیں مرو گی۔"

"درست کہتی ہو۔ ایمان مجھے روکتا ہے اور شیطان مرجانے پر مجبور کر رہا ہے۔"

"نہیں تاہاں! تمہیں نقصان پہنچے گا تو رحمانی صدمے سے ٹوٹ جائے گا۔ میں اپنے رحمانی کونوٹے نہیں دوں گی اسی لیے تمہارے پاس آئی ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔"

تاہاں نے پوچھا۔ "کیاں...؟"

"جہاں رہانی پہنچ نہیں سکے گا۔ تمہیں ڈھونڈنا رہ جائے گا۔ اس طرح رحمانی کو اطمینان ہوگا۔ ان دونوں کے درمیان خون ریزی نہ ہو جائے گی۔ صرف سرد جنگ رہے گی۔ تمہارا رہانی اور میرا رحمانی دونوں سلامت رہیں گے۔"

تاہاں نے خوش ہو کر اس کے گلے لگتے ہوئے کہا۔ "ابھی میں نے سجدہ کیا، ابھی میرا رب مہربان ہو گیا۔ تمہیں میری سلامتی کے لیے یہاں بھیج دیا۔ مجھے چھپا لو درشا! میرے رہانی سے نہیں شیطان مردود سے چھپا لو۔"

وہ چھپ گئی۔ یکتھ درشا کے ساتھ نادیدہ ہو گئی۔

دہشت زدہ کر دیا ہے۔ میں تمہاری ہوں۔ تمہاری ہی رہوں گی لیکن تم شیطانی مجتہد سے حاصل کرنے کی غلطی کر رہے ہو۔ کتنے نیک اور ذہین تھے۔ آج اپنی سستی خواہش اور ہوس کو نہیں سمجھ رہے ہو۔"

وہ بولا۔ "میں ایک سیدھی سی بات جانتا ہوں۔ ابھی نکاح پر حوازا ابھی میری ہو جاؤ۔ تمام جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ رحمانی سے دوستی ہو جائے گی۔ ورنہ..."

تاہاں نے کہا۔ "ورنہ تم اسے ختم کرو گے۔ وہ ابھی کہتا ہے کہ تمہیں ختم کر سکتا ہے۔ لیکن وہ تمہیں نہیں تمہارے اندر کے شیطان کو ختم کرے گا۔"

رہانی بولی۔ "وہ مجبور ہو کر تم سے لڑ رہا ہے۔ ورنہ تمہاری بہتری چاہتا ہے۔"

"میرے سامنے اس کا قصیدہ نہ پڑھو۔ ورنہ ابھی آ جاؤں گا۔"

وہ ذر کے خاموش ہو گئی۔

وہ بولا۔ "میں نے آری افسران کو زبان دی ہے۔ اگلے ساڑھے سات گھنٹے تک ان کی نگرانی میں رہوں گا۔ اس کے بعد دیکھنا کہ کیا ہونے والا ہے؟"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ "کہاں جائے؟ کیسے رہانی سے خود کو بچائے؟"

اس پر گھبراہٹ جاری ہو رہی تھی۔ وہ رہانی سے نہیں اس کے اندر کے شیطان سے گھبرا رہی تھی۔ ان دونوں کی طرح نادیدہ ہو جانا چاہتی تھی یا گناہ کی زد میں آنے سے پہلے مرجانا چاہتی تھی۔

وہ شکست خوردہ ہی ہو کر فرش پر بیٹھ گئی پھر دوڑا نو ہو کر سجدے میں چلی گئی۔

صرف وہی صمود حالات کو بدلنے کی قوت رکھتا ہے۔ دن کو رات میں اور رات کو دن میں تبدیل کر دیتا ہے۔ وہی محافظ ہے۔ خود خدمت کرنے نہیں آتا لیکن حفاظتی ذرائع پیدا کر دیتا ہے۔

اس نے سجدے سے سر اٹھا کر دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے دائیں طرف سر تھمایا تو یکبارگی چمک گئی۔

اس کے پاس دوسری تاہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

پہلے مردود اٹوٹھی۔ وہ عظیم بدھا کے آسن کے مطابق بیٹھی ہوئی تھی۔ کیروے رنگ کی ساڑھی اور بلاؤز میں بدن کی گوری رنگت جھلک جھلک کر رہی تھی۔

تاہاں نے حیرانی سے پوچھا۔ "درشا...؟ تم درشا ہو؟"

اچھی شہرت رکھنے والے سیاست دان اور فوج کے اعلیٰ افسران اسپتال میں آگئے تھے۔ رہانی اور رحمانی کے ساتھ ایک کامن روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے

جنسوسر ڈائجسٹ 122 جون 2015ء

Scanned By Amir

اپنے ملک بوستان کی ترقی و خوشحالی کو داؤ پر لگا جا رہا ہے۔“  
دوسرے افسر نے کہا۔ ”مسٹر رحمانی! اگر تباہی رسانی  
سے راضی ہے تو آپ کو رقیب نہیں بننا چاہیے۔“

وہ بولا۔ ”بخدا میں رقیب نہیں ہوں۔ دل و جان سے  
چاہتا ہوں کہ یہ دونوں رشتہ از دو اوج میں منسلک ہو جائیں  
لیکن آج نہیں۔“

ربانی نے کہا۔ ”آج نہیں۔ بلکہ نہیں۔ برسوں بھی  
نہیں۔ اس سے پوچھا جائے، یہ میری فوری شادی خانہ  
آبادی کے خلاف کیوں ہے؟“

رحمانی نے کہا۔ ”اس لیے کہ یہ اندر سے بیمار ہے۔  
جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں۔ ہم دونوں قدرتی طور پر  
غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ کسی کے اندر کی باتیں  
بھی جان لیتے ہیں۔ میں ایسی ہی صلاحیت کے ذریعے ربانی  
کو اندر سے بیمار دیکھ رہا ہوں۔ یہ بیماری تباہی کو نقصان  
پہنچائے گی۔ جب تک اس کا علاج نہیں ہوگا تب تک۔“

وہ گرجے ہوئے بولا۔ ”یہ کواں کر رہا ہے۔ آپ  
میرا ایڈیٹنگ چیک اپ کرائیں۔ مجھے کوئی خطرناک مرض تو  
کیا عام ہی بیماری بھی نہیں ہے۔“

”یہ جسمانی نہیں۔ روحانی طور پر بیمار ہے۔ آپ  
حضرات، نہیں یا نہ مانیں۔ اس کے مثبت خیالات منفی ہو  
گئے ہیں۔ یہ انسان سے رفتہ رفتہ شیطان بنا جا رہا ہے۔“

ربانی نے کہا۔ ”شیطان تم ہو۔ میرے خلاف زہر  
اگل رہے ہو۔ کیا آپ حضرات کی عقل تسلیم کرتی ہے کہ میں  
اب انسان نہیں رہا ہوں؟ کیا یہ بچوں جیسی مضحکہ خیز بات  
ذہن میں آتی ہے کہ ابھی آپ کے سامنے آدم ربانی نہیں  
کوئی شیطان جیسا بدل کر موجود ہے؟“

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”مسٹر رحمانی! آپ مسٹر ربانی  
پر جو الزام عائد کر رہے ہیں، اسے صرف جاوہر ٹونہ کرنے  
والے ہی تسلیم کریں گے تعلیم یافتہ اور ہاشورہ افراد کسی تسلیم  
نہیں کریں گے۔“

رحمانی پریشان ہو کر تمام حاضرین کو دیکھ رہا تھا۔ سب  
ہی ربانی کی حمایت میں بول رہے تھے۔ اس کے اندر کی  
شیطانی خواہش کو نہ کوئی سمجھ سکتا تھا نہ تسلیم کر سکتا تھا۔

وہاں اسی چھوٹی سی عدالت میں فیصلہ سنایا جا رہا تھا  
کہ رحمانی سراسر گلطی پر ہے۔ ابھی وہ ربانی سے ہاتھ ملانے  
کا تو تمام نظریں اور ہمدادیں فتم ہو جائیں گے۔

ایسے وقت درشانے اس کے کان میں سرگوشی کی۔  
”تمہاری ٹیک نیکی کو کوئی نہیں سمجھے گا۔ تم ربانی کے رقیب

چہرے اور ہاتھ پاؤں جہاں تک نظر آ رہے تھے۔ وہاں مرہم  
پٹی دکھائی دے رہی تھی۔ لباس کے اندر بھی گہرے زخم تھے۔  
اس کے باوجود وہ بڑی صحت مندی اور توانائی سے چلتے  
ہوئے کامن روم میں آئے تھے۔

رحمانی نے فوج کے افسران اور سیاست دان سے  
کہا۔ ”ہم چند گھنٹوں میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے اور  
یہ سمجھ رہے ہیں کہ تمام زخم اندر سے بھرتے جا رہے ہیں۔  
اگلے چند گھنٹوں میں ایک زخم کا بھی نشان نہیں رہے گا پھر ہم  
یہاں سے چلے جائیں گے۔“

ربانی نے کہا۔ ”یہ اچھا ہے کہ اسپتال میں ہم سب کو  
تنبھا ہو کر باتیں کرنے کا موقع مل رہا ہے۔“

ایک سیاست دان نے کہا۔ ”آپ دونوں ہمارے  
لیے بہت ضروری ہیں۔ اگلے ایکشن میں اپنے ملک بوستان  
کی تقدیر سنوارنے کے لیے ہم آپ کے شانہ بشانہ جدوجہد  
کرتے رہیں گے۔ ہماری کامیابی ہی تمہاری ہے لیکن آپ دونوں  
میں پھوٹ پڑ جائے گی تو ہم کسی ایک علاقے سے بھی  
کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔“

ربانی نے کہا۔ ”پھوٹ تو پڑ گئی ہے۔ اب میری  
سایا پارٹی میں رحمانی نہیں رہے گا۔ یہ اپنی پارٹی بنا کر  
ایکشن لڑے گا۔“

رحمانی نے کہا۔ ”میں آپ تمام حضرات کی موجودگی  
میں ربانی سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے ذاتی معاملے کو  
سیاست سے الگ رکھے۔ ہمیں بوستان میں اسلامی  
جمہوریت قائم کرنے کے لیے متحد رہنا ہوگا۔ عوام کی فلاح و  
بہبود کے لیے اور اسلامی آئین نافذ کرنے کے لیے انہما  
اتحاد لازمی ہے۔“

ربانی نے کہا۔ ”میں رحمانی کی بات مانتا ہوں۔ اگر  
آپ حضرات کے سامنے رحمانی بھی میری ایک بات مان  
لے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارے اتحاد کو نہیں توڑ سکے گی۔“

فوج کے اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”بہت بڑی کامیابی  
حاصل کرنے کے لیے مسٹر رحمانی کو آپ کی بات مان سنی  
چاہیے۔“

ایک سیاست دان نے پوچھا۔ ”بات کیا ہے؟“  
ربانی نے کہا۔ ”بات بالکل اتنی ہی ہے۔ ناخن برابر  
بھی نہیں ہے۔ میں معظم خان کی صاحبزادی تباہی سے آج  
ہی نکاح پڑھواتا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ بدترین رقیب بن گیا  
ہے۔“

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”تعب ہے۔ اتنی ہی بات پر



رحمانی نچل کر خڑا ہو گیا۔ ”کیا تم کو اس کا رہے ہو؟  
 تابان اپنے گل میں ہوں۔“  
 ”اباں نہیں ہے۔ تم معصوم نہ بنو۔“  
 تمام حاضرین ان دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھ  
 رہے تھے۔ ربانی کہہ رہا تھا۔ ”جب تم نے دیکھا کہ یہاں  
 تمہاری مرضی کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے تو تم نے تابان کو مجھ  
 سے دور کر دیا۔ اسے ایسی جگہ چھپایا ہے، جہاں میں پہنچ نہیں  
 پا رہا ہوں۔“

رحمانی نے حاضرین کی سمت دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔  
 ”آپ حضرات دیکھ رہے ہیں، میں یہاں سے نہیں نہیں  
 گیا۔ افسرانِ واہ ہیں۔ میں مسلسل ان کی نگرانی میں ہوں۔  
 تھوڑی دیر کے لیے بھی نظروں سے نہ جھٹک نہیں ہوا۔“  
 وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر کہہ رہا تھا۔ ”آپ  
 حضرات نہ جاؤ، دو نہ کوہنتے ہیں، نہ ہی میں کاٹا جا دو جانتا  
 ہوں۔ آپ فرمائیے میں یہاں بیٹھے ہی بیٹھے تابان کو کہاں  
 لے جا کر چھپا سکتا ہوں؟“

سب نے کہا۔ ”بے شک آپ یہاں تھے۔ پلیز مسز  
 ربانی! آپ رحمانی پر کھوکھلا اثرام نہ لگائیں۔“  
 رحمانی نے کہا۔ ”یہ میرے خلاف جو اس کرتا رہے  
 گا۔ مجھے تابان کی تلاش میں جانا ہے اس لیے آرمی کی  
 کھدائی سے نکل رہا ہوں۔“

ربانی نے کہا۔ ”میں بھی جا رہا ہوں۔“  
 آرمی کے اسی افسر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔  
 ”جسٹ اسے منٹ آپ دونوں ساتھ جائیں گے۔ وہ نہیں  
 ملے گی تو پھر لڑیں گے اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے  
 رہیں گے۔“

ربانی نے کہا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں، لڑائی نہیں ہوگی  
 لیکن وہ اسے ملے گی اور مجھ سے چھپے گی تو میں دونوں کو زندہ  
 نہیں چھوڑوں گا۔“  
 یہ کہتے ہی وہ چلا گیا۔ اسی وقت رحمانی بھی اس  
 اجلاس سے غائب ہو گیا۔ وہ دونوں نا دیدہ ہو کر ایک  
 دوسرے کو بھی نظر نہیں آتے تھے۔ اپنی مرضی ہو تو دکھائی  
 دینے گتے تھے۔ سیکڑوں ہزاروں میل دور رہ کر جب  
 چاہیں ایک دوسرے سے بول سکتے تھے۔

فی الحال ایک دوسرے کی نو سے معلوم کر لیتے تھے کہ  
 کون کہاں ہے؟ اور رحمانی کبھ رہا تھا کہ وہ اس کے قریب  
 ہی نہیں ہے۔ وہ درشا کے پاس پہنچ کر یہ معلوم کرنے کے  
 لیے بے چین تھا کہ اس نے تابان کو کہاں چھپایا ہے؟

اور دشمن کھلاتے رہو گے۔“  
 وہ بولا۔ ”میں ہر طرح الجھ گیا ہوں۔“  
 ”میں تمہاری جھن کو سلجھانے آئی ہوں۔ تمہارا نیک  
 مقصد یہ ہے کہ تابان اس وقت تک رہائی سے دور رہے  
 جب تک کہ اس کے اندر سے وہ مجھ اور شیطانی غلامت ختم  
 نہ ہو جائے۔“  
 ”ہاں۔ اس وقت تک تابان کو اس سے دور رکھنا ہو  
 گا۔“

”تو پھر مطمئن ہو جاؤ، میں نے دور کر دیا ہے۔ ربانی  
 اس کے سامنے تک بھی پہنچ نہیں پائے گا۔“  
 اس نے رحمانی سے سر نہیں کر دیکھا۔ وہ قریب ہی  
 کھڑی تھی۔ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف وہی دیکھ سکتا  
 تھا۔  
 وہ پھر جھک گئی۔ اس کے کان میں بولی۔ ”میں کسی  
 وقت تمہاری میں آؤں گی پھر باتیں ہوں گی۔ فی الحال میری  
 آتما کشتی پر بھروسہ کر دو۔ ربانی بھی تابان تک پہنچ نہیں پائے  
 گا۔“

وہ اتنا بہ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ایک اعلیٰ افسر  
 نے کہا۔ ”مسز رحمانی! آپ کو اکثریت کا فیصلہ تسلیم کرنا  
 چاہیے۔“  
 وہ جیسے شکست خوردہ سا ہو کر بولا۔ ”میں تسلیم کروں گا  
 لیکن ربانی پہلے تابان سے یہ پوچھ کر آئے کہ وہ آپ  
 حضرات کے فیصلے کو تسلیم کر رہی ہے یا نہیں؟ وہ مان لے گی تو  
 میں بھی مان لوں گا۔“

ربانی نے خوش ہو کر کہا۔ ”وہ ضرور تسلیم کرے گی،  
 میں ابھی جا کر پوچھتا ہوں۔“  
 وہ چشم زدوں میں دباں سے غائب ہو گیا۔ سیدھا  
 سرکاری محل میں آ گیا۔ تابان کی خواب گاہ میں پہنچا تو وہ نظر  
 نہیں آئی۔ اس نے واٹس روم کی طرف دیکھا۔ دور اندازہ ذرا  
 سا کھلا سا تھا۔ دن نے کہا۔ ”وہ دروازے کے پیچھے ہے۔  
 اس نے ہولے سے پکارا۔ ”تابان...!“

اسے جواب نہیں ملا، وہ بولا۔ ”دو باتیں کرنے آیا  
 ہوں۔ ابھی چلا جاؤں گا۔“  
 اس نے تمام محل میں تلاش کر یا مہتاباں نہیں نہلی۔  
 وہ محل سے باہر کھلی فصلا میں آ کر لمبی سانسیں لینے لگا۔  
 کسی بھی سمت سے اس کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ وہ غصے سے  
 پلٹ کر اسپتال کے کاسن روم میں آیا پھر رحمانی کو دیکھ کر چیخ  
 پڑا۔ ”کہاں ہے وہ؟ تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟“

وہ بولی۔ ”بہت مشکل ہے۔ شیطان کو مارو تو مرتا ہے پھر نئے جہنم میں پیدا ہو جاتا ہے۔“

”میں تاہاں کے لیے فکر مند ہوں۔ وہ کب تک حصار میں رہ کر زندگی گزارے گی؟ کسی کھلی فضا میں جانے کے لیے ترستی رہے گی۔“

”اس کی فکر نہ کرو۔ وہ جب بھی کہیں جانا چاہے گی، میری آتما سے اپنے اندر سمونے گی۔ میں اسے پوری دنیا کی میر کر سکتی ہوں۔ تمہارے پاس بھی لاسکتی ہوں۔“

”ابھی رہائی گہری نیند میں ہے۔ تاہاں کو یہاں لے آؤ۔ ہم باتیں کریں گے۔“

”پہننے رہائی کے پاس جا کر اس کی خبر لوں گی۔ اس کی نیند سے اندازہ کروں گی کہ وہ اور کتنی دیر تک سوتا رہے گا پھر تاہاں کو یہاں لاؤں گی۔“

وہ ذرا جذباتی سا ہو کر بولا۔ ”ورشا! میں خوش نصیب ہوں۔ تم مجھے دن و جان سے جانتی ہو۔ میری فکر اور پریشانیاں دور کرنے کے لیے تاہاں کو تحفظ فراہم کر رہی ہو۔ آؤ، آج مجھے چھو بیٹے دو۔ تمہیں کسی حد تک پالنے کو دل نہیں رہا ہے۔“

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ ”ہمارے درمیان یہ فاصلہ رہے گا۔ ابھی نہیں بھی ایک آزمائش سے گزرنا ہے۔“

”کیا کہہ رہی ہو؟ کیسی آزمائش سے گزرنا ہوگا؟“

”جی کہ مجھ سے دور دور رہنا ہوگا۔ مجھے چھو بیٹے اور پالنے کی تمنا کرو گے تو مایوسی ہوگی۔“

وہ بے تابی سے ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ ”ابھی ترپانے والی باتیں نہ کرو۔ میں ابھی تمہیں سینے سے لگا لوں گا۔“

”میں خود تمہاری دھڑکنوں میں سا جانا چاہتی ہوں لیکن یہ آرزو پوری نہیں ہوگی۔“

”ابھی کیا بات ہے؟ آرزو ابھی پوری ہوگی۔“

وہ یکفخت اس کے بالکل ہی قریب آگیا پھر اس نے بازو پھیلا کر اسے آغوش میں لینا چاہا۔ کچھ ہاتھ نہ آیا وہ گم ہو گئی۔

وہ بھی نادیدہ ہو کر بولا۔ ”ورشا! کیوں اچانک گم ہو گئی ہو؟“

اس کی آواز سنائی دی۔ ”گم نہ ہوتی تو مجھے بکڑ پینتے اور ہم ہوس کی دلدل میں دھستے چلے جاتے۔ جبکہ ہمارے مقدر میں ایسا کچھ نہیں ہے۔“

مگر وہ ورشا کے پاس جاتا تو رہائی بھی وہاں پہنچ جاتا پھر نادیدہ رہ کر ان کی باتیں سننا رہتا۔ وہ صبر کر رہا تھا۔ یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ پوری طرح محفوظ ہے۔

رہائی نادان نہیں تھا۔ اس کی تلاش میں ناکام ہونے کے بعد اب ورشا کی طرف خیال جا رہا تھا۔

اب وہ ورشا کے پاس جانا چاہتا تھا لیکن اس کی بھی مہک نہیں مل رہی تھی۔ وہ عظیم برہا کے قد آور جسم کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ اس جسم کے پیٹ میں رہتی تھی۔ اس نے وہاں جا کر دیکھا۔ اس پیٹ میں درجنوں جھکسور ہائش پڑے تھے۔ وہ نہیں تھی۔

پھر وہ اس آبتار کے قریب گیا جہاں وہ ایک چٹان پر بیٹھ کر میان و حیان میں مصروف رہا کرتی تھی۔ ورشا وہاں بھی نہیں تھی۔ رہائی پھر رحمانی کی بڑے قریب آگیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ رحمانی کے پیچھے وہ کر رہی ورشا تک پہنچ سکے گا۔

دیکھا جائے تو دونوں کسی کام کے نہیں رہے تھے۔

پوستان کے معاملات پر برائے نام توجہ دے رہے تھے پھر اپنے ذالی اور جذباتی مسائل میں الجھ رہے تھے۔

تاہاں محل سے اچانک گم ہو گئی تھی۔ ماں باپ پریشان تھے۔ پولیس اور اعلیٰ جنس والے پورے ملک میں اسے تلاش کر رہے تھے۔ رحمانی کے بارے میں یہ رائے قائم کی جا رہی تھی کہ اس نے تاہاں کو رہائی سے دور کیا ہے۔

وہی جانتا ہے کہ وہ کہاں ہوگی؟

ماں غمگین تھی کہ بیٹی جہاں بھی ہے، عزت آبروی سلاستی کے ساتھ محفوظ ہے۔

رحمانی گہری نیند میں تھا، اچانک ہی آنکھ کھل گئی۔ ورشا کے آنے سے آہٹ نہیں ہوئی تھی پھر بھی جیسے دل پر دستک ہوئی اور آنکھوں کے در کھل گئے، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے فوراً ہی گہری سانس لیتے ہوئے رہائی کی مہک کو محسوس کرنا چاہا۔ ورشانے کہا۔ ”وہ نہیں ہے، میں اسے دیکھ کر آ رہی ہوں وہ گہری نیند میں ہے۔“

اس نے پوچھا۔ ”پہلے یہ بتاؤ، تاہاں کہاں ہے؟ اسے کیسے پھیلایا ہے کہ ہائی اسے ڈھونڈ نہیں پا رہا ہے؟“

”میں نے اسے روحانی حصار میں رکھا ہے۔ شیطانی قوت اس کا سراغ نہیں لگا سکتے گی۔“

”تم پر خدا کی رحمت ہو۔ تم تاہاں کے ساتھ بہت بڑی نیکی کر رہی ہو۔ میں اپنے رب سے دعا مانگتا ہوں۔ کوئی ایسا راستہ ہے کہ میں رہائی کے اندر پہنچ کر اس کے اندر کے شیطان کو مار سکوں۔“

ربانی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ فوراً ہی بستر سے اٹھ کر کھڑا ہوا پھر تادیدہ ہو کر رحمانی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ درشا کی آتما ربانی کے اندر سے نکل آئی تھی۔ اسے اتنا سوخ نہیں ملا کہ وہ رحمانی کو بدلتے ہوئے حالات سے آگاہ کرتی۔

اس وقت رحمانی ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ درشا اور تاباں کا انتظار کر رہا تھا اور ربانی ایک طرف کھڑا سوچ رہا تھا۔ "یہ تھا ہے۔ تاباں نہیں ہے لیکن بہت خوش نظر آ رہا ہے۔ مجھے خواب میں آگیا تھا ہے۔ تاباں کو یہاں ہونا چاہیے۔ یہ جاگ رہا ہے۔ شاید اسی کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ آنے والی ہے۔"

درشا کو ربانی کی مہک نہیں مل رہی تھی لیکن سمجھ رہی تھی کہ وہ موجود ہے۔ اس نے سوچا: "رحمانی کو بھی اس کی موجودگی کا علم ہونا چاہیے۔ اسے دشمن سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔"

اس نے اپنی گفتگو سے ایک ناگوار سی ٹو پیدا کی۔ رحمانی صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے دماغ میں چٹخا ہوا سوال پیدا ہوا۔ اپنا تک یہ تو کیسے آ رہی ہے؟

اس نے غصے سے خلا میں تجھے ہوئے کہا۔ "ربانی! تم یہاں آ کر پہنچاؤ جتے ہو۔ مجھے تمہاری بول رہی ہے۔ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ میں نہیں جانتا، تاباں کہاں ہے؟ پلینز یہاں سے جاؤ۔"

ربانی نے مایوس ہو کر سوچا۔ "کیا وہ شیطانی خواب چھوٹا تھا؟ کیا شیطان نے میری بگوٹھ نہیں کی ہے؟ رحمانی نے کہا۔ "تمہارے چپ رہنے سے میں دھوکا نہیں کھاؤں گا۔ تم یہاں موجود ہو۔"

وہ بولا۔ "ہاں میں موجود ہوں۔ مجھے شیطانی قوت سے معلوم ہوا ہے، تاباں یہاں آنے والی ہے۔"

"تمہاری شیطانی قوت سراسر کجواس ہے۔ نہ وہ یہاں آنے والی تھی، نہ کبھی آئے گی۔"

"ہاں، اب نہیں آئے گی۔ میں آ گیا ہوں۔ تم نے اسے آنے سے روک دیا ہے۔"

"جب میں جانتا ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے تو اسے کس طرح آنے سے روکوں گا؟"

"جموٹ مت بولو۔ جہاں اسے چھپایا ہے وہاں سے وہ آنے والی تھی۔"

"تو پھر دن رات یہاں بیٹھے رہو۔ میں سونے جا رہا ہوں۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ ربانی نے

"تمہارے مقدر میں کیا ہے؟ جو تمہیں معلوم ہے مجھے بتاؤ۔"

"بتاؤں گی۔ پہلے تاباں کو یہاں نے آؤں۔ اسے دیکھو، باتیں کرو مطمئن ہو جاؤ پھر ہم اپنی باتیں کریں گے۔"

وہ وہاں سے آگئی۔ ربانی کے کمرے میں پہنچ گئی۔ تاباں کو حصار کے اندر سے باہر لانا تھا۔ اس سے پہلے یقین کر لینا چاہتی تھی کہ وہ وریک گہری نیند میں رہے گا۔

اس کی آتما نیند کی گہرائی اور خواب کی گرفت کو سمجھنے کے لیے ربانی کے اندر پہنچ گئی۔ وہ خواب کی رنگین دنیا میں تھا۔ کئی حسینا میں اس کے آس پاس حسن و شباب کے جنوے دکھار رہی تھیں۔ اس کے ذہن میں ہلالہ کا بدن نقش ہو گیا تھا اور ہلالہ تاباں کا دوسرا روپ تھی۔ وہ حسیناؤں کے ہجوم میں تاباں کو ڈھونڈ رہا تھا۔

ایک یونا شیطان ٹرے لیے اس کے سامنے آیا اور بولا۔ "بیو اور چیو۔ چونہ ملے اس کا تم نہ کرو۔ جو دستیاب ہو اسے تاباں بنا لو۔ وہ جو ہاتھ نہیں آ رہی ہے، ایک دن ضرور ہاتھ لگے گی۔"

ربانی نے اسے گھور کر دیکھا پھر شراب کی ٹرے کو ایک ہاتھ مار کر گراتے ہوئے کہا۔ "مجھے صرف تاباں کا نشہ ہے۔ میرے اطراف حسیناؤں کا سیلہ نہ لگاؤ۔ اس حسن بلا کو لاؤ۔ نہ لاسو تو اس کا سراغ لگاؤ۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

ایک اور یونا شیطان اس غلیظ مہجون کی پیالی ایک ٹرے میں لے کر آیا۔ اس نے پستے ہوئے کہا۔ "اس کی ایک خوراک تمہاری مرادیں پوری کرے گی۔"

اس نے پیالی کو اٹھا کر منہ سے لگانا۔ آنکھیں بند کر لیں پھر کھولیں تو رنگین نظارے کم ہو گئے۔ وہ شیطان کے اسی قد اور مجھے کے سامنے کھڑا تھا۔ مہجون کی کھٹی سیلی ڈکار آئی تو مجھے کے آگے سر جھکا کر دوڑا نو ہو گیا۔

اس کے اندر ایک بھدی سی آواز ابھری۔ "تو ابھی اسے پالے گا۔ اسے دیکھیے گا اور اس پر جھپٹ کر اسے اپنے گھبے میں لے سکے گا۔ جا رحمانی کے پاس... وہ آنے والی ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا پھر بولا۔ "میں اُدھر جاؤں گا تو وہ میری بو سے معلوم کر لیں گے کہ وہاں موجود ہوں۔ رحمانی پھر میرے مقابلے پر آئے گا تو وہ کم ہو جائے گی۔"

آواز آئی۔ "میں تھوڑی دیر کے لیے تیرے اندر سے اپنی مہک نکال دوں گا۔ کوئی تیری موجودگی کو سمجھ نہیں پائے گا۔"

کہا۔ ”ابھی بات ہے۔ میں جا رہا ہوں مگر یہاں آتا رہوں گا۔“

”سوری! پہلے نماز قائم کرو۔“  
 ”تم ہماری یہ باتیں تاباں تک پہنچاؤ۔ مجھ سے دو بات کراؤ پھر وہ جو کہے گی وہی کروں گا۔“  
 ”تم قسم کھا رہے ہو۔ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ یقین کرو تاباں سے میرا رابطہ نہیں ہے۔ وہ جب سے کم ہوئی ہے، میں نے اس کی آواز بھی نہیں سنی ہے۔“  
 ”پھر اتنے مطمئن کیوں ہو؟ اسے تلاش کیوں نہیں کر رہے ہو؟“

”میرا دل کہتا ہے وہ کہیں عزت و آبرو سے زندہ ہے۔“  
 ”درشا سے کہو، ہم پہلے کی طرح تھکے ہو کر پیار و محبت سے رہیں گے۔ وہ ایک بار مجھ سے ملاقات کرے۔“  
 ”خدا کرے ہم پہلے کی طرح پورے اہتمام سے متحد ہو جائیں۔ میں ابھی درشا سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

انہیں دس بجری آواز کا ترن سنائی دیا۔ ”میں موجود ہوں۔ کن رہی ہوں۔ ربانی! اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی کہ تم شیطان پر تھوک کرو انہیں آؤ گے۔ یوں مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”تم سے تمہاری میں دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“  
 ”تم رحمانی کی موجودگی نہیں چاہتے... کیوں؟“  
 ”کوئی سواں نہ کرو۔ رحمانی بھی اعتراض نہ کرے۔ پلیز مہری رہائش گاہ میں آؤ۔ میں جا رہا ہوں۔“  
 ربانی اپنی رہائش گاہ کے بیچروم میں آکر ٹہل رہا تھا۔ اسے درشا کی آواز سنائی دی۔ ”میں آئی ہوں۔“  
 وہ خلا میں تکتے ہوئے بولا۔ ”رؤبرو آؤ، پہلے بھی آچکی ہو۔“

وہ نمودار ہوئی۔ ربانی نے یقینت لمبی سانس کھینچی۔ ٹکا ہوں کے سامنے تاپوں کی رو سے رنگ کے لباس میں کھڑی تھی۔ دل و دماغ میں چھین چھا رہی تھی۔ اس کے اندر کوئی سچ رہا تھا۔ یہ درشا نہیں ہے۔ سر سے پاؤں تک دیکھو تیری تاباں ہے۔ یقین نہ ہو تو چل چھو کر دیکھ لے۔

وہ بے اختیار بولا۔ ”تاباں...!“  
 وہ بولی۔ ”میں درشا ہوں۔“  
 ”لیکن وہی حسن وہی روپ وہی بدن ہے صرف لباس بدلنے سے، ماتھے پر بند پانگانے سے تاباں کی صورت اور اس کا وجود بدل نہیں جائے گا۔ تم میرے لیے تاباں ہو۔“

وہ وہاں سے دور اپنی رہائش گاہ میں آ گیا۔ درشا اسے دیکھ رہی تھی۔ رحمانی کے پاس آ کر بولی۔ ”وہ اپنے بیڈ پر جا کر لیٹ گیا ہے پھر کسی وقت آسکتا ہے۔ تاباں کو یہاں لانا مناسب نہیں ہوگا۔“

”ٹھیک ہے۔ پھر کسی وقت اس سے ملاقات ہوگی۔ ابھی ہم اپنی باتیں کریں۔ تم نے یہ کہہ کر الجھا دیا ہے کہ مجھے تمہاری محبت میں آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔“  
 ”ہاں۔ اس سلسلے میں بہت کچھ کہنا ہے لیکن ابھی یہاں رہ کر بات نہیں کر سکتی۔ ربانی کسی بھی وقت اچانک ہی آکر ہماری باتیں سنتا رہے گا۔ میں پھر کسی وقت آؤں گی۔“

وہ چلی گئی۔ درشا تاباں، ربانی اور رحمانی کے حالات نے انہیں تھکا کر دیا تھا۔ ایک دہشت کے باعث دور ہو گیا تھا۔ باقی تین دوستی کے باوجود ایک دوسرے سے ٹل نہیں پارہے تھے۔ چوری پھینٹ کر چھڑتے رہتے تھے۔ عجیب مایوس کن حالات سے نڈر رہتے تھے۔



اب ربانی قبضہ روہ پر دوڑا تو ہو کر حیرت نہیں کرتا تھا۔ حد مرحدہ کرنا ہے اور ہر ناگہم پھیلا کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بیٹھ جاتا تھا اور بڑی عقیدت سے کہتا۔ ”میں ایمان والوں کے خلاف شیطان مہربان کی پناہ مانگتا ہوں۔“  
 تاباں سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اپنا فیصلہ رحمانی کے ذریعے اسے سنا دے۔ اس سے کہہ دے کہ وہ دین ایمان کی طرف لوٹ آئے گا جب وہ روپوشی ترک کر کے ظاہر ہو جائے گی۔

اس نے رحمانی کے پاس آکر پوچھا۔ ”میں سمجھتا کرنے آیا ہوں۔ کیا تمہارے اندر رقابت نہیں ہے؟ کیا دل سے چاہتے ہو کہ تاباں میری شریک حیات بن جائے؟“  
 اس نے کہا۔ ”خدا گواہ ہے، میں درشا کو شریک حیات بناؤں گا۔ تاباں صرف تمہاری ہے۔“

”میں ایمان کی طرف لوٹ رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ کتنے عرصے بعد اسے اپنی منگودہ بنا سکتوں گا؟“  
 ”جب اللہ کا نام تمہاری زبان پر آئے گا۔ تم قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھو گے اور نماز قائم کرو گے۔“  
 ”میں قسم کھا کر کہتا ہوں یہ شرائط پوری کروں گا۔ پہلے تاباں کو پرہیزگار سے باہر لاؤ۔“

”چلو میں وہی ہوں۔ یہی سمجھو کہ روپوش ہو گئی تھی۔  
 سامنے آگئی ہوں۔ بولو کہ مجھے حاصل کرنے کے لیے کیا  
 کرو گے؟“

”تمہیں ابھی اپنی شریک حیات بناؤں گا۔ مجھے ایک  
 ذرا چھوٹے دو پھر جو ہوگی وہ کروں گا۔“

”رحمانی تم سے کہہ چکا ہے پہلے اللہ کا نام زبان پر  
 لاؤ گے۔ یقین دلاؤ گے کہ ایمان والے ہو۔“

وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ”میں مانتا ہوں تم تاہم نہیں ہو  
 میں اس سے براہ راست من کر بات کروں گا۔“

ورشانے پوچھا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میں نے  
 اسے کہیں چھپایا ہے؟ جہاں چھپایا ہے وہاں کیا شیطانی

صلاحیتوں سے پہنچ پارے ہو؟ اگر نہیں تو مان لو کہ آتما نکستی  
 یعنی روحانی قوتوں کے آگے شیطان بے بس ہو جاتا ہے۔“

”مانتا ہوں۔ تاہم تک پہنچنے کے لیے سب باتیں مان  
 لوں گا۔ پلیز اسے میرے سامنے لاؤ۔“

”اسے سامنے نہیں لاؤں گی۔ تم صرف آواز  
 سنو گے۔“

”کیا وہ ابھی اس حصار سے باہر آ کر مجھ سے باتیں  
 کرے گی؟“

”وہ باہر آئے گی۔ اسے کوئی چھو نہیں سکے گا۔ میں  
 اسے اپنی آتما کے اندر چھپا کر لاؤں گی۔“

یہ کہتے ہی وہ مہم ہو گئی پھر دوسرے ہی لمحے میں نظر  
 آنے لگی۔ اس نے کہا۔ ”تم دیکھو گے میں چپ رہوں گی۔

تاہم میرے اندر ہے۔ سنو وہ بول رہی ہے۔“  
 ربانی نے دیکھا۔ اس کے ہونٹ چپ تھے اور تاہم

کی جانی پہچانی آواز ابھر رہی تھی۔ ”ربانی! میں بول رہی  
 ہوں۔“

وہ ورشانہ کو یوں دیکھنے لگا جیسے اس کے اندر ڈوب کر  
 تاہم تک پہنچنا چاہتا ہو۔ اس نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

”تاہم! مجھ سے کیوں چھپ رہی ہو؟“  
 وہ بولی۔ ”اس لیے کہ تم دین ایمان سے منہ چھپا

رہے ہو۔“  
 ”مجھے لگتا ہے سمجھو۔ میں ایمان والا ہوں۔“

”تو پھر کب تو میرے پڑھو۔“  
 وہ چپ رہا پھر پچھاتے ہوئے بولا۔ ”پڑھوں گا۔  
 تمہاری میں دو باتیں کروں گا اور پڑھوں گا۔“

”پہلے ایمان لاؤ پھر کوئی بات کرو۔ تعجب ہے  
 ربانی! تم مسلمان ہو۔ نام کے ہی سمجھا کہ تو یاد ہے پھر

پڑھتے کیوں نہیں؟“

”ابھی پڑھوں تو سامنے آ جاؤ گی۔“

ورشانے کہا۔ ”جب پورا یقین ہو جائے گا کہ شیطانی  
 قبضے سے نکل آئے ہو تو میں اسے ابھی لے آؤں گی۔“

تاہم نے کہا۔ ”پڑھو۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔“  
 اس نے خود پر جبر کیا۔ ہونٹوں کو سختی سے سمجھ کر کھولا تو

’ما‘ کی آواز نکلی۔ ”لا...“  
 تاہم نے کہا۔ ”نہیں لا کہو۔“

اس نے ایک ایک کر کہا۔ ”لا الہ الا اللہ۔ محمد۔ رسول...“  
 اس نے الا اللہ نہیں کہا۔ آخر میں بھی اللہ کا نام زبان

پر نہیں آیا۔ شیطان کو کلمہ منظور نہیں تھا۔ شیطان کی منظوری  
 نام منظوری سے کچھ نہیں ہوتا۔ حقیقت شیطانی مجنون اور رمال کی

خلافت کے باعث اللہ کا پاک نام ادا نہیں ہو رہا تھا۔ ایک  
 طرح سے وہ مجبور تھا۔ قابل رحم تھا۔

اتن غلطیاں کرتا ہے تب ہی سزا کے طور پر مجبور  
 ہے بس اور کمزور ہو کر شیطان کے زیر اثر آ جاتا ہے۔

تاہم نے کہا۔ ”تم سمجھ رہے ہو۔ بولو اللہ کا نام  
 تمہاری زبان سے تمہارے حلق سے اور تمہارے دل سے

کیوں نہیں نکل رہا ہے؟“  
 وہ بولا۔ ”توئی ضروری نہیں ہے کہ وہ نام لیا جائے۔

اس نام کے بغیر بھی زندگی گزرتی رہے گی۔“  
 وہ بولی۔ ”کافر کی زندگی ایمان والی کے ساتھ نہیں

گزرے گی۔ میرا خیال دماغ سے نکال دو۔“  
 وہاں رحمانی آ گیا۔ اس نے کہا۔ ”یہ تسلیم کر لو کہ تم

اندر سے خلیفہ ہو۔ یہ ارادہ یہ عزم کرو کہ اپنی رگ رگ سے  
 خلافت کو خارج کر دو گے، تب ہی اللہ کا پاک نام لے

سکو گے۔“  
 تاہم نے کہا۔ ”اگر دل میں یہ ٹھان لیا ہے کہ اللہ

کے بغیر زندگی گزار دو گے تو صاف ظاہر ہے تمہاری زندگی  
 شیطان کے سامنے میں گزرتی رہے گی۔ لوٹ آؤ۔ ورنہ آج

کے بعد میری آواز بھی نہیں سن سکو گے۔“  
 وہ غصے سے بولا۔ ”مجھے چیلنج نہ کرو۔ تمہارا وجود تمہارا

بدن میرے نیچے ہے۔ میں تمہیں حاصل کر کے ہی رہوں  
 گا۔ دنیا کے چنے چنے پر جا کر معصوم کروں گا کہ تمہیں کس ملک

میں کس علاقے میں ورشانے چھپایا ہے۔ میں اس کی بتائی  
 ہوئی ریکارڈ کو تو ذکر تمہیں لے آؤں گا۔“

ورشانے کہا۔ ”تم چیلنج کرتے رہو۔ میں تاہم کو  
 لے جا رہی ہوں۔ یہ تمہیں کہیں نہیں صرف ایمان کے

سب نے چونک کر انہیں رحمانی سے دیکھا۔ مہران کی آواز پر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ دلیل نے کہا۔ ”یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ آپ دونوں پہلے کی طرح ایک ساتھ ہیں۔“

رہائی نے اسے روکنے کے لیے اچانک اس پر چھلانگ لگائی۔ وہ جہاں تھی وہاں پہنچا پھر اسے دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ گرفت میں آ تو گئی لیکن وہ جسمانی وجود نہیں تھا۔

رہائی نے کہا۔ ”ہم ساتھ آتے ہیں لیکن ہماری اپیل اپنی سیاسی پارٹی ہوگی۔ ہم اپنے اپنے اقتدار کی جنگ لڑیں گے۔“

وہ محض آتما تھی۔ روح تھی۔ ایک نور تھا۔ رہائی کے دونوں بازو اس نور سے گزرتے ہوئے ہی اپنے ہی سینے سے لگ گئے۔ وہ ہستی ہوئی پیچھے ہٹ گئی پھر یوں۔ ”آؤ، مجھے چکڑ لو۔ میرے اندر تاپاں موجود ہے۔ مجھے گرفت میں لے کر اسے بھی گرفتار کر سکو گے۔“

رحمانی نے کہا۔ ”مجھے اقتدار حاصل کرنے کا شوق نہیں ہے۔ ہمیں بوستان کو اسلامی جمہوریہ بنانا ہے۔“

وہ بے بسی سے بولا۔ ”جاؤ، چلی جاؤ۔ میں جلد ہی تاپاں تک پہنچ کر تمہاری رکھا شکتی کو توڑ کر اسے لے جاؤں گا۔“

رہائی نے کہا۔ ”اسلامی احکامات میں اپنی پسندی ہے۔ یہ تو انہیں غیر مسلموں کے لیے مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ میں سیاست سے مذہب کو دور رکھوں گا اور دہانت اسکائی کے موجودہ حکمرانوں سے دوستی اور باہمی تعاون کے معاہدے کروں گا۔“

درشا نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس کے ساتھ تاپاں بھی چلی گئی۔ رہائی نے غلامی گھورتے ہوئے کہا۔ ”رحمانی! تم موجود ہو۔“

اس بات پر اسمبلی کے تمام ممبران تالیاں بجانے لگے۔ رحمانی نے کہا۔ ”میں رہائی سے متعلق نہیں ہوں۔ میں دہانت اسکائی سے ایسے محتاط معاہدے کروں گا جس کے نتیجے میں میرے ملک اور میری قوم کا سر نہ جھکے۔ ہمارا ملک قرضوں کے بوجھ تلے نہیں رہے گا۔ پچھلے قرضے پچھلے حکمرانوں سے وصول کیے جائیں گے۔ بوستان کا ہر باشندہ فخر سے کہے گا کہ وہ اپنے ملک کی تعمیر کسی بیسائیکٹی کے بغیر اپنے حوصلوں سے کر رہا ہے۔ ہم کسی ملک سے کبھی کچھ نہیں مانگیں گے۔ انشاء اللہ مانگنے والوں کو دیا کریں گے۔“

وہ بولا۔ ”میں تمہارے لیے پریشان ہوں۔ نوٹ آؤ رہائی! تم کسی دشمنی کسی چیلنج کے بغیر تاپاں کو محبت سے حاصل کر سکو گے۔ میری ایک بات مان لو۔“

اس بات پر حاضریں نے تالیاں نہیں بجائیں۔ خاموش بیٹھے رہے۔ وہ رہائی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ہماری محبتوں کا مثلث بہت مضبوط تھا۔ تم اسے توڑ رہے ہو اور میں اسے قائم رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب تم سیاست میں مخالفت کرتے ہوئے پورے ملک اور پوری قوم کو نقصان پہنچانا چاہتے ہو اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔“

”ماننے والی بات ضرور مانوں گا۔“

”آپ زہم زہم سے گلیاں کیا کرو۔ اس پاکیزہ مانی کو حلق سے اتار دے رہو۔ اندر کی غلاطت دھلتی رہے گی۔ زبان کے پاک ہوتے ہی اللہ کا پاک نام لے سکو گے۔“

”میں آپ زہم زہم کو نہیں مانتا۔“

درشا ان حالات کو دیکھ رہی تھی اور رحمانی کی مشکلات کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ”تم دونوں ہی غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل ہو۔ کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔“

رحمانی نے کہا۔ ”اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہمارے کام آنے کا وسیلہ بنا کر بھیجا ہے۔ تم تاپاں کو رہائی کے شر سے بچ رہی ہو۔ وہ اس کی بھونکنے اور اسے ڈھونڈنے میں ناکام ہو رہا ہے۔ تم میرے لیے یہ کر سکتی ہو؟“

”نہ مانو۔ صرف اسے پتے رہو اور کہیاں کرتے رہو۔ اس آہ پاکیزہ سے تمہیں فائدہ نہیں ہوگا تو نقصان بھی نہیں ہوگا۔“

”میں نے تمہاری بھونکنے میں فہم کر دیا ہے۔ اس طرح

”ٹھیک ہے، میں سوچوں گا۔ جاؤ یہاں سے۔“

رحمانی نے کہا۔ ”ہمیں بوستان کے معاملات میں متعلق اور تنہا رہنا ہے۔ میں دلیل سے مذاکرات کے لیے جا رہا ہوں پمیز میرے ساتھ چلو۔“

اس نے اعتراض نہیں کیا۔ دونوں دہانت اسکائی کے کیبل ٹاؤن میں پہنچ گئے۔ دہانت اسکائی میں تمام سیاست داں موجود تھے۔ دلیل کہہ رہا تھا۔ ”رہائی اور رحمانی نے چھ گھنٹے پہلے یہاں تھا کہ وہ مجھ سے ملاقات کرنے آئیں گے اور ایک دوسرے سے الگ رہ کر ذہم معاملات پر گفتگو کرتے گئے۔“

اسی وقت وہ دونوں وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے

تھیں ایک برتری حاصل ہوگی ہے۔ وہ کسی مرحلے پر بھی تمہاری موجودگی کو سمجھ نہیں پائے گا۔

”خدا کا شکر ہے۔ جی ہی برتری کافی ہے۔“

وہ دونوں آبتار کے قریب چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ ”ورثا ایک طویل تمکا دینے والی جگہ شروع ہوئی۔ اس سے پہلے میری ہو جاؤ۔ تم نے یہ کہہ کر ابھرا دیا ہے کہ ہمیں محبت میں آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ انکی یا آزمائشیں ہیں؟“

وہ بولی۔ ”ہمارے نصیب میں قربت نہیں ہے۔ لاصلے ہیں۔ ابھی ہم قریب ہیں لیکن میرا ہاتھ قحان چا ہونے تو میں چھوٹے بھی نہیں دوں گی۔“

”یہ ظلم کیوں کرو گی؟“

وہ سر جھکا کر بولی۔ ”مرد عورت جذبات کے مراحل میں ایک دوسرے کے اندر سما جاتے ہیں۔ تم میرے وجود میں نہیں اتر سکو گے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔“

وہ اسے حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ سمجھ رہا تھا اور کچھ سمجھنا چاہتا تھا اس نے کہا۔ ”تم نے مجھے ابھرا دیا ہے۔“

”کوئی الجھن نہیں ہے۔ سیدھی سی بات ہے۔ میں ایک ادھوری عورت ہوں۔ ایک عمل عورت تک پہنچانے والا کوئی راستہ میرے وجود میں نہیں ہے۔ یہ قدرت کی سحر عملی ہے۔“

ورثا کی زبان سے یہ ایسا انکشاف تھا جسے سنتے ہی وہ دہرے ہو رہ گیا۔ آخر کتنی میں مہارت حاصل کرنے والی دو شیزہ کی زندگی کا یہ ایسا راز تھا جسے سنتے ہی وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس نے تڑپ کر کہا۔ ”میرے دل دو ماٹا پر میرے حواس پر چھا جانے کے بعد مجھ سے دور ہوا جاؤ گی۔ تم دو کے درمیان ایک تاباں کا مسئلہ حل کرنے آئی تھیں۔ میں تمہاری خاطر تاباں سے دست بردار ہو گیا۔ اب تم دور ہو جاؤ گی۔ قاصد رکھو گی تو میری ازدواجی زندگی کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟“

”رحمانی! میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔ تمہاری دھڑکتوں سے لگ کر رہنے کو دل چلتا ہے۔ لیکن قدرتی حالات سے مجبور ہو گئی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟“

”تمہیں آگئی نئی ہے۔ پیش آنے والی بہت سی باتیں جان لیتی ہو۔ ہمارے بارے میں بتاؤ، ہم کس گھنٹ

اتریں گے؟“ اس نے آنکھیں بند کر لیں پھر کہا۔ ”جس گھنٹ اترو گے وہاں میں نہیں ہوں۔ وہاں...“

وہ ذرا چپ ہوئی پھر بولی۔ ”وہاں تاباں ہے۔“

”ورثا...! وہ ربانی کو چاہتی ہے۔“

”نہیں۔ آج بھی دونوں کو چاہتی ہے۔ میں بس کے اندر ڈوب کر دیکھتی ہوں۔ جب سے وہ شیطانی شے میں ہے اور تم دین کے راستے پر جہاد کر رہے ہو۔ اس کا ایمان واپس لانا چاہتے ہو تب سے تاباں کو تمہاری انسانیت اور شرفیت تمہاری طرف مائل کر رہی ہے اور وہ ابھی اس تبدیلی کو شعوری طور پر نہیں سمجھ رہی ہے۔“

”اور ربانی کا مستقبل کیا ہے؟“

”مضموم۔ فی الحال۔ تمہیں نہیں مل رہی ہے۔“

ورثا نے یہ انکشاف کیا تھا کہ تاباں رحمانی کی طرف جھک رہی ہے اور جو کافر ہے وہ دل کے جھبے سے نکل چکا ہے۔ شاید ہی وہ دین کی طرف واپس آسکے۔ اس انکشاف سے رحمانی کے اندر تازہ ہوا کا مہو ٹکا آیا۔ تاباں پھر اس کے اندر کو نہیں بیٹھے گی۔ ایک کھوئی ہوئی چیز اسے بھرنی رہی گی۔

☆☆☆

ہر انسان اپنے اندر بولتا ہے۔ کسی بھی اہم معاملے پر اپنے آپ سے مشورے کرتا ہے۔ کسی کے اندر ایمان زیادہ بولتا ہے۔ کسی کے اندر بے ایمانی چمکی رہتی ہے۔ ربانی کے اندر ایٹھ چمکنے رہتا تھا۔

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا اور شیطان سے ہم کلام تھا۔ وہ شیطانی مشیر کہہ رہا تھا۔ ”رحمانی کو کمزور کرنے اور اس کی کمر توڑنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ تاباں کو اپنے قبضے میں لایا جائے... یہ معلوم کیا جائے کہ اسے زمین کے کس حصے میں پہنچا کر حصار بندی کی گئی ہے؟“

ربانی نے کہا۔ ”یہ معلوم کرنے کے لیے مجھے پوری دنیا کے ایک ایک حصے میں جانا ہوگا اور میں جا رہا ہوں۔ اس میں بہت وقت لگے گا لیکن نہیں تو وہ جادوئی حصار مجھے روکے گا۔ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ تاباں کو وہاں چھپایا گیا ہے۔“

شیطان مشیر نے کہا۔ ”میرے سیکڑوں بیماری اور چیلے ابھی اسے تلاش کرنے نکلیں گے۔ آج ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ آج ہی تم اس کے قریب پہنچو گے۔“

وہ مطمئن ہو گیا۔ سیکڑوں بیماری اور چیلے تاباں کی

اسے نہ اٹھیا روک سکتے تھے، نہ آرمی روک سکتی تھی۔  
بھرموں کے باہمی تعلقات کے باعث وہ ایک اسمبلی فرس  
سے دوسرے اسلحہ کے اسٹروں تک پہنچ رہا۔ ایک ہی دن  
میں کئی اسلحہ فروش اور ان کے سرپرست پولیس افسران  
مارے گئے۔

ایک ہی دن میں یہ یقین: دنیا کے روزانہ دو چاروں  
بھرموں کو سزائے موت تھی رہے گی تو بوستان جرائم سے  
پاک ہو جائے گا۔ اور ایسا بھی ہوا نہیں تھا۔ کیونکہ اصلاح  
کے راستے پر رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ رحمانی تو صرف  
رہائی کے شیطانی ارادے ہی روک سکتے تھے۔

رہائی کو اطلاع مل رہی تھی۔ وہ ٹی وی چینل کے  
ذریعے دیکھ رہا تھا۔ رحمانی اسلامی نظام قائم کرنے سے پہلے  
بھرموں اور گناہگاروں کا کچھ اصراف کر رہا ہے۔

وہ اسکرین پر اسے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ شیطان کی  
پرستش کرنے لگا تھا۔ اسے قاطب کرسٹ اس سے مدد مانگنے لگا  
تھا۔ وہ شیطان سے کہہ رہا تھا۔ ”میں تیرا پرستار ہوں۔ میری  
شکست تیری شکست، میری ذلت تیری ذلت ہے۔ مجھے  
عزت اور برتری دے۔ میرے جسم کی کو قسم کر دے۔ پھر  
دہ دشمن بھی میری طرف سے اندھا ہو جائے گا۔ نہ مجھے تاش  
کر سکے گا نہ مجھ پر حملہ کر سکے گا۔ ٹی وی ایسی صورت پیدا  
کر دے کہ میں اسے ڈھونڈ کر اس کے راستے کی رکاوٹیں ہٹا  
رہوں۔“

اسے آواز سنائی دی۔ ”خوشبو لطیف ہی تڑک سی  
ہوتی ہے۔ دور تک پہنچتی ہے۔ بدبو کثیف اور گاڑھی ہوتی  
ہے ایک جگہ ٹھہر جاتی ہے۔ یہ تیرے اندر جمتی ہے۔ تیرے  
اندر سے میری رال اور مچھون کی بو بھی قلم نہیں ہوگی۔ میں  
تیرے اطراف حصار بنامہ رہا ہوں۔ وہ تجھے چھوٹا بھی  
چاہے گا تو قریب آتے ہی اس کا ہاتھ روک جائے گا۔ ایک  
آن دیکھی دیوار اسے روک لے گی۔“

”تو کرپٹ لوگوں کی مدد کرے گا۔ اس کی دی ہوئی  
سزائے موت سے انہیں بچاتا رہے گا تو تیرے چاہئے  
دالوں کی اور میری پوجا کرنے والوں کی تعداد بڑھتی رہے  
گی۔ اس ملک میں فریبی اور جنسی و ورتز زیادہ ہیں۔ بوستان  
میں تیری حکمرانی ہوگی۔“

ٹی وی اسکرین پر رحمانی کہہ رہا تھا۔ ”آج میں نے  
پندرہ گھنٹوں میں تین شہروں کے بھرموں کو سزائیں دی  
ہیں۔ آئندہ کسی شہر کسی علاقے کا ایک بھی مجرم مجھ سے چھپ  
کر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ جو اپنی سلاحتی چاہتے ہیں، وہ

تھامش میں جا رہے تھے۔ وہ رحمانی کی مسروقیات پر نظر رکھنا  
چاہتا تھا۔ اس نے دشمن کی مہک ڈگرت میں لے کر اس کے  
نریب پہنچنا چاہا تو پریشان ہو گیا۔ اس کی یہ نہیں مل رہی تھی۔  
بہری طرف رحمانی محبت وطن سیاست دانوں اور

صحافیوں سے ملاقات کر رہا تھا۔ ان کے ذریعے پریس اور  
انٹیکسٹوٹ میڈیا کو چند احکامات صادر کیے۔ یہ خبر شکر کی گئی  
کہ اسی لمحے سے کسی کے بھی گھر میں چھوٹا سا اسلحہ نہ رہے۔  
چوری ذمہ داری کا۔ جن مکانوں میں دکانوں اور موٹوں  
اور ٹیکسٹوں میں چھپا کر رکھا جائے گا، وہاں کے مکینوں اور  
بانکان کو مقدمہ چلائے بغیر آن دی اسپاٹ کوئی ماروی جائے  
گی۔

خبریں شکر کی جا رہی تھیں۔ بریکنگ نیوز کے ذریعے  
بھی وارننگ دی جا رہی تھی۔ بھرنا نہ زندگی گزارنے والے  
ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال رہے تھے۔ ان  
کے خیال میں یہ بات معتمدہ خبر تھی کہ ایک رحمانی کروڑوں  
باشندوں کے ہندو جھانک کر انہیں مجرم ثابت کر سکے گا۔

رحمانی نے کہا۔ ”ناظرین: میں نئی حکومت قائم کرنے  
سے پہلے اپنے ملک کو ہر طرح کے جرائم کی لعنت سے پاک  
کر دوں گا۔ یہ میرا پہلا قدم ہے۔ حکمین جرائم کے مرتکب  
ہونے والوں کو سزائے موت دوں گا۔ انہیں معافی نہیں ملے  
گی۔“

لوگوں کی جان و مال کے لیے پولیس کا محکمہ قائم کیا گیا  
ہے لیکن پولیس ہی ایسے بھرموں کی سرپرستی کرتی ہے اور ان  
کی پرورش کرتے ہوئے انہیں کمانی حاصل کرتی ہے۔“  
اس نے سرعام ان تھانیداروں کو گن کے نشانے پر  
لے کر کہا۔ ”کوئی عدالت نہیں کوئی مقدمہ کوئی پیشی نہیں۔  
جاؤ اپنے رب کے سامنے پیش ہو جاؤ۔“

اس نے دو تھانیداروں کو گولی ماری تو دوسرے  
تھانیداروں اور سپاہیوں نے اس پر اچانک ہی گولیاں  
چلائیں۔ وہ تو سامنے ہوتا بھی سے اور نہیں بھی ہوتا۔ حملہ  
کرنے والوں نے جیسے ہوا میں گولیاں چلائی تھیں۔ وہ  
ناوید ہو گیا تھا۔

لوگ کہہ رہے تھے یہی ہونا چاہیے۔ جو اپنے خلاف  
ثبوت اور گواہ نہیں چھوڑتے، تو ان کی گرفت میں بھی نہیں  
آتے۔ انہیں آدم رحمانی کی عدالت سے سزا ملنی چاہیے۔  
بھرنا نہ ذہن رکھنے والے سرمایہ دار وڈیرے اور سیاست  
وال جی رہے تھے کہ رحمانی قانون کو ہاتھ میں لے رہا ہے۔  
اسے روکا جائے۔



اسے ختم کر سکتا تھا۔ رحمانی نے اس پر بہت لے جاتے وقت جان نہیں لی تھی۔ لیکن ربانی ایسی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے حلق پر پاؤں رکھ کر اس پر کھڑا ہو کر سانس روک دینا چاہتا تھا۔

جیسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ اس کا پاؤں رحمانی کے حلق تک پہنچنے سے پہلے ہی رک گیا۔ اس نے پھر پاؤں کو پوری قوت سے آگے بڑھا کر پھر رک گیا۔

کوئی نادیدہ رکاوٹ تھی۔ اس نے جھک کر اس کا گلا دیونے کے لیے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ وہ ہاتھ بھی رک گئے۔ وہ جھنڈا کر اٹھتے ہوئے خدا میں نکلتے ہوئے بیچ کر بوز۔ "ذیل عورت! تو اسے پھاری ہے۔ اپنی آتما شکتی کے ساتھ رنج ہو جا۔ میرے راستے میں نہ آ۔"

نور روم کا پورا اسٹاف چپ چاپ آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ رحمانی ایک لاش کی طرح فرش پر پڑا ہوا تھا۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اسے اٹھا کر اسپتال پہنچاتا۔ وہ ربانی سے سبے ہوئے تھے اور وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کسی عورت کو نرسہ دھار ہاتھ اور کہہ رہا تھا۔ "تم یہاں سے نہیں جاؤ گی تو میں اسے اسپتال تک پہنچانے نہیں دوں گا۔ یہاں کسی ڈاکٹر کو قریب نہیں آنے دوں گا۔ تم دیکھو گی ابھی اس کا دم نکل جائے گا۔"

وہ چپ تھی، نہ بول رہی تھی، نہ اپنی موجودگی ظاہر کر رہی تھی۔ اسے جو کرنا تھا، چپ چاپ کر رہی تھی۔ ربانی نے دو چار منٹ کے بعد ہی دیکھ لیا۔ رحمانی کے چہرے اور گریوں سے لہو صاف ہو گیا تھا۔ تہاں چہرے کی جلد پھٹ گئی تھی وہاں کسی دھاکا لپ پڑنا ہوا تھا۔ وہ بیچ کر بولا۔ "اسے اتو کیا کر رہی ہے؟"

اس نے رحمانی کے منہ پر زور دار ٹھوکر مارنی چاہی لیکن وہ نلات وہاں تک نہ پہنچ سکی۔ آتما شکتی کی بندش نے اسے پھر روک دیا۔ وہ نہی طرح جھنڈا گیا۔ ادھر ادھر رحمانی کے اطراف جا کر اس پر حملے کرنے لگا مگر ناکام رہا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ رحمانی نے پانچ منٹ کے بعد ہی آنکھیں کھول دی تھیں۔

وہ چاروں شانے چت پڑا جھت کو تک رہا تھا۔ لمبی لمبی سانس لے رہا تھا۔ جوڑ کا توڑ تھا۔ میر پر سوا سیر تھا۔ واپس آ رہا تھا۔

اس نے شیطان کو پکارا۔ "کہاں ہے تو؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے ابھی اسے ماری ڈالا تھا۔ یہ ہمیشہ کے لیے ختم ہونے والا تھا لیکن نہیں ہو رہا ہے۔ اسے زندگی کی طرف نہ

بھرانہ زندگی گزارنے سے توبہ کریں۔ میں ان کے اندر کا حال معلوم کروں گا۔ وہ سچے دلی سے توبہ کریں گے اور پراسن شہری کی طرح شریفانہ زندگی گزاریں گے تو انہیں سزا دے دوں گا۔ سزائے موت نہیں دوں گا۔"

اسکرین پر اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سکرے اسے دکھانے سے قاصر تھے۔ البتہ نور روم کا عملہ اسے موجود دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی ربانی وہاں پہنچ کر بولا۔ "نظرین کرام! آپ کا یہ ربانی نور جینٹل میں حاضر ہو گیا ہے۔ یہاں نور روم میں سب ہی مجھے رحمانی کے روبرو دیکھ رہے ہیں۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ربانی نے کہا۔ "آج رحمانی نے ہمارے ملکی قوانین کو ہاتھ میں لیا ہے اور ہماری عدالتوں کی اور حکمرانوں کی توہین کی ہے۔"

مجھے لگسوس ہے، میں میں دیر سے آیا ہوں مگر آ گیا ہوں اب میں اسے قانون سے کھیلنے اور عدالتی فیصلوں کے بغیر کسی کی جان لینے کی آزادی نہیں دوں گا۔"

رحمانی نے کہا۔ "ربانی! ہمارے ملک سے جرائم کی لعنت ختم کرنے دو۔ یوستان کی بہتری کے لیے میرا ساتھ دو۔"

"میں یوستان کی عدالت کا اور قانون کے محافظوں کا ساتھ دوں گا۔ تم فرعون بن کر بے گناہوں کی زندگیاں سے نہ کھیلو۔"

"میں فرعون نہیں ہوں۔ یہاں قانون کے محافظ ہی مجرموں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ عدالتیں وہی فیصلے سناتی ہیں جو کرپٹ حکمران چاہتے ہیں۔ تم ان کی حمایت کرو گے تو جرائم میں اضافہ ہوگا۔ ایسے میں میری مخالفت تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔"

یہ کہتے ہی وہ نادیدہ ہو گیا پھر اس سے پہلے کہ رحمانی سمجھتا اس کے منہ پر تاج توڑ تین ٹھونسے پڑے۔ یوں کہا چاہیے کہ ہتھوڑے پڑے۔ وہ پکرا کر گر پڑا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی بچھا گئی تھی۔ منہ سے لہوا اٹ آیا تھا۔ چہرے کی چند پھٹ گئی تھی۔ اس میں نادیدہ ہو جانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ ربانی نے اس کے سر پر ایک ٹھوکر ماری تو دماغ اٹل کر رہ گیا۔ اس نے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر فرش پر اٹھا کر بٹھایا۔ پھر گھوم کر ایک ٹک ماری تو سینے کی ہڈی جیسے جھٹی گئی۔

وہ نادیدہ ہو کر چھینے اور فرار ہونے کے قاش نہیں رہا تھا۔ وہ دلی کے لیے یہ سہری منع تھا۔ وہ بیٹھ کے لیے

حاصل ہوتی رہتی تھی۔ اس رات کے پچھلے پہر بھی آگیا ایک خواب کی صورت میں آئی۔

وہ ایک عالم نامعلوم میں تھی۔ وہاں عجیب و غریب گنبد نما اور مثلث نما مکانات بنے ہوئے تھے۔ لوگ ربانی اور رحمانی کی طرح صحت مند اور قد آور تھے۔ خواتین تاباں اور ورشا کی طرح حسین تھیں۔ وہ سب کاروبار زندگی میں مصروف تھے اور عمر بھر بول رہے تھے۔

وہ بول چال میں اور طرزِ رہائش میں انسانوں سے مختلف تھے اور متحرک رہنے کے دوران بھی وقت ضرورت نا دیدہ ہو جاتے تھے۔ کہیں گم ہو جاتے تھے۔ پھر کسی دوسرے مطلوبہ مقام پر پہنچ جاتے تھے۔

دو سب دین دار تھے اور عبادت کے اوقات میں نمازیں پڑھتے تھے۔ ویسے دن اور رات دو صوب اور چھاؤں اور آگ اور پانی کا تھنا کہیں نہیں ہوتا؟ وہاں بھی تھا۔ وہاں بھی بے نمازی اور شہر پسند تھے۔ شیطان وہاں بھی بدکاروں کے اندر موجود رہا کرتا تھا۔

خواب نگر میں آگئی تماشادھاری تھی۔

ربانی اور رحمانی نظر آ رہے تھے۔ وہ آپس میں پڑوسی تھے اور بہت ہی محبت کرنے والے جاں نثار دوست تھے۔ وہاں کی معاشی اور معاشرتی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ دونوں ذہین اور شہزور تھے لیکن کبھی کسی اہم معاملے میں یہ ظاہر ہو جاتا تھا کہ رحمانی زیادہ ذہین اور نیک سیرت ہے۔ ربانی کے عمل سے انہماک میں خود غرضی چھلکتی تھی۔ اس کے باوجود وہ رحمانی کا بہترین دوست تھا۔

میران کی زندگی میں ایک حسینہ جیسا آئی۔ وہ ورشا تھی۔ اس کا نام بنت کا تھا۔ اسے دیکھتے ہی دونوں اس پر عاشق ہو گئے۔

ربانی نے کہا۔ ”یہ میرے دل کو بھانپتی ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔“

رحمانی نے کہا۔ ”میرا دل بھی اسے مانگ رہا ہے۔ ہم دوستوں کے درمیان رقابت نہیں ہونی چاہیے۔ عورت کی ہوس سر پر سوار ہو جائے تو مرد تہذیب اور شرافت کو بھول جاتا ہے۔ اللہ مجھے ہوس پرستی سے بچائے۔ میں بنت کا عمر کی طلب سے باز آ رہا ہوں۔ تم اسے ہی منگو۔ بناؤ۔“

ربانی نے خوش ہو کر اسے گلے لگا لیا پھر بنت کا عمر کے لیے پیغام بھیجا۔ اس کے والدین نے کہا۔ ”تمہیں دانہ بنا کر ہمیں خوشی ہوگی لیکن بی بی راضی نہیں ہے۔“

ربانی نے کہا۔ ”کیوں راضی نہیں ہے؟ یہ میری

لونے دے۔ جو رکاوٹ ہے اسے دور کر دے۔ مجھے اس کے پاس پہنچنے دے۔ اب بھی وقت ہے۔ میں اسے دل ڈالوں گا۔“

اسی لمحے ربانی کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے سامنے رحمانی یکفخت اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر بیٹھے ہی نا دیدہ ہو گیا۔

رحمانی کی توانائی بحال ہو گئی تھی۔ اسے بول رہی تھی۔ وہ دہے قدموں چھتا ہوا قریب آیا۔ اندازہ ہو گیا کہ وہ ہاتھ چلائے گا تو اس کے منہ پر ہڑے گا۔ ایک بار جھلنے کی زد میں آ جائے تو پھر تیزی سے اور مسلسل سے حملے کرے گا۔ اسے بھانٹتے نہیں دے گا۔

لیکن جو سوچا تھا وہ نہ ہوسکا۔ رحمانی کا گھون اس کے منہ کے قریب آ کر روک گیا۔ شیطانی بندش نے اسے روک دیا تھا۔

ربانی نے محسوس کیا کوئی چیز قریب آئی ہے۔ اس نے چشم زدوں میں جگہ بدل دی۔ اس سے دور ہو گیا لیکن اپنی ٹوکو جھپٹا نہیں سکتا تھا۔ رحمانی نے اسے سوچتے ہوئے نا ت داری لیکن نا دیدہ رکاوٹ سے تھکا کر فرش پر گر پڑا۔

ربانی اسے کرتے ہوئے دیکھ لیتا تو جوابی حملہ کرتا۔ وہ جگہ بدل کر سوچ رہا تھا۔ کیا کرے؟ میدان میں دشمن نظر نہ آئے اور اس کی اپنی موجودگی پکڑی جائے تو پھر شامت آ جائے گی۔ اسے پھر اسپتال پہنچا دینا چاہئے گا۔

وہ اپنی رہائش گاہ میں آگیا لیکن نا دیدہ رہا۔ اسے رحمانی کی آواز سنائی دی۔ ”کبھی بھی جاؤ“ میں تمہارے سر پر مسلط ہو جاؤں گا۔ فی الجہاں شیطانی حصار میں محفوظ ہو۔ لیکن سب تک؟ شیطانی عمل دہرا نہیں ہوتا۔ میں کانے جاود کا تو ذکر کروں گا۔ ورشا کو شش کر رہی ہوگی۔ چلو دو چار گھنٹے کی چھٹی کرتے ہیں۔ میں چند پوری کرنے جا رہا ہوں۔“

پھر خاموشی چھا گئی۔

کبھی سے دشمنی کرنے والے اور کسی کی دشمنی سے بچنے والے بھی ایک دوسرے سے غافل نہیں رہتے لیکن نیند کی حالت میں غافل رہنا ہی پڑتا ہے۔ نہ سونا چاہو تب بھی نیند غالب آ جاتی ہے۔

ویسے وہ نیندوں اپنے طور پر مصمم تھے۔ انہیں غفلت کے دوران کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ اپنے اپنے حصار میں محفوظ تھے۔ انہیں ایک نیونٹی بھی کاٹنے کو نہیں آ سکتی تھی۔

ورشا کو تماشائی حاصل کرنے کے بعد وقتاً فوقتاً آجی

دوسرے ہی دن ہوس نے ایسا تڑپا کندہ چوری چھپے اس کی ظلمت میں پہنچ گیا اور ایسے وقت پہنچا جب وہ غسل کر رہی تھی۔ وہ نگارہ تو پاگل کر دینے والا تھا۔

وہ دیوانہ وار جھپٹ پڑا۔ شعلوں کی طرح اس سے لپٹ گیا۔ اس حیا والی پر اچانک ایسی التا آپڑی تھی کہ دم بخود رہ گئی۔ اس کی اوپر کی سانس اور ہی رہ گئی۔ شرم والیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ وہ دوسری سانس نہ لے سکی۔ اس کی گرفت میں سرد پڑ گئی۔ اس پر ایسی ہوس غائب آئی تھی کہ وہ بدن کو چھوڑ رہا تھا۔ گدھ مردار سے ہی بھوک مٹاتا ہے۔ لیکن...

لیکن وہ بو کھلا گیا۔ بھوک مٹانے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ چگاڈر کی طرح ادھر سے ادھر بھٹک رہا تھا۔ بدن کی دیواروں سے ٹکرا کر پست رہا تھا۔ وہ کچھ اور نہیں تھی۔ قدرتی طور پر تیسری مخلوق تھی۔

وہ فوراً ہی وہاں سے فرار ہو گیا۔ نادیدہ ہو کر چھپنے کے کئی راستے تھے لیکن سردار سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ کچھ مٹا نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جو گرم ہو جائے۔ اس واردات کی اطلاع وہاں تک پہنچی نہیں تھی۔ سردار اسے معاف کرنے والا نہیں تھا۔ سزائے موت لازمی تھی۔

وہ رحمانی کے پاس آ کر بولا۔ "مجھ سے بہت بڑی بھون ہوئی ہے۔ سردار مجھے بڑی اذیت ناک سزائیں دے گا۔"

اس نے پوچھا۔ "لیکن کیا بھول ہو گئی ہے؟"

"تم سنو گے تو نفرت کرو گے۔ دوستی بھول جاؤ گے۔"

وہ بولا۔ "دوستی آزمائشوں سے گزر کر ہی مستحکم ہوتی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ دوستی ہر حال میں قائم رہے گی۔"

اس نے کہا۔ "میرے دوست! مجھ پر ہوس غائب آ گئی تھی۔ میں بہت قاصر کی ظلمت میں چلا گیا تھا۔" وہ بے یقینی سے بولا۔ "یہ کیسی بے حیائی کی بات کہہ رہے ہو؟"

"میں کیا کروں؟ مجھ پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ بہت بچھتا رہا ہوں۔ وہ حیا والی مجھے دیکھتے ہی سرگی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔"

رحمانی حیرت زدہ سا اس کا منہ بک رہا تھا۔ انہا نے کہا۔ "رہانی! تمہارا گناہ ناقابل معافی ہے۔ سردار نہیں

توہین ہے۔ کیا وہ رحمانی سے راضی ہے؟"

اس کے والدین نے جواب دیا۔ "نہیں۔ وہ بہتی ہے۔ کبھی شادی نہیں کرے گی۔"

اس نے بہت قاصر کے پاس آ کر پوچھا۔ "مجھ میں کیا کمی ہے؟ کیوں شادی سے انکار کر رہی ہو؟"

"مجھ میں کمی ہے اس لیے انکار کر رہی ہوں۔ شادی ازدواجی زندگی کے معاملات میں مجھ سے نہ بولو۔"

"سچ بولو۔ کیا رحمانی سے شادی کرو گی؟"

"نہیں۔ میں تمام عمر تنہا رہوں گی۔"

"میں نہیں مانتا۔ ایک حسین و شیزہ تمام عمر تنہا نہیں رہ سکتی۔ اسے ٹونے والے آجاتے ہیں۔"

"مجھے بچانے والا اللہ ہے۔"

تب رہائی پر شیطان مسلط ہوا۔ وہ اس کے پریشانی وجود کو دیکھ رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا۔ "مجھ سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

اس نے رحمانی کو دل کی بات نہیں بتائی۔ اپنی بدینتی چھپالی۔ اس نے کہا۔ "رحمانی! ہم بہت قاصر کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔ میں بھی اس کی طلب سے باز آ رہا ہوں۔"

وہ پوری قوم غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل تھی۔ وہ سب ہی وقتاً ضرورت غائب ہو جاتے تھے۔ کوئی بھی بیمار نہیں ہوتا تھا۔ جوڑھی ہوتا اس کے زخم تھوڑی دیر میں بھر جاتے تھے۔ ان کے پاس ایسی دوائیں تھیں جو ٹوٹی ہوئی بڈیوں کو بوز دیتی تھیں۔

اسی قوم کا سردار ان سے بھی زیادہ طلسمی صلاحیتوں اور قوتوں کا حامل تھا۔ اس کے دل میں خوف خدا تھا۔ وہ دینی احکامات پر سختی سے عمل کرتا تھا اور عمل کراتا تھا۔ مسکروں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ رہائی منکر ہو چلا تھا اور اس کی نظروں میں آ گیا تھا۔

اس نے رہائی کو طلب کیا۔ پھر کہا۔ "تم شیطانی گرفت میں ہو تمہارے ارادے ناپاک ہیں۔ میں تمہیں سبیل اور آخری بار تاکید کر رہا ہوں۔ بہت قاصر کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔ قریب بھی نہ جانا۔ وہ پاکیزہ ہستی ہے۔ اسے کوئی ناپاک نہیں کر سکے گا۔"

اس نے سردار کے سامنے سر جھکا لیا اور دل بہت قاصر کی طرف ہی جھکا رہا۔ اس نے رحمانی کو یقین دلا یا تھا کہ وہ اس حسین و شیزہ کو دل سے نکال چکا ہے۔ جبکہ دل میں شیطان اچھل رہا تھا۔ کسی طلب سے روکو تو وہ طلب اور شدت سے پکار رہی ہے۔

لی کہ بنت قائمہ کی روح بھگ رہی ہے۔ طبیعی عمر کے مطابق بس کی زندگی کے چالیس برس باقی تھے۔ وہ بیس برس میں ہی اپنے جسم سے جدا ہو گئی تھی۔

یہ قدرتی معامات ہوتے ہیں اور معلومات اس حد تک ہیں کہ ہر ذی نفس کے جسم میں آنے سے پہلے روہیں عالم ارواح میں رہتی ہیں پھر بعد از موت برزخ میں چلی جاتی ہیں۔

سردار و جہاںگیری مل رہی تھی وہ نفلط ہو سکتی تھی۔ حقیقت سے بعید ہو سکتی تھی۔ اس نے ذہن کی اسکرین پر دیکھا۔ بنت قائمہ کی روح ایک ماں بننے والی کے جسم میں چھپی گئی تھی اور وہ ماں آدم زادوں کی دنیا میں کھس رہتی تھی۔

یہ آگئی تھی کہ وہ ارضی دنیا میں جا کر پھر روحانی قومیں (آتما شکتی) حاصل کرے گی۔ وہ آخری معلومات تھیں۔ اس کے بعد سردار کو اس کے بارے میں پھر کبھی کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

ربانی کورسوں تک سخت نگرانی میں رکھا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ شیطان کے اثر سے نکل گیا ہے۔ دینی علوم حاصل کر رہا ہے۔ لیکن بنت قائمہ کی طرح روحانی علوم حاصل نہ کر سکا۔ اس کے باوجود سزائے موت ٹل گئی تھی۔

سردار نے کہا: "اب اس شرط پر معافی دے گی کہ تم انہوں کی دنیا میں جاؤ گے۔ وہاں دین اسلام کے دشمنوں سے جہاد کرو گے یا کسی ملک میں اسلامی نظام قائم کرو گے۔"

اس قوم کے افراد ارضی دنیا میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ رحمانی نے کہا: "آپ مجھے بھی اجازت دیں، میں ربانی کے ساتھ جاؤں گا۔ ہم دن رات ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے عادی ہیں۔ وہاں بھی ساتھ رہ کر اپنے دین کے تقاضے پورے کریں گے۔"

اسے بھی اجازت مل گئی۔ سردار نے اپنے دستور کے مطابق ان کی یادداشت چھین لی تاکہ وہ دوسری دنیا میں کسی کو نہ بتائیں کہ وہ کون ہیں اور کسی عالم نامعلوم سے آئے ہیں۔

☆☆☆

درشاکی آنکھ کھل گئی۔ خواب تمام ہو گیا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ رات جانے والی تھی اور کسی دم صبح ہونے والی تھی۔ صبح سے پہلے ہی اس کا دماغ روشن ہو گیا۔ آگئی نے گم شدہ یادوں کے درپے کھول دیے

ازیت ناک سزا نہیں دے گا۔ میں تمہارے لیے کیا کروں؟

"سردار تمہاری قدر کرتا ہے۔ اس نے تمہیں معزز شہری کا درجہ دیا ہے۔ تم اس کے ایک اعلیٰ ورہی بھی ہو۔ میرے لیے اس کے قدموں میں گر جاؤ۔"

"تم اس سے چھپ نہیں سکو گے۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارے بچاؤ کے لیے جو کر سکتا ہوں وہ کروں گا۔"

وہ دونوں اسی لمحے... سردار کے زور بردار کر جھٹ گئے۔ سردار نے کہا: "ہمیں معلوم تھا کہ آرہے ہو۔ رحمانی! کیا سوچ کر اس کی سفارش کرنے آئے ہو؟ یہ شیطان مردود کے زیر اثر رہتا ہے۔ اس نے گناہ کبیرہ کیا ہے۔ بنت قائمہ ایک ذہین عالم تھی۔ روحانیت کی طالب تھی۔ بے حیائی اس کے لیے ہم قابل تھی اور اس مردود نے اسے قتل کر دیا۔"

رحمانی نے کہا: "بے شک اس کا جرم ناقابل معافی ہے۔ وہ روحانی علوم کی روشنی سے معمور ہو رہی تھی۔ اس نے تکلف سے بچا دیا ہے۔ مجھ ناچیز کی عقل کہتی ہے کہ مجھے ہوئے چراغ کو پھر روشن کیا جاسکتا ہے۔ جو نور بنت قائمہ کے اندر تھا اسے ربانی کے اندر پیدا کیا جاسکتا ہے۔ آپ اسے سزائے موت دیں گے۔ یہ مر جائے گا۔ اسے زندگی دیں گے۔ سخت نگرانی میں اس کی اصلاح کریں گے تو یہ بنت قائمہ کے تمام روحانی مراحل سے گزر رہا ہے گا۔ ہماری قوم کو ایک سچا مستند عالم بنے گا۔"

سردار نے کہا: "جس پر شیطان مسلط ہو جائے وہ پھر دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا۔ ایک معتد عالم بن ہی نہیں سکتا۔"

"آپ سے اتفاق ہے۔ اسے دینی علوم حاصل کرنے کے ابتدائی مرحلے میں آزمائیں۔ اگر یہ امتحانات میں کامیاب ہوتا رہے تو اسے روحانی علوم کی طرف جانے کی زندگی دی جائے۔"

"تم ایک تعمیری مشورہ دے رہے ہو۔ بے شک اسے آزما یا جائے گا۔"

سردار کے حکم سے اس کے پانچ ربانی دوستوں سے ملے گئے۔ وہ ایک نامعلوم مدت کے لیے رحمانی سے پھڑ گیا۔ اچھا تو ہوا کہ جان کی امان مل گئی۔ وہ آئندہ بھی سانس لیتے رہنے کے لیے شیطان سے لڑنے والا تھا۔ اس کی سلامتی دین سے وابستہ ہو گئی تھی۔

سردار روحانی علوم کا حامل تھا۔ اس رات اسے آگئی

"ہاں۔ وہ بہت قائمہ سیری اور تابوں کی ہم شکل تھی۔ پوری آگہی میں تاہاں نظر نہیں آئی۔ شاید اس لیے کہ وہ اس ارضی دنیا کی حوازاوی ہے۔"

میں پاکیزہ ہستی سمجھی جاتی تھی۔ یہ تو قدرتی طور پر وہی تھی جو آج بھی ہوں۔ کوئی مجھ سے جسمانی رشتہ قائم نہیں کر سکتا۔ میں ہوس کی آلودگی سے پاک رہا کروں گی۔ میں وہاں روحانی قوت حاصل کرنے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ ربانی کی شیطانی مداخلت نے سیری جان لے لی۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ میں درمیانے روپ میں وہی آتما یعنی حاصل کر چکی ہوں جو اس جہاں میں اوصوری رہ گئی تھی۔ یہاں آکر مکمل ہو گئی ہوں۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا آگہی سے یہ معلوم ہوا کہ تم ستوں کے پتے پر کیسے پہنچ گئی تھیں؟"

"نہیں ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔ شاید کبھی آگہی ملے گی تو معلوم ہو سکے گی۔"

وہ ذرا چپ رہی پھر بولی۔ "ربانی ابتدا ہی سے میرا تھا۔ تم نے وہاں جہاں اسے سزائے موت سے بچایا تھا۔ یہاں بھی کئی بار اسے ہلاک کر سکتے تھے لیکن اسے ایمان کی طرف آنے کے لیے ذمہ دیتے آ رہے ہو۔"

"وہ مجھے مار ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اب اگر کمرائے گا تو اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" رحمانی بولا۔ "ور شاتم پھر ایک بار اسے نبھاؤ۔ سیدھا سا آسان سا طریقہ ہے۔ وہ آپ زم زم سے نہاں علق اور دل کو آلودگیوں سے پاک کر سکتے ہے۔"

"لیکن شیطان اسے روکتا ہے۔ وہ آپ زم زم کی پاکیزگی کو کبھی مت نہیں دیکھے گا۔ ایک ہی راستہ ہے کہ پاکیزگی جبراً اس کے اندر رکھ جائے۔ تب شیطانی غلطیوں بڑھ کر باہر آ جائیں گی۔"

"کوئی جبر اس کے اندر کی صفائی نہیں کر سکتے گا۔ وہ پیدا ہوا تھا تب اس کے کانوں میں اذان سنائی گئی تھی۔ مرے گا تو کلمہ نصیب نہیں ہوگا۔"

"ہمیں دیکھنا چاہیے وہ کیا کر رہا ہے؟"

"ہاں اس پر نظر رکھنا چاہیے۔ میں ایک گھنٹے کے بعد فریٹس ہو کر آؤں گی پھر آدھر جا میں گے۔"

رحمانی اپنی رہائش گاہ میں آ گیا۔ ایک عرصے بعد اسے اپنے کم شدہ ماضی کے متعلق معلومات حاصل ہو گئی تھی۔ وہ ایک ایسی چیز پر نیم ورازا ہو کر یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ کہاں پیدا ہوا تھا؟ جوان ہونے تک وہاں کسی زندگی

تھی۔ وہ تاریکی میں آنکھیں پھاڑے سوچ رہی تھی، کیا میں جنت یا جہنم ہوں؟

میں کس دنیا میں تھی اور وہ کون لوگ تھے؟ ان کا نہ ہب ان کی طرز رہائش اور ان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ جنت تھے۔

رحمانی ربانی اور سیری یا وہ داشت شاید کبھی بحال نہیں ہوگی۔ ہم اس ارضی دنیا میں یہ معلومات فراہم نہیں کر سکتے گے کہ جنت آسمان کے کس حصے میں کس ستارے اور سیارے میں رہتے ہیں۔

ناہرینہ فلکیات اور سائنس دانوں کے مطابق خلا سے آنے والی مخلوق کو اٹینین کہا جاتا ہے۔ کیا جسے اٹینین کہا جا رہا ہے وہی جنت ہیں؟

کیا میں رحمانی اور ربانی اٹینین ہیں؟ اٹینین جہنم جہنم تھے، اب ارضی ہاشدے ہیں اور سیری رہیں گے۔ لیکن آگہی نے پہلے بجا دی تھی۔ یہ انکشاف کیا ہے کہ ہم آدم زاد نہیں ہیں۔ ہم خاک سے نہیں بنے ہیں اور ہم کئی پہلوؤں سے غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل رہیں گے۔

وہ سوچ رہی تھی۔ سچ کی روشنی پھیل گئی۔ ایسے وقت رحمانی نے پوچھا۔ "کیا جاگ رہی ہو؟"

وہ اٹھ کر بیٹھی۔ "ہاں، آج۔"

وہ آ گیا۔ اس نے پوچھا۔ "بیڈ پر ہو۔ کیا ابھی بیدار ہوئی ہو؟"

"راستہ کے آخری پیر سے جاگ رہی ہوں۔ سنے میں انکی آگہی ملی ہے کہ سنو گے تو جہنم ان رہ جاؤ گے۔"

وہ اس کے سامنے ایک کرسی بٹھ کر بیٹھ گیا، اس نے کہا۔ "ہم آدم زاد نہیں ہیں۔ ہم خاک سے نہیں آگے سے بنے ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟"

خواب کی اسکرین پر جو دیکھا تھا، اسے تفصیل سے بیان کرنے لگی۔ وہ حیرانی سے اور وہ سچی سے سن رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "تم نے میرے اور ربانی کے ہم شکل کو دیکھا۔ کیا ان کے نام بھی سچی تھے؟"

"ہاں۔ یہی نام تھے۔ تم دونوں میں وہی پہلی جس محبت اور دوستی تھی اور ربانی آج کی طرح خود غرض اور شریک نہ تھا۔"

"تم نے اپنے آپ کو دیکھا۔ تمہارا نام بہت قائمہ تھا؟"

مزاری تھی؟ اور کیسے اس نامعلوم جہاں سے ارضی دنیا میں آیا تھا لیکن کوشش کے باوجود پچھلی زندگی کی پتھر اور ہاتھیں یاد نہیں آ رہی تھیں۔

☆☆☆

رہائی شیطان کے قد آور مجھے کے سامنے بیٹھا تھا۔ ان کے چاروں طرف سیاحی مائل دھواں پھیلا ہوا تھا۔ وہ شیطان سے ہم کلام تھا۔

”اے اہرمن (بدی کے دیوتا)! میں تیرے کھینچے ہوئے حصار کے اندر محفوظ ہوں۔ رحمانی مجھے چھو نہیں سکتا ہے۔ وہ مجھ پر حملہ کرنے میں ناکام ہوتا رہے گا۔

لیکن میں بھی تو اس پر حملہ کرنے کے قائل نہیں رہا ہوں۔ تیرے حصار سے باہر ہاتھ نکالوں گا تو وہ ہاتھ رحمانی کی گرفت میں آجائے گا۔

ان حالات میں وہ بوستان سے بھرموں اور مٹاہ گاروں کا خاتمہ کرتا رہے گا۔ میں حصار سے نکل کر اسے روک نہیں سکوں گا۔ وہ پورے ملک میں نیک نانی اور شہرت حاصل کر کے اپنی حکومت قائم کرے گا۔“

اسے آواز سنائی دی۔ ”کالے چارو کے اثرات دیر پا نہیں ہوتے۔ تو جس حصار میں تھا وہ کمزور ہو گیا ہے۔ اسے قائم رکھنے کے لیے منتروں کا چاب کرنا ہوگا۔“

اس آواز نے دو طرح کے منتروں کو بھڑکایا۔ ”چل شروع ہو جا۔ وہ دشمن کسی وقت بھی آسکتا ہے۔“

وہ رحمانی سے محفوظ رہنے کے لیے فوراً ہی پڑھنے لگا۔ شیطان کی کرحت آواز سنائی دے رہی تھی۔ ”اے اہرمن

طرح یاد رکھنا کہ میرا العاب وہاں اور مجھوں جب تک تیرے اندر رہے گا تو زندہ رہے گا۔ اگر آپ زرم زرم کوٹ لگائے گا تو میں تیرے اندر نہیں رہ سکتا۔ جیسے ہی تیرے وجود سے باہر نکلوں گا، حیر آدم نکل جائے گا۔ یاد رکھو کوئی سو فیصد گھول کر بچے پلا سکتا ہے۔ خبردار کوئی قرآنی لفظ کسی بہانے تیرے اندر نہ

جینے۔ ورشا سے ہوشیار رہنا، اس سے دور رہنا۔ کبھی قریب نہ آنے دینا۔ وہ کوئی ایسا چال چل سکتی ہے جو ابھی میرے علم میں بھی نہیں ہے۔“

”میں بہت محتاط رہوں گا۔ ورشا سے ہمیشہ فاصلہ رکھوں گا۔ جب تک وہاں ہاتھ نہ آئے۔ اس سے رابطہ رکھنا ضروری ہے۔ پتا نہیں اس نے کہاں کہاں چھپا کر رکھا ہے؟“

ایسے وقت ورشا اور رحمانی وہاں آگئے۔ شیطان نے

کہا۔ ”خاموش رہو وہ آئے ہیں۔ تجھے نظر نہیں آسکے اور نہ ہی ان کی بوٹہ۔“

وہ اٹھ کر نظر اٹھایا۔ خلا میں تکتے ہوئے بولا۔

”کیوں آئے ہو؟“

رحمانی نے کہا۔ ”دشمن پر نظر رکھنی ہی پڑتی ہے اور تمہاری دشمنی بڑھتی جا رہی ہے۔ تم شیطان کے قدموں میں رہنے لگے ہو۔ تمہیں یہاں دیکھ کر تم سے اور زیادہ نفرت ہو رہی ہے۔“

”نفرت سے جو کہنا ہے کہتے رہو میں جا رہا ہوں۔“ وہ شیر آبا کی رہائش گاہ میں آ گیا۔ وہ ذرا دیر تک چپ رہا پھر بولا۔ ”کیا میرے پیچھے آئے ہو؟“

اسے جواب نہیں ملا۔ ”رحمانی خاموش تھا۔ وہ ذرا لب بڑبڑانے لگا۔ ”تم یہاں ہو۔ میں تمہاری ٹونگیں پارہا ہوں۔ تم میری ہنس کمزوری سے قائدہ افکار ہے ہو لیکن میں کمزور نہیں ہوں۔ مضبوط حصار میں ہوں۔ مجھے ہاتھ مل گیا نہیں لگا سکو گے۔“

اسے ورشائی آواز سنائی دی۔ ”میں ہوں۔ وہ نہیں ہے۔ بھرموں اور مٹاہ گاروں کو سزا دینے گیا ہے۔ تم دیکھو گئے چھوٹی دنوں میں بوستان جرائم سے پاک ہو جائے گا۔ اور میں لو کہ جب تک وہ معروف رہے گا میں تمہاری مگرانی کرتی رہوں گی۔ اس کے اہم معاملات میں مداخلت نہیں کرنے دوں گی۔“

”پتلیج نہ کرو۔ تم رحمانی کے مقابلے میں مجھے کیسے روکو گی؟“

”اسے روکنے کے لیے تمہیں حصار سے لگنا ہوگا۔ میں نکلنے نہیں دوں گی۔ حق سے سوچو۔ رحمانی تمہاری بڑی سمت حملے کرتا رہے گا۔ تم اسے نہ پا کر اندھے بن کر پھر ہتھیار جاؤ گے لیکن نہیں۔ اس بار وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ تمہارا آخری وقت آ گیا ہے۔“

”میں ترنوالہ نہیں ہوں۔ اس کے حلق میں ہڈی کی طرح اٹک جاؤں گا۔ ابھی مجبور ہوں۔ انتظار کرو ہا ہوں۔ بہت جلد اس کی کمزوری میرے ہاتھ آنے والی ہے۔“

”یہ بھوں جاؤ کہ تاہاں تو اس کی کمزوری بنا سکو گے۔ جب تک وہ میری پتہ میں ہے تب تک اس کا سایہ بھی نہیں دیکھ سکو گے۔“

”میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”وہ ایک ہی شرط پر بات کرے گی۔ پہلے آپ زرم سے اپنا پلٹن صاف کرو۔“

جاسوسی ڈائجسٹ 138 | جون 2015ء

Scanned By Amir

WWW.PAKSOCIETY.COM  
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY  
FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

میرے خلاف روحانی کے کلیجے سے ہی رہتی ہو۔  
 ”روحانی نے مجھے بھی ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ ہم نے جی نہیں ہیں۔ میں جاری ہوں لیکن آتی جاتی رہوں گی۔ دہشتی رہوں گی کہ روحانی کے خلاف کیا کرنے والے ہو۔“

وہ خلا میں نکلنے لگا۔ خاموشی کہہ رہی تھی وہ جا چکی ہے پھر شیطان نے کہا۔ ”باب۔ وہ نہیں ہے۔“

وہ اطمینان کی سانس لے کر ایک صوفے پر بچھل کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ ”ان دونوں سے عارضی طور پر چھٹا چھوٹا ہے۔ ورشا پھر سلسلہ ہو جائے گی اور روحانی آزادی سے نکیاں اور شہرت کما رہے گا۔ میں اسے روکنے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ ورشانے ذلت کا احساس دلایا ہے۔ میں پہلی بار روحانی کے آگے خود کو کمتر اور ذلیل سمجھ رہا ہوں۔“

میری پہلی جھکی توت اور برتری کہاں چلی گئی؟ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ میری غیر معمولی صلاحیتیں محدود ہوئی جاری ہیں۔ میں ورشا اور روحانی کی لوسو کھینے کے قابل نہیں رہا ہوں۔

میں روحانی کی طرح اپنی رو بوٹ ہوں لیکن اس سے مات کھا جاتا ہوں۔ اب بھی یہی اندیشہ ہے۔ اس سے مقابلہ کروں گا تو اس کی غیر معمولی صلاحیتیں مجھ پر حاوی ہو جائیں گی اور میں تجھ سے مدد مانگنا رہ جاؤں گا۔“

شیطان نے کہا۔ ”جب تک جنگ جاری رہتی ہے، تب تک یہی جیت بھی ہار ہوتی رہتی ہے۔ یہ نہ بھولو کہ تم بھی اس پر حاوی ہوتے رہے ہو۔ جب تاہاں کو اپنے شکستے میں لے آؤ گے تو روحانی اس کی خاطر تہرے کمزور پڑ جائے گا۔“  
 وہ مایوس ہو رہا تھا۔ شیطان اسے حوصلہ دے رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کے ایک چیلے نے اطلاع دی کہ تاہاں کا سرانجام ل رہا ہے۔

ربانی یقیناً اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چلا کہہ رہا تھا کہ وہ قلب جنوبی کے ایک ملک میں تھا۔ وہاں ایک جنگل سے گزر رہا تھا کہ اچانک چنے چنے کسی ناویدہ چیز سے کرا گیا۔ آگے جانے کا راستہ رک گیا تھا۔ اس نے وہاں سے واپس آگے سمت ہٹ کر آگے جانا چاہا تو ادھر بھی رکاوٹ تھی۔ کئی گھنٹے بدلنے کے بعد یقین ہو گیا کہ جادوئی بندش ہے ادھر سے راستہ بند ہے۔

وہ ایک سمت بہت دور تک چلتا ہوا دائرے کی صورت میں پھر اسی جگہ آ گیا، یہ تصدیق ہو گئی کہ طغیانی حصار باندھا گیا ہے۔ اس حصار کے اندر در تک دیکھا جاسکتا تھا۔ وہاں مٹی کے دو مکانات بنے ہوئے تھے۔ گائے نکل اور

”جب اسے حاصل کر لوں گا تو وہ میری صفائی کرنا بھول جائے گی۔ میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ تم مجھ سے دشمنی نہ کرو۔“

”دشمنی تو تم مجھ سے کرتے آئے ہو۔ میں اپنی اور تمہاری پچھلی زندگی کے بارے میں جانتی ہوں۔ ہم کون تھے؟ کہاں رہتے تھے؟ اور اس دنیا میں کیسے آئے ہیں؟“  
 اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ”کیا واقعی؟“

”ہاں۔ میں تم اور روحانی آدم زاد نہیں ہیں، جنات ہیں۔“

”تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے؟“  
 ”مجھے اپنی آتر کھنتی سے بہت کچھ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ مجھے آگہی ملی ہے۔“

وہ بولا۔ ”میری عقل کہتی ہے کہ ہم جیسی غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ اس کے پیش نظر جنات ہی ہو سکتے ہیں۔ تمہاری آگہی نے کیا بتایا ہے؟“  
 ”آگہی نے ہم تینوں کی جھکیاں پیش کی ہیں۔ تم وہاں بھی مسلمان ہونے کے باوجود منکر تھے۔ تم نے میری جان لی گی۔“

وہ تمام واقعات بتانے لگی۔ اس نے سننے کے بعد کہا۔ ”میں نے تمہیں ہلاک نہیں کیا تھا۔ تم خود ہی حیا سے مر گئی تھیں۔“

ورشانے پوچھا۔ ”کیا ایک حیا والی غیر مرد کو خلوت میں برداشت کرتی ہے؟“

”ضرور کرتی ہے۔ ہلاک نے مجھے برداشت کیا تھا۔“  
 ”اس کا نتیجہ کھو شیطان تم پر مسلط ہو گیا ہے۔“  
 ”تو کیا فرق پڑا ہے۔ میں پیش و عشرت سے زندگی گزار رہا ہوں۔ جس حسینہ کو چاہوں اپنی تمہانی میں لے آتا ہوں۔“

”تم نیک نامی اور شرافت سے گئے۔ ذلت کا ایک ذرا احساس نہیں ہے۔ شیطان تمہیں یہ سوچنے نہیں دیتا کہ روحانی کی نیک نامی اور شہرت کے سامنے تم خاک ہو رہے ہو۔ جانور پرندے اور درندے دین ایمان نہیں جانتے۔ صرف انسان کے اندر ایمان ہوتا ہے اور تم اس سے محروم ہو کر جانور کی طرح زندگی کی میعاد پوری کر رہے ہو۔ میں خواہ کواہ بول رہی ہوں۔ لیکن ایمان پرور ہاتھ منکر سنتے ہیں لیکن سمجھنا نہیں جانتے۔“

”اتنا تو سمجھ گیا ہوں کہ مجھے اپنا قاتل سمجھتی ہو ای لے

بکرے محاسن چرے ہے تھے۔ کوئی مرد نظر نہیں آیا۔ ایک مکان کے اندر ایک عورت کی جھک دکھائی دی تھی۔ رہائی نے تڑپ کر کہا۔ ”وہ تاہاں ہے۔ فوراً وہاں چلو۔“

وہ دوسرے ہی لمحے اس چیلے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ شیطان نے کہا۔ ”ورشاد اور رحمانی کو ابھی یہ مظلوم نہ ہو کہ تم اپنی منزل تک پہنچ گئے ہو۔ وہ تمہاری بوسجھ کر ادھر آجائیں گے۔ فوراً واپس جاؤ۔ پہلے حصار توڑنے کی تدبیر کی جائے گی۔“

اس نے کہا۔ ”میرے اندر بے چینی بھر گئی ہے۔ میں ایک بار تاہاں کو دلینا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین تو ہو کہ وہ نئے ہی والی ہے۔“

ان دو مکانوں میں تین عورتیں تھیں۔ وہ باہر آتی جاتی دکھائی دیتیں۔ انہوں نے گھاگھرا اور چولی پہنی ہوئی تھی۔ وہ تینوں مکانوں سے باہر گھومتی تھیں۔ پھر کوئی کام نہ کرنا اور چلی جاتی تھیں۔ ان میں سے کوئی ایک تاہاں ہو گیا۔

وہ اپنی رہائش گاہ میں واپس آ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ وہ گھاگھرا اور چولی نہیں پہنتی تھی۔ درشانے اس کا لباس اور حلیہ بدل دیا ہوگا۔ اسے مکان سے باہر گھومتی تھیں تاکہ یہ کی ہوگی۔

اس نے بوستان سے تقریباً چھ ہزار میل دور اسے پہنچایا تھا اور مطمئن ہو گئی تھی کہ رہائی وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔

وہ معشوق کے دروازے تک آ گیا تھا۔ دروازہ تودیدہ تھا۔ وہ چابی سے نہیں پامظلوم منقروں کو پڑھنے سے کہتا تھا یہ پھر درشاہی کھول سکتی تھی۔ اگر تاہاں چاہتی تو اپنی مرضی سے حصار توڑ کر آسکتی تھی۔ اس کی رضا مندی سے آقا شکتی کی لائی ہوئی رکاوٹ دور ہو جاتی۔

پتا نہیں کیا ہوئے والا تھا۔ لی الحال شیطان اور اس کے چیلے اس حصار کے اطراف بھٹک رہے تھے۔ کوئی ایسا موثر منتز نہیں تھا جو رکاوٹ کو توڑ دیتا۔ وہ درشا کو خیر ہونے سے پہلے تاہاں کو وہاں سے نکال لانا چاہتے تھے۔

شیطان نے کہا۔ ”ایک ہی راستے میں زمین کے اندر سرنگ بنا کر تمہیں تاہاں تک پہنچاؤں گا۔“

اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ رہائی کے ساتھ اس رکاوٹ تک آیا پھر اچھل کر قریب زمین میں گھس گیا۔ رہائی اس کے کاندھے پر سوار ہو کر آہستہ آہستہ دھنستا ہوا گہرائی

میں جانے لگا۔ پھر انہوں نے سمت بدلی۔ اوپر جہاں رکاوٹ تھی۔ ٹھٹک اسی جگہ پہنچ کر نیچے سے گزر گئے۔ حصار کے اندر پہنچ گئے لیکن زمین کی تہ اور تاریکی میں تھے۔

وہ دونوں جس سمت جا رہے تھے، ادھر سرنگ بنتی جا رہی تھی۔ وہ اندازے کے مطابق ان دو مکانوں کے نیچے آگئے پھر شیطان رہائی کے کاندھے پر چڑھ کر اوپر کی طرف جانے لگا۔ یوں سخت پتھر یلی زمین ان کی گزر گاہ بنتی گئی۔ وہ زمین کی تہ سے ابھر کر اوپر آگئے۔

وہ جس اندازے سے چلے تھے، اس کے مطابق کسی مکان کے اندر پہنچا تھا لیکن باہر تھے۔ ان مکانوں کے پچھلے حصے سے بہت دور پہنچے تھے۔ یہ اطمینان ہوا کہ حصار کے اندر پہنچ گئے ہیں لیکن اطمینان عارضی تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے مکانوں کی طرف جانے لگے تو نادیدہ رکاوٹ سے ٹکرا کر گر پڑے۔

وہ ابھی تک حصار کے باہر تھے۔ زمین کی تہ میں بھٹک کر پھر حصار سے نکل آئے تھے۔

شیطان نے کہا۔ ”ہم سے اندازے کی غلطی ہوئی۔ ہم مکانوں سے دور نکل آئے ہیں۔ اب ہم تہ میں جا کر یہاں سے چند قدم جائیں گے پھر اوپر آئیں گے تو رکاوٹ پار کر چکے ہوں گے۔“

رہائی پھر شیطان کے کاندھے پر سوار ہو کر زمین کے اندر گیا۔ انہوں نے حساب کیا کہ حصار کے اندر دس قدم تک آگئے ہیں۔ اس کے بعد باہر نکل آئے۔ وہ مکانوں میں سے کافی فاصلے پر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

دن کی روشنی میں دنیا دکھائی دے رہی تھی لیکن نادیدہ رکاوٹیں نظر نہیں آسکتی تھیں۔ انہوں نے انہوں کی طرح راستہ ٹٹولنے کے لیے ہاتھوں کو بڑھایا تو رکاوٹ کو چھو کر گر گئے۔

یہ سمجھ میں آ گیا کہ وہ سرنگ بنا کر بھی زمین کی تہ میں جا کر بھی حصار کے باہر ہی رہیں گے۔

ایسے وقت درشا اور رہائی وہاں آگئے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ رہائی کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟

وہ ایک جگہ کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ شیطان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے رہائی سے سروٹھی میں کہا۔ ”انہیں خبر ہو گئی ہے۔ وہ دونوں آگئے ہیں۔ تجھے دیکھ رہے ہیں۔“

رہائی نے پریشان ہو کر ایک سمت دیکھا، وہ نادیدہ تھے۔ اس کی ٹوکرا آئے تھے۔ درشانے حیرانی سے کہا۔ ”یہ



وہ بولی۔ "ہماری دنیا میں بڑے بڑے عالم کامل ہیں۔ وہاں پتا نہیں کس نے تین عورتوں کو ان مکانات میں رکھا ہے۔ اس کا اپنا کوئی پراسرار معاملہ ہوگا۔"

"آج رات اس ممنوعہ علاقے اور حصار بندی کرنے والے کا دعویٰ کر دوں گی تو شاید گیان حاصل ہوگا۔ ابھی میں وہاں کے پاس جا رہی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ رحمانی ملکی اور سیاسی معاملات میں مصروف ہو گیا۔ جرائم کے خلاف اس کی حکمت عملی سے جھوٹ فریب اور مکاری ختم ہو رہی تھی۔ آئندہ ایکشن کے بغیر وہ عوام کی بھرپور حمایت سے نئی اسلامی حکومت قائم کرنے والا تھا۔

اور رہانی صحیح ذکر سے بہت گیا تھا۔ تاباں کی طلب نے اسے جکڑ لیا تھا۔ دماغ میں یہ بات سما گئی تھی کہ رحمانی تاباں کی سزا سنی کی خاطر اس کے آگے گھٹے ٹیکے دے گا۔

اس ممنوعہ علاقے میں پہنچ کر یقین ہو گیا تھا کہ تاباں کو آج کل میں حاصل کر لے گا۔

پہلی کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ وہ زبردستی سرنگ بن کر بھی وہاں تک پہنچ نہیں پایا تھا۔ وہ منزل کے قریب آ کر وہاں نہیں جانا چاہتا تھا اس لیے وہیں حصار کے قریب ایک خیمہ تان کر رہ گیا۔

شیطان طرح طرح سے اس حصار کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شام کو اندھیرا پھینکنے سے پہلے رہانی نے دیکھا۔ ایک مکان کا دروازہ کھلا۔ وہاں سے جو حسینہ ہر آئی، اسے دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔ وہ تاباں بھی گھبرا چولا اور گھونگھٹ میں نہیں تھی۔ اس کے بدن پر سلطنت یا قوت کی شہزادی کا شاہانہ لباس تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ہلالہ ہے۔

رہانی بھول گیا کہ وہ مرچکی ہے۔ وہ اس کے خلوت میں رہ چکا تھا۔ اس کے بدن سے آشنا تھا۔ وہ بدن پھر نظر آ رہا تھا۔ اسے دور سے پکار رہا تھا۔ آؤ کہ گینا وقت پھر آ رہا ہے۔ جسے ایک بار پایا تھا وہ پھر پائی جانے والی ہے۔

اس نے تڑپ کر پکارا۔ "ہلالہ! مجھے دیکھو! میں تمہارا رہانی ہوں۔ یہاں آؤ۔ مجھے اندھا آنے دو یا تمہارا ہر آؤ۔"

وہ گائے بوریوں کے پاس جا کر ان کے آگے چار ڈان رہی تھی۔ اس نے سر گھما کر دور رہانی کی طرف دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

وہ حصار کی دیوار پر ہاتھ مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "چپ کیوں ہو؟ مجھ سے بات کرو۔ اتنا ہی تارو کہ تمہیں کس نے قید کیا ہے؟"

وہ دونوں سر ہڈیوں کی رہائش گاہ میں آ گئے۔ رحمانی نے کہا۔ "ورشا وہاں کس نے حصار بندی کی ہوئی؟ وہ کون ہوگا اس نے زمین کے اس حصے کو ممنوعہ کیوں بنا دیا ہے؟"

کون کی جگہ ہے؟ یہ رہانی یہاں کیا کر رہا ہے؟" رحمانی نے کہا۔ "اس دیرانے میں دور دورہ مکان نظر آ رہے ہیں۔ انکی جگہ کون رہتا ہے؟"

وہ دونوں حیران ہو رہے تھے۔ یعنی ورشا کا اس جگہ سے اور وہاں کے طلسمی حصار سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ تاباں وہاں نہیں تھی۔

وہ بولی۔ "چلو دیکھتے ہیں۔ ان مکانوں میں کون ہیں؟"

وہ دونوں آگے بڑھے۔ پھر نادیدہ حصار سے ٹکر کر رک گئے حیرت سے دیدے پھیلا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ رحمانی نے کہا۔ "یہ خدا یہاں کسی نے کالا چادو یا ردھانی عمل کیا ہے۔"

ورشا نے کہا۔ "کیا رہانی کے شیطان نے کیا ہے؟ یہ رہانی یہاں کیوں آیا ہے؟"

وہ دونوں اس کے سامنے نمودار ہو گئے۔ ورشا نے پوچھا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

وہ سینہ تان کر بولا۔ "تم دیکھ رہی ہو، میں تاباں کے قریب پہنچ گیا ہوں۔ جہاں تمہارے اس حصار کو توڑ دوں گا۔"

یہ سنتے ہی ورشا ہنس پڑی۔ رحمانی بھی ہنستے ہوئے بولا۔ "اچھا تو تم یہاں سے تاباں کو لے جانے آئے ہو اور دور کھڑے ہو۔ اسے آواز تو دو۔ ہو سکتا ہے، وہ دوڑی چلی آئے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "تم مذاق اڑا رہے ہو۔ سمجھتے ہو اس حصار کے اندر نہیں جاسکوں گا۔ اسے چھو لہمی نہیں سکیں گا۔ میں جلد ہی تمہاری خوش فہمی ختم کر دوں گا۔"

ورشا نے پوچھا۔ "کیا تم نے اس مکان میں تاباں کو دیکھا ہے؟"

"وہاں تین عورتیں ہیں۔ تم نے انہیں گھونگھٹ میں رہنے کی تاکید کی ہے۔ میں نے ان کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ کوئی بات نہیں یہاں تک آؤ گیا ہوں۔"

رحمانی نے کہا۔ "چلو میں وعدہ کرتا ہوں۔ تم تاباں وہاں سے لے جاؤ گے تو میں راستہ نہیں روکوں گا۔"

"میں بھی رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔"

وہ دونوں سر ہڈیوں کی رہائش گاہ میں آ گئے۔ رحمانی نے کہا۔ "ورشا وہاں کس نے حصار بندی کی ہوئی؟ وہ کون ہوگا اس نے زمین کے اس حصے کو ممنوعہ کیوں بنا دیا ہے؟"

سوچنے لگا۔ کب تک یونہی بیٹھا رہوں گا؟ اگر یہ عام ہی عورت ہوئی تو اس کے اندر پہنچ کر معلوم کر لیتا کہ یہ دھیان لگا کر کہاں پہنچی رہی ہے؟

وہ اپنی ذات میں غم ہوئی تھی۔ دھیان میں ڈوب کر پھر جنت قائمہ کی دنیا میں پہنچی گئی۔ سردار کے روبرو بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ تم نے ورثا کی زندگی پا کر روحانیت کے تمام مراحل طے کیے ہیں اور روحانی کے ساتھ نیکیاں کر رہی ہو۔ رہائی کی سزائے موت اس شرط پر مل دی تھی کہ وہ ارضی دنیا میں جا کر دین و ایمان کے مطابق زندگی گزارے گا لیکن وہ شیطان کی پناہ میں رہنے لگا ہے۔“

روحانی خفگیب سیاسی کامیابیاں حاصل کر کے اسلامی نظام قائم کرنے والا ہے۔ ربانی کو روکا نہ گیا تو وہ اس کی تمام نیکیوں پر پانی پھیر دے گا۔ وہ اپنی بد اعمالیوں سے ثابت کر چکا ہے کہ قابلِ معافی نہیں ہے۔ اب اسے سزائے موت ملنی چاہیے۔

وہ یہاں ہماری دنیا میں تمہاری موت کا سبب بنا تھا۔ تمہارا ارضی دنیا میں اس کی موت کا سبب بننے والی ہو۔

تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ وہاں میں نے حصار پانہ بنا ہے اور تمہیں وہاں کو پہنچایا ہے۔ ان تینوں کا ٹھوس وجود نہیں ہے۔ وہ ربانی کی آنکھوں کا فریب ہیں۔

وہ تاہاں کے حسنا سیرت کو نہیں سن سکتا اور چاہتا ہے۔ نیا لوں میں بلالہ کے بدن کو دیکھتا ہے اور تاہاں کے لیے لپکتا ہے۔ تم تینوں ہم شکل ہو۔ تینوں کے لیے اس کی ہوس چلتی رہی ہے۔ ابھی وہ ان سے فرد فرد آئے ہیں۔ وہ اسے آخری پانہ شیطانی ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی گی۔

بت قائمہ! یہ تیرے لیے آگین ہے۔ جاؤ وہاں جاؤ۔ تو حصار کے اندر جا سکتے گی۔ اب وہاں دو ہوں گی۔ تیرا وجود تیرا اور تمہوں ہوگا۔“

وہ آبتار کے قریب چہان پر پانہی مارے بیٹھی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ شیطان دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیان سے واپس آگئی تھی۔ چند لمحوں تک ساکت بیٹھی رہی پھر اچانک نادیدہ ہوئی۔

وہ بھی غائب ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ جہاں جا کر جسمانی طور پر حاضر ہوگی وہاں وہ بھی پہنچ جائے گا۔

رہلی حصار کے پاس قیام کے اندر تھا۔ شیطان نے کہا۔ ”میں اور شا کے پیچھے پڑ گیا ہوں۔ ابھی وہ دھیان میں

وہ بولنے بولنے چپ ہو گیا۔ اس مکان کا دروازہ کھلا۔ پھر ایک تاہاں نظر آئی۔ وہ گروے رنگ کی ساڑھی اور بلاؤز میں تھی۔ اس سے ماتھے پر بندیا چمک رہی تھی۔

وہ غصے سے بیخ کر بولا۔ ”اے تم اور شا ہو۔ تم نے بلالہ کو یہاں قید کیا ہے۔ تاہاں کو بھی یہاں چھپایا ہے۔ مجھ سے دشمنی نہ کرو۔ مجھے اندر آنے دو۔“

ورثا نے دور سے اسے دیکھا۔ پھر ایک گائے کے پاس جا کر دو دوہنے بیٹھ گئی۔ وہ اسے باتیں سنانا چاہتا تھا پھر چپ ہو گیا۔ اسی وقت دوسرے مکان کا دروازہ کھلا۔ وہ بگھٹت تڑپ گیا۔ کھیلے ہوئے دروازے پر تاہاں نظر آ رہی تھی۔

شکوہ ارقیس اور دو پنا کہہ رہا تھا کہ وہ تاہاں ہے۔ کیسا عجیب تماشا تھا۔ جسے حاصل کرنے کے لیے شیطان کے زیر اثر آ گیا تھا اور روحانی جیسے دوست کو دشمن بنا چکا تھا وہ کئی دنوں تک روپوش رہنے کے بعد دکھائی دے رہی تھی۔

وہ طلح کی پوری قوت سے بیخ پڑا۔ ”تاہاں! مجھے دیکھو میں آیا ہوں۔ میرے پیار کی دیوانگی کو سمجھو۔ میرے پاس آؤ۔ اس تادیبہ قید خانے سے باہر آ جاؤ۔ میں ورثا سے تم لوں گا تم آ جاؤ۔“

شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ تینوں اب واضح نہیں تھیں۔ سادہ سادہ سا لگ رہی تھیں۔ تاہاں ایک جھولے پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس جھولے کی دھکیاں جیسے آسمان سے نکل رہی تھیں۔ جھولہ اسے جھلاتا ہوا ربانی کی طرف لہ رہا تھا۔ پھر دور لے جا رہا تھا۔ وہ دوسری پار جھوٹی ہوئی قریب آئی تو سورج ڈوب گیا۔ وہ رات کی تاریکی میں کم ہوئی۔

انسی گہری تاریکی تھی کہ وہ اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ نورانی اپنی رہائش گاہ میں آ کر بڑی سی چور جلاٹ نے کر پھر وہاں پہنچ گیا۔ روشنی میں دور تک دیکھنے لگا۔ وہ تینوں جاہلی تھیں۔ ان مکانات کے دروازے بند ہو گئے تھے۔

وہ تڑپ کر شیطان سے بولا۔ ”مجھے کسی طرح اس مکان میں پہنچو۔ کیا تم ہرشا کی آتما شق کا تو ز نہیں کر سکتے؟“

”کوشش کر رہا ہوں۔ ورثا کے پیچھے پڑ گیا ہوں۔ یہ دیکھ رہوں گا کہ وہ اپنی پراسرار قوتیں کس طرح کام میں لا رہی ہے۔ اس کی کوئی کمزوری ضرور ہمارے ہاتھ آئے گی۔“

آدھی رات ہونے والی تھی۔ ورثا آبتار کے قریب چنانچہ پریشانی میں۔ عظیم ہرما کا آسن جھائے دھیان میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شیطان وہاں پہنچ کر ڈر اور بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

وہ پیچھے ہٹ گیا۔ ہلالہ ہنسنے لگی، کہنے لگی۔ ”رہائی! یہ تمہیں بھی پڑے گی۔ میری قدر کرو۔“

تاہاں نے منہ پھیر کر کہا۔ ”میں جا رہی ہوں۔ آج کے بعد تم میری ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکو گے۔“

”رگ جاؤ تاہاں!“ وہ پریشان ہو گیا۔ وہ صرف اس لیے ضروری نہیں تھی کہ ہوس بھجور کر رہی تھی۔ رہائی اسے شکستے میں رکھ کر رحمانی کو اپنے مقابلے میں کمزور بنا سکتا تھا۔

وہ بولے۔ ”ابھی تم نے میری بات نہ مانی تو کل میں رحمانی کی منگولہ بین جاؤں گی۔ وہ تم سے زیادہ میرا دیوانہ ہے میری خاطر تم سے پھر دوستی کر سکتا ہے۔ وہ چاہے گا تو تمہاری ٹیک نامی نور شہرت تمہیں واپس مل جائے گی۔ وہ تمہاری ہر بات مانے گا۔“

رہائی بکی چاہتا تھا۔ رحمانی کو تاہاں کے ذریعے ہی زیر کر سکتا تھا۔ شیطان نے کہا۔ ”خبردار! اس پانی کو منہ نہ لگانا۔ میرا عذاب دہن تیرے اندر سے نکل جائے گا تو اندر سے خالی اور ٹھوٹھا ہو کر مر جائے گا۔“

تاہاں اس سے دور ہو رہی تھی۔ مکان کی طرف جا رہی تھی۔ ہلالہ نے کہا۔ ”تاہاں کو حاصل کر کے مجھ سے بھی دوستی رکھو گے تو ابھی تمہارے کام آؤں گی۔ میرے باہر آتے ہی تمہارے اندر آنے کا راستہ کھل جائے گا۔“

وہ نور ابو لاء۔ ”تم سے تمام عمر دوستی رکھوں گا مجھے اندر آنے دو۔“

ہلالہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ ہاتھ حصار سے باہر آیا۔ رہائی نے اسے تمام نیا پھر ہلالہ نے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اندر آ گیا۔ اس نے آواز دی۔ ”تاہاں رگ جاؤ۔“

وہ اسے حصار کے اندر دیکھتے ہی گھبرا گئی۔ مکان میں پھیننے کے لیے بھاگنے لگی۔ رہائی نے ایک چھلانگ میں اسے دبوچ لیا۔ قبضہ لگاتے ہوئے بولا۔ ”اب تو رحمانی کا باپ بھی تمہیں چھین کر نہیں لے جاسکے گا۔ تم ہمارے شیطانی حصار میں رہو۔“

وہ اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے تڑپنے لگی۔ نازک مابدن ایک رو بوٹ کی ایک چستی سے نہیں لگ سکتا تھا۔ وہ اسے کاندھے پر لاد کر ہلالہ کے پاس آیا پھر اس کا ہاتھ تمام کر حصار سے باہر نکل گیا۔

وہ اپنے ساتھ اسے تازیدہ بنا کر وہاں سے نہیں لے جاسکتا تھا۔ شیطان نے اپنی توت سے تاہاں کو تازیدہ بنا دیا۔ وہ اپنے قدر اور مجسمے کے سامنے اسے پہنچانا چاہتا تھا۔ ایسے

وہ نور ابو لاء۔ ”ابھی نکاح میں لاؤں گا۔ باہر آ جاؤ۔“

تاہاں کے ایک ہاتھ میں بھری ہوئی بوتل تھی۔ اس کی طرف بڑھا کر بولی۔ ”یہ آب زم زم ہے۔ اسے پیو اور کہیاں بھی کرو پھر مزبان پر اسم اعظم مارو۔ میں باہر آؤں گی۔“

وہ نور ابو لاء۔ ”ابھی نکاح میں لاؤں گا۔ باہر آ جاؤ۔“

تیسری ہوئی تھی۔ اچانک کم ہو گئی ہے۔ اب جہاں بھی پہنچی ہو گی اس میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔“

ایسے ہی وقت حصار کے اندر وہ مکانات روشن ہو گئے۔ انہوں نے غیب سے باہر آ کر دیکھا۔ صرف وہ مکانات ہی نہیں حصار کے اندر دور تک روشنی پھیل گئی تھی۔

مکان کے ایک کمرے میں تاریکی تھی۔ وہاں ورشا کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی اور رہائی کو دیکھ رہی تھی۔ شیطان نظر نہیں آ رہا تھا۔

اور وہ شیطان کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ جب تک حصار کے اندر رہتی اسے دکھائی نہ دیتی۔ رہائی نے کہا۔ ”یہ حد بندی اچانک روشن ہو گئی ہے۔ ضرور کوئی بات ہے۔“

وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ حصار بندی ورشا نے کی ہے۔ وہی کچھ کر رہی ہے۔ شیطان نے کہا۔ ”ابھی وہ احاسک میری نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔ یقیناً اپنے حصار۔ مر آئی ہے! یہی ہے مجھے دکھائی نہیں دے رہی ہے۔“

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئے۔ دونوں مکانات کا ایک ایک دروازہ کھل رہا تھا۔ وہ تاہاں دکھائی دے رہی تھی۔ ہلالہ اپنے شاہانہ لباس سے اور تاہاں شلواری قمیص اور وہ اپنے سے پہچانی جا رہی تھی۔

انہوں نے دروازے سے باہر آ کر دور کھڑے ہوئے رہاؤں کو دیکھا۔ پھر دونوں نے اپنی پائیں اس کی طرف پھیلائیں۔ تاہاں نے اس کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرا محبوب ہے۔ جب یہ ہماری دنیا میں آیا تو میں ہی اس کی زندگی میں پہنچے آئی تھی۔“

ہلالہ بھی اس کی طرف پھینکا کر بولی۔ ”تم صرف اس کی پسند تھیں۔ اس کی زندگی میں تو میں آئی تھی۔ میں نے اسے وصال کے رحمن و رحیم نجات دیے تھے۔ بونو رہائی! تم مجھے یہاں سے لے جاؤ گے یا تاہاں کو؟“

وہ دونوں بالکل قریب آ گئی تھیں۔ اگر رکاوٹ نہ ہوتی تو وہ ہاتھ بڑھا کر انہیں پکڑ لیتا۔ اس کے سامنے دو تاہاں تھیں۔ ایک تو حاصل ہو چکی تھی۔ ہوس اسے پکار رہی تھی جو بلی نہیں تھی۔ وہ تاہاں کو شدت شوق سے دیکھ رہا تھا۔

تاہاں نے پوچھا۔ ”کیا تم مجھے اپنی منگولہ نہیں بناؤ گے؟“

وہ نور ابو لاء۔ ”ابھی نکاح میں لاؤں گا۔ باہر آ جاؤ۔“

تاہاں کے ایک ہاتھ میں بھری ہوئی بوتل تھی۔ اس کی طرف بڑھا کر بولی۔ ”یہ آب زم زم ہے۔ اسے پیو اور کہیاں بھی کرو پھر مزبان پر اسم اعظم مارو۔ میں باہر آؤں گی۔“

وہ نور ابو لاء۔ ”ابھی نکاح میں لاؤں گا۔ باہر آ جاؤ۔“

تاہاں کے ایک ہاتھ میں بھری ہوئی بوتل تھی۔ اس کی طرف بڑھا کر بولی۔ ”یہ آب زم زم ہے۔ اسے پیو اور کہیاں بھی کرو پھر مزبان پر اسم اعظم مارو۔ میں باہر آؤں گی۔“

مرف لکا۔ ایک ہی چھلانگ میں سامنے پہنچے ہی اسے دیو بچ لینا چاہتا تو نادر یہ رکاوٹ بنے اسے روک دیا۔ کوئی ناکامی ہی ناکامی تھی۔ ایک عرصے سے اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ اب وہ نظر آئی تھی تو اسے اٹھا کر لے آیا تھا۔ معلوم ہوا کہ درشا کو لے آیا ہے۔

درشا اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ ”تمہارے اندر کی صفائی آج ہوگی۔ تم آپ زم زم سے ابھار کر لو گے میری آتما کی پاکیزگی تمہارے اندر پہنچے گی۔ تمہاری غلطیوں دور کرے گی لیکن طہارت حاصل کرتے ہی تمہاری آتما میری آتما کے ساتھ چلی جائے گی۔ آج کا دن اپنی زندگی کا آخری دن بناؤ۔“

شیطان نے چیخ کر کہا۔ ”اے! اس کے اربوے خلیفہ تک ہیں۔ یہ تجھے بار ڈالے گی۔ اسے قریب نہ آنے دو۔“

درشانے دوسرے ہی لمحے میں اس سے ٹک کر گردن میں ہاتھیں ڈال دیں۔ اس نے دوڑ کرنا چاہا۔ وہ اس کے بازوؤں کو پکڑ کر ایک جھٹکے سے دوڑ کر سستا تھا۔ نازک سی ہاتھوں کو توڑ سکتا تھا لیکن آتما کی شہتی سے نہیں نرسکتا تھا۔

وہ بولی رہی تھی۔ ”میرے قاتل! جس جوہ سے مر گئی تھی، آج بے حیائی سے آنگی ہوں۔ ان لمحات کے بعد جی نہیں سکوں گی۔“

تاباں...! رحمانی...! خوش رہو۔ سلامت رہو۔“ دوسرے ہی لمحے اس کا وجود گم ہو گیا۔ مختصر سا اجلاس احوال بن کر رہائی کے تقنوں میں داخل ہو گیا۔ وہ پاک روح تھی۔ یکبارگی رہائی کے پورے وجود کو زبردست جھٹکا لگا۔ منہ سے اور ناک سے تے ہونے لگی۔ غلطیوں پیکاری کی طرح نکلنے لگیں۔

وہ زمین پر گر پڑا۔ وہ اتنی شدت سے خارج ہو رہی تھیں کہ کانوں اور آنکھوں سے بھی نکل رہی تھیں۔

وہ اوندھے منہ پڑا تھا اور اندر سے خالی ہوتا جا رہا تھا۔ آخر ناپاکی دحل گئی۔ ایک مصفا آواز اندر سے ابھری۔ ”اللہ...!“

پھر دائمی نہ موٹی چھائی۔ تاباں، رحمانی کے بازو کو تھم کر رو پڑی۔ ”درشا...!“

”اے جیادان!...! بہت روئیں گے تجھے یاد کر کے...“

وقت اسے معلوم ہوا کہ تاباں اس کے پیچھے کے خلاف کسی اور سمت رہائی کے ساتھ جا رہی ہے۔

چند لمحوں کے بعد ہی وہ ایک خوبصورت سی جھیل کے کنارے پہنچ کر نمودار ہو گئے۔ یہ وہی جھیل تھی جہاں نوزائیدہ درشا کنول کے ایک پتے پر رہائی گئی تھی۔

رہائی نے کہا۔ ”یہ ہم کہاں آگئے ہیں۔ میں اسے اپنی چار دیواری میں سمیٹنے کے وجود کو اپنے نام کرنا چاہتا ہوں پھر یہ میرے سوا کسی کی آرزو نہیں کرے گی۔“

شیطان نے کہا۔ ”یہاں وہ رہائی! درشا ہے۔ کوئی مداخلت کرنے نہیں آئے گا۔ ورنہ کر رہمانی آجائے گا۔“

اس نے جلدی کی۔ اسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ تاباں ایسی خواہش تھی جو کسی بھی ہتھکنڈے سے پوری نہیں ہو رہی تھی۔ اس وقت بھی اس کے ذہن بوجھتا لگا۔ وہ اس کے بازوؤں میں تھی لیکن اس کا شعور وجود نہیں تھا۔ وہ ششے کی طرح ٹرانسپیرنٹ ہو گئی تھی۔

وہ اچھل کر پیچھے گیا۔ ”میرے سے بولا۔“ تم درشا ہو۔“ ”میں تاباں ہوں۔“ ”کہو اس مت کرو۔“

”یاد کرو۔ میں پہلے بھی درشا کے اندر رہ کر آئی تھی۔ اسے دیکھ رہے ہو۔ یہ پپ کڑی ہے۔ ہونٹ نہیں مل رہے ہیں۔ میں بول رہی ہوں۔“

اسے رحمانی کی آواز سنائی دی۔ ”تاباں درست کہہ رہی ہے۔“

اس نے سر ہٹا کر دیکھا۔ کچھ فاصلے پر رحمانی ایک درخت سے ٹک لگائے کھڑا تھا، کہہ رہا تھا۔ ”یہ یقین ہو چکا ہے کہ تو پاکیزگی اور ایمان کی طرف نہیں لوٹے گا اس لیے تجھ سے آخری بار ہم نمٹنے آئے ہیں۔“

رہائی نے کہا۔ ”تو پھر تیرا بھی آخری وقت آ گیا ہے۔ میں تجھے تاباں کے لیے زندہ نہیں رہنے دوں گا۔“

”نہ میں تیرے مقابلے پر آؤں گا نہ تو مجھے ہاتھ لگا سکے گا۔“

درشا کے ہونٹ تھپے۔ اس نے کہا۔ ”میں تجھے تاباں اور رحمانی کے قریب جانے نہیں دوں گی۔ ناک اپنے شیطان کو اور دیکھ کہ روحانی قوت کیا ہوتی ہے۔ لے تیرے سامنے تاباں آ رہی ہے۔“

وہ رحمانی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ رہائی نے دیکھا جب وہ اپنی جگہ سے ہٹی تو وہاں رحمانی کے ساتھ تاباں دکھائی دے رہی تھی۔ اسے اچھے ہی رہائی اس کی



## خود کردہ سکندر سلیم

تہات آسان طریقے سے مشکل دور کرنے کا دلچسپ ماجرا...  
ہارنک بینی اور احتیاط پسندی سے مرتبہ دے گئے منصوبے نے  
شانداز کامیابی حاصل کر لی تھی مگر عین وقت پر مات سے  
ہمکنار ہونا پڑا...

سراغ دہی سے آراستہ ایک مختصر دلچسپ تحریر...

پولیس سراغ دہاں کیرول سٹور کی مالکہ  
ایس مینڈ وزا کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی جو اپنے نقصان کی  
قہرست بنانے میں مصروف تھی۔  
"اگر تم میرے سوالات کے جوابات دینے پر توجہ دو  
تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔" پولیس سراغ دہاں کیرول  
نے ایس سے کہا۔ "میرے سوالات پیچیدہ نہیں ہوں  
گے۔"  
"میں معذرت چاہتی ہوں، سراغ دہاں۔ ٹی

جاسوسی ڈائجسٹ 145 جون 2015ء

Scanned By Amir

نے گزشتہ چھ ماہ کے دوران اپنے کسی ملازم کو برخاست تو نہیں کیا؟“

”جو بیٹھے قتل میں نے میٹ ولسن نامی ملازم کو قارغ کر دیا تھا کیونکہ میں اس کے ٹی گھنٹا اخراجات کی منتقل نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ میں نے اسے آئندہ ملازمت کے لیے ایک زبردست حوالہ دے دیا تھا۔“ ایٹس نے بتایا۔

”کیا تمہیں علم ہے کہ اس نے کسی دوسری جگہ کام تلاش کر لیا؟“ کیرول نے پوچھا۔

”کسی نے یہاں اس کی ملازمت کے دورانیے اور اس کے رویے کے بارے میں جاننے یا اس کے بیان کو چیک کرنے کے لیے کبھی مجھے فون نہیں کیا۔“

اس کا مطلب تو کچھ بھی نہیں ہوا، سرائخ رساں کیرول نے سوچا۔

”جب تم نے اسے قارغ کیا تھا تو کیا وہ مجھے میں آگیا تھا؟“

”یقیناً وہ خوش تو نہیں ہوا تھا۔“

”کیا وہ شخص میٹ ولسن ہو سکتا ہے جس نے آج تمہارے اسٹور کو لوٹا ہے؟“

”میرا خیال ہے۔ گو میں اس پر یقین تو نہیں کر سکتی۔ میٹ ولسن نے میرے پاس لگ بھگ ایک سال تک کام کیا ہے اور اس نے مجھے کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔“ ایٹس نے بتایا۔

سراسر رساں کیرول نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”کیا فی الوقت کوئی ایسا فرد ہے جو تم سے ناخوش ہو؟“

”مجھے ایسا کوئی فرد یاد نہیں آ رہا جو میرے ساتھ اس قسم کی کوئی حرکت کر سکتا ہے۔ فون پر مجھ پر چیخا چلانا ایک الگ بات ہے اور ڈکیتی کی سطح واردات سرانجام دینا قطعاً الگ معاملہ ہے۔“

”فون پر کون تم پر چیخ چلا یا تھا؟“

”میرا ساہقہ شوہر۔ لیکن وہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔“

”وہ کیوں؟“

”وہ اس لیے کہ بچوں کو پروان چڑھانے کے معاملے میں ہم دونوں کی سوچ اور طریق کار میں اختلاف تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جس کی بنا پر اب وہ میرا ساہقہ شوہر ہے۔“ ایٹس نے جواب دیا۔

”کیا وہ اسی علاقے میں رہتا ہے؟“

”اس کی رہائش چند ٹاؤن کے قافلے پر ہے۔“

الوقت تو میں جتنی جلدی ممکن ہو سکتا ہے اپنی بیسے کی رقم حاصل کرنا چاہتی ہوں تاکہ میں اپنے سلاز کو وادائیگی کر سکوں۔“

اسٹور کی مالکہ ایٹس نے بے اطمینانی سے جواب دیا۔

یہ اسٹور دنیا بھر کے بینڈی کرافٹ آئٹمز کی فروخت کے حوالے سے خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ بات سرائخ رساں کیرول نے خاص طور پر نوٹ کر لی تھی۔ یہاں پر مختلف ملکوں کے دستکاری کے متفرق نمونے موجود تھے جو بڑے قریب سے طاقتوں میں جھے ہوئے تھے۔

”میں واضح کر دوں کہ جب تک اسٹورس کہیں کو میری رپورٹ نہیں ملے گی، وہ تمہارے بیسے کے کلیم کو پروسس نہیں کریں گے۔“ سرائخ رساں کیرول نے صاف صاف کہہ دیا۔

یہ سنتے ہی ایٹس کے قدم رک گئے۔ ”او کے! میں بات مان لیتی ہوں۔ اب تم مزید اور کیا چاہنا چاہتی ہو؟“

”تم دوبارہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے مجھے اس ماسک پہنے ہوئے شخص کے بارے میں بتاؤ جس نے تمہیں عیبی کرے میں بند کر دیا تھا؟“ سرائخ رساں کیرول نے کہا۔

”جیسا کہ میں بتا چکی ہوں اس کا قدر میاں تھا۔ جماعت کے لحاظ سے وہ نہ تو دلا پتلا تھا اور نہ ہی اسے جو حوصلہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کے جسم پر نیلی جینز اور دھاری دار قمیض تھی۔ بیروں میں نرم تلے کے کراچی کے جوتے تھے اور اس نے سر پر ماسک پہنا ہوا تھا۔“

”اس نے تم سے کون وین کیا کہا تھا؟“

”اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں عیبی کرے میں چلی جاؤں۔ اور یہ کہ اگر میں نے اس کے ساتھ تعاون کیا تو وہ مجھے کوئی گزرتہ نہیں پہنچائے گا۔ اور وہ دس منٹ میں یہاں سے چلا جائے گا۔ وہ صرف نقد رقم اور ایسی اشیاء لیتا چاہتا تھا جو آسانی سے فروخت ہو جائیں۔“ یہ کہہ کر اسٹور کی مالکہ ایٹس نے ہلکا سا تلخ قبضہ لگا دیا۔ ”آسانی سے فروخت۔۔۔۔۔ اسے بھلا کیا پتا کہ کسی شے کو فروخت کرنے میں کتنے پاپڑ بیٹھے پڑتے ہیں۔ وہ کسی اسٹور کا مالک تو نہیں ہے۔“

”کیا اس کی آواز جانی پہچانی تھی؟“

”مجھے اس کی آواز میں کوئی منفرد بات سنائی نہیں دی تھی۔ یہ یاد ہے کہ ماسک پہننے کی وجہ سے اس کی آواز کھٹی کھٹی ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ اگر وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی آواز پہچان لی جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ آواز بدل کر بول رہا ہو۔“

سراسر رساں کیرول نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”تم

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

## مشکل فن

گاہک (خجام سے) ”بال تراشنے سے پہلے میری ہدایات غور سے سن لو وگرنہ طرف سے ہال یوں کاٹو کہ کھوپڑی نظر آنے لگے۔ بائیں طرف کے بال چھوڑ دینا تاکہ میں اپنا بایاں کان ڈھانپ سکوں۔ ہاتھ سے 4 چار انچ اوپر ڈرا دائیں طرف چاندی کے روپے کے برابر مچ بنا دینا سر کے درمیان بالوں کی ایک لٹ چھوڑ دینا جو میری ناک تک پہنچے سر کی پچھلی جانب بالوں کی میڑھی بنا دینا کیونکہ میرا چھوٹا چٹا بکلی پسند کرتا ہے۔“

خجام۔ ”معاف کیجیے گا میں اس طرح کے بال نہیں بنا سکتا۔“  
گاہک حیران ہو کر۔ ”وہ کیوں؟ پچھلی دفعہ تو تم نے اسی طرح کے میرے بال کاٹے تھے۔“

لاہور سے عبدالجبار رومی انصاری کا تعاون

کروں گی بلکہ اسے حراست میں بھی لے لوں گی۔“ سراج رساں کیرول نے پرہوش لہجے میں کہا۔

☆☆☆

اور پھر سراج رساں کیرول نے اسٹور کی ناکہ ایلیس سینڈوزا کو اپنے ہی اسٹور میں فرضی ڈکیتی کے جرم میں حراست میں لے لیا۔

جس یقین کی بنا پر کیرول نے ایلیس کو حراست میں لیا تھا، وہ خود ایلیس کا بیان تھا جو روانی میں باتوں باتوں کے دوران میں یہ کہہ گئی تھی کہ جب وہ چور کیش رجسٹر میں سے نقدی نکال رہا تھا تو تب بھی اس کا بایاں ہاتھ چل رہا تھا اور وہ کھپتا تھا۔ جبکہ ایلیس پہلے یہ بات کہہ چکی تھی کہ چور نے اسے غیبی کمرے میں بند کر دیا تھا۔ بھلا بند کمرے کے اندر سے اس نے چور کو باہر کیش رجسٹر سے نقدی نکالنے ہوئے کس طرح دیکھ لیا تھا؟

ایلیس کو اپنے جرم کا اعتراف کرنا پڑ گیا۔ اس نے بتایا کہ اس نے بیسے کی رقم کے حصول کے لیے یہ ڈھونڈ رکھا تھا کیونکہ اس کا کاروبار مندا چل رہا تھا اور اسے پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔



پھر سراج کیرول کے کہنے پر ایلیس نے اس کا پورا نام اور کھل پتا بتا دیا۔

”بس ایک سوال اور۔ کیا تم نے اسٹور میں کسی کو یونہی فارغ منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی خریداری نہ کی ہو اور ڈکیتی کی نیت سے جائزہ لیتا اس کا مقصد رہا ہو؟“

”گزشتہ ہفتے ایک فرد ایسا دکھائی دیا تھا جس کی حرکات و سکنات مجھے مشکوک محسوس ہوئی تھی۔ میں اس کے منڈلانے کا باریک بینی سے جائزہ لیتی رہی مگر ایلیس نے کوئی چیز خریدنے میں مدد نہیں کی۔ وہ لگ بھگ بیس منٹ تک یہاں رہا تھا لیکن صرف چیزوں کا جائزہ لیتا رہا۔“

”کیا تم نے اسے پہلے بھی دیکھا تھا؟“  
ایلیس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”کیا تم اس کا طالع بیان کر سکتی ہو؟“  
”ہوں، غالباً قامت درمیانی تھی۔ آنکھیں بھی شاید براؤن تھیں۔ یہ گزشتہ ہفتے کی بات ہے۔ انیتہ جو بات سن گئی تھی، وہ یہ احساس تھا کہ مجھے جبر جبری سی آگنی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کا سبب کیا تھا بس ایک احساس جو وجود میں رہا تھا۔“

”اس کے جسم پر کوئی ٹیٹو وغیرہ نمایاں تھا؟“  
ایلیس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”چھینے والی نظریں؟ بالوں کا کوئی منفرد انداز؟“  
”ہاں ایک بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ وہ کھپتا تھا۔ وہ جو بھی شے اٹھا کر اس کا جائزہ لیتا تھا، وہ بائیں ہاتھ سے اٹھاتا تھا۔“ ایلیس نے بتایا۔ پھر وہ سر سے لمحے اس کی آنکھیں پھٹ پڑیں اور وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی ”ہاں، اور وہ ڈکیت بھی سبھا تھا! جب وہ کیش رجسٹر میں سے نقدی سمیٹ رہا تھا۔ تو تب بھی اس کا بایاں ہاتھ چل رہا تھا۔“

”یہ تو تم نے بڑی کارآمد بات بتائی ہے۔“ سراج رساں کیرول نے کہا۔ ”اور اس روز جب وہ تمہارے اسٹور میں آیا تھا تو اس سے پہلے بھی تم نے اسے نہیں دیکھا تھا؟“

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ایسا ہی ہے۔“  
”اوکے ایلیس، فی الوقت مجھے یہی معلومات درکار تھیں۔ میں تم سے رابطے میں رہوں گی۔“ سراج رساں کیرول نے کہا۔

”کیا تمہارے خیال میں تم اس شخص کو تلاش کرنا سکتی ہو؟“

”اوہ! مجھے یقین ہے کہ میں نہ صرف اس شخص کو تلاش

جاسوسی ڈائجسٹ 147 جون 2015ء



# چہرہ شناس

سریم کے حسان

زندگی مہر آنے والی بزرگ ہستیوں شجر ساہہ دار کے مانند ہوتی ہیں... جو ان کے حلقہ حصار میں آجاتا ہے... اس کی زندگی میں دھوپ کے باوجود چھانٹوں طاری رہتی ہے... کشیدہ اور دل گرفتگی کا غبار اندھیوں کی دھول کی صورت پکایک آتا ہے اور چلا بھی جاتا ہے... مگر اس کے اثرات تادیر قائم رہتے ہیں۔ چھوٹے بچے کی نفسیاتی اور ذہنی صورت حال بھی اسی طرح کی ہوتی ہے... وہ اپنے بچپن میں جو دیکھتا ہے... اسے ہمیشہ کے لیے اپنے ذہن و دل میں محفوظ کر لیتا ہے...

اس لڑکی کا نشانہ جس کا ذہنی تھا کہ وہ چہرہ شناس ہے

اپنے سے نکلنے کے بعد اسے سڑک اتنی صاف نہیں ملی۔ اس پر نرم اور سنی سے کچھ بٹاتی برف ملی تھی جس پر گاڑی کے پائز سلپ ہو رہے تھے۔ اسے غماط ڈرائیو تک کرنا پڑی تھی جب وہ ریستوران تک پہنچی تو رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ تھویشاک بات ریستوران کے باہر موجود گاڑیوں کی بڑی تعداد تھی۔ اس موسم میں ایسا صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ آگے ہائی وے کی وجہ سے بند ہو۔ اس نے مسلسل ریڈیو لگا... رکھا تھا اور اس میں ہائی وے چکیں کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔

جولی تقریباً پانچھیں برس کی لیکن چہرے سے اسکولوں گرل نظر آتی تھی۔ دل کش نقوش اور مناسب جسامت کی وجہ سے اسے خوب صورت کہا جاسکتا تھا۔ خاص طور سے اس کی سرخی نیلگوں آنکھیں دیکھنے والوں کو متاثر کرتی تھیں۔ جولی نے سردی کی مناسبت سے مکمل لباس پہن رکھا تھا۔ ایبٹ ڈرائیو تک کے دوران اس نے بھاری جیکٹ اتار دی تھی۔ ایک تو اسے الجھن ہوتی تھی دوسرے گاڑی میں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہیٹر گاڑی واندے گرم رکھے ہوئے تھا۔ اس موسم میں ہیٹر کے بغیر سڑ کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔ باہر درجہ حرارت متنی سات اور آٹھ تھا اور اس میں مزید کسی کی پیش گوئی تھی۔ جولی نے کار پارکنگ میں روکی۔ اس نے اپنا منظر اور ٹولہ لی اور جیکٹ اٹھاتے ہوئے نیچے اتر آئی۔ گرم کار سے سچ نکلتا تھا آنے پر وہ ایک لمبے کوزر تھی تھی۔ پھر جلدی سے جیکٹ پہنتے ہوئے وہ ریستوران کی

جولی کا رہیں جب ڈینور سے نکلے تو موسم خراب تھا اور مزید ٹھہری کی پیش گوئی تھی۔ مگر اسے امید تھی کہ وہ کرسس ٹائٹ سے پہلے اپنے آبائی گھر میں ہوگی۔ جہاں اب صرف اس کی ماں اکیلی کار میں رہتی تھی۔

چونکہ ڈیمبر کی شام اس نے آف کیا اور فوری روانہ ہو گئی۔ اس نے سمان صبح ڈیوٹی پر آتے ہوئے گاڑی کی ڈکی میں رکھ لیا تھا اور اس میں سب کے لیے تحفے بھی تھے۔ اسے امید تھی کہ وہ گھر پہنچے گا۔ اسے تک پہنچ گئی تو رات بارہ سے پہلے سپر بیچ جانے کی مگر موسم کی خرابی کی اطلاع نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وائٹنگ میں شدید برف پاری جاری تھی اور ہائی وے صاف رکھنے والا عملہ چوبیس گھنٹے کام کر رہا تھا۔ اس کے باوجود متعدد مقامات پر ہائی وے بند تھی اور گاڑیوں میں سڑ کرنے والوں کو سرد موسم میں سڑک کھلنے کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا۔ خوش قسمتی سے ڈینور سے جی اپنے تک ہائی وے صاف تھی۔ جولی نے تیز ڈرائیو کی تھی اور رات آٹھ بجے تک وہ جی اپنے کے پاس ایک گیس اسٹیشن تک تھی۔ اس نے یہاں سے گیس بھروائی اور پھر ڈنر کا سوچا۔

گیس اسٹیشن کے ساتھ کیفے تھا مگر اسے یہاں کا کھانا پسند نہیں تھا۔ جی اپنے سے آگے ایک اچھا ریستوران تھا اور جولی ہمیشہ یہیں سے کھاتی تھی۔ یہ جگہ مزید کوئی بیٹا کلو میٹر زنی دوری پر تھی۔ جولی کا خیال تھا کہ وہ ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ جائے مگر غیر متوقع طور پر جی

جاسوسی ڈائجسٹ 148 جون 2015ء

طرف تھی۔ جولی نے ان کے پاس پہنچ کر کہا۔ ”معاف کرنا کیا

میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں، کوئی میز خالی نہیں...“

”سوری ہم ہات کر رہے ہیں۔“ ایک عورت نے

اس کی بات کاٹ کر رکھائی سے جواب دیا اور پھر دوسری

عورت سے گفتگو میں بچو ہو گئی۔ جولی نے گہری سانس لی اور

کاؤنٹر کی طرف بڑھی تھی کہ میز پر اکیلے بیٹھے ٹرے کے

کی طرف دیکھ کر ہاتھ اٹھایا۔ جولی رکی اور پھر اس کی طرف

بڑھ گئی۔ لڑکا خوش شکل اور دوستانہ تاثرات کا حامل نرم رو

دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے نزدیک آنے پر کھڑے ہوتے

ہوئے تھیں۔

”سوری میں نے تم کو اشارہ کیا مگر میں دیکھ رہا تھا کہ

ان عورتوں نے انکار کر دیا ہے اور تمہیں سیٹ کی ضرورت

ہے۔“

”سوری کی ضرورت نہیں ہے۔“ جولی مسکرائی۔

ریستوران زیادہ بڑا نہیں تھا کیونکہ یہاں سے کہ

لوگ ہی گزرتے تھے اور اس وقت تو آف میز تھی۔

دروازے پر ہی بورڈ لگا ہوا تھا کہ کمرس کی وجہ سے

ریستوران رات بارہ بجے بند کر دیا جائے گا اور پھر دو دن

بعد کھلے گا۔ اندر آنے پر جولی نے سکون کا سانس لیا۔

ریستوران بھرا ہوا تھا اور سوائے کاؤنٹر اسٹولز کے کوئی جگہ

خالی نظر نہیں آرہی تھی۔ موسم کی وجہ سے ہی ریستوران بھرا

ہوا تھا۔ جولی اسٹول پر بیٹھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے

آس پاس نظر دوڑائی۔ ایک کونے میں دو افراد کے لیے میز

تھی اور اس پر ایک نوجوان لڑکا موجود تھا۔ وہ سر جھکائے

اپنی پیش کش کھانے میں مصروف تھا۔ جولی چند لمبے اس کی طرف

دیکھتی رہی پھر ایک میز کی طرف بڑھ گئی جس پر دو عورتیں

بیٹھی تھیں اور ان کی توجہ کھانے سے زیادہ آپس کی گفتگو پر



Scanned By Amir

”مجھے واقعی سیت کی اشد ضرورت ہے۔“

لاکا خوش ہو گیا۔ اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”ہلیز... مجھے جان کہتے ہیں۔“

”جولی۔“ اس نے ہاتھ بڑھایا جو نو جوان نے گرم

جوشی سے تمام لیا اور کچھ دیر تھامے رکھنا۔ جولی نے بیٹھے

ہوئے ویٹریس کو اشارہ کیا اور جان سے کہا۔ ”میں شکر گزار

ہوں، ویٹریس ڈرائیو کے بعد میرا اسٹول پر بیٹھنے کا ارادہ نہیں

تھا۔“

”ہونا بھی نہیں چاہیے۔“ جان نے اس کی تائیدی کی۔

”تم کہاں سے آ رہی ہو؟“

”ڈیور سے۔“ جولی نے جیکٹ کی زپ نیچے کر لی۔

ریستوران اندر سے خاصا گرم تھا اور لوگ بھی خاصے تھے

اس سے بھی اندر کا ماحول گرم ہو گیا تھا۔ ”کیسپر جارہی ہوں

اور تم؟“

”مجھے تھنڈر میسن بیٹھل پارک کے پاس ایک جگہ جانا

ہے۔“ جان نے بتایا۔ ”وہاں میرا آبائی گھر ہے اور میری

ماں وہاں میرا انتظار کر رہی ہے لیکن فی الحال میں نہیں

جا رہا۔“

جولی وجہ پوچھنا چاہتی تھی کہ ویٹریس آگئی۔ جولی نے

اس سے دستنب زشوں کا پوچھا اور پھر اپنی پسند کا ڈنر ٹوٹ

کرانے لگی۔ نو عمر ویٹریس نے کہا۔ ”اس میں کچھ وقت لگے

گا۔ آج ریش بہت ہے اور ایریک اکیلا ہی لگا ہوا ہے۔ اس

وقت تک کے لیے کچھ لے آؤں؟“

”ویٹریس کی طرف سے۔“ جان نے کہا۔

”ارے نہیں۔“ جولی بولی۔

”ہلیز۔“ جان نے کہا اور ویٹریس کو اشارہ کیا تو وہ

سکراتے ہوئے چلی گئی۔ جولی نے اس کے جانے کے بعد

کہا۔ ”تم نے زحمت کی لیکن میں شکر گزار ہوں۔“

یہاں بار نہیں تھا مگر ٹن اور بوتلوں میں شرابیں

دستیاب تھیں۔ ویٹریس اس کے لیے ٹن لے آئی۔ جولی نے

ٹن کھولا اور اس سے پوچھا۔ ”تم تمہیں کیوں نہیں جا رہے

ہو؟“

”دو میل پہلے میری کار خراب ہو گئی ہے۔ میں نے

ایک ٹیکس اسٹیشن والے سے کہہ دیا ہے وہ کار لے جانے گا

اور ٹھیک بھی کرے گا مگر اب مجھے گھر جانا ہے اور تم دیکھ رہی

ہو کہ تمام پبلک ٹرانسپورٹ بند ہو چکی ہے۔ کیسپ مردوں بھی

بند ہو گئی ہے۔“

جولی نے سر ہلایا۔ ”کرسمس کے موقع پر ایسا ہی ہوتا

ہے۔“

”میں پولیس سے لفٹ لے کر یہاں پہنچا ہوں۔ اب

سوچ رہا ہوں آگے نہ جانے کیسے جاؤں گا۔ پولیس ہر جگہ

لفٹ نہیں دیتی ہے۔“

جولی خاموش رہی۔ جب تک بیٹر کاشن ختم ہوا اس کا

ڈنر آ گیا تھا۔ جان نے ڈنر چل کر لیا تھا۔ اس نے اپنے لیے

کافی منگوائی۔ جان نے جدید فیشن کا اور مینگا لباس پہن کر رکھا

تھا۔ اس کا سینا گلاس بھی تھکتی تھا اور وہ یقیناً کھاتے پیچے

گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ جولی نے پوچھا۔ ”تم کیا کرتے

ہو؟“

”میں یونیورسٹی میں ہوں۔“ اس نے شعبے کا نام لیے

بغیر کہا۔ ”میرا دو سراساں ہے۔“

”کس یونیورسٹی میں؟“

”جی ایس یونیورسٹی میں۔“ جان نے جواب دیا۔

”وہیں ہاسٹل میں رہتا ہوں اور پارٹ ٹائم جاب بھی کرتا

ہوں۔“ ”تو تم لیٹ نکلے ہو، یونیورسٹی تو میں تاریخ سے بند

ہو چکی ہے۔“

”ہاں مجھے کچھ ضروری کام منانے تھے اور ان کے

پھر میں لیٹ ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں کرسمس کی رات

سے پہلے گھر پہنچ جاؤں گا مگر اب...“ اس نے مایوس انداز

میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ”یہاں پھر بھی کچھ ٹریک ہے

جہاں میں جا رہا ہوں وہاں مشکل سے کوئی گاڑی اس وقت

گھر سے باہر نکلے گی۔ خیر چھوڑو، تم کیا کرتی ہو؟“

”جواب۔“ جولی نے جواب دیا۔

”رہتی۔“ جان نے بے یقینی سے کہا۔ ”میں تو سمجھا

کہ تم بھی اسکول یا کالج اسٹوڈنٹ ہو۔ چہرے سے تم بہت

کم عمر اور مصوم لگتی ہو۔“

جولی سکرائی۔ ”میری نام کتنی تھا کہ چہرہ انسان کی

شخصیت لفظ بتاتا ہے۔“

جان ہنسا۔ ”ساری ماں ایک جیسی بات کرتی ہیں،

میری ماں بھی کہتی ہیں کہ انسان کا چہرہ دھوکا دیتا ہے جیسا

وہ نظر آتا ہے اس کے الٹ سمجھو۔“

”مگر میں اس سے متفق نہیں ہوں۔“ جولی بولی۔

”میرا ذاتی تجربہ ہے اکثر انسان وہی ہوتا ہے جو اس کا چہرہ

بتاتا ہے۔“

جان نے سر ہلایا۔ ”میرا تجربہ زیادہ نہیں ہے مگر

میں کسی حد تک تم سے متفق ہوں۔ اکثر لوگ ویسے ہی نکلنے

تھا جیسے کہ وہ چہرے سے نظر آتے ہیں۔“



رہ گئی۔ اس نے کافی بیک کار نے اندر رخسار اور واپس ریستوران میں آئی۔ جان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جولی نے کہا۔ ”تم میرے ساتھ چلو گے۔ میں تم کو تھنڈر بیسن ہسپتال پارک کی طرف جانے والے کٹ پر اتار دوں گی۔“

جان ہچکچایا۔ ”تم کو زحمت ہوگی۔“  
 ”نہیں ہوگی میں اسی جگہ سے گزروں گی۔“  
 جان خوش ہو گیا۔ ”تب میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔“

وہ کھڑا ہوا تو جولی نے دیکھا کہ اس کے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔ اس نے پوچھا۔ ”تم بغیر سامان کے گھر جا رہے ہو؟“

”نہیں سامان کار میں ہے۔ میں اسے لے کر سفر نہیں کر سکتا تھا اس لیے مجبوراً ڈکی میں چھوڑنا پڑا۔ ویسے مجھے ضرورت نہیں ہے گھر میں میرے لیے سب ہے۔“

”ہاں مائیکس بیچوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہیں۔“ جولی نے کہا اور باہر آئی۔ جان نے لیڈر جیکٹ پہنی ہوئی تھی اور یہ خاصی گرم تھی۔ اس کے پیروں میں اچھے نپدر اور فرکے بنے ہوئے جوتے تھے۔ یہ تمام چیزیں نئی تھیں۔

سردی سے بچنے کے لیے وہ جلدی سے کار میں بٹھے۔ جولی نے اپنی جیکٹ اتار کر پچھلی سیٹ پر ڈالی اور کار اسٹارٹ کرتے ہی ہیٹ بھی آن کر دیا۔ ویسے تو کار اندر سے بخ ہی ہو رہی تھی مگر چند بار جو دروازے کھلے تو باہر کی بخ بھی اندر آگئی اور ہیٹ آن ہونے کے چند منٹ بعد جا کر اندر کا درجہ حرارت خوشگوار ہوا۔ جان نارل تھا مگر گرم جرسی اور پیشاب میں جولی کا نپ رہی تھی۔ ہائی ویسے پر آنے کے بعد اس نے سکون محسوس کیا۔ یہاں ہوا تیز تھی کار کے انجن کو باقاعدہ زور لگانا پڑ رہا تھا۔ وہ موسم کے حوالے سے پریشان تھی۔

جان نے اسے تسلی دی۔ ”ہوا تیز ہے اس لیے برف زیادہ نہیں گرے گی۔“

جسٹس سائنس

وہ جس جگہ بیٹھے تھے یہاں سے شیشے کے باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا اور آسمان سے روٹی کے گالے جیسے برف کے ٹکڑے تیز ہوا کے ساتھ گرنے لگے تھے۔ جولی پریشان ہو گئی۔ پیش گوئی کے مطابق موسم مزید خراب ہو رہا تھا۔ یہ بات وہاں رکنے والے مسافروں نے بھی محسوس کر لی تھی اور وہ جلد رخصت ہونے لگے۔ جب تک جولی نے ڈنر ختم کیا نصف لوگ جا چکے تھے اور باقی بھی جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ بھی روانہ ہو جائے۔

ایسا نہ ہو کہ موسم زیادہ ہی خراب ہو اور وہ یہاں پھنس کر رہ جائے۔ جیسا کہ دروازے پر نوٹس لگا ہوا تھا کہ ریستوران بھی بارہ بجے بند ہو جائے گا۔ جان اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے شاید اس کا خیال بھانپ لیا۔ ”جلد بازی مت کرو، ابھی تمہارے پاس ڈیڑھ گھنٹا ہے۔“

لیکن مجھے ابھی ڈیڑھ سو گلو میٹرز کا سفر اور کرنا ہے۔ موسم زیادہ خراب ہو گیا تو میں پھنس جاؤں گی۔

”تمہاری مرضی۔“ جان نے مل ادا کرنے کے لیے پرس نکالا۔ اس کا پرس بھی قیمتی لیڈر کا تھا۔ اس نے سوا انرز کا ایک نوٹ پیٹ کے نیچے رکھا جو بیٹھابیل کی اصل رقم سے خاصا زیادہ تھا۔ جولی نے ویٹریس کو اشارہ کیا اور اس سے

پیسے میں پینے کا تھا چند منٹ میں وہ بیٹل اور بیک کافی لے آئی۔ جولی نے بیٹل اور پی کی رقم وی اور کھڑی ہو گئی۔ اس نے جان کی طرف دیکھا۔

”شکر یہ تمہارے ساتھ اچھا وقت گزارا۔“  
 وہ مسکرایا۔ ”شکر یہ تو مجھے کہنا چاہیے کہ تم نے کبھی وی۔“

جولی اگلا سوال کرتے ہوئے ہچکچائی۔ ”اب تم کیا کرو گے؟“

جان نے شانہ چکا یا۔ ”کیا کہہ سکتا ہوں، ہو سکتا ہے پیدل چل پڑوں، راستے میں کوئی نقٹ شے سے بے یا پٹرول پمپس مہربان ہو جائے۔ کل تک میں گھر پہنچ ہی جاؤں گا۔“

”اوکے، بے گڈ لک۔“ جولی نے کہا اور کافی پیسے کا شاہرہ پکڑ کر باہر آئی۔ ہوا میں بہت تیزی اور کایٹ آگئی تھی۔ موٹی اونچی جیکٹ سے گزر کر جسم کو لگ رہی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی کار تک آئی اور اندر بیٹھنے کے لیے دروازہ کھول

تھا کہ اسے شیشے کے پاس ریستوران میں جان دکھائی دیا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جولی کو دیکھتے پا کر اس نے ہاتھ سے ہانے کا اشارہ کیا۔ جولی نے ہاتھ اوپر کیا تھا مگر پھر وہ

جسٹس سائنس

”مگر یہ دنڈا سکرین پر جیسے کی۔“ جولی نے دیکھا اور  
 کرتے ہوئے کہا اور اپنا کانی پیکھوں لیا۔ ”سوری مجھے  
 خیال نہیں رہا کہ تم بھی ساتھ ہو گے اور نہ ایک پیکھ دور لے  
 لیتی۔“

”کوئی بات نہیں۔“ جان مسترایا۔ ”میں خود کو گرم  
 کرنے کا سامان ساتھ رکھتا ہوں۔“ اس نے جیکٹ کی جیب  
 چھینچائی۔

”الکوئل۔“ جولی نے کہا۔ ”تم انڈر راج ہو؟“  
 ”نہیں اس سال اپریل میں میں اٹھارہ کا ہو گیا  
 ہوں۔“ جان نے تردید کی۔ ”تین گنا بات سے میں پندرہ  
 سال کی عمر سے لیا رہا ہوں۔ البتہ عادی میں بھی نہیں رہا۔“  
 ”ابھی بات ہے۔“ جولی نے سرسری انداز میں کہا۔  
 ”آوی کو اصول اور قوانین کی پابندی کرنی چاہیے۔“

”ہاں مگر آج کل کون کرتا ہے۔ تم بار میں جاؤ تو وہاں  
 بارہ تیرہ سال کے بچوں کو بھی شراب فروخت کی جاتی ہے۔“  
 ”بگ قانون شکنی کرتے ہیں مگر آپ سے یہ جائز نہیں  
 ہو جاتی ہے۔“ جولی نے کہا اور اسے پہلی بار بے چینی سی  
 محسوس ہوئی تھی۔ اسے لگا کہ اس کی بے چینی کا حلق جان  
 پیس ہے۔ شاید اس نے اسے لٹ دے کر جلد بازی کی  
 تھی۔ اسے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ جان نے جس طرح سے  
 قانون اور اصول کے بارے میں بات کی تھی اسے یہ بات  
 اچھی نہیں لگی تھی۔ مگر اب تو اس نے لٹ دے دی تھی۔  
 جان نے اس کی طرف دیکھا۔

”واقعی؟“ اس کا لہجہ کسی قدر استہزائیہ تھا۔  
 ”ہاں یہ ایک جزل بات ہے۔“ جولی نے کہا۔  
 ”اخلاقیات۔۔۔“

”یہ سب پرانی دور فرسودہ باتیں ہیں۔“ جان نے  
 بات کاٹ کر کہا۔ ”میرا خیال ہے رفتار کم کر لو۔ یہاں نہ ہو کہ  
 پولیس پیچھے آجائے۔“  
 ”ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ لوگ اب قانون کی زیادہ  
 پروا نہیں کرتے ہیں۔“

وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ”میں نے کہا تھا مگر  
 ذاتی طور پر میں کم سے کم ٹریفک قوانین کی پابندی پسند کرتا  
 ہوں۔ خاص طور سے جب پولیس کے پیچھے آنے کا شہرہ  
 ہو۔“

جولی کے جسم میں سرسبز ہٹ سی ہوئی۔ جان کے  
 قانون سے بد سے میں خیالات اچھے نہیں تھے مگر ساتھ ہی  
 وہ پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آخر کیوں؟ اس نے

رفتار ساٹھ رکھی تھی جو ہائی وے کے لحاظ سے تو مناسب تھی مگر  
 موسم کے لحاظ سے زیادہ تھی۔ واقعی پولیس پیچھے آسکتی تھی۔  
 اسے نکتہ دینے نہیں بلکہ خبردار کرنے کہ وہ خطرناک رفتار  
 سے ڈرائیو کر رہی ہے۔ اس نے رفتار کم کر کے پچاس کرنی۔  
 شاید اس کی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اس جگہ پہنچ جائیں  
 جہاں اسے جان کو اتارنا تھا۔ اس رفتار سے وہ دو گھنٹے سے  
 پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہوا کی رفتار کے ساتھ ہی اڑتی  
 برف کی مقدار میں اضافہ ہو رہا تھا اور یہ ڈرائیورز کے لیے  
 ابھی بات نہیں تھی۔ اسے رفتار مزید کم کرنا پڑی اور رفتار کا  
 مطلب تھا کہ وہ زیادہ دیر ہائی وے پر گھر سے باہر رہے  
 گی۔ اگر وہ اکیلی ہوتی تو شاید اسے اتنی فکر نہ ہوتی مگر اب  
 جان کے ساتھ وہ زیادہ دیر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس کی  
 خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اس سے الگ ہو جائے۔

اس نے توجہ ہٹانے کے لیے ریڈیو آن کر لیا۔ اتفاق  
 سے اس وقت موسم کا احوال آرہا تھا۔ خبر اچھی نہیں تھی۔ شمال  
 سے ایک بڑا برقی طوفان امریکا کی وسطی ریاستوں کی  
 طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے اثرات نزدیکی ریاستوں تک  
 پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ تو جولی کو دنڈا سکرین کے پاس  
 نظر بھی آ رہا تھا۔ موسم کے حال کے بعد نیوز کا سرڈوسری  
 خبروں کی تفصیل دینے لگا۔ ہائی وے اس پر چوٹی اپنے کے  
 ساتھ سے گزرتی تھی اور ہائی وے کے پچیس کو گراس کرتی تھی۔  
 پتیا اپنے سے دو میل پہلے مشرق میں کسی مظلوم فرد نے ایک  
 نو جوان اینگلو نڈر برگ کو چاقوؤں کے وار کر کے قتل کر دیا۔  
 واردات شام کے وقت چھ بجے ہوئی اور قاتل نے نوجوان کو  
 مارنے کے بعد اسے لوٹا بھی کیونکہ مقتول کے پاس سے اس  
 کا پرس، موہاگل اور دوسری تمام چیزیں غائب ہیں۔ امکان  
 ہے کہ قاتل اس کا کریڈٹ کارڈ یا دوسری چیزیں استعمال کر  
 سکتا ہے۔ پولیس نے عوام سے اپیل کی تھی کہ اگر وہ اس  
 بارے میں کچھ جانتے ہوں تو پولیس سے رابطہ کریں۔ ابھی  
 خبر جاری تھی کہ جان نے ہاتھ بڑھا کر پھینک بدل دیا اور ایک  
 میوزک چینل لگا دیا۔

”چینل کیوں بدلا ہے؟“ جولی کی قدر تیز لہجے میں  
 ہوئی۔ اسے غصہ آ گیا۔

”مجھے نیوز پسند نہیں ہیں۔“ وہ اطمینان سے بولے۔  
 اس وقت وہ ریستوران والے نوجوان کے مقابلے میں خاصا  
 بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک طرح کی برتری  
 اور جارحیت تھی۔ جولی نے ایک نظر اسے دیکھا اور ہاتھ  
 بڑھا کر ریڈیو بند کر دیا۔ اس پر جان نے کوئی ردعمل نہیں

رہے تھے، یہاں سڑک سیدھی نہیں تھی بلکہ بار بار صوم رہی تھی اور جولی کو توجہ سے ڈرائیو کرنی پڑ رہی تھی۔ ڈرائیو آگے ایک گیس اسٹیشن تھا۔ جولی سوچ رہی تھی کہ وہ کھلا ہوگا یا نہیں۔ اگر وہ کھلا ہوگا تو وہ وہاں سے گیس بھروانے گی۔ اگر چہ اسے خاص ضرورت نہیں تھی، نینک اس وقت بھی تین چہ تھائی بھرا ہوا تھا۔ شاید اس کے ذہن میں تھا کہ ممکن ہے جان وہاں اتر جائے اور اسے سوخ مل جائے۔ ایک چھوٹی پیازمی کے گرد سے گھوم کر وہ سیدھی بائی وے پر آئے تو دور روشنیوں میں جگمگاتا ہوا گیس اسٹیشن نظر آ گیا۔ جولی نے نزدیک آنے پر اچانک کار گیس اسٹیشن کی طرف موڑی تو جان چو لگا اور اس نے مضطرب لہجے میں کہا۔

”یہاں کیوں رک رہی ہو؟“  
 ”میں سوچ رہی ہوں نینک فل کرائون۔ کرسس کی چینیوں میں مشکل سے کوئی تیس اسٹیشن کھلا ملے گا۔“  
 ”میرا خیال ہے ضرورت نہیں ہے، کار واپس ہائی وے پر لے لو۔“ جان نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا مگر اتنی دیر میں جولی تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کار گیس اسٹیشن میں داخل کر چکی تھی۔ اس نے جان کی بات کا جواب بھی نہیں دیا اور ایک پمپ کے پاس کار روک کر اس نے عقب سے اپنی جیکٹ اٹھائی اور نیچے اتارنے لگی تھی کہ جان نے کہا۔ ”تم رکو باہر سروی بہت ہے، میں میں بھرتا ہوں، چاہی دو۔“

جولی نے ایک نظر اس کے پھلے ہاتھ کو دیکھا اور چالی نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ نیچے اتر گیا۔ انجن بند ہونے سے گاڑی کا درجہ حرارت تیزی سے گرنے لگا تھا۔ جان نے چالی سے نینک کا ڈھکن کھولا اور پمپ سے پائپ اٹھا کر اس میں لگا یا۔ تیس اسٹیشن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ تین پمپ تھے اور پیچھے ٹنارت تھی، اس میں اسٹور بھی تھا۔ یہاں رکھنے والے خریداری بھی کر سکتے تھے۔ جولی شیشے کے پیچھے سے اسٹور اور گیس اسٹیشن کے مالک یا ملازم کو دیکھ سکتی تھی۔ وہ اپنے سامنے لگے پمپ انڈی کیٹر پر دیکھ رہا تھا کہ آتتا ایڈمن گاڑی میں جا رہا ہے۔ چند منٹ میں نینک بھر گیا اور جان نے پائپ واپس پمپ سے لگا کر نینک کا ڈھکن بند کیا اور اسٹور کی طرف جانے لگا۔ جولی نے شیشے نیچے کر کے اس سے کہا۔ ”اوائس میں کروں گی۔“

”یہ میری طرف سے ہوگی۔“ جان نے مزے بغیر جواب دیا اور اندر چلا گیا۔ چالی اس کے پاس ہی تھی۔ جولی کے پاس ایک اضافی چالی تھی جو گاڑی میں ایک جگہ چھپی

دیا۔ جولی نے کچھ دیر بعد کہا۔

”اس گل کے بارے میں کیا خیال ہے؟“  
 ”میرا خیال ہے قاتل اسے دلنا چاہتا ہوگا مگر اس کی مزاحمت پر مشکل ہو کر قاتل نے اسے مار دیا۔“  
 ”اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاتل کی نظر میں ایک انسانی جان کی قیمت چند ڈالرز یا ایک موبائل فون سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔“

جان نے پُرخیال نظروں سے اسے دیکھا۔ ”صرف قاتل نہیں آج کل لوگوں کا رویہ یہی ہو گیا ہے۔ اگر مقتول کو دولت سے پیار نہ ہوتا تو وہ اس کا مطالبہ مان لیتا اور اپنی جان بچا لیتا۔“

”دسین ممکن ہے قاتل پھر بھی اسے مار دیتا۔“ جولی نے اصرار کیا۔ ”بعض لوگ تفریحاً بھی قاتل کرتے ہیں۔“  
 ”ہوسکتا ہے کہ ایسا بھی ہوا ہو۔ تم نے ٹھیک کہا، بعض لوگ تفریحاً بھی قاتل کرنا پسند کرتے ہیں۔“  
 ”اور چاقو سے قتل؟“ جولی نے کہا۔ ”سب سے نزدیکی تعلق نہیں جتنا قاتل اور مقتول کے درمیان؟“  
 ”نزدیکی تعلق؟“

”ہاں قاتل خود چاقو مقتول کے جسم میں اتارتا ہے۔ وہ اسے پکارتا ہے۔ اس کا خون قاتل کے ہاتھ اور ممکن طور پر لباس پر آتا ہے۔ وہ اس کی اذیت اور جذبات کو براہ راست دیکھ رہا ہوتا ہے دوسرے کسی طریقے سے قتل کرتے ہوئے قاتل مقتول اتنے قریب نہیں آتے ہیں۔“  
 ”گنا گھونٹ کر قتل کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”ہاں اس میں بھی قاتل مقتول کا قریبی تعلق جتنا ہے۔“ جولی نے اعتراف کیا۔ ”مگر چاقو سے قتل آسان اور فوری ہوتا ہے۔ گنا گھونٹ کر بہت کم قاتل قتل کرتے ہیں اور عام طور سے ایسا اشتعال میں ہوتا ہے۔ نفسیاتی قاتل اور سیریل ککڑاکٹر چاقو یا دھار والے آلات سے قتل کرنا پسند کرتے ہیں۔“

جان اب اسے زیادہ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ”ایسا لگتا ہے تمہیں قتل کے موضوع سے خاص دلچسپی ہے؟“  
 ”بہت زیادہ تو نہیں مگر اتفاق سے خبر اس کی آئی تو میں نے بات کرنی۔“ جولی نے کہا۔ ”مجھے اس نو جوان کے قاتل کا خیال آ رہا ہے۔ وہ اس وقت کہاں ہوگا؟“  
 جان نے جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ایک ہموار پہاڑی علاقے سے گزر

"نہیں لیکن ایسے موسم میں زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔ میری ماں کہتی ہے کہ دیر سے پہنچنا بھی نہ پہنچنے کے مقابلے میں یقیناً بہتر ہے۔"

"تسہاری نام یقیناً ایک عقل مند عورت ہے۔"

جان کا چہرہ تن گیا۔ "شاید..."

جون نے کچھ دیر بعد کہا۔ "تم متفق نہیں ہو۔"

"نہہ سکتی ہو۔" جان کا لہجہ سرد ہو گیا۔ "وہ صرف"

باتیں ہی عقل مند کی کرتی تھی۔"

"تھی؟" جولی چونک گئی۔ "تم نے تو کہا تھا کہ وہ گھر"

میں انتظار کر رہی ہے۔"

"انتظار تو کر رہی ہے۔ مگر اب وہ باتیں نہیں کرتی"

ہے۔" جان کا بچہ پھر عجیب سا ہو گیا۔ اس بار جولی کو لگا کہ

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی لہر دوڑ گئی ہو۔ غیر ارادی طور

پر اس نے کارنی رفتار بڑھا دی تھی۔ تیز ہوا کو تیرتی اور

اڑتے برف کے گالوں سے لگرائی کار ہائی وے پر پھر تانک

رفتار سے دوڑنے لگی۔ جان نے کہا۔ "رفتار کم کرو۔"

"میں اچھی ڈرائیور ہوں، تم غرمت کرو کار بے قابو"

نہیں ہوگی۔"

"اس موسم میں یہ زیادہ سے آپریس پیچھے آسکتی ہے۔"

جلدی کے پتھر میں تم مزید تاخیر کا شکار نہ ہو جاؤ۔" جان نے

پہ نظر ہارٹل انداز میں کہا مگر جولی کو محسوس ہوا کہ اس کے

اندہ کہیں آپریس کا خوف تھا۔ کوئی وجہ تھی جو وہ آپریس کے

پیچھے آنے کے خیال سے ڈر رہا تھا۔ جونی نے رفتار کم نہیں کی

البتہ وہ پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہی تھی اور اس کا ایک پاؤں

بریک پر پائیکل تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جان

مضطرب ہو رہا تھا۔ اس کی بے چینی اس کے مسلسل پہنوں

بہ نئے سے ظاہر تھی۔ اچانک وہ سچا تھا۔ "رفتار کم کرو۔"

جولی نے رہتا گھبرا کے بریک ہانکا سا دیا اور کار کی

رفتار کم ہونے لگی۔ اس نے حیرت سے جان کی طرف

دیکھا۔ "تھیں کیا ہوا ہے تم اتنا دوس کیوں ہو رہے ہو؟"

"دیکھو میرے ساتھ بھینٹے سے گریز کرو۔" جان نے

حقت لہجہ میں کہا۔ "تم میرے بارے میں نہیں جانتی ہو۔"

"ٹھیک ہے، میں تسہارے بارے میں نہیں جانتی

ہوں۔ لیکن یہ بات بتانے کا یہ وزن سا طریقہ ہے؟"

جان اسے صبر رہا تھا پھر رفتہ رفتہ اس کے تاثرات

زور پڑنے لگے اور اس کے چہرے کی دکھنی لوٹ آئی تھی۔

اس نے ٹہری سانس لی اور بولا۔ "مجھے تیز رفتاری سے خوف

آتا ہے۔ ایک بار کار چھاتے ہوئے میرا بہت برا

ہوئی تھی۔ سب کی طرح وہ بھی اضافی چوٹی رکھتی تھی کہ کسی

ہنگامی موقع پر کام آئے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ کیا آج وہ موقع

آگیا تھا؟ اس کے اندر تپش سی گئی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ

پتھر زیادہ ہی حساس ہو رہی ہے۔ تپش بڑھی تو یا لہجہ اس

نے فیصلہ کیا اور نیچے اتر آئی۔ اضافی چوٹی ایک بہت طاقت ور

... مقابلے کی مدد سے ڈکی کے نیچے ایک جگہ چھٹی ہوئی تھی۔

جولی نے اسٹور میں دیکھا تو شیشے کے پیچھے اسے ماسک یا

اسٹور سیر نظر نہیں آیا۔ وہ پیچھے آئی اور جبک ٹرڈکی کے نیچے

ہاتھ پھیر رہی تھی کہ اسٹور کا دروازہ کھلا اور جان باہر آیا۔

جولی جلدی سے سیدھی ہو گئی اور مائیکروفون مارنے لگی۔ جان

پاس آیا۔ "کیا ہوا؟"

"مجھے لگا کہ مائیکس ہوا کم ہے اور کار اس طرف سے

تپشیں ہوتی ہے لیکن مائیکس ہے شاید یہاں فرش ہموار نہیں

ہے۔"

جان نے غور سے کار اور فرش کو دیکھا۔ "مجھے تو

دونوں ٹھیک لگ رہے ہیں۔ خیر آؤ بیٹھو۔ ابھی طویل سفر

ہے۔"

جبوراً جولی کار میں آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ

ایک منٹ پہلے فیصلہ کر لیتی تو اس وقت ہائی وے پر سفر کر

رہی ہوتی۔ تاخیر نے اسے ناکام کر دیا۔ اس نے ڈرائیو تک

سیٹ پر بیٹھ کر جان کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔ "کیا؟"

"چنانچہ میں گاڑی سے اسٹارٹ کروں؟"

"اوہ سو رہی۔" اس نے جیب سے چابی نکال کر دی

جو جگہ کی نم ہو رہی تھی۔ جولی نے کار اسٹارٹ کی اور پوچھا۔

"میں کی تھی اور تھکی کی؟"

"اسے بھول جاؤ، کچھ لو یہ اس سفر میں میری طرف

سے شیز ہے۔"

"اس کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن تسہارا شکر ہے۔"

وہ اس وقت ہائی وے کی چوٹی پر تھم کر سٹیشن چھٹا۔

پانک سے کوئی سو گلو میٹرز کے فاصلے پر تھے۔ جولی کا اندازہ

تھا کہ کار کی رفتار چالیس گلو میٹرز فی منٹ سے زیادہ نہیں تھی

تو کیا انیس اس جگہ تک پہنچنے میں کم سے کم ڈھائی گھنٹے ضرور

لگتے۔ موسم سرد پھر اب ہوا تھا۔ اب برف کے اڑتے گاؤں

کی تعداد بڑھ گئی تھی اور اسی وجہ سے حد نظر بھی محدود تھی۔

جان نے اچانک کہا۔ "تھا ہے تم جلد از جلد منزل پر پہنچنا

چاہتی ہو۔"

"اس موسم اور سردی میں یہ کوئی ان ہونی خواہش

ہے؟" وہ تیسے لہجہ میں بولی۔

نہیں تھا۔ جولی نے جان لیا کہ اسے اعلیم سے واپس لے کر آئے تھے۔ وہی دور تھا اس کا کوئی نہ کوئی پسندیدہ مضمون تو ہوتا۔ اسے حیرت تھی کہ وہ اس صورت میں بچہ ندرستی کیسے پہنچ گیا؟ طوفان اب ایک ہی جگہ رک گیا تھا۔ اس کی شدت بڑھ رہی تھی اور نہ کم ہو رہی تھی۔ جولی نے کہا۔

”اگر موسم ایسا ہی رہا تو بڑھ گھٹنے بعد ہم اس کٹ تک پہنچ جائیں گے جہاں سے تم اپنے گھر کی طرف جاسکو گے۔“

”میرا گھر کوئی تیس کلومیٹر زائد ہے۔“ جان نے کہا۔

”اس موسم میں اتنی دور کیسے جاسکوں گا؟“

جولی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس سے کہہ رہا ہے وہ اسے گھر تک چھوڑ دے اور جولی کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر ساتھ ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ اس معاملے میں آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا ورنہ اس کا ذکر نہ کرتا۔ جولی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میری ماں میری آمد کا وقت سینڈ گن کر گزار رہی ہوں۔ میں جلد از جلد ان کے پاس پہنچنا چاہتی ہوں۔“

”کسی کو انتظار کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔“ جان نے سر دلیجے میں کہا۔ ”جو تو کھینچ کر سکتا ہے وہ مزید دوڑھائی گھٹنے اور انتظار کر سکتا ہے۔“

”میں اپنی ماں کو انتظار کرنا نہیں چاہتی۔“ جولی نے اس بار مضبوط لہجے میں کہا۔ اس نے جولی کو اپنے پر واضح کر دیا تھا کہ وہ اسے گھر تک چھوڑے نہیں جاسکتی اور وہ اسے کٹ پر اتار دے۔ گی۔ اس کے جواب پر جان سیدھا ہوا کر بیٹھ گیا اور سامنے دیکھنے لگا۔ اب وہ منزل سے کوئی پچاس کلومیٹر دور تھے۔ خوش قسمتی سے اس لمحے میں طوفان کی شدت کم ہو گئی تھی، وہ اس وقت ایک واڈی سے گزر رہے تھے اور ٹھیک علاقہ ہونے کی وجہ سے طوفان کا زور کم ہو گیا تھا۔ جولی نے رفتار بڑھا دی اور جان نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس نے ایک بار بھی سیٹ بیلٹ نہیں باندھی تھی اور وہ تیز رفتار ڈرائیونگ سے خوفزدہ بھی تھا۔ جولی رفتار بڑھا کر ساتھ کلومیٹرز فی گھنٹہ سے اوپر لے آئی۔ یہاں ہائی وے پر تازہ کرنے والی پرف جہر رہی تھی اور ہائی وے کسی قدر پھسلواں ہو رہی تھی مگر چوڑی سڑک اور آس پاس کوئی بوہ گاڑیاں نہ ہونے کی وجہ سے جولی تیز رفتاری کا خطرہ مول لے رہی تھی۔ کئی مواقع پر رفتار سڑک سے بھی تجاوز کر جاتی تھی۔

ہائی وے کی جیسے سب ایک چھوٹے پیمانے پر ریجن کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف گھوم رہی تھی۔ جولی اس علاقے

’کیٹیڈینٹ ہو چکا ہے۔ تب سے مجھے کسی اسکی کار میں بیٹھنے ہوئے بھی خوف آتا ہے جو زیادہ رفتار سے چل رہی ہو۔“

”اوہ اچھا۔“ جولی نے صرف اتنا کہا مگر اسے جان کی ہتائی ہوئی بات پر ایک فیصد بھی یقین نہیں آیا تھا۔ اس نے رفتار بڑھا لی اور پینٹا لیس کے درمیان کر دی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ماں کو کال کرے۔ وہ اسے اشارہ جانتا سکتی تھی کہ اس وقت کار میں اس کے ساتھ ایک مفلوک فرد ہے۔ ماں سمجھ جاتی تو پونیس کو کال کر سکتی تھی۔ اس نے موبائل نکالا تو جان بولا۔

”کے کال کر رہی ہو؟“

”اپنی ماں کو۔“ جولی نے جواب دیا۔ ”اسے بتا رہی ہوں کہ مجھے آنے میں تاخیر ہو جائے گی۔“

”میرا ذکر مت کرنا۔“

”کیوں؟“

”تمہاری ماں شاید پریشان ہو جائے یہ سن کر کہ اس کی بیٹی نے ایک اجنبی کو لفٹ دی ہے تمہارا جی ہوتا میں ایسی باتوں سے کتنی جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔“

جولی نے سر ہلایا اور کال ملانے لگی۔ مگر موسم کی خرابی اور کمزور سگنل کی وجہ سے کال مل نہیں رہی تھی۔ کئی بار تا کہ وہ کوشش کے بعد اس نے موبائل واپس رکھ لیا۔ چنانچہ مسلسل سے دیکھ رہا تھا اور جولی کو لگا کہ کال نہ ہونے پر اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ جولی آنے والے سگنل دیکھ رہی تھی اور اسے پتا چلا کہ وہ تھنڈر ٹین پینٹا لیس پارک کی طرف جانے والی سڑک سے ستر کلومیٹر دور تھے۔ یعنی ابھی ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ اس کے بعد ہی وہ اطمینان سے گھر کی طرف جاسکتی تھی۔ خاموشی سے اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی، اس نے کچھ دیر بعد جان سے پوچھا۔

”گھر میں تمہاری پوری کھلی ہے؟“

”نہیں صرف نام ہے۔ میں اس کا ایک ہی بیٹا ہوں۔“

”تب اس نے تمہاری پردوش بہت توجہ اور محبت سے کی ہوگی۔“

”ہاں کچھ زیادہ ہی توجہ سے کی تھی۔“ جان نے مہربانی سے کہا۔ ”وہ سب سے شام تک میرے ساتھ ہی رہتی تھی۔“

”تم نے اسکول کی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟“

”اپنے خاندان سے۔“ اس نے ہنسی کر کہا۔

”تمہارا پسندیدہ مضمون کون سا تھا؟“

”میتھس۔“ جان بولا لیکن اس کے انداز میں یقین



ہمیں آگے جانا ہے۔  
 "میں نے صہبہ بیٹا یا تھا۔۔۔" جولی نے کہا چنا مگر  
 اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ جان کا ہاتھ بہت سرعت سے  
 جیکٹ سے باہر آیا اور اس میں دبا ہوا چاقو جولی کی گردن  
 سے لگ گیا۔ اس نے غرا کر کہا۔

"گاڑی چلاؤ۔"  
 بلینڈ کی نوک۔ اس کی گردن میں بری طرح چھو رہی تھی۔  
 جولی سمجھتی تھی کہ اس نے گاڑی آگے نہیں بڑھائی تو یہ شخص اس  
 کی گردن کاٹ دے گا۔ چاقو چھوٹے بلینڈ کا مگر بہت شارپ  
 تھا۔ بالکل کسی اسٹریٹ کی طرح۔۔۔ مجبوراً اس نے گاڑی  
 آگے بڑھائی اور ہائی وے کے اوپر سے گزرتے لٹائی اور  
 پر لے آئی۔ ایک منٹ بعد وہ ڈوف لاس کی آبادی سے گزر  
 رہے تھے اور روشنیوں کی وجہ سے جان نے چاقو پیچھے کر لیا تھا  
 مگر وہ اب جولی کی پسلی سے لگا ہوا تھا جہاں دو اونچے فٹے  
 پر اس کا دل تھا۔ جان نے اسے دھکی دی کہ اگر اس نے کسی  
 کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تو وہ بلا دریغ اسے مار دے گا۔  
 جولی نے پوچھا۔ "اس کے بعد تم بچ جاؤ گے؟"  
 جان کے چہرے پر سٹاک سائز اسٹارٹ نمودار ہونے  
 تھے۔ "میں نے بھی کسی کو ٹل کرتے ہوئے نہیں سوچا کہ  
 آگے کیا ہوگا؟"

وہ ڈوف لاس سے تقریباً باہر نکل آئے تھے۔ "اس  
 لڑکے کو بھی تم نے قتل کیا ہے؟"  
 جان نے سر ہلایا۔ "ہاں وہ رقم اور سوبائیل دینے کے  
 لیے تیار نہیں تھا۔"  
 "اس کا مطلب ہے وہ گاڑی اور یونیورسٹی والی بات  
 بھی ختم ہے؟"

"آدی کو اپنے مطلب کے لیے جھوٹ پوننا پڑتا ہے۔"  
 "اس کا مطلب ہے تم اب مجھے بھی قتل کر دو گے۔" یہ  
 جملہ جولی نے دل میں کہا تھا۔ اس کا ذہن چیزی سے اس  
 مصیبت سے چھٹکارے کا طریقہ سوچ رہا تھا۔ وہ دو بارہ ہائی  
 وے پر آگئے تھے اور اب یہ ہائی وے ہنسٹھی اور تھنڈر سٹین  
 بیٹل پارک یہاں سے کوئی چالیس کلو میٹر آگے تھا مگر جان کا  
 گھر یہاں سے تیس کلو میٹر دور تھا۔ یہ سارا علاقہ تقریباً  
 ویران تھا اور کسی بھی گاڑی کا چھوٹی نور فیر منظم آبادیاں تھیں  
 جہاں مشکوک قسم کے اور آدم بیزار لوگ رہتے تھے۔ جولی اس  
 علاقے سے بھی واقف تھی اور وہ اسے پسند نہیں کرتی تھی۔  
 جان اس کی طرف سے پوری طرح ہوشیار تھا مگر جب وہ ہائی  
 وے کے ورائے پر آئے تو وہ ڈھیلا پڑ گیا اور اس نے چاقو بٹا

سے اچھی طرح واقف تھی کیونکہ یہاں اس کے باپ میٹ کا  
 ایک شکاری کیمپ تھا جس کے پاس ایک خاصی بڑی جھیل بھی  
 تھی۔ جھیل ہائی وے کے بائیں طرف تھی اور گرمیوں  
 میں اس میں ٹراؤٹ کی بیہات ہوتی تھی اور وہ پھل کا شکار  
 کرنے کے لیے یہاں آتے تھے۔ اب وہ اس جگہ سے  
 زیادہ دور نہیں تھے جہاں سے جان نے اپنے گھر کی طرف  
 جانا تھا۔ جولی نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہاری منزل  
 قریب آگئی ہے۔"

اس نے تو یا جولی کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور  
 بولا۔ "میری منزل ابھی دور ہے۔"  
 "تم جو ان آدمی کو ہمت کر سکتے ہو۔" جولی نے نرمی  
 سے کہا۔ "پھر تمہیں کوئی لٹھ دینے والا مل سکتا ہے، تم پوسٹ  
 سے مددے سکتے ہو۔"  
 پولیس کے نام پر جان ساکت ہو گیا۔ اس نے پھر  
 کچھ نہیں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس جگہ طوفان کی شدت کم  
 ہو رہی ہے۔ ہوا کی تندی میں کمی آئی تھی اور اڑتے گالوں کی  
 تعداد بھی کم ہو گئی تھی۔ جولی نے پھر کہا۔ "طوفان کی شدت  
 میں بھی کمی آگئی ہے۔"

"لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موسم بہتر ہوا ہے  
 یا ہر درجہ حرارت اس وقت بھی کمی میں ہے۔" جان نے کار  
 میں لگے تھرما میٹر پر نظر ڈالی جو باہر کا درجہ حرارت منقلی نو بتا  
 رہا تھا اور یہ خاصا زیادہ تھا۔ جولی جانتی تھی کہ کبھی نقصان  
 جانے والا آدمی ہمارا ہو سکتا تھا اور اتنا طویل سفر پیدل  
 کرنا کسی کے لیے بھی آسان نہیں تھا لیکن وہ جان کی طرف  
 سے مشکوک ہو گئی تھی ورنہ شاید وہ اسے اس کے گھر تک  
 چھوڑنے کو بھی تیار ہو جاتی۔ اس نے بدستور نرمی سے کہا۔  
 "میں معذرت خواہ ہوں، تمہارے لیے اس سے  
 زیادہ نہیں کر سکتی۔"

جان نے اپنا دایاں ہاتھ جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا  
 اور اس کی طرف دیکھے بغیر زیر لب کہا۔ "تب مجھے اپنے  
 لیے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"  
 ہائی وے کے کٹ پر ایک چھوٹا سا قصبہ ڈوف لاس  
 آباد تھا۔ کٹ کے پاس روک کر جولی نے اس سے کہا۔  
 "یہاں سے شاید تمہیں کوئی سب مل جائے یا پھر کوئی جا رہا  
 ہو تو تمہیں ٹھٹ دے دے۔"  
 "یہ مصیقتی قصبہ ہے اور اس وقت یہاں کی اتنی لیمد  
 آبادی اپنے اپنے علاقوں میں کرسی منانے جا چکی ہوگی۔  
 جو لوگ ہیں وہ گھروں میں دیکھے ہوئے ہیں۔ گاڑی چلاؤ

تھے چڑھ گئی ہے اور وہ اسے بھی قتل کر دے گا۔ اپنے ذہنی اشتیاق پر قابو پانے کے لیے وہ گہری سانس لینے لگی۔ اس عشق سے اسے بہتر محسوس ہوا تھا۔ پھر اسے ایک خیال آیا اور اس نے بتدریج کار کی رفتار بڑھانا شروع کی۔ اس وقت کار ساٹھ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے جا رہی تھی۔ جان کی توجہ بٹانے کے لیے اس نے کہا: ”کیا تمہاری مام جانتی ہے کہ اس کا بیٹا ایک قاتل ہے؟“

”نہی بات ہے۔“  
”تب اس نے تمہیں کچھ نہیں کہا؟“  
جان مسکرایا۔ ”وہ مجھے کچھ نہیں کہتی تھی جو کرتا ہوں وہ اس پر خاموش رہتی ہے۔“

”کیا تمہاری ماں بھی نفسیاتی مریض ہے۔“  
”نہیں لیکن مجھے نفسیاتی مریض اسی نے بنا دیا ہے۔“  
جان نے کہا۔ ”میں چھوٹا تھا جب میرا باپ میری ماں کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہ بہت زیادہ جیتی تھی اور اس کی پروا نہیں کرتی تھی۔ باپ کے بعد میں اس کے پاس رہ گیا اور میں اس کے لیے بوجھ تھا۔ مگر اس کا بیٹا تھا اس لیے وہ مجھے خود سے جدا نہیں کر سکتی تھی، اس نے یہ کیا کہ مجھے گھر میں قید کر دیا۔ وہ مجھے کھانے کو م دیتی تھی اور مارتی زیادہ تھی۔ سارے گھر کا کام میں کرتا تھا اور میرے نام پر آنے والا سرکاری وظیفہ وہ شراب پینے میں ختم کر دیتی تھی۔ مجھے یاد ہے سینے کی آخری تاریخوں میں مجھے قاتلے بھی کرنا پڑتے تھے اور مجھے چوری کی عادت بھی ان ہی دنوں پڑی۔ میں آس پاس کے گھروں اور ٹریڈز میں گھس کر کھانے پینے کا سامان چراتا تھا اور بھی موقع ملتا تو نقد رقم اور قیمتی چیز بھی اٹھا لیتا تھا۔“

جان اسے کھل کر بتا رہا تھا یعنی وہ فیصدہ کر چکا تھا کہ جونی پولیس یا کسی اور کو یہ سب بتانے کے لیے زندہ نہیں رہے گا۔ جونی نے غیر محسوس انداز میں اپنی سیٹ بیلٹ کا ہلکی چپک کیا اور بولی۔ ”تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تمہاری ماں نے تمہیں جرائم پیشہ بنایا؟“

”صرف جرائم پیشہ نہیں۔“ جان نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ”اس نے مجھے دہری شخصیت کا مالک بھی بنایا کیونکہ وہ اپنے کرتوتوں کا جواز مذہب اور اخلاقی اصولوں کا وظہ کر کے پیش کرتی تھی۔ جب مجھے بمبوک تھی تو وہ بچھڑتی تھی۔ انسان کو دنیا کی حرص نہیں کرنی چاہیے لیکن جب میں چوری کر کے کچھ کھانے کو لاتا تو وہ جھپٹ کر اس کا بیشتر حصہ کھا جاتی اور آنے والے رزق کو خدا کی طرف سے منسوب کرتی

لیا۔ یہ چھوٹی سڑک تھی بلکہ سنگل روڈ تھی البتہ اس کی چوڑائی عام سڑکوں سے زیادہ تھی۔ اس کے دونوں طرف سروس بیلٹ کے درخت شروع ہو جاتے تھے۔ یہ زیادہ بڑے درخت تو نہیں تھے مگر ان کی وجہ سے اس علاقے کا تاثر جنگل والا تھا۔ جان نے اس سے کہا۔

”اب رفتار بڑھاؤ۔“

اس نے رفتار تیز کر دی۔ خاصا سوچنے کے باوجود اس کے ذہن میں ایسی کوئی تدبیر نہیں آئی تھی جو اسے اس معصوم صورت قاتل سے محفوظ رکھ سکتی۔ جان اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے تم پورے ہو۔“

اس نے کہتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو آن کر دیا اور نیوز چینل ٹیون کیا۔ اس پر خبریں آرہی تھیں۔ نیوز کا سٹر کہہ رہی تھی۔ ”یہ مسلسل دوسرا قتل ہے جو چوتھو سے کیا گیا ہے اور پولیس کا خیال ہے کہ اس میں ایک ہی شخص ملوث ہے۔ چاتو کا استھان بہت مہارت سے کیا گیا اور تمام دارسوت کے گھاٹ اتارنے والے تھے۔“

”دوسرا قتل۔“ جونی کا سانس رگ گیا اور اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ دیکھا جس پر چابی سے ٹکی لگی تھی۔ اسے کچھ نظر نہیں آیا تو اس نے اندر کی لائٹ آن کی اور تب اسے اپنے ہاتھ پر ہلکی سی سرخی نظر آئی، اس سے خون کی مہک آرہی تھی۔ چابی پر یقیناً خون لگا تھا اور یہ خون کس کا تھا؟ اس نے جان کی طرف دیکھا اور دہشت زدہ لہجے میں بولی۔ ”تم نے شاپ سپر ہوگی قتل کر دیا؟“

جان نے بے پروائی سے سر ہلایا۔ ”اس نے بھی وہی مہارت کی تھی اور رقم سے بجائے جان دینا پسند کیا مگر رقم میں نے پھر بھی لے لی۔“

جان نے جیکٹ سے ٹولوں کی ایک گڈی نکالی کر دکھائی۔ نیوز کا سٹر کہہ رہی تھی۔ ”پولیس کا خیال ہے کہ قاتل... جس نے گیس اسٹیشن کے ملازم کو قتل کیا اور اسے لوٹا ہے، ہائی وے پمپس پر بسک سفر کر رہا ہے یا پھر وہ آس پاس کسی دوسری سڑک پر جا چکا ہے۔ پولیس نے آس پاس کی تمام پمپس کو خبردار کر دیا ہے۔“

”تم پاگل ہو یا جنونی قاتل؟“ جونی نے یہ مشکل کہا۔ ”تم نے صرف رقم کی خاطر دو قتل کر دیے۔“

”میں نے رقم کی خاطر کتنے قتل کیے، آج تک ان کا حساب نہیں رکھا۔“

اب جونی کو یقین آ گیا کہ وہ ایک جنونی قاتل کے

تھی۔ چوری کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ ٹین وقت کے قاتل کے بعد چوری کرنا گناہ یا جرم نہیں ہوتا ہے۔

اب جولی کسی حد تک سمجھ رہی تھی کہ جان کے ساتھ کیا ہوا تھا اور وہ کیوں ایک انسان سے قاتل درندہ بن گیا تھا۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ مظلوم تھا۔ اس کی چالاکی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے مضموم تعداد میں نوگوں کو قتل کیا اور آج تک پکڑا نہیں گیا۔ جولی نے رفتہ رفتہ کار کی اسپینڈ سٹر سے اوپر پہنچا دی تھی۔ جان کو ذرا تاخیر سے احساس ہوا۔ اس نے چونک کر کہا۔ ”تم نے رفتار زیادہ ہی تیز کر دی ہے۔ اسے کم کرو۔“

مگر جولی نے کم کرنے کے بجائے رفتار مزید بڑھا دی۔ ”تم نے پہلے کہا تھا کہ میں رفتار تیز کروں۔“

”اب میں کہہ رہا ہوں کہ کم کرو۔“ وہ درشت لہجے میں بولا اور چاقو اس کی گردن سے لگا دیا۔ ”ورتہ میں تمہاری گردن کاٹ دوں گا۔“

جولی نے ایسی لیٹر دیا تو کار برف زدہ سڑک پر لہرانے لگی۔ ”اس صورت میں کیا تم بیچ جاؤ گے؟“

جان کے چہرے پر خوف نمودار ہوا۔ اس نے چیخ کر کہا۔ ”کار روکو۔“

جولی اب تک بہت کر رہی تھی اور اس نے جوابی چیخ کے ساتھ کہا۔ ”سامنے دیکھو۔“

جولی نے اچانک کار کا رخ سڑک سے درختوں کی طرف کر دیا تھا۔ پک جھپکنے میں کار سڑک سے اتر کر کچے میں ایک چھوٹے درخت سے ٹکرا کے رک گئی۔ درخت گر گیا تھا جولی ایک جھٹکے سے آگے گئی اور سیٹ بیٹھنے سے اسے روکا مگر اس کا سر حرکت میں تھا۔ وہ نیچے جھکا اور اسٹیرنگ اس کے ماتھے سے ٹکرایا۔ جولی کو چکر آ گیا۔ اس کے کانوں نے دنڈ شیلڈ ٹوٹنے کی آواز سنی اور پھر اسے ہوش نہیں رہا مگر بے پناہ سرد خیزی اسے جلد ہوش میں لے آئی۔ کار کا انجن رک گیا تھا اور ونڈ شیلڈ ٹوٹنے سے بہت سرد ہوا اندر آ رہی تھی۔ جان کا نصف دھڑنوٹ جانے والے ونڈ شیلڈ سے باہر کار کے پونٹ پر تھا۔ درحقیقت ونڈ شیلڈ اس کے ٹکرانے سے ٹوٹی تھی۔ سیٹ بیٹھ نہ بانہ صحنے کی وجہ سے وہ تصادم کے بعد اچھل کر ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرایا تھا۔ اس کا جسم ساکت تھا اور یہ بے پروہ مر گیا تھا۔ تصادم کی وجہ سے کار کی سیٹوں... اور انجن کے درمیان فاصلہ کم ہو گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس تصادم میں اسے کتنی چوٹیں آئی تھیں مگر اسے سوائے سر کے اور کہیں درد نہیں تھا اور نہ ہی کہیں سے ٹھون

نکل رہا تھا۔

جولی نے ذہن پر بہت زور دیا تو یہ عمل سمجھ میں آیا۔ اس میں خطرہ تھا وہ شدید زخمی ہو سکتی تھی اور مر بھی سکتی تھی۔ مگر اس کے سوا اور کوئی تہذیب سمجھ میں نہیں آئی۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور اگر وہ کس رک جاتے تو اس کے بعد اس کا بیٹا محال تھا۔ خوش قسمتی سے اس کی تہذیب کا سیلاب رہی۔ وہ بیچ گئی۔ اس نے یہ مشکل سیٹ بیلٹ کھولی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر تصادم نے اسے جام کر دیا تھا۔ اس نے اپنی جیکٹ اٹھائی اور اسے بائیں بازو پر پہننے ہوئے کبھی پوری قوت سے کھڑکی کے شیشے پر ماری اور وہ ٹوٹ گیا۔ جولی نے کرچیاں صاف کیں اور جیکٹ باہر پھینکتے ہوئے خود بھی کھڑکی کے راستے باہر آ گئی۔ نیچے برف کا ڈھیر تھا اس لیے اسے گرتے ہوئے چوٹ نہیں آئی مگر بے پناہ سردی نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ جلدی سے جیکٹ پہننے لے۔ ہائی وے سے کھلے طور پر تار کی میں تھی اور اس کی گاڑی کی روشنیاں بھی بند ہو گئی تھیں۔

جیکٹ کی زپ گلے تک بند کر کے اسے موبائل فون کا خیال آیا اور اس نے اپنی پتلون کی جیب ٹھولی مگر اس کا موبائل اس میں نہیں تھا۔ شاید تصادم میں وہ کار کے اندر گر گیا تھا۔ اس نے کار کی طرف دیکھا۔ وہ دوبارہ اندر جانے کے خیال سے ہچکچا رہی تھی۔ مگر اسے موبائل کی اشد ضرورت تھی اسی کی مدد سے وہ پولیس کو کال کر سکتی تھی۔ مجبوراً اس نے کھڑکی سے اندر جسم کر کے پہلے سیٹ ٹھولی۔ مگر موبائل اس پر نہیں تھا وہ یقیناً نیچے گر گیا تھا۔ اس نے جسم مزید اندر کیا۔ جیکٹ کی وجہ سے وہ چمکنی رہی تھی۔ مگر کسی نہ کسی طرح اس کا نصف جسم اندر چلا گیا۔ اس کا سر سیٹ کے پاس تھا اور ہاتھ اب اندر تک جا رہے تھے۔ وہ فرش تنول رہی تھی۔ مگر موبائل نہیں مل رہا تھا۔ اس نے سسکی لی اور نہ پر لپ بولی۔ ”پلیز... پلیز۔“

اسی لمحے جان کا اندر موجود ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے جولی کی جیکٹ شانے سے پکڑنے کی کوشش کی۔ اس نے چیخ ماری اور تیزی سے پیچھے گئی مگر جیکٹ کی وجہ سے اسے نکلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ جان اب اسے پکڑنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ خود کو ونڈ اسکرین سے اندر بھی کھینچ رہا تھا۔ جولی غصہ بھی تھی کہ وہ مر گیا تھا۔ وہ صرف بے ہوش تھا اور جس طرح سے وہ اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا، اس سے ٹک رہا تھا کہ اس کا دم خم بھی برقرار تھا۔ جولی نے کسی نہ کسی طرح خود کو باہر کھینچی تو جان کا ہاتھ اس کے ساتھ ہی اس کے شانے پر کھینچ آیا اور نیچے گری تو اس کا ہاتھ اٹک ہوا تھا۔ جان نے غرار

پاکستان کے تینوں بڑے شہروں کے شہریوں کے لیے

# سرگرمیوں کی سرگرمی

ماہنامہ

جون 2015

**امیر ملت**

اس جرمی عالم وین کا تذکرہ جس نے انگریز حکومت کو ہلا دیا تھا

**مست توکلی**

بلوچستان کی سنگلاخ سرزمین سے اچھرنے والی پیار کی دھن

**ایورا گرین**

اس لاہوری منتھ نے کی داستان جس نے سبھی ظلم نگری پر بھر پور راج کیا

**نادانیاں**

موہاٹل خون سے بنائی گئی سلتی نے ایک گھر کو تباہ کر دیا، عبرت بھری سچ بھائی

سراپ "بھیکو دلچسپ و طویل داستان۔ سفر نامہ رنگون، عجیب و غریب پورے کا تذکرہ اور بہت سی سچ بھائیوں، سچے قصے و دلچسپ واقعات

آتش ناز کی بیک اسٹیل پر اپنا شمارہ پیش کرتی ہیں

پاکستان شہرہ نامہ، پاکستان شہرہ نامہ، پاکستان شہرہ نامہ

اسے گالی دی۔ "گتیا تو کیا بھتی ہے۔ میں مر گیا تھا۔" جان نے خود کو داپس اندر کھینچ لیا اور اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اس کی طرف کا دروازہ بھی جام ہو گیا تھا۔ پھر وہ جولی کی طرف والی کھڑکی کی سمت آنے لگا تو وہ بھاگی۔ اس کا رخ ہائی وے کی طرف تھا اور وہیں سے اسے عدل سکتی تھی۔ ہوا بہت تیز تھی اور سامنے سے آتی ہوا اس کاٹ کے ساتھ ساتھ برف کے پار یک ڈرتے تھے جو پتھرے کی طرح چرے رنگ رہے تھے۔ اس کے لیے آنکھیں کھولنا دشوار ہو رہا تھا۔ مگر آنکھیں بند کر کے کیسے آگے جاتی۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا اور انگلیوں کی چھریوں سے دیکھ رہی تھی۔ تب اسے دور درشتوں کے درمیان روشنی کی جھلک دکھائی دی۔ یہ جگہ ہائی وے سے ہٹ کر تھی۔ اس نے مز کر دیکھا تو اسے اپنی کار نظر نہیں آئی۔۔۔۔۔ وہ دور نکل آئی تھی اور تار کی بھی تھی۔ اسے ڈر لگا کہ اس تار کی میں کہیں جان بھی موجود تھا اور وہ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

جولی نے سوچا اور مکان کی طرف بڑھی۔ ہوا اسے پیچھے دھکیل رہی تھی اور اسے آگے بڑھنے کے لیے زور لگانا پڑ رہا تھا۔ ہائی وے سے اتر کر وہ درشتوں میں آئی تو اسے کسی قدر بہتر محسوس ہوا، یہاں ہوا اور اس کی کاٹ خاصی کم تھی۔ مگر یہاں سے اب وہ روشنی دکھائی نہیں دے رہی تھی جسے دیکھ کر وہ اس کی طرف آئی تھی۔ اس نے اندازے سے سفر جاری رکھا۔ یہاں درخت گھٹے اور ان کے تنے پاس پاس تھے۔ تار کی کی وجہ سے اسے ٹول کر اور احتیاط سے قدم رکھ کر چلنا پڑ رہا تھا۔ وہ شاید دو سو گز چلی ہوگی کہ اسے روشنی پھر دکھائی دی۔ جولی خوش ہو گئی۔ روشنی کا مطلب تھا کہ وہاں بجلی تھی اور شاید فون یا موبائل فون مل جاتا اور وہ پولیس کو کال کر سکتی۔ وہ روشنی کو نظر میں رکھ کر اس کی طرف بڑھنے لگی۔ جیسے جیسے وہ آگے جا رہی تھی، مکان کی ساخت واضح ہو رہی تھی۔

یہ کٹڑی کا بنا ہوا خاصا بڑا مکان تھا۔ اس کے چاروں طرف برآمدہ تھا اور سامنے والے برآمدے میں تیز روشنی والا بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ اسے اس موسم میں بھی تقریباً نصف کلومیٹر دور سے دکھائی دی گئی۔ وہ درشتوں کے جھنڈے سے نکلی۔ مکان اور درشتوں کے درمیان خالی جگہ تھی جہاں گریوں میں بڑھی ہوئی گھاس اور جھانڑیاں تھیں مگر اس وقت ان پر برف چھائی ہوئی تھی۔ مکان کی حالت ابھی نہیں تھی جلد بیک سے اس کا رنگ اتر ا ہوا تھا اور کٹڑی بھی خستہ حال ہو رہی تھی۔ مگر یہ وہ

منزلہ تھا اور غاصے بڑے رقبے پر تھا۔ اگر یہاں روشنی نہ ہو رہی ہوتی تو جولی سمجھتی کہ یہاں کوئی نہیں رہتا اور مکان خالی ہے۔ ایک طرف کھبے سے بجلی کا تار اور اس کے ساتھ بی فون کا تار بھی مکان تک آ رہا تھا۔ جولی خوش ہو گئی اور سر جھکائے تیز قدموں سے مکان تک آئی۔ اس نے سب سے پہلے باہر چلنے والا بلب بند کر دیا۔ اس کا منن بھی باہر ہی تھا۔ اسے خوف تھا کہ جیسے اس نے مکان کی روشنی دیکھ لی ہے، اسی طرح جان بھی نہ دیکھ لے اور یہاں آ جائے۔

پھر اس نے سامنے والا دروازہ بجایا۔ یہاں کال تیل کا ٹن نہیں تھا۔ اس نے بہت زور سے ہاتھ مارے تھے کہ ہاتھوں میں درد ہونے لگا تھا۔ اسے خوف تھا کہ اندر موجود لوگ طوفان کے شور میں اس کی آواز ہی نہ سن سکیں۔ کئی بار دروازہ بچانے پر بھی کوئی جواب نہیں ملا تو جولی نے دائیں بائیں موجود کھڑکیوں کے شیشوں سے اندر جھانکا۔ جہاں سے پردہ ہٹا ہوا تھا اسے تار کی نظر آ رہی تھی۔ اگر اندر کوئی تھا بھی تو اس نے دائیں بند کی ہوئی تھیں۔ جولی برآمدے کے ساتھ گھومتی ہوئی دائیں طرف آئی۔ اس طرف کئی کھڑکیاں تھیں مگر دروازہ کوئی نہیں تھا۔ پھر وہ مکان کے عقبی حصے میں آئی۔ یہاں برآمدہ نہیں تھا مگر ایک دروازہ تھا اور یہ کچن کا دروازہ تھا۔ جولی نے اس کے شیشے سے اندر جھانکا تو اسے نیم تار کی دکھائی دی۔ کچن تار کی تھا مگر اندر کہیں سے روشنی آ رہی تھی۔ اس نے دروازہ بجایا اور اس بار بھی جواب نہیں ملا تو اس نے بیٹن گھما کر دیکھا۔

اسے حیرت ہوئی جب دروازہ کھل گیا۔ یہ اندر سے لاک نہیں تھا۔ جولی اندر آئی اور دروازہ بند کر لیا۔ بجلی روشنی بتا رہی تھی کہ اندر کوئی تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اسے ٹرینس پاس کا مرکب نہ فرار دیا جائے۔ مگر اب وہ اندر آئی تھی۔ اس نے حفظاً ماتقدم بلند آواز سے کہا: "ہیلو یہاں کوئی ہے، میں بہت دیر سے دروازہ بجا رہی تھی مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں کچن کا دروازہ کھلا پا کر اندر آئی ہوں۔ یہ کوئی ہے یہاں پر؟" جیسے مدد کی ضرورت ہے۔

مگر اس بار بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ کچن میں بہت بدبو اور گندگی تھی۔ تنک برتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ بیٹن سے نکلی تو اس نے خود کو ایک لادج میں پایا۔ یہاں ایک پیپرٹل ٹیپ آن تھا۔ بھاری صوفیہ تھے اور فرش پر قالمین تھا۔ ایک طرف دیوار پر ریک تھا۔ اس نے دروازے کے ساتھ گلے بیٹنوں پر ہاتھ مارا تو لادج میں لگا

ہوا سرکزی فائوس روشن ہو گیا۔ اس کی روشنی باہر ٹیلری تک جا رہی تھی۔ من نے جھانک کر دیکھا ٹیلری کے سرے پر داخلی دروازہ تھا اور اس کے ساتھ بی بیٹن تھیں اور بی منزل پر جا رہی تھیں۔ وہ باہر آئی اور اس نے پھر آواز دی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے بیٹنوں کے نیچے موجود دروازہ کھولا تو وہ درخانہ پربت ہوا۔ لادج سے آگے نشست گاہ تھی اور اس کا کھلا آرج نما اور دروازہ دور سے دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھی تھی کہ باہر موجود جب تک دم آن ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی کھڑکی پر ایک سایہ نظر آیا۔

جولی بیٹنوں کے پاس تھی۔ وہ بہت تیزی سے واپس آئی اس نے خانے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر اسے خفیف سا کھڑا رکھا کہ اسے آنے والا دکھائی دے۔ دروازہ کھلا اور جان اندر آیا۔ جولی کا سانس رک گیا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ آنے والا جان ہوگا۔ وہ احتیاطاً اس جگہ چھپ گئی تھی۔ جان نے اندر آتے ہی ٹیلری کی روشنی آن کر لی اور پھر دروازے کو لاک کرتے ہوئے بلند آواز سے بولا: "جولی مجھے معلوم ہے تم یہاں آئی ہو۔ سامنے برآمدے میں تمہارے قدموں کے نشانات ہیں اور تم بیٹن کچن والے دروازے سے اندر آئی ہو۔ مگر بد قسمتی سے تم نہیں جانتیں کہ یہ مکان میرا ہے۔ سنا تم نے؟" اس نے آخری جملہ چیخ کر کہا: "یہ میری جگہ ہے اور یہاں وہی ہوتا ہے جو تم چاہتا ہوں۔"

جان کا چہرہ خون سے بھرا ہوا تھا مگر وہ جس طرح کھڑا تھا اور اسے دھمکیاں دے رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ہانکل نہیں تھا اور اس حادثے میں اسے معمولی چو نہیں آئی تھی۔ مگر جب وہ آگے آئے تو اس کے پاؤں میں ہلکا سا لنگ تھا۔ جولی نے بہت آہستگی سے دروازہ بند کر لیا۔ جان بول رہا تھا: "تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتی، یہاں سے نکلنے کے صرف دو راستے ہیں ایک میں لاک کر چکا ہوں اور دوسرا لاک کرنے جا رہا ہوں۔ یہاں تمام کھڑکیوں پر ان پر ایک اینٹ لگا کر ہے۔ تم اسے ہتھوڑے سے بھی نہیں توڑ سکتیں۔"

جان نے خانے کے دروازے کے پاس سے گزر کر کچن کی طرف گیا تھا اس دوران میں جولی نے سوچ لیا تھا کہ وہ خانے میں محفوظ نہیں تھی یہاں وہ آسانی سے پکڑی جاتی۔ جان سے جاتے ہی وہ باہر آئی اور بے قدموں بیٹنوں پر چڑھ کر اوپر بی منزل پر آ گئی۔ اوپر بی منزل بھی تقریباً ٹیپلور تھی بڑی تھی۔ یہاں ایک ٹیلری کے دونوں

کے لیے نیچے جھکی اس کے باوجود اس کی دہ بڑوں کا رعبہ چھو گئی تھی۔ اذیت کی ایک تیز لہر اٹھی اور نہ جانے کیسے اس نے اپنی آواز پر قابو پایا۔ جان پیچھے بنا تو جولی نے اپنے رخسار پر ہاتھ رکھا۔ خون نکل رہا تھا۔ جان نے زور سے دروازہ بند کیا اور فریاد "لحنت ہو۔"

اس نے اپنا سوبائیل نکالا اور اس کی لائٹ آن کر کے باہر جانے لگا۔ اس نے جس طرح ہاتھ گھمایا تھا اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اگر جولی اندر رہتی تو لازمی اس کا نشانہ بن جاتی۔ وہ جاتے ہوئے دروازہ بند کر گیا تھا۔ خوش قسمتی سے اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اس نے جولی کا رخسار کاٹ دیا تھا۔ شاید وہ اسے کوئی کپڑا سمجھتا ہوگا۔ اس کے جانے کے چند لمبے بعد جولی نے دروازہ کھولا اور باہر آگئی۔ تکلیف کی شدت میں رفتہ رفتہ کی آری تھی اور اس کے ساتھ ہی جولی کے اندر فضا ابھر رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا حریف روشنی آنے لگی۔ باہر کا بلب جل رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ اس ٹکڑی کی بجلی میں کوئی مسئلہ ہوا تھا۔ جان اسے ہی دیکھنے گیا تھا۔ جولی نے گری پر تھمی ہوئی عورت سے کپڑا ہٹا کر نہیں دیکھا اسے معلوم تھا کہ وہ صرف ایک لاش ہے اور بدبو اسی سے اٹھ رہی تھی۔ جان نے نہ جانے کب سے اس کی لاش کو پونجی رکھا ہوا تھا اور وہ شاید ڈھانچا ہو چکی تھی۔

جولی کو ایک مہلت ملی تھی کہ وہ اس سے قاتلہ اٹھائے اور اپنی جان بچائے۔ اس نے کھڑکی کا پت کھولنے کی کوشش کی تو وہ فٹنسا نکلا۔ جولی نے ایک کپڑا ہاتھ پر لپیٹ کر شیشے پر ٹمکانا اور اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔ وہ کوئی اور چیز نہیں آزما سکتی تھی جس سے آواز پیدا ہو۔ مگر اسے جان کا کہنا درست لگا تھا کہ تمام کھڑکیوں کے شیشے نہ ٹوٹنے والے تھے۔ جولی نے کمرے میں کوئی ایسی چیز تلاش کرنا چاہی جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکے مگر وہاں ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ جولی باہر آئی۔ پورا فلور ٹارکیک تھا اور اسے نکل کر سیڑھیوں سے نیچے آنا پڑا تھا۔ گیلری میں باہر سے آتی روشنی تھی اور یہاں کی تمام روشنیاں بھی بند تھیں۔ جان کبیں نظر نہیں آیا۔ مگر نہ جانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ یقیناً وہاں موجود تھکی کے سوچ وغیرہ دیکھنے گیا ہوا تھا۔ جولی نے اب تک ہتھکڑیاں دیکھا تھا اسے کبیں توں نظر نہیں آیا اب نشست گاہ اسکی جگہ بھی جہاں ٹون ہو سکتا تھا۔ جان کی طرف سے اطمینان کے بعد وہ وہ بے قدموں نشست گاہ میں آئی اور فوراً ہی اسے ایک ریک کے ساتھ

طرف کمرے سے تھے اور درمیان میں یہ گیلری دائیں بائیں مڑ رہی تھی۔ جولی باری باری دروازے چیک کرتے لگی مگر وہ سب لاک تھے۔ وہ دائیں طرف والی گیلری میں آئی جس کے آخر میں ایک دروازہ تھا۔ اس نے اسے کھولا تو وہ کل گیا اور فوراً ہی اندر سے بدبو کا جھکا آیا تھا۔ جولی کو اپنا کئی آتے آتے رہ گئی۔ بدبو ایسی تھی جیسے کوئی چیز سڑ گئی ہو۔ اسی لمحے اسے سیڑھیوں پر قدم رکھنے کی آواز آئی۔ اب اس کے پاس وقت نہیں تھا۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور دروازہ آہستہ سے بند کر لیا۔ اندر تاریکی تھی اور کھڑکی سے انکی ہی روشنی جھلک رہی تھی۔ جولی ہاتھ سے چیزوں کو ٹوٹی ہوئی آگے بڑھی اور پھر اسے الماری کا ہینڈل ملا۔ جولی نے الماری کھولی اور اندر سے نٹولا تو اس کا نچلا حصہ خالی تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی اور اس میں بیٹھ کر پت بند کر دیا۔ یہ پتالاک کا پت تھا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور جان اندر آیا۔ اس نے کمرے کی روشنی آن کی تو پت کی جالیوں سے جولی کو باہر کا منظر دکھائی دیا اور تب اس نے پتلی بار دیکھا۔ کونے میں ایک رائٹنگ چیز پر کوئی پارک چادر سے پاؤں تک نپیت کر بیٹھا ہوا تھا۔ جان نے کمرے کی طرف دیکھا اور یوں لگا "ہائے ماہ، یہاں کوئی آیا تو نہیں ہے۔"

جولی کا دل اچھل کر حلق میں آسمیا اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کمرے میں جان کی وہ ہوگی۔ کمرے کے دروازے کے قریب ترین گوشے میں تھی اس لیے جولی اسے دیکھ نہیں سکی۔ مگر جان کے سوال پر چیز یا اس پر یعنی عورت میں ذرا بھی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ جان نے ماہ کو مخاطب ضرور کیا تھا مگر وہ حقیقت اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کی نظریں کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ یہ اس کا گھر تھا اور وہ جانتا تھا کہ کوئی اجنبی فرد کہاں میں سکتا ہے اور کہاں چھپ سکتا ہے۔ پھر اس کی نظریں گھومتی ہوئی آکر الماری پر تک گئیں۔ جان الماری کی طرف بڑھا تو جولی کی جان پر بن آئی۔ جان کے ہاتھ میں..... ریزر کی طرح تیز چاقو تھا۔ وہ دھکی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "جولی ڈیئر تم کہاں ہو؟... یقین کرو تم مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتیں۔"

اس نے الماری کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کا پت کھولتا، نیچے سے ایک عجیب سی آواز آئی جیسے کوئی بلب پھٹا ہوا اور پھر لائٹ غائب ہو گئی۔ اسی لمحے جان نے پت کھولا اور اوپر کی طرف ہاتھ مارا۔ وہ چاقو والا ہاتھ اندھا اندھا ہتھ مار رہا تھا۔ جولی چاقو کی زد سے بچنے

پہلے اپنی ماں کو قتل کیا۔"

"ہاں۔" اس نے بلا جھجک اعتراف کر لیا۔ "جب میں پنجویں تھا تو مجبور تھا کہ جب میں اس قتل میں ملوث ہوا کہ خود زندہ رہ سکوں تو میں نے سب سے پہلے اسے قتل کیا اور یہی چاقو سے لیا تھا۔"

جان آگے بڑھا۔ جونی نے دیوار سے ٹک لگاتے ہوئے سونے کی پشت پر پاؤں رکھا اور جیسے ہی جان نزدیک آیا اس نے پوری قوت سے بھاری صوفہ الٹ دیا۔ جان کے لیے یہ بانگ غیر متوقع تھا۔ سونے کا تکیہ حصہ الٹ کر اس کے گھٹنوں سے ٹکرایا اور زور میں جان کو سراتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے بھیاںک چیخ نکلی تھی کیونکہ اس ضرب نے اس کے دونوں گھٹنوں کو زور دیا تھا۔ وہ زمین پر گر گیا اور تھا اور صوفہ اب بھی اس کے جیروں پر تھا۔ وہ چیخنے وہانے کے ساتھ ساتھ جونی کو گالیاں بھی دے رہا تھا۔ جونی نے سونے کو اس کے جیروں پر مزید دباتے ہوئے کہا۔ "اب تم کو پتا چھا کہ تکلیف کسے کہتے ہیں۔"

درو نے کے انداز میں جسا۔ "میں یہ سب پہنے ہی بھگت چکا ہوں۔"

"نہیں تم جب تک زندہ رہو گے، بھگتتے رہو گے۔" جونی نے کہا۔ جان کے ہاتھ میں چاقو موجود تھا۔ "مجھے سوبائل دو تاکہ میں پولیس اور ایس۔ایس۔ کو طلب کروں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" جان نے خود پر قابو پالیا۔ "میں ٹھیک کہتی تھی، چپ رہو گا دیتے ہیں، میں نہیں آسان شکار سمجھا تھا اور تم نے ان مجھے شکار کر لیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی سخت جان نکلتی۔"

"تم نے ٹھیک کہا، مجھے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں پولیس آفیسر ہوں۔ جیسے تمہیں دیکھ کر کوئی سوچ نہیں سکتا کہ تم ایک سادی چائلڈ ہو۔"

جان حیران ہوا پھر اس نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں دونوں کی، بھئیک کہتی تھی۔"

"مجھے سوبائل دو۔" جونی نے پھر کہا۔

"یہ زحمت تمہیں خود کرنا پڑے گی۔" جان بولا اور زپ ٹک پتو اپنی گردن پر پھیر لیا۔ خون کا ٹوارہ اچھل کر ہوا میں بند ہو گیا اور پھر نیچے گرنے لگا۔ جونی نے منہ پھیر لیا۔ چند منٹ بعد وہ پولیس کو کال کر رہی تھی اور باہر جاری ملہ تان کی شدت میں کمی آ رہی تھی۔



شہس پر دکھا ہوا فون نظر آیا۔ یہ پرانے دور کا فون تھا۔ مگر آج بھی کام کرتا تھا۔ جونی نے ٹیک کر سیو۔ ٹھایا اور پھر مایوسی سے اس کے منہ سے کراہ نکلی تھی۔۔۔ فون ڈیڈ تھا۔ اس نے مار چیک کیا۔ مار لگا ہوا تھا اس کا مطلب تھا کہ فون یا تو پیچھے سے بند تھا یا پھر موسم نے ماٹن مستفیع کر دی تھی۔ جونی۔۔۔ مایوس ہو کر پینے والی تھی کہ عقب سے جان کی آواز آئی اور جونی اچھل پڑی۔ وہ نشست گاہ کی آرج سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس نے طنز یہ لہجے میں کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے میں فون کو کام کے قابل چھوڑ سکتا ہوں۔ جب میں مکان کی طرف آیا اور میں نے برآمدے کا بلب بند دیکھا تب ہی میں سمجھ گیا تھا اور میں نے مار باہر سے ہی کاٹ دیا۔"

جونی اس کی طرف مڑی اور نرزی آواز میں کہا۔ "میرے پاس مت آنا۔"

"مجبوری ہے ڈیئر۔" اس نے چاقو بلیڈ سے پلا کر بلایا۔ "سے خون کی طلب ہے۔"

"تم پاگل ہو گئی تھی مر نہیں ہو۔" جونی پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"تم نے ٹھیک کہا۔" وہ عیاری سے ہنسا۔ "میں پاگل ہوں اور یہ سب پاگل پن میں کرتا ہوں۔ مجھے لوگوں کو مارنے اور ان کے جسم کو چاقو سے کاٹنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ جب ان کے جسم سے خون اور منہ سے جھینٹ نکلتی ہیں تو میرا مزہ دوہا ہوا جاتا ہے۔"

"یہ سب تم اس لیے کرتے ہو کہ تمہاری ماں نے کبھی تمہارے ساتھ برا سلوک کیا تھا؟"

"ہاں میں زندگی سے پورے سترہ ماں اس پاگل عورت کے چنگ میں رہا اور کوئی مجھے اس سے پکڑنے نہیں آیا۔ پڑوسیوں، پولیس اور اس معاشرے کے نام نہاد انسانی حقوق کا در در گھسنے والوں نے جنہیں ساری دنیا کے لوگوں کا درد ہوتا ہے، مگی میری ماں سے آکر نہیں پوچھا کہ وہ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے؟" جان کا جینز ہریا ہوا تھا۔ "مجھے جو لوگوں نے دیا، میں وہی ان کو داپس کر رہا ہوں۔"

جونی نے ہنستا ہوا کہا۔ "اصل تصور دار تمہاری ماں تھی اور تم نے اس سے بدلہ لیا۔"

جان چوٹا۔ "تو تم نے اسے دیکھ لیا۔ اس کا مطلب ہے تم وہاں گئی تھی۔"

"ہاں میں نے اسے دیکھا۔" جونی نے کہا۔ وہ ذرا پیچھے ہٹ کر ایک سونے کے پیچھے آ گئی تھی۔ "تم نے سب سے

جسوسی ڈائجسٹ 162 جون 2015ء

Scanned By Amir

## شکار

سلیم انور

ایک شکاری کو سامنے دیکھ کر شکار بدمک ہی جاتا ہے... مصیبت میں بدحواس اور پریشان ہو جانا گویا دوسری مصیبت کو دعوت دینا ہے... وہ بھی اپنے روبرو ایک درندے صفت کو دیکھ کر حواس کھو بیٹھا تھا...

ماضی کی ایک شیطانی بے دودھ برائیاں چاہتا تھا... جرم کا اتنا ہی سلسلہ

جب فرینک روز نے دریا کے کنارے وہ لاش دیکھی تو فوری طور پر گھبرا گیا اور اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے پوری زندگی میں اتنی خوف زدہ کر دینے والی کوئی شے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اب نہ چاہتے کے باوجود وہ اس لاش کا گواہ تھا۔

اس کی گھبراہٹ بے وجہ نہیں تھی۔ اسے احساس تھا کہ لاش کے پاس اس کی موجودگی سوالات کو جنم دے گی۔ اس سے پوچھ گچھ کی جائے گی اور بیشتر امکان یہی ہے کہ اس



Scanned By Amir



”میرے ذہن میں اس سے زیادہ بہتر آئیڈیا ہے۔“ پولیس افسر نے کہا۔ ”کیوں نہ ہم پولیس اسٹیشن چلے جائیں؟“

”آفسیر، تم ایک بااخلاق شخص لگ رہے ہو اور اخلاقیات کا تقاضا یہی ہوگا کہ تم مجھے پولیس اسٹیشن نہ لے جاؤ۔ میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ میں ایک بار پھر اس مرحلے سے گزرنا نہیں چاہتا۔ مجھ سے یہ سب کچھ دوبارہ برداشت نہیں ہوگا۔“ فریڈ نے کہا۔

”کیا برداشت نہیں ہوگا؟“

”میرے بھائی بات دراصل یہ ہے کہ میں ناقابل برداشت حد تک ذہنی دباؤ کا شکار رہا ہوں۔ میں جب بھی بھی آئینہ دیکھتا ہوں تو مجھے ایک بوڑھے شخص کا عکس نظر آتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل مجھے اپنے بہترین دوست کے گم ہونے کے جرم میں سزا ہوئی تھی۔۔۔ نہیں، ٹھہرو میں اپنے الفاظ میں واپس لیتا ہوں۔ وہ میرا بہترین دوست نہیں تھا۔ اس لیے کہ دوست ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولتے۔ پھر رنج و دم سے پھر پور دنیا ہے۔۔۔ اس میں تکلیف اور دل شکنی کے سوا اور کچھ نہیں ہے لیکن یہ سب کیا ہے۔۔۔ دنیا کدھر جا رہی ہے؟ ہمیں جتنا زیادہ سننے کو ملتا ہے ہم اتنا ہی کم سنتے ہیں۔ میں اتنا پشیمان نہیں ہاں تک رہا لیکن مجھ پر جو کچھ بیت چکی ہے تو مجھے حیرانی ہے کہ میں پاگل کیوں نہیں ہو گیا۔“ یہ کہہ کر فریڈ نے ایک قہقہہ لگایا۔

”سنو، اگر تم برائے مالو تو سیدھی طرح مطلب کی بات پر آ جاؤ۔“ پولیس آفسر نے قدرے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اوہ میں بھول گیا تھا کہ تم پولیس والوں کو انتظار کروانا بالکل پسند نہیں ہے۔ بہر حال میرا خیال تھا کہ وہ میری مالی اور اخلاقی مدد کر رہا ہے اور چند ماہ تک اس نے میری اخلاقی اور مالی مدد بھی کی۔ بات یہ تھی کہ وہ میری بیوی کو ضرورت سے زیادہ پسند کرنے لگا تھا۔ جب میں گھر سے نکل جاتا تو وہ عموماً دروازے سے چوری چھپے اندر آ جاتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں لاعلم رہوں گا، وہ یقیناً ایک چالاک اور اسرارٹ شخص تھا اور اس کی اس خصوصیت کو میں تسلیم کرتا ہوں۔“ فریڈ نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔

”تو تم نے اسے قتل کر دیا، ہاں؟“

”ہاں، میں نے اسے قتل کر دیا اور اس جرم کی سزا بھی

کے بارے میں مکمل تحقیقات اور چھان بین بھی ہوئی اور پھر اس کے پریشان کن ماضی کی روشنی میں وہ لوگ اسے جینی طور پر مجرم قرار دے دیتا ہے۔“

فریڈ نے روز ایک ایمان دار شخص تھا لیکن ایک وقت تھا جب وہ مجرمات سرگرمیوں میں ملوث رہا تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی کہ وہ اس لاش کے حوالے سے پکڑا جاسکتا ہے، فریڈ نے اس علاقے سے فوری طور پر بھاگ نکلنے کا فیصلہ کیا۔ وہ بھاگ چکا تھا اگر اس جھٹس پولیس افسر سے سامنا نہ ہوتا۔

جونہی فریڈ نے وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا تو اس کا چہرہ اچانک روشنی میں نہا گیا۔ اس کی آنکھیں روشنی سے چندھلکی گئیں اور چند لمحوں تک اسے کچھ بھائی نہیں دیا۔ ”اے، کون ہو تم؟“ ہارچ تھا اسے شخص نے پوچھا۔ ”اور یہاں کیا کر رہے ہو؟“ اس شخص کا لہجہ حکیمانہ تھا۔ ”اوہ کچھ نہیں بس نظارے سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔“ فریڈ نے روشنی سے آنکھیں بچاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ کچھ سمجھا کہ اس کا سامنا کسی پولیس افسر سے ہو گیا ہے۔

”واقعی؟“ لہجہ طعنیہ تھا۔

”آفسیر، اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں نے کوئی جرم کیا ہے تو میں اس الزام کی تردید کرتا ہوں۔“ فریڈ نے قدرے دھمکی آمیز لہجے میں جواب دیا۔ ”تم نے جرم ہی نہیں کیا بلکہ تم اسے چھپا بھی رہے ہو۔“ پولیس افسر نے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”تم کیا سمجھتے ہو کہ میں کوئی کل کا بچہ ہوں، یہ بتاؤ کہ لاش یہاں کیسے آئی؟“

”ااش... کبھی لاش؟“

”وہ جو تمہارے قدموں کے پاس پڑی ہے۔“ پولیس افسر نے ترش لہجے میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اوہ... یہ مجھے نہیں معلوم۔“

”واقعی؟“ پولیس افسر نے معنوی حیرت سے کہا۔ ”واقعی مجھے نہیں معلوم۔ تمہیں میری بات پر یقین کرنا ہوگا آفسیر۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپا رہا ہوں۔ اب اگر تم مجھے پوری تفصیل بیان کرنے اور وضاحت پیش کرنے کی اجازت دو تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ بات پوری طرح واضح ہو جائے گی۔“ فریڈ نے یقین دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

شکار

فریک پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی، اس نے  
بھاگنا چاہا لیکن اس کی ٹانگوں میں جیسے جان ہی نہیں تھی۔  
"تم وحشی... جنونی... مجھ سے دور رہو۔" فریک  
پر مشکل کہہ پایا۔

یہ سن کر اس شخص نے ایک ہڈیانی تہہ بلند کیا اور  
بولی۔ "شکار ہونے سے پہلے سب یہی کہتے ہیں۔"  
اور پھر وہ پتھر ہاتھ میں لیے فریک پر چھٹ پڑا۔



**قارئین منوجہوں**

**پچا نہیں ملتا**

بکھرے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں  
گذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔  
انٹرنیٹ کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش  
ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون  
کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

- ☆ ایک اسٹال کا نام جہاں پرچا دستیاب نہ ہو۔
- ☆ شہر اور علاقے کا نام۔
- ☆ ممکن ہو تو بیک اسٹال PTCL اور برائڈ فون نمبر

راپٹے اور مزید معلومات کے لیے  
**نصر عباس**  
03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز  
سنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگرم  
C-263 II سنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگرم

35802552-35386783-35804200  
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

کاٹ لی، اب جب میں نے تمہیں پوری بات بتا دی ہے تو  
پھر یقیناً تم مجھ سکتے ہو کہ تم سے اس لاش کے  
بارے میں کیوں کچھ نہیں کہا۔ تم جو چاہو میں کرنے کے لیے  
تیار ہوں لیکن... مجھے وہاں نہ بھیجا۔ میں نے جو کچھ کہا  
ہے اس کی سزا میں بھگت چکا ہوں۔ اب مجھ میں اتنی سکت  
نہیں رہی کہ وہی کچھ ایک بار پھر بھگت سکوں۔" فریک نے  
یہ کہہ کر ایک سرد آہ بھری اور اس کے جسم نے ایک بھر جھری  
لی۔

"واؤ تم یقیناً ایک وحش قاتل ہو، ہے نا؟ تمہاری  
داستان دلی کو چھو لینے والی ہے لیکن یہ طور ایک پولیس آفیسر  
مجھے اپنا فرض سرانجام دینا ضروری ہے جو چاہے کتنا ہی  
ناخوشگوار کیوں نہ ہو۔ اب تم میرے پیچھے چل پڑو۔"  
"کیا تم مجھے میرے حقوق پڑھ کر سنا تے جا رہے  
ہو؟"

"حقوق؟ کیسے حقوق؟"  
"اور مانی گاؤ۔" فریک نے بے ساختہ اپنا سر تھام  
لیا۔ "تو تم پولیس آفیسر نہیں ہو، ہے نا؟"  
اس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔  
"یقیناً تم پولیس آفیسر نہیں ہو۔" فریک نے قدرے  
ہمت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اس لیے کہ اگر تم پولیس  
آفیسر ہوتے تو تم مجھے میرے حقوق لازمی پڑھ کر سنا تے۔ تم  
مجھے میرے حقوق سنائے بغیر قانونی طور پر حراست میں نہیں  
لے سکتے۔ اب بتاؤ تم کون ہو اور تم کیا چاہتے ہو؟"  
"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرا خیال تھا تمہیں مجھ پر  
شہ نہیں ہو سکا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ تم جس طرح بولکھا  
گئے تھے اور شہنائے دکھائی دے رہے تھے تو میں نے  
سوچا کہ تمہارے ساتھ ایک چھوٹا سا کھیل کھیل لیا جائے...  
یہ کہ میں پولیس آفیسر بن جاؤں اور تم ایک مجرم..."  
"لیکن کیوں؟" فریک سے رہانہ گیا۔

"شاید تمہیں مطلوب نہیں، قتل کرنا بھی ایک فن ہے  
بالکل اسی طرح جیسے کسی تصویر کو پینٹ کرنا۔ اس میں صبر اور  
مہارت درکار ہوتی ہے۔" اس شخص کا لہجہ معنی خیز تھا۔ فریک  
ایک لمحے کے لیے کچھ سمجھ نہیں پایا۔  
"اب جبکہ تم میرے ہاتھوں کی مہارت دیکھ سکتے ہو تو  
پھر یہ لازم ہو چکا ہے کہ میری اس مہارت اور فن کے  
بارے میں کسی بھی فرد کو کبھی کچھ نہ بتا سکوں۔" اس شخص نے  
زمین پر پڑی لاش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا  
اب تم میرا لگا شکار بیٹا پسند کر دو گے؟"



## آوارہ گرد

ڈاکٹر عبدالرشید

قسط نمبر: 14

مندر، کلیسا، سینی گائے، دھرم شمالی اور اناہ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب باہیوں کے بعد نکول بگنے دین والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ ہال نے کلیسا کے نام نہاد راہیوں کو جیسے گھنٹوں نے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شرمناک ہے مگر یہ پورا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکے رہا مگر کچھ دن، پھر وہ ہونے لگا جو نہیں پرنا چاہیے تھا... وہ بھی منی کا بتلا نہیں تھا جو ان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گہات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی رقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھنٹہ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو بے اسرا نظر آنے والوں کو نمرود کے دماغ کا مجھڑ بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سمنی خیز اور رنگارنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تخیل اور انکیشن میں اچھوت اور پل...

جنسوسی ڈائجسٹ 166 جون 2015ء

Scanned By Amir



Scanned By Amir



زہرہ بانو (بیگم صاحبہ)۔۔۔ اپنی یہ خوف ناک داستان۔۔۔ ستانے کے بعد خاموش ہو گئیں، ان کی آواز بھرا گئی، دُش آنکھوں میں نمی چپکن لگی اور ہل کے ہل چہرہ اٹکنا رہ گیا جیسے بھادوں میں برک پڑا ہو۔

کسی کا محبوب اپنے چاہنے والے سے اس قدر بھیا تک انجام کے بعد چھڑ جائے تو اس کے دل و دماغ کی کیا کیفیات ہوتی ہیں یہ وہی جانتا ہے جس پر جیتی ہوتی ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ میں بیگم صاحبہ کے اس جائگاہ اور دل سوز دکھ کو سمجھ ہی نہیں رہا تھا بلکہ دل کی گہرائیوں سے محسوس بھی کر رہا تھا کیونکہ محبت میں نے بھی تو کی تھی، میں بھی تو اسی دشتِ الفت کا راعی تھا۔ عابدہ کو بھلا میں کیسے بھول سکتا تھا۔ ایک طرح سے وہ بھی مجھ سے جدا ہی تھی، سات سمندر پار۔۔۔ میری یادوں کی بجلی میں سلگ رہی تھی، تپ رہی تھی، ہم دونوں ہی سرد بابا کے احسانات کا بھرم رہے ہوئے تھے۔

بیگم صاحبہ اپنے ہاتھوں کی پشت سے اپنی بھٹی آنکھیں پونچھنے لگیں۔ وہ ہولے ہولے مسک بھی رہی تھیں، آج شاید ان کے دردناک ہانسی کا دکھ ہرا ہو گیا تھا۔ ایسے میں مجھے ان پر بے حد ترس آیا اور ان سے بے اختیار ایک بھر وادہ سی اہمیت محسوس ہونے لگی۔ وہ روئے جا رہی تھیں۔ مجھے بھی دکھ ہو رہا تھا۔ میں نے نہایت آہستگی سے ان کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ انہوں نے قدر سے چونک کر میری جانب دیکھا۔ ان کا چہرہ اور ان کی آنکھیں ہنوز بھی بھٹی ہی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اٹک رواں کی یہ نہر آنکھوں سے نہیں خونِ دل سے بہ رہی ہو۔ میں جب ان سے مخاطب ہوا تو خود میری آواز بھی مرتعش ہی محسوس ہوتی تھی۔

"بیگم صاحبہ! مجھے تو آج پتا چلا کہ آپ اندر سے کس قدر دکھی ہیں، غمِ الفت انسان کو بوہ موا کر ڈالتا ہے۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں بیگم صاحبہ۔۔۔ کہ میں نے اپنے تجسس کی خاطر آپ کے غم کو ہرا کر دیا۔"

میری بات سن کر بیگم صاحبہ کے دلنشین لبوں پر بڑی کرب آمیز مسکراہٹ ابھری پھر انہوں نے اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا جو ہنوز ان کے شانے پر تھا۔ وہ اسے ہونے سے تھپک کر بولیں۔

"میرا یہ غم۔۔۔ کبھی پرانا نہیں ہو سکتا شہزی! نہ ہی گزارنے وقت کی دھول اسے دبا سکتی ہے۔"

میں نے بہت دیر سے سے اپنا ہاتھ واپس سمجھ لیا

کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ ان کے شانے پر ازراہ ہمدردی رکھے ہوئے میرے ہاتھ پر ان کا مرمریں ہاتھ ہونے ہوئے ملا جا رہا تھا اور مجھے اپنے وجود میں ایک بار پھر سنسنی کا سا احساس ہونے لگا تھا۔ ہاتھوں کی یہ رگڑ مجھے چترماق بنتی رہی لگی تھی جیسے آہن میں رگڑا جائے تو یکدم آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ "چترماق" دلوں میں آگ بھڑکاؤ میں نے ہاتھ پر سے ہٹا لیا۔

وہ پھر عجیب سے لہجے میں بولیں۔ "شہزی! تم تینٹی شاہ کو دیکھنا چاہو گے؟" میں ان کی اس انہونی سی بات پر بے اختیار مسکرا دیا۔ وہ مسکراہٹ کا مطلب سمجھ نہیں پھر اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالا، ان کی صراحتی وار گوری گردن کے گرد ایک سونے کی چین تھی، جس کا لاکٹ ان کے گریبان کے اندر بیٹھا "گھنٹی" کر رہا تھا۔ لاکٹ نکال کر انہوں نے اسے کھولا پھر ایک سرے کو اپنے ہاتھ کی ٹمٹی سے ڈھانپ کر لاکٹ کے دوسرے اندر وئی سرے کو میری آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ اس میں ایک چھوٹا سا گول سا دہ آئینہ تھا۔ اس میں میری اپنی صورت متحرک تھی۔ میں مسکرا کر بولا۔

"بیگم صاحبہ! یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تو تمہیں آئینہ ہے۔ اس میں تو میری صورت نظر آرہی ہے؟"

میری بات سن کر ان کے لبوں پر اسرار بھری مسکراہٹ ابھری۔ پھر وہ لاکٹ کا دوسرا حصہ میری جانب کرتے ہوئے ہی لہجے میں بولیں۔

"لو شہزی! اب۔۔۔ یہ آئینہ دیکھو ذرا۔۔۔" میں دیکھ رہ گیا۔ وہ آئینہ تو نہ تھا مگر اس میں کسی کی تصویر تھی، بلکہ کسی کی کہاں وہ تو میری اپنی تصویر تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تو میری تصویر ہے بیگم صاحبہ۔۔۔" "نہیں شہزی! یہ تینٹی شاہ کی تصویر ہے۔ وہ تمہارا ہم شکل ہے۔ تم بھول گئے جب پہلی بار میں نے تمہیں دیکھا تو تمہیں دیکھ کر یکفیت میری حالت غیر ہو گئی تھی اور مجھ پر غم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی؟"

میں درطہ حیرت میں مبتلا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا جب میں پہلی بار اول خیر کے ساتھ بیگم ولا آیا تھا اور بیگم صاحبہ سے پہلی بار میرا سامنا ہوا تھا تو ان کی حالت مجھے دیکھتے ہی اپنا تک غیر ہونے لگی تھی اور اس بات نے مجھے آج تک ایک عجیب قسم کے تجسس میں مبتلا کر رکھا تھا۔ آج اس راز سے بھی پردہ اٹھ گیا تھا۔

القصد مختصر۔۔۔ زہرہ بانو نے آج بڑے سچ سچ انداز میں اپنی گفتگو سنا لی تھی، اس میں اول خیر اور ارشد کا ذکر نہیں

کے کہا۔

باتوں باتوں میں بتایا نہ چلا کہ رات کب سر پر آئی اور کب رات کے آخری پہر میں ڈھل بھی گئی۔

ہم دونوں گم صدم اور دم پہ خود ہیوں کی طرح دھیلے کراڑے پر بیٹھے تھے کہ اچانک مجھے اپنے کان کی ٹوٹیاں ہلکی تپش محسوس ہوئی۔ میں بری طرح چونکا اور جھٹ سے اپنی ایک اٹلی کان کی طرف نے گیا اور دوسرے سے... ”شہزی اسٹینک“ کہا۔

لاگالہ دوسری جانب سے میں تڑپائی کی آواز سننے کے لیے بے چین تھا مگر خلاف توقع ایک اجنبی مردانہ آواز من کر میں بری طرح چونک پڑا۔

”نیں! کامران ازبیز، کیا تم شہزاد احمد خان ہی یوں رہے ہو، اور...“ اس کی بات سن کر مجھے جھٹکا لگا۔ کئی اندیشہ کا خدشات سے میرا دل تیزی سے دھوکے لگا۔ جان ہی نہیں پتا تھا کچھ کہ کیا بات کروں؟ میں تو تڑپا کے بولنے کی توقع کیے بیٹھا تھا۔ تاہم اپنی اندرونی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

”ہاں، میں شہزاد احمد ہی بول رہا ہوں مگر تم کون ہو؟ اور تڑپا کدھر ہے... اور...“

دوسری جانب سے وہی اجنبی آواز ابھری۔ ”میں تڑپا ہی کا ساتھی ہوں۔ وہ ایک نرمل کا شکار ہوگئی۔ تمہیں لینے کے لیے اسے آنا تھا مگر تنظیم کے ایک ضروری مشن پر اسے جانا پڑ گیا۔ اب میں تمہیں پک کروں گا کدھر ہو تم؟ اور...“

مجھے یوں لگا جیسے میرے وجود میں نہیں بلکہ میرے دماغ میں ان گنت نیچو نیچیاں گھس گئی ہوں۔ یہ سب تمہ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا میرے لیے... مجھ سے کئی لمبا تک کوئی جواب ہی نہ بن پڑا کہ اسے کیا جواب دوں؟ ایک خیال ذہن میں آتا تھا کہ ممکن ہے کامران نامی یہ شخص جو چھو کہہ رہا ہو، وہ سچ ہو۔ تڑپا کو اچانک کوئی اہم مشن آنا پڑا ہو مگر تڑپا کو مجھے بتانا چاہیے تھا یا شاید اسے اس کا موقع نرمل سکا ہو۔ کئی الجھن آمیز لائنیں سوالات ذہن میں گزرتے ہوئے لگے۔ کیونکہ تڑپا خود مجھ سے ایک مدد کے سلسلے میں ملنا چاہتی تھی، نہ صرف یہ بلکہ وہ تنہا نہ تھی اس کے ”ہم خیال“ ساتھی بھی ”اسٹیکٹرم“ میں اس کے ساتھ شامل تھے، وہ اپنا کھلیے اغراض و مقاصد سے مجھے آگاہ کرنے والی تھی، ایک ہولناک خیال یہ بھی آتا تھا کہ کہیں بد قسمتی سے تڑپا کا راز فاش تو نہیں ہو گیا تھا۔ نہیں وہ بے جاری کسی مصیبت کا شکار تو نہیں ہوگئی تھی۔ ایسے ہی وقت میں گویا ہل کے ہل میرے

نہیں تھا۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا کہ یہ دونوں بہت بعد میں ان کے گروہ میں شامل ہوئے تھے، نیز... اپنی داستان کے آخری حصے میں بیگم صاحبہ نے یہ بھی بتایا کہ نسیق شاہ کے ہلاک ہو جانے کے بعد اسے اس کے گاؤں کے قبرستان میں ہی دفن دیا گیا تھا جبکہ کھیل دادا نے چار قاتلوں میں سے دو کو ہلاک کر ڈالا تھا اور باقی دو کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ان کے چہروں سے ڈھانے پھانے کے بعد اس بات کی بھی تصدیق ہوگئی تھی کہ نسیق شاہ کا قتل چودھری ممتاز نے ہی کر دیا تھا بلکہ وہ تو دونوں کو مروا دینا چاہتا تھا مگر خوش قسمتی سے زہرہ بانو اس سفاک اور خونخوار حملے میں بال بال بچ گئی تھیں۔

کھیل دادا ان دونوں قاتلوں کو ممتاز خان کے آدمیوں کی حیثیت سے پہچان گیا تھا اور انہیں پولیس کے حوالے کر کے اقبال جرم بھی کروا دیا تھا لیکن پھر اچانک ایک روز ان دونوں قاتلوں کو جیل میں زہر دے کر مروا دیا گیا اور بیشتر بیسز کی طرح یہ کس بھی فالتوں کے انبار میں دب کر داخل دفتر کروا گیا پھر اس روز سے باقاعدہ بیگم صاحبہ اور ممتاز خان کے درمیان جنگ کا آغاز ہو گیا۔

بیگم صاحبہ کی اس داستان میں مجھے ایک بات پر حیرت ہوئی تھی جس کا میں نے اظہار بھی کر دیا۔

”بیگم صاحبہ! ایک بات پر مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کے علم میں پہلے سے یہ بات تھی کہ کھیل دادا آپ کو پسند کرتا ہے؟“

یہ سوال میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ وہ عجیب سی مسکراہٹ سے بولیں۔ ”ہاں، میں جانتی تھی، لیکن دانستہ لائق رہتی تھی اس حقیقت سے... نہیں چاہتی تھی کہ اس حساس موضوع کو پھیروں کیونکہ عورت ایک ہی بار کسی سے محبت کرتی ہے جو مجھے صرف نسیق شاہ سے تھی اور یہ حقیقت کھیل دادا بھی جانتا تھا مگر آخرین ہے اس آدمی پر اس نے آج تک میرے سامنے اپنے اظہار دل کی جرات نہیں کی، سمجھ دار تھا۔ حقیقت جانتا تھا کہ اس کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا مگر باوصف اس کے اس نے مل میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونے دی۔ حتیٰ کہ نسیق شاہ کے معاملے میں اس سے چھٹی ہوئی رقبہ بہت کے باوجود کئی مواقع پر اس نے اپنی جان پر کھیل کر اس کی زندگی بچائی تھی اور میرے حوالے سے وہ اس کی عزت بھی کرنے لگا تھا۔“

”بے شک آخرین ہے کھیل دادا پر اس کی اعلیٰ طرفی پر۔“ میں نے بھی کھیل دادا کے اس قابل لحاظ عمل پر مت تڑپا

ذہن میں ایک خیال بجلی کی سی سرعت کے ساتھ آیا اور پھر میں پورے احمقہ سے بات کرنے لگا۔ اسے میں نے اپنی نہر کنارے موجودگی کے بارے میں بھی بتا دیا اور چند دوسری نشانیاں اسے بتادیں۔

”کیا ہوا؟ کون تھا؟ ثریا نہیں تھی؟“ رابطہ منقطع ہوتے ہی بیگم صاحبہ نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے ایک پُر سوچ سی ہنکاردی لی۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ کو ساری بات بتادی۔ ان کے چہرے پر بھی انہن آمیز تشویش کے آثار نمودار ہو گئے پھر وہ جیسے خود کلامیہ بڑبڑاتے ہوئے بولیں۔ ”مجھے تو رال میں کالا گستا ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ میں نے کوگو۔ انداز میں کہا۔

”شہزی! تمہارے ذہن میں کیا لاکھٹا رہا ہے؟ مجھے تو کوئی خطرناک گزبڑ لگ رہی ہے لیکن تم نے تو انہیں میرا مطلب ہے کامران کو اپنی یہاں موجودگی کے بارے میں بھی بتا دیا ہے؟“

میرے ذہن میں جو لاکھٹا رہا وہ ابھی بیگم صاحبہ کو بتانے کا وقت نہ تھا۔ تاہم بولا۔ ”میں یہ جگہ فوراً چھوڑنا ہو گی اور کسی اور جگہ گھات لگانا پڑی گی، آئیے بیگم صاحبہ۔“

کہتے ہوئے میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ بیگم صاحبہ نے بھی فیر معمولی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ہم دونوں تاریکی میں آگے بڑھنے لگے اور کراڑے کے سرے پر پہنچ کر دوسری طرف

نیچے ڈھلان میں اترنے لگے۔ سامنے نیچے ٹھہرے عجیب دیواروں کی طرح نظر آرہے تھے، یوں لگتا تھا جیسے کئی پُراسرار بلائیں کو ہان نکالے دم بخود بیٹھی ہوں۔ ایسے ہی ایک ٹھہرے قریب آ کر ہم بیٹھ گئے۔ میرا ذہن عجیب ٹھہرے کا شکار تھا۔

شکوہ و شبہات اپنی جگہ مگر کامران کی بات محقول بھی نکلتی تھی، اور نہ کامران کو بھلا شہیا کے سنسو ہے اور میرے بارے میں کیا چاہتا تھا؟ کیا خیر وہ واقعی ہماری مدد کے لیے ہی پہنچ رہا

ہو۔ بہر طور، دونوں ہی باتیں تھیں۔ تاہم میں نے اس اچھی ہوئی اور متوقع خیر و خوش صورت حال کو بے نقاب کرنے کے لیے اپنے تئیں جو سوچ رکھا تھا، اس پر عمل کرنے کا میں فیصلہ تو

کر ہی چکا تھا۔ اندیشاک گھات کے متوقع خدشات تلے وقت

دھیرے دھیرے دل کو دھڑکا تا گزرتا رہا۔ میں بھی اورو گرد کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ ایسے ہی عمل کے دوران جب میں آخری بار ایک نسبتاً اونچے ٹھہرے پر چڑھ کر سروروش کا جائزہ

لے رہا تھا تو اچانک میری نظر سیدھے ہاتھ کی سمت پر ٹھہری گئی۔ یہ وہ سمت تھی جہاں سے ہم چلے تھے اور یہاں پہنچے تھے وہاں ایک روشنی ہی دکھائی دی۔ روشنی متحرک تھی۔ یقیناً یہ کسی گاڑی کی ہو سکتی تھی۔ تو کیا کامران مجھے لینے کے لیے، ہماری مدد کے لیے یہاں پہنچ رہا تھا؟ کیونکہ متوقع گاڑی کا

رنگ نہر کی طرف ہی تھا پھر ٹھیک اس وقت جب میں کچھ سوچ کر ٹھہرنے سے نیچے اترنے کا ارادہ کر رہا تھا دفعتاً ہی میری نظر بائیں جانب پڑی۔ یہ آبادی کی طرف والا علاقہ تھا جس کے بارے میں میرا محاطا اندازہ تھا کہ دشمن ہماری تلاش میں بھٹک کر ادھر جا نکلے تھے۔ اب اسی سمت سے مجھے ایک

سے زائر روشنیاں متحرک دکھائی دیں اور پھر جیسے میری ریزہ کی ہڈی میں سروروشی دوڑ گئی۔ یقیناً کوئی گہری سازش چلی گئی تھی... آبادی کی سمت سے ممتاز خان اور اس کے

کارندے ہی ہو سکتے تھے جبکہ دوسری طرف کامران بھی ہمدرد کی صورت میں دشمن ہو سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ اس نے ہماری تلاش میں سرگرداں ممتاز خان کو بھی ہمارے سلسلے میں

آگاہ کر دیا ہو یا تو پھر یہ کون تھا؟ مگر نہیں... بہت کچھ تھا۔ آفتل مجھے مار والی بات ہو گئی تھی، وقت کم تھا، میں تیزی سے نیچے اترتا، بیگم صاحبہ کا ہاتھ پکڑا اور سمت بدل کر ایک

دوسرے نیچے کی آڑ میں آ گیا۔ بیگم صاحبہ بھی اس کی صورت حال سے پریشان سی نظر آرہی تھیں۔ میں نے انہیں تسلی دہانی اور کہا۔

”بیگم صاحبہ! میرا خیال ہے ہم پہلے سے بھی زیادہ خطرے میں گھبرائے ہیں مگر اللہ مالک ہے، اس نے اب تک مدد کی ہے آگے بھی وہی ہماری دست گیری کرے گا۔ آپ یہاں رکھیں میں ذرا حالات کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔“

”نہ، نہیں... تم کہیں مت جاؤ، ہم بیگم سے ہی بھاگ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔“ بیگم صاحبہ میرا ہاتھ تھام کر تشویش زدہ لہجے میں بولیں تو میں نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

”بیگم صاحبہ! ہم اس وقت چوکھی جنت کا شکار ہیں۔ یہ موقع فرار کا نہیں ہے۔ مجھ پر بھروسہ کریں میں آپ کو انشاء اللہ بھلائی لے جاؤں گا۔“ میں نے سکتھم اور محرم لہجے میں کہا اور ہولے سے تشکی آمیز انداز میں ان کا ہاتھ چھتھا کر آگے بڑھا گیا۔

ایک ایسی جگہ پہنچ کر جہاں مجھے یقین تھا کہ مخالف سمتوں سے آنے والے دشمنوں کا وہ مقام اتصال ہو گا، وہاں گھات لگا کر ان کی متوقع نقل و حرکت دیکھنے کے لیے

”حیرت ہے ہاں۔ آپ کے علم میں نہیں کہ ماسٹر اتحاد شہزاد نے وزیر جان کو اسپیکٹرم کا اسٹیشن چیف مقرر کر دیا ہے اور اس کا آفس اسٹیشن فور میں قائم کر دیا ہے۔“  
 کامران نے شاید مساز کے طنز کا جواب دینا تھا۔ وہ ایک ٹاپ ایجنٹ تھا جبکہ مساز خان کی اسپیکٹرم میں حیثیت کیسا KATSA کی گی جو یقیناً ٹاپ ایجنٹس اس کے انڈر میں نہیں تھے۔ (ٹریا سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق)  
 میں نے دیکھا کامران کے اس انکشاف پر مساز خان کا چہرہ ہی نہیں آواز بھی بجھ گئی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ خود ”اسٹیشن چیف“ کے عہدے کا متمنی تھا۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی تو کامران بولا۔

”میں ایک بار پھر شہزی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ کہتے ہوئے اس نے اپنے کان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔ میرے کان میں اہلی حرارت محسوس ہوئی، میری سمجھ میں نہ آکا کہ میں اس سے کیا بات کروں؟ اب کوئی قاعدہ بھی نہیں تھا بات کرنے کا... یہ مقدمہ مکمل چکا تھا کہ ٹریا کا راز فاش ہو چکا ہے اور اس کا سبب وزیر جان ہی تھا۔ نہ جانے اسے کس طرح ٹریا پر شبہ ہو گیا تھا۔ اس پر غداری کا الزام بھی ثابت ہو گیا تھا۔ مجھے ٹریا کے بارے میں تشویش ہونے لگی۔ ٹریا سے مجھے بہت کچھ پوچھا تھا نہ صرف یہ بلکہ اسے بھی مجھے بہت کچھ بتانا تھا کہ اسپیکٹرم نامی اس بین الاقوامی خفیہ تنظیم کے مقاصد کیا تھے؟ وغیرہ۔ اس سلسلے میں وہ مجھ سے مدد بھی چاہتی تھی مگر اسوس اس کا اسے طبع ہی نہ ہو۔ کا تھا۔ پاور سیکرٹ سروس کا ایک بے قاعدہ ایجنٹ ہی کسی مگر خیمبرز فورس کے سربراہ خیمبر ریاض باجوہ کی باتیں میرے ذہن میں گردش کر رہی تھیں جن کے مطابق وطن عزیز کو کچھ اندرونی و بیرونی سازشوں کا سامنا تھا اور ایک پر خفیہ طور پر عمل درآمد بھی شروع ہو چکا تھا۔ لہذا میرا ٹریا سے مل کر اسپیکٹرم کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا از بس ضروری تھا۔

میرے کان میں حرارت بگنی ہوئی تھی اور.....  
 میں نے بالآخر کامران کی کال اپنے خفیہ ٹرانسمیٹر میں موصول کرنی۔  
 ”ہن! ہوز دیر؟“ میں نے دانستہ انجان بن کر پوچھا اور اور کہا۔

میرا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی تھی۔ گھمسان کارین پڑنے اور آگ اور بارود کی بر آتی مجھے محسوس ہونے لگی تھی کیونکہ میری شکل ہوئی نظروں کے سامنے تاریکی میں مذکورہ مقام پر دشمنوں کے دونوں گروپ آپس میں مل گئے تھے، اب ان کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں، میرا اور ان کا فاصلہ بمشکل تیس چالیس میٹر ہی تھا۔ میں نے کار سے ایک نوجوان کو دو سٹخ آدمیوں کی صحبت میں اترتے دیکھا تھا جس کے بارے میں تو یہ امکان تھا کہ یہی کامران تھا جس نے ٹریا کے حوالے سے مجھے بلف کرنے کی سعی چاہی تھی جبکہ مساز خان اپنی اسی پیارو جیب سے اتر ا تھا، جس پر ہم نے اس پر قاطعانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، اس کے عقب میں ایک بغیر ہڈ والی جیب بھی لگی اور ایک کار۔

کل ملا کر ان کی تعداد بارہ حیرہ سے کم نہ تھی، ان میں کچھ مسلح تھے، کچھ نہیں۔ یقیناً ان کے ہتھیار زیر ستر ہوں گے۔ میں نے گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں پھور دیکھا۔ مساز خان اس نوجوان سے خاصی برہمی سے مخاطب تھا۔

”یہاں ہم دو بار جھک رہے کے جا چکے ہیں۔ وہ یہاں نہیں ہیں۔ اس نے تمہیں بے وقوف بنایا ہے۔“  
 ”لعل... لیکن ہاں...“ نوجوان نے کچھ کہنا چاہا مگر مساز نے غصیلے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔  
 ”تم گدھے ہو، تمہیں چاہیے تھا، شہزی سے براہ راست بات کرنے کے بجائے اس ذلیل عورت سے ہی رابطہ کرو اتے، شہزی تمہاری سوچ سے بھی زیادہ مکار اور چالاک ہے۔ تمہاری آواز سننے ہی وہ پدگ گیا ہوگا۔“  
 اس پر اس نوجوان نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔  
 ”ہمارا ارادہ یہی تھا مگر...“

مساز خان اس کی بات سننے کو تیار ہی نہ تھا، بولا۔  
 ”ٹریا کی غداری کے بارے میں کسے ظلم ہوا تھا؟“  
 مساز خان کے اس سوال پر میری ساتھیوں دھڑک اٹھیں... جس مذکورہ نوجوان کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ کامران تھا جو باہادرات لہجے میں بولا۔ ”چیف کو ٹریا پر سب سے پہلے شبہ ہوا تھا۔“  
 ”چیف... کون چیف؟ مسز آرک کی بات تو نہیں



دوسری جانب سے اس نوجوان کی آواز ابھری۔  
 "نہیں مسز شہزی! تم کہاں ہو اس وقت؟ ہم تمہاری تلاش  
 میں شہزادی جگہ پر پہنچ چکے ہیں مگر تم یہاں نہیں ہو، اور۔۔۔"  
 اس کی بات سن کر میں مسکرایا۔ پھر اس کی منگاری کے  
 جواب میں بولا۔ "میں کچھ دیر پہلے ادھر ہی تھا لیکن وہاں  
 دشمن مجھے تلاش کرتے ہوئے آن پہنچے تھے۔ اب میں اس  
 جگہ نہیں ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں تمہیں کال کر کے بتاتا  
 ہوں۔ اس وقت میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ جب تک وہ  
 نکل نہیں جاتا میں اپنی کمین گاہ سے نہیں نکل سکتا۔ تم ایک کام  
 کرو، اپنے کیشیا ایجنٹ ممتاز خان کو کسی طرح یہاں سے  
 ہٹانے کی کوشش کرو، اور۔۔۔"

"اس کی تم فکر مت کرو شہزی، تم مجھے اپنی ویز  
 ایڈٹ کے بارے میں بتاؤ، میں ابھی وہاں تمہیں لینے پہنچ  
 جاتا ہوں۔ وقت ضائع نہ کرو، ورنہ تمہاری وجہ سے میں بھی  
 اپنے لوگوں کی نظروں میں آ جاؤں گا، اور۔۔۔"

اس کی بات سن کر میرے ہونٹوں پر زہریلا  
 مسکراہٹ ابھری۔ "کامران! ٹھیک ہے پھر میں تمہیں  
 بتائے دیتا ہوں مگر میں تمہیں پہچانوں گا کیسے؟ میں نے تمہیں  
 پہنے بھی نہیں دیکھا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اگر گاڑی میں  
 ہو اور تمہارے ساتھ اور ساھی بھی ہوں تو گاڑی ذرا دور  
 چھوڑ کے تم تنہا، محل مقام کی طرف بڑھنا، اس طرح  
 میں تمہیں اکیلا دیکھ کر دور سے ہی پہچان لوں گا۔" یہ کہتے  
 ہوئے میں نے اسے ایک آبادی کی سمت کا ایک غلط پتہ بتا دیا  
 اس کے بعد بڑی سرعت کے ساتھ واپس اسی ٹیپے کے  
 قریب آ گیا جہاں سے میں نہ صرف انہیں دیکھ سکتا تھا بلکہ  
 ان کی آپس میں ہونے والی گفتگو بھی سن سکتا تھا۔ میں نے  
 دیکھا کامران، ممتاز خان سے کہہ رہا تھا۔

"اس نے اپنی ویز ایڈٹ کے بارے میں مجھے  
 آگاہ کر دیا ہے۔ وہ بہت چالاک اور ہوشیار ہے۔ اسے  
 معلوم ہے کہ تم موت کا ہر کارہ اپنے اسے ڈھونڈ رہے ہو۔"  
 باقی اس نے وہی کچھ کہا جو میں اس سے کہہ چکا تھا۔ میں نے  
 دیکھا ممتاز خان فوراً حرکت میں آتے ہوئے بولا۔

"ہم ابھی اسے وہاں جا کر چھاپنے کی کوشش کرتے  
 ہیں۔"

"تمہیں ہاس، وہ بدک جائے گا اور بھاگ کر کہیں  
 چھپ جائے گا۔" کامران نے اختلاف کیا۔ "میں اس  
 وقت ماسٹر چیف مسز آرک کے آرڈرز کو فلو کر رہا ہوں۔  
 انہوں نے "شہزی ٹریپ" کا یہ مشن مکمل طور پر میری

صوابدید پر چھوڑا ہے۔"  
 "تو کیا اب تم مجھ پر حکم چلاؤ گے؟" ممتاز خان اپنی  
 روایتی اکڑوں و کھانے لگا مگر فوراً حالات کی نزاکت اور  
 شاید ماسٹر چیف مسز آرک کے ذکر پر ڈھیلا پڑتے ہوئے  
 بولا۔ "اُس لو کے! کیا پلان ہے تمہارا۔"

ٹاپ ایجنٹ کامران پُر حسانت لہجے میں بولا۔  
 "شہزی کو بلف کرنے کی خاطر پہلے میں وہی کروں گا جو اس  
 نے کہا ہے۔ یہاں سے روانہ ہونے کے تیس منٹ بعد آپ  
 اپنے ساتھیوں کے ساتھ میرے پیچھے آنا۔ ٹریپ کا سیاب  
 ہوتے ہی میں وایج ٹراپسٹریٹ پر غصیہ کاٹن دوں گا اس کے بعد  
 آپ لوگ شکار کے گرو ٹھیرا ڈال دینا۔ اول میں خود ہی اسے  
 قابو کروں گا۔" اس نے مجھے قابو کرنے کے لیے جس فرور  
 اور اطمینان کا اظہار کیا تھا اس نے میرے پورے وجود میں  
 جوش بھرا دیا تھا اور پھر میں زہریلے یہ بڑ بڑاتے ہوئے چیتے  
 کی سی بھرتی کے ساتھ پلٹا۔

"یہ وقت تمہارے گا کامران کہ تم مجھے قابو کرتے ہو یا  
 میں۔"

تیسم صاحبہ کے پاس پہنچ کر میں نے انہیں ساتھ لیا اور  
 تاریکی میں تیز تیز چلتے ہوئے موجودہ صورت حال سے آگاہ  
 کر رہا گیا۔ وہ ٹھہر آ میز لہجے میں بولیں۔ "شہزی! تم خطرے  
 سے کھینٹے لگے ہو، وہ سب معمولی لوگ نہیں ہیں۔ تربیت یافتہ  
 ایجنٹ ہیں۔"

میں نے کہا۔ "تیسم صاحبہ! خطرے سے چھپنا چھنا  
 کے بغیر خیر کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔ آپ مجھ پر بھروسہ  
 رکھیں اور میری کاسیالی کی دعا کریں۔"

چند منٹوں بعد ہی میں اس راستے پر آن پہنچا جہاں  
 متوقع طور پر کامران گورکھت تھا۔ اس کے بعد کار سے اتر  
 کر اکیلا آگے بڑھنا تھا۔۔۔ یہ نمبر سے تقریباً پچاس گز دور کا  
 علاقہ تھا اور یہاں سے آبادی کی طرف داخلے کا کچھل کھاتا  
 راستہ جاتا تھا۔ اب جو کچھ کرنا تھا وہ فوری کرنے اور نشانے  
 کا متقاضی تھا۔ یہ صورت دیگر ممتاز خان بھی اگر طے شدہ  
 پروگرام کے مطابق وہاں اپنے مسلح آدمیوں سمیت پہنچتا تو  
 صورت حال سمجھ بوجھ جاتی۔

میں نے کار کے مقابلہ طویل راستے کے بجائے  
 درمیانی اور شارٹ کٹ راستہ اپنایا تھا اور تیسم صاحبہ کو بھی  
 اپنے ساتھ تقریباً دوڑاتا ہوا وہاں تک پہنچا۔

تیسم صاحبہ کی سانس پھولی ہوئی تھی مگر وہ بہت ہمت و  
 حوصلے سے کام لے رہی تھیں۔ مقررہ مقام پر پہنچ کر ہم رک

جاسوسی ڈائجسٹ 172، جون 2015ء

کامران گیا تھا۔ عقب میں ابھر کے میں نے ایک زوردار لٹات ایک کی کمر کے اس صے پر سید کروی جو ریڑھ کی ہڈی کا آخری اور نسبتاً کمزور حصہ کہلاتا ہے۔ ضرب زوردار مگی، کتے ہی میرے شکار کا جسم ایک زوردار جھکے سے کمان کی صورت عقب میں خم ہوا اور وہ کار سے نکل کر لڑھک گیا۔ دوسرا بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھوما تو میرے آہنی ہاتھ کا دایاں گھونٹھوڑے کی طرح اس کی ٹھوڑی پر پڑا۔ اس وقت بھاگا جہ کہ کسی جنون کی طرح میرے سر پر سوار تھا۔ گھونٹھا کر دوسرا کار کے پونٹ پر جا پڑا۔ پیسے دانے کی ٹھلریڑھ کی ہڈی کا مہرہ سرکنے کے باعث دو حرکت کرنے سے قاصر تھا مگر میں مرحلہ وار نثرانی میں باری باری دونوں کی طرف متوجہ تھا اور گویا ایک بجلی کی لہری سی تھی جو میرے پورے وجود کو شکل پارہ بنائے ہوئے تھی۔ پہلے مضروب نے کار سے نکلنے کے نیچے لڑھکنے کے بعد پھرتی کے ساتھ پستول نکال یا مگر قبل اس کے فائر کرتا میں نے اس کے پستول والے ہاتھ پر لٹات مار دی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر کار کی باڑی سے گر آیا اور اچھلا تو میں نے فضا میں ہی اسے جھپٹ لیا۔ پہلے والے کی طرف سے توجہ ہٹا کر دوسرے کی طرف لپکا اس کا منہ خون سے بھرا ہوا تھا اور سنبھل کے وہ بھی ہتھیار نکالنے کی ٹوہ میں تھا کہ میں نے اس کے چہرے کی طرف پستول کر کے ٹرگمرو بادیا۔ رات کے پڑھوں اور دم بخود سنانے میں کوئی جھلے کا دھماکا ہوا اور دوسرے کا چہرہ خون ناک چھڑی میں لٹھڑ گیا۔ پیسے والا کار کے عقب میں سرکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کا بھی میں نے کام تمام کر دیا۔ پھر تیزی سے جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا آگے لپکا۔

میری توقع کے عین مطابق کامران ہاتھ میں پستول لیے واہس دوڑتا ہوا نظر آیا۔ وہ خاصا بوٹھلایا ہوا تھا۔ ٹھیک وقت پر ٹھیک کارروائی مجھے اپنے سے طاقت ور دشمنوں پر غلبہ عطا کر رہی تھی۔ میری آگلی کارروائی نسبتاً سہل ثابت ہوئی۔ اس محات میں تھا اور میرا دشمن مات میں... کامران کی بدحواسی بتا رہی تھی کہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہوا کیا ہے۔ یہی سبب تھا کہ وہ اردگرد سے غافل ہو کے پستول ہاتھ میں لیے واپس اپنے ساتھیوں کی جانب لوٹ رہا تھا اور راہ میں عقب سے میں نے اس پر جست لگا دی۔ وہ گرا اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر تار یک جھاڑیوں میں کہیں سرک گیا۔ میں نے خوف ناک غراہٹ کے ساتھ اس پر پستول تان لیا۔ کار کی مقدمہ بھر بیٹہ دشمن کی روشنی وہاں تک پڑ رہی تھی، وہ مجھے دیکھ کر جیسے یک دم کتے میں

گئے۔ یہاں تک کہ وہ رفت اور جھنڈا و خود و جھاڑیوں کی بہتات مگی، میرے ذہن میں کامران کو ٹریپ کرنے کا جو منصوبہ تھا، میں اس کے مطابق ٹھیک وقت پر ٹھیک جگہ قدم بڑھا رہا تھا۔

”شہزی! اپنا خیال رکھنا۔“ بیگم صاحبہ کو ایک تار یک بھنڈ کے قریب چھوڑ کر جانے لگا تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کے پولیس۔ ”ایسے میں مجھے ان کے لہجے میں گہری حسرت دیاں نکلتی محسوس ہوئی۔“ تم خالی ہاتھ ہو، تمہارے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں۔ تم کس طرح...“

”بیگم صاحبہ۔“ میں نے ان کی بات کاٹ کر سرسراتی آواز میں کہا۔ ”میرا حوصلہ اور میرا عزم ہی میرے ہتھیار ہیں بھرا اللہ میرے ساتھ ہے اور وہی میرے لیے کافی ہے۔ آپ جو کس رہیں... چلتا ہوں۔“

کتے ہوئے میں تیزی سے عقب میں بڑھ گیا۔ وقت اور حالات کا تھوڑا سا جھوٹا جو کچھ کرنا ہے فوری کرنا ہے۔ جلد ہی مجھے سامنے روشنی نظر آئی۔ دل دھڑکا اور میں یکفخت مزید جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گیا۔ میری نظریں سامنے متحرک روشنی پر جمی ہوئی تھیں جو کہ بہت قریب آ رہی تھی۔ کار میں کامران اپنے دو تربیت یافتہ ایجنٹ ساتھیوں کے ساتھ موجود تھا۔ میں جانتا تھا میرا مقبلہ دیکھی ساختہ یا عام قسم کے دشمنوں سے نہیں ہے لیکن جوش و جذبہ اور شکر کے خلاف خیر کی جنگ لڑنے کا عزم ہمیشہ بھلا کب طاقت کے تقادت کو خاطر میں لاتا ہے۔

کار قریب آ کر ایک جھکے سے رگ مگی۔ میرے اعصاب تن گئے۔ میں نے شکار پر جھپٹنے کے لیے جیسے اپنی سانس تک روک لیا۔ میں نے جھنڈ کے تاریک گوشے سے دیکھا۔ کار کا انجن بند کر دیا گیا تھا پھر دروازے کھلے۔ بیٹہ لائٹس روشن تھیں، کار سے کامران اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ برآمد ہوا۔ میرا ان سے درمیانی فاصلہ فقط اتنا ہی تھا جتنا ایک پیتے کا اپنے شکار سے دوری پر ہوتا ہے۔ ظاہر ان کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نظر نہیں آ رہا تھا مگر میں جانتا تھا کہ اندر سے جہی ہتھیاروں سے لیس تھے۔

کامران نے مجھے دیکھے لہجے میں چند سیکنڈ ان سے کچھ کہا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ دونوں ساتھی اس کی کار کے قریب ہی کھڑے رہ گئے۔ کامران تار کی میں آگے بڑھ گیا جیسے ہی وہ تار کی میں اوچھل ہوا میں چپتے کی طرح جھاڑیوں سے نکلا۔ دونوں کا رخ اس جانب تھا جہاں

آگیا۔ میرے پاس وقت کم تھا اور ممتاز خان کسی بھی وقت اپنے سارے ساتھیوں کے ہمراہ یہاں پہنچ سکتا تھا۔ کامران نے مجھے قریب کرنے کی جو چال چلی گئی اس میں وہ خود پھنس گیا تھا۔

”میرے سر پر اس وقت خون سوار ہے اور میں تمہارے دونوں ساتھیوں کو خون میں نہلا چکا ہوں۔“ میں نے وحشیانہ غراہٹ سے کہا۔ ”وہی کرو جو تم کہہ رہا ہو، کارکن طرف بڑھو۔“

”دیکھو... دیکھو...“ اس نے کچھ کہا چاہا۔ اور اس وقت میرے ہاتھوں کی ناک سے شعلہ چکا۔ توئی کامران سے دائیں بازو میں ہواست ہوئی۔ میں نے دشت ناک سے بچے میں کہا۔ ”بس! اب آخری موقع ہے وقت ضائع کرنے کی کوئی چال کی نہیں آ رہی ہے... کارکن طرف بڑھو۔“

وہ میرے لیے کاشن ٹریج سے میرے ٹوٹی ٹراٹر کا دراک کر کے اپنے زخمی بازو پر ہاتھ رکھے کارکن کی جانب بڑھا تو اسی وقت مجھے قریب کا جھانپوں میں سربراہٹ کا احساس ہوا۔ ایک نئے میری توجہ اس جانب مبذول ہوئی اور سب اختیار میرے حلق سے گہری سانس خارج ہو گئی وہ بیگم صاحبہ تھیں۔ انہوں نے میرا کام آسان کر دیا تھا۔ دھماکوں کی آوازیں سن کر وہ یقیناً میری مدد اور صورت حال جاننے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ چکی تھیں۔

”بچہ شہزی۔“ وہ ایک دم چلا کر بولیں۔ میں کامران کی طرف پتا۔ وہ نیکی کی سی پھرتی سے ایک گھنٹا میں پرکا کر دوسرے پاس کی پنڈلی میں بندھی سیانا سے ایک بچہ نکال کر مجھے پر پھینک چکا تھا، میں نے بروقت تیزی سے جھکا دی تھی، ”شائیں“ کی سنسنائی آواز سے بچہ میرے چہرے کے قریب سے گزرا تھا کہ مجھے اس کی خوف ناک ”جھبب“ اپنے چہرے پر صاف محسوس ہوئی تھی۔ یہ وہی نرس تھی جو شہزیابچہ پر آ رہی تھی، گویا یہ ان کا خاص ہتھیار تھا، میں نے غصے میں آ کر ایک گولی اس کے زمین پر گنے گھٹنے پر داغ دی۔ وہ بری طرح قہقہا لگایا۔ کامران کے حلق سے بڑی تڑپناک چٹخا برآمد ہوئی اور وہ اپنا زخمی گھنٹا پکڑ کر وہیں بڑھک گیا۔ میں دانت بچھتی کر اس کی طرف بڑھا اور اس کی گردن دبوچتی۔

”اب بس... چلو اٹھو۔“ میں اسے گھسیٹ کر کارکنی طرف لایا۔ بیگم صاحبہ کو ڈر نہ ہو سکے میٹ سنبھالنے کا اشارہ کیا۔ میں غصے سے کامران کو دبوچ کر سوار ہو گیا۔ اس وقت میں نے عقب میں دیکھا، کچھ دیشیاں چمکتی دکھائی

دی۔ ”بیگم صاحبہ! گاڑی بھاگاؤ، دشمن آ رہا ہے۔“ بیگم صاحبہ نے ساری صورت حال کا ادراک کیا۔ انہوں نے فوراً کار سنارٹ کر کے ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

”بائی و سے ن طرف موڑیں گاڑی۔“ میں نے کہا۔ انہوں نے یہاں ہی کیا۔ کار چھوڑیوں والی زمین پر بری طرح جھپکے لے کھاتی ہوئی دوڑنے لگی۔ اس دوران میں نے بیک اسٹرین سے عقب میں دیکھا۔ روشنیاں دور رہ گئی تھیں۔ انہیں جب تک حالات کا ادراک ہوا، ہم ان کی پہنچ سے دور چھپے رہے۔ بیگم صاحبہ بلا سے باہر اٹھنا نہیں کار ڈرائیو کر رہی تھیں۔ میں نے کامران کو دبوچ رکھا تھا۔ ہاتھوں میں نے اپنی جیب میں اڑس لیا تھا۔ کامران زخمی تھا۔ مجھے اب اس سے کوئی خاص خطرہ نہ تھا وہ کرا رہا تھا اس نے مرنا بتا ہونے لگا تھا۔

”مم... میرے زخموں سے خون بہہ رہا ہے۔ میں مر جاؤں گا۔“

”بے فکر مر جاؤ، ہمیں پروا نہیں۔“ میں نے دانستہ بی نیازی سے کہا۔

”ت... تم... مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“

”ت... دیکھو... گاڑی ڈکی میں فرسٹ ایڈ کا سامان موجود ہے۔ تم اڑ میری مرہم اپنی تو رو دو۔“

”اچھا۔“ میں نے استہزاء سے انداز میں کہا۔ ”مرہم کھڑی کر کے تمہاری مرہم اپنی کریں اور تمہارے کتے ہم تک پہنچ جائیں۔“

”وہ اب دور نکل گئے ہیں تم انہیں ہل دینے میں کامیاب ہو چکے ہو۔“

”شہزی! اڑ تم نے اس کے منہ سے کچھ اگلوانا ہے تو اس کی جان بچانا ضروری ہے، اس کی مرہم پٹی کیے دیتے ہیں۔“

موت بیگم صاحبہ نے نہیں دکھایا کرتے ہوئے کہا۔ بیگم صاحبہ کوشش یہ اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ کامران ایک بین الاقوامی بیگم کا نائب ایجنٹ تھا۔ اتنی آسانی سے منہ کھولنے والا نہیں تھا۔ شہزی نے اگر بیگم صاحبہ کے بارے میں سوچنا ہی ہوتا تو میں بھی مار کھا جاتا۔ گئی بے خبری نہ تھی ہے تو بھی باخبری سو رہند ثابت ہوتی ہے۔ یقیناً بیگم صاحبہ کے یوں کہنے سے کامران کے کان ضرور کھڑے ہوئے ہوں گے۔

سے کام کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے غیر معمولی ذہن سے نوازا تھا۔ عقل سلیم یعنی کامن سنس... کئی میں کم کسی میں زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ کم زیادہ بھی نہیں ہوتی۔ بات اسے صحیح وقت پر استعمال کرنے کی ہوتی ہے۔ اگرچہ ثریا نے مجھے آپٹیکلزم کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں بتایا تھا مگر جتنا بتایا تھا اس سے میں بہت متاثر ہوا تھا۔ یہ یقیناً دسی دلائی کتوں کی کوئی بین الاقوامی تنظیم تھی۔ کوئی بڑا ایجنٹ یا انٹرنیشنل لیول کا روک... کامران جیسے لوگوں کی کیا کمزوری ہوتی ہے۔ ان جیسوں کے منہ نیسے کھلوائے جاتے ہیں۔ مجھے اس کا بخوبی ادراک تھا۔ لہذا بڑی تسلی کے ساتھ سیٹ کی پشت گاہ سے قیام لٹا کر بولا۔

”تھیک ہے، تم کچھ نہ بولو... پی ایس ایس وانے خود ہی تم سے اچھی طرح نمٹ میں ہے۔“ کہتے ہوئے میں نے ونڈا مکمرین پر گئے بیب دو بیو پر نظریں جمادیں۔ وہاں کامران کا چہرہ فوکس تھا۔ میں نے اس کا چہرہ دھواں دھواں ہوتے دیکھا۔

”ہپ... پی ایس ایس...؟ کون ہیں؟“ میرے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ کھیل گئی۔ اس کا خوف زدہ نتیجہ خود ہی اس امر کی پختی کھڑا تھا کہ وہ جانتا ہے مگر دانستہ انجان بنا رہا ہے۔ میں نے یونہی جمانسی لیتے ہوئے کہا۔

”وئی فائدہ نہیں جھوٹ بولنے کا، کیونکہ یہاں ممکن ہی نہیں کہ تم باور سینٹرٹ سروں والوں سے بے خبر ہو جتدہ تمہاری اس والاچی تنظیم اسپیشلزم کے ایجنٹ ان سے میرے سامنے بھڑکی چکے ہیں۔ انہوں نے پی ایس ایس کے چنگل سے اپنے موقع اسپیشل چیف وزیر جان وچھڑایا تھا۔“

”اوہ... تو تم باور کے لیے کام کرتے ہو۔“

”نہیں، فری لانس ہوں۔ اپنے ذاتی مفادات اور فرض و غایت کے لیے میں کسی کے لیے بھی کام کر سکتا ہوں۔ ثریا سے میری یہی فریڈنگ تھی، مگر تم نے اسے خدار کچھ لیا۔“

میں نے مکاری سے کام لے کر اسے جھف کیا تو بے اختیار وہ اپنی گردن موڑ کر میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر آٹکھ مار دی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں حیرت آمیز انجمن کے تاثرات گندھ ہوتے دیکھے۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر میں نے دانستہ اس پر نفسیاتی حربہ استعمال کرتے ہوئے تیم صاحبہ سے مخاطب ہونے لگا۔

کھنڈرے سے لچک میں کہا۔

”مختار اپنے آدمی سے بات کر لو، جگہ کہاں پہنچا

تا ہم میں نے بہ دستور انجان بنے رہنے کی اداکاری کرتے ہوئے اسی بے پروائی سے کہا۔

”ہم نے اس کا چارٹس ڈالنا محترمہ۔“ (میں نے دانستہ بیگم صاحبہ نہیں کہا تھا)

”ہاں، مسٹر کامران! مجھے سب سے پہلے ثریا کے بارے میں بتاؤ وہ کہاں سے؟ زندہ وہی ہے یا نہیں؟“

”تمہیں خط لکھی ہوئی ہے۔ ہم تو تمہاری مدد... آؤ... دو کرپ آئیڈی سے کرہاؤ... کیونکہ میں نے اس کے مفید جھوٹ پر اس کے زخمی بازو میں اپنے ہاتھ کا پتھر گاڑ دیا تھا۔ میری انگلیاں اس کے خون سے تر ہو گئیں، اس اثنا میں سڑک آگئی۔ بیگم صاحبہ کو میں نے مٹان کی جانب ہی روانہ ہونے کا کہا۔ وہی دسے پر آتے ہی کارفرمانے بھرنے لگی۔

”جس جھوٹ سنا، بالکل پسند نہیں کرتا مسٹر کامران! ٹاپ ایجنٹ فرام آپٹیکلزم۔“ میں نے سرسراہتی آواز میں کہا۔

”تمہارے اسپیشل چیف وزیر جان کو جیسے اس بات کا پتا چلا تھا کہ ثریا خداری کر رہی ہے؟ اور اب وہ کہاں ہے؟“

میری اس معلومہت میں نے پر وہ نہ صرف مرعوب نظر آنے لگا بلکہ ٹوٹیش زدہ وی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

”اب کی بار میں تمہارا زخمی کھنڈا ہاؤں گا۔ میرے سوال کا جواب دو۔ ثریا زندہ ہے یا مردہ مگر جھوٹ نہیں سنوں گا میں، کنفرم کرنے کے میرے پاس اور بہت ذرا کچھ ہیں تمہارے جھوٹ کی کوہ...“

”وہ زندہ ہے۔“

”کہاں ہے؟“

”ہماری قید میں ہے۔“

”میں کوادرت کے زیر و ذات میں؟“ میں نے کہا۔

اسے چونکا لگا۔ دانستہ چہرے پر بڑبڑاؤ۔ ”تو اس کتاب نے یہاں تک تمہیں بتا دیا ہے۔“

میں نے پیش میں آکر ہونٹ سینڑے اور اس کے زخمی گھٹنے پر زور دار گھونٹ رسید کروا دی۔ کار کے دم پر خود محدود ماحول میں اس کی لرزہ خیز چیخ ابھری۔

”کہنا میں نے... فٹنول کہو اس نہیں سنوں گا میں۔“ میں فراہٹ سے مشابہت آواز میں بولا۔

”جہنم میں جاؤ... میں تمہیں کچھ نہیں بتانے والا۔ بے شک مرجانے دو مجھے۔“ تکلیف و ذہنیت اور بے بسی نے اسے شاید پاگل کر دیا تھا۔ میرا ذہن ایسے موقع پر تیزی

جائے مگر اس سے پہلے رقم کی بات کر لو۔ اسپیکر ممبر کا نام ایجنٹ کامران... ہمیں لاکھ سے ایک روپیہ کم نہیں۔  
 ”م... میں نہیں پچاس لاکھ دوں گا... مجھے چھوڑ دو۔“

”ویش گریٹ، یہ تو ابھی ڈینگ ہے۔“ میں چنگار سے ہارنے بظاہر خوشی سے بولا۔ کارڈ رائیو کرتی ہوئی بیگم صاحبہ نے شاید میری چالاک بھانپ لی تھی، انہوں نے بیک ویپر سے سکرالی نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ میں نے انہیں آنکھ ماری۔ وہ میرا اشارہ بھانپ گئیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ مجھ سے چڑے ہوئے لہجے میں بولیں۔  
 ”مگر یہ وعدے کی خلاف ورزی ہوئی۔ پھر کون ہم پر احماد کرے گا۔ ہم خود کو اتنا بکاؤ نہیں بنا سکتے۔“

”تم خاموش رہو مجھ سے! مجھے ڈیل کرنے دو۔“ میں نے بیگم صاحبہ کو معنوی انداز میں ڈپٹا پھر کامران کی طرف متوجہ ہوا۔  
 ”ہاں مسٹر کامران! تم پچاس لاکھ کی بات کر رہے تھے؟“

”پیسے میری مرہم پٹی تو کر دو۔ مجھ پر نکتہ ہمت خارجی ہو رہی ہے، آہ... وہ کراہا۔ میں نے بیگم صاحبہ کو روڈ کے کنارے کار کھڑی کرنے کا کہا پھر نیچے اترنا۔ لاکھی گولی اور اندر سے ایک چوکور باکس نکال لیا۔ ہسٹول میں بیگم صاحبہ کو تنہا آیا تھا۔ بیگم صاحبہ کار سے اتر کر اس پر ہسٹول تانے لگزی تھیں۔

میں نے اس کی مرہم پٹی کر دی۔ گولی بازو میں بیوست تھی۔ وہ میں نہیں نکال سکتا تھا جبکہ دوسری گولی گھٹنے کو بری طرح ترخ کر چکا تھا۔ ”ہوئی تھی یعنی نکل گئی گی۔“

بہر حال سردست سبکی کافی تھا کہ جریاں خون بند ہو گیا تھا۔ کچھ گویاں کامران نے خود ہی اس میں سے نکال کر پھانک لی تھیں۔ پانی کی دو بوتلیں تھیں، میں نے دوسرا دھر نظریں دوڑائیں، موٹرک دور تک ویران تھی، کوئی اکا دکا گاڑی زمانے سے گزر جاتی۔ میں نے کامران کی کنڈیشن کا جائزہ لیا، اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ اس کی سانس بھی تیز چل رہی تھیں۔ میں نے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا تاکہ اسے کچھ ہوائے۔ اس کے منہ سے بولیں لگا کر میں نے اسے پانی بھی پلایا تھا۔ اس پر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی، اس اثنا میں بیگم صاحبہ نے ہولے سے کہا۔  
 ”شہزی! اس کی تلاش تو لو، مجھے سلی فون کی اشد ضرورت ہے۔“ میں نے ان کی معقول بات پر اپنی بھویں

ادکائیں۔ تلاشی لینے پر کئی چیزیں برآمد ہوئیں۔ اس کی گھڑی بھی اتار لی جس پر مجھے واضح ٹرانسمیٹر کا گمان تھا۔ اس کے کان سے چپکا ہوا خفیہ ٹرانسمیٹر بھی اچک لیا۔ کچھ چابیاں بھی پرس اور سلی فون برآمد ہوا۔

سلی فون دیکھ کر بیگم صاحبہ کی آنکھوں میں چمک لہرا گئی۔ وہ انہوں نے فوراً میرے ہاتھ سے چھپٹ لیا اور ایک نمبر پینج کر سنے لگیں۔

”ہیلو، ہیلو! میں یوں رہی ہوں۔ تم لوگ کہاں ہو؟ خیریت سے ہو؟ او... شکر ہے خدا کا۔ میں بھی خیریت سے ہوں۔ شہزی نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، تم سب بے فکر رہو، میں بالکل ٹھیک ہوں اور شہزی کے ساتھ ملتان روڈ سے واپس پہنچ رہی ہوں۔ شاید ساہیوان سے آگے ہیں ہم... نہیں، تم لوگوں کو ادھر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم لوگ جی ملتان پہنچو... ہرگز نہیں... کہیں بھی میرا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میرا حکم ہے... کون؟ اولیٰ خیر، اچھا... ہاں... دو اسے فون۔“

اولیٰ خیر کے ذکر پر میں چمکا۔ بیگم صاحبہ نے اس سے رکی باتیں کیں پھر میری جانب فون بڑھا دیا۔ میں نے بے قراری سے فون لیا اور ہیلو کہا۔

”او... خیر کا کا بڑا پادار ہے تو نے یار، ایسا سے تو؟ ٹھیک نا ہے؟“ دوسری جانب سے اس کی چپختی ہوئی آواز ابھری۔

”میں ٹھیک ہوں اولیٰ خیر... باقی تفصیلی باتیں ملتان پہنچ کر کرتے ہیں۔ ہاں ٹھیک ہے میں بتا دیتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ میرے یار۔“

اس کے بعد میں نے سلی اپنی جیب میں رکھ لیا اور بیگم صاحبہ کو بتا دیا۔ ملتان پہنچ کر ہمارا گزرتوں چوک سے ہو گا۔ وہاں ٹیلی ڈاڈا دھیرہ ہمارے منتظر ہوں گے پھر ہم سب ان کی معیت میں ٹیکم والا پہنچے۔

میں کامران کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ہنوز نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ میں نے دو تین بار اسے ہکا راکھرا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمارا سفر پھر شروع ہو گیا۔ ایک روڈ سائڈ پمپ اسٹیشن سے ہم نے ٹیول ڈلوایا۔ اس کے بعد روانہ ہو گئے۔

میرا ارادہ اب بدل گیا تھا۔ میں ملتان پہنچ کر ریاض باجوہ سے ملے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کامران کو ان کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے طور پر پتا پکھنے کی کوشش کی تو تھی مگر اس میں لبا چوڑا کھڑا تھا۔ تاہم میں ایک تجربہ

آوارہ گد

خلوط پر استوار کیا گیا ہے۔ یہ عام لوگوں میں مکمل کران کی سانگلی جانتے ہیں اور پھر اپنی کسوٹی پر کسی کو پرکھ کر ان سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ان کا غیر متعلقہ ایجنٹ ہوتا ہے جنہیں اپنی اصطلاح کے مطابق یہ ڈیلٹا ایجنٹ کہتے ہیں۔

میں اس کی انفارمیشن پر چونکا۔ لامحالہ میرا خیال اپنی طرف اور میجر یاش کی طرف چلا گیا۔ سو یا پاور والوں نے مجھے ڈیلٹا ایجنٹ بتایا ہوا تھا۔ میں نے پھر بظاہر بیزار کن لہجے میں کہا۔ ”مجھے ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔“

”میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی۔“ کامران بولا۔ ”پاور والے بسا اوقات اپنے وسیع تر مفادات کی خاطر کرمل لوگوں سے بھی کام لینا اچھی طرح جانتے ہیں۔“ اس کی بات پر میں چونکا۔ گویا میرا پھینکا ہوا تپ کا پتلا سج پڑا تھا۔ وہ مجھے کوئی کرمل ہی سمجھ رہا تھا۔ میں نے دانستہ سنی خیر مسکراہٹ سے کہا۔

”اب جب تم مجھے سمجھ ہی گئے ہو تو پھر معاملے کی بات کیوں نہیں کر لیتے۔“

”میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔“ وہ بولا۔ ”تم نے سلور اسٹالون کی ٹلر فرسٹ بلڈ اور جان ریسیو نہیں دیکھا۔ اس میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ امریکی ملٹری انٹیلی جنس، جان ریسیو کی بھادری، دلیری اور شجاعت سے معمور جذبے کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتی ہے۔ حالانکہ وہ ان کا ایک خطرناک قیدی ہوتا ہے۔ مشن مکمل کرنے کے بعد وہ اسے دوبارہ جیل میں ڈال دیتے ہیں بلکہ ایک دو بار تو اسے بدنامی سے بچنے کے لیے ہلاک کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں کیونکہ عالمی پیٹ فارم پر امریکی خفیہ فورسز کی بدنامی ہو رہی تھی اور ان کا یہ راز فاش ہونے لگا تھا کہ وہ اپنے مفادات کے لیے اپنی جیلوں میں قید خطرناک جرائم پیشہ قیدیوں کو قربانی کا کبیر بنا کر پڑتشد اور غیر انسانی مہم پر روانہ کرتے ہیں۔“

وہ اتنا بھونکنے کے بعد خاموش ہو گیا۔ ظاہر ہے میں اس کی تعریف کو بھونکتا ہی کہوں گا۔ بے شک امریکا میں یہ ہوتا ہو لیکن یہاں یقیناً ایسا کچھ نہیں تھا۔ میں بھی عام لوگوں کی نظروں میں کرمل تھا مگر جانتے والے میری حیثیت جانتے تھے کہ میں ایک امن پسند، صلح جو اور محب وطن پاکستانی تھا۔ پاور والوں نے ایسے ہی میرا انتخاب نہیں کیا تھا اور اس کی بھی ایک ٹھوس وجہ تھی، جس کے مطابق انہیں چودھری ممتاز کے بارے میں علم ہو چکا ہوگا نیز یہ بھی کہ میری

ضرور کرنا چاہتا تھا۔ مجھے شریا کی فکر تھی۔ لیول ڈلوانے کے بعد ہم پھر روانہ ہو گئے۔

”تم ڈینگ کی بات کر رہے تھے۔“ تھوڑی دور جانے کے بعد کامران کی فہم بھری آواز ابھری۔ میں ذرا چونکا۔ بیگ صاحب کی توجہ کارڈ رائٹو کرنے پر مرکوز تھی۔

”میں شریا کے بغیر ڈینگ نہیں کروں گا۔“ میں نے باآفرسکت جواب دیا۔

”شری کو بھول جاؤ۔“ وہ حتی لہجے میں بولا تو میں نے بھی سرد مہری سے کہا۔ ”تمہارے پاس آدھا پون گھنٹا ہے فیصلہ کر لو، ورنہ میں تمہیں پی ایس ایس والوں کے سپرد کر دوں گا۔“ میرا جواب خامسا کاری ثابت ہوا وہ جھلا کر بولا۔

”آخر تمہیں شریا سے کیا لینا دینا ہے، اب تم براہ راست میرے ساتھ معاملات طے کر سکتے ہو۔“ اس کی مکاری پر میں نے ساٹ لہجے میں کہا۔

”میرے کچھ اصول ہیں۔ میں ان کے مطابق چلنا ہوں۔ شریا سے میرے کئی معاملات اوچھوڑے ہیں۔ پہلے مجھے اس کے بارے میں پتا چلنا چاہیے۔ بصورت دیگر اگر تم نہیں مانتے تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ پاور والے خود ہی تم سے شریا کے بارے میں انکوائریں گے۔“

”تم پاور سیکرٹ سرورس والوں کے متعلق جانتے بھی ہو، وہ ہیں کون؟“ اس نے پیئر ابدلا۔

”مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔ مجھے اپنے مال سے مطلب ہے۔“ میں نے بظاہر بے پروائی سے کہا۔ وہ کار کی سیٹ سے سرٹکانے میری جانب ذرا گردن موڑ کر بولا۔

”پاور والے اتنے بے وقوف نہیں ہوتے کہ وہ کسی زر خرید کو اپنے حکم کا نظام بنا لیں۔ تم ان کے ہا قاعدہ ایجنٹ ہو اور تمہاری اب تک کی کارکردگی سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تم پی ایس ایس کے سپر ایجنٹ ہو یا پھر ڈیلٹا ایجنٹ۔“

”ڈیلٹا ایجنٹ؟“ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ یہ غور بھانپتی ہوئی نظروں سے میری طرف گھورتے ہوئے بولا۔

”یا تو تم دانستہ انجان بن کر مکاری کر رہے ہو یا پھر میرا شہدوست ہے۔“

”مجھے نہیں معلوم تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“ میں نے مختصراً تلخ لہجے میں کہا اور دانستہ بیزار نظر آنے لگا۔

”اتنا تو مجھے بھی معلوم ہے کہ پی ایس ایس اور حقیقت انٹرمیڈیٹ والوں کی ایک ذیلی خفیہ سرورس ہے۔ جسے جی

جاسوسی ڈائجسٹ 177 جون 2015ء

Scanned By Amir

کی خبر پر میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔  
 "اسے کہاں رکھا ہوا ہے؟"  
 "مجھے معامے کی بات کرو۔"

"معامے ہی کی بات کر رہا ہوں۔ ثریا کے بغیر  
 ہمارے درمیان کوئی معاملہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

"تس ثریا کو تمہارے سامنے پلیٹ میں ڈال کر پیش  
 نہیں کر سکتا۔ وہ قید میں ہے اور سخت پھرے میں ہے۔"

"میں خود اسے چھڑا لوں گا تم صرف مجھے سچ سچ بتاؤ  
 گے کہ اسے کہاں رکھا ہوا ہے؟ مگر یاد رکھنا ثریا کو حاصل  
 کرنے تک تم میری قید میں رہو گے اور اگر تمہاری بات  
 جھوٹ ثابت ہوئی اور ثریا مجھے مطلوبہ جگہ نہ ملی تو یاد رکھنا پاور  
 والے بعد میں تمہارا جوشہر کریں گے سو کریں گے، میں تمہیں  
 ایسی بھیانک اذیتوں سے دوچار کر دوں گا کہ... میں نے  
 اسے آخر میں تہہ پد کرنا چاہی تھی مگر وہ میری بات کاٹ کر  
 زہرے لپچے میں بولا۔"

"اتنا اونچا ست اڑو شہزی، ممتاز خان پر چھوٹی سوئی  
 فتوحات حاصل کر کے یہ مت سمجھ لینا کہ تم نے بڑا پالا مار لیا  
 ہے کیونکہ تم نہیں جانتے وہ تمہاری کس طرح درون خانہ  
 جڑیں کھوکھی کر رہا ہے۔ وہ اسپیکٹرم میں اپنا اچھی خاصی  
 حیثیت قائم کر چکا ہے۔ وہ تمہاری اہم کمزوری سے بھی  
 واقف ہے۔ بہت جلد تم اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو  
 جاؤ گے۔"

اس کی بات پر میری ریزہ کی ہڈی میں سرسراہٹ سی  
 دوڑ گئی۔ دماغ میں دھواں بھرنے لگا۔ میری ایک ہی  
 کمزوری تھی اور وہ مگی عابدہ۔ اگرچہ ثریا نے بھی اس سلسلے  
 میں مجھے کچھ اشارہ دیا تھا اب کامران کی اس بات سے وہ  
 اشارہ مجھے ممانعت زدہ محسوس ہوا تو میں اندر سے بے قرار  
 اور متوجش سا ہو گیا مگر مجھے تسلی بھی تھی کہ یہ شخص گیدڑ بھیگی تھی۔  
 عابدہ امریکا کے اسپتال میں قآخرہ کے علاج کے دوران  
 بالکل محفوظ تھی اور سرمد بابا اس کی ہل ہل کی خبر لے رہے  
 تھے۔ یہاں میرے ذہن میں کامران کے سسل فون پر  
 عابدہ سے بات کرنے کا خیال آیا۔ حالات ہی کچھ ایسے تھے  
 اوپر مجھ پر بیٹے تھے کہ مجھے عابدہ یا سرمد بابا سے دوبارہ بات  
 جیت کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا تھا مگر ابھی میں نے عابدہ  
 سے بات کرنے کے اپنے اس ارادے سے خود کو ہزنی  
 رکھا۔

"تم کیا بنو اس کر رہے ہو، میں نہیں جانتا... مجھے ثریا  
 کا بتاؤ۔"

اس سے کس نوعیت کی ذاتی جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ تاہم  
 کامران میرے بارے میں جیسا سوچ رہا تھا وہ میرے  
 مفاد میں ہی تھا۔ میں اس کی باتوں کی ٹنگی نہیں کرنا چاہتا تھا۔  
 میرے بارے میں اس کا یہ مفاد میرے حق میں تھا۔ لہذا  
 اپنا پرانا سوال دہرایا۔ "معامے کی بات کرو اور ثریا کو  
 میرے حوالے کرو۔"

"وہ مر چکی ہے۔" اس نے سٹاکی سے کہا۔ میرے  
 دماغ میں دھواں بھرنے لگا۔ ایک ہوک سی اٹھی مگر میرا دل  
 اس کی بات پر یقین کرنے کو نہیں چاہا۔ لہذا اسی بے پروائی  
 سے بولا۔

"ٹھیک ہے پھر تم جانو اور پاور والے... یہ کہتے  
 ہوئے میں نے تیم صاحب سے کہا "ہم کتنی دیر میں اپنے  
 مطلوبہ مقام پر پہنچ جائیں گے؟"

تیم صاحب بظاہر خاموشی سے کارڈ رانی کر رہی تھیں مگر  
 میں جانتا تھا وہ بڑے غور و خوض سے ہماری باتیں سن رہی  
 ہوں گی اور میری چند بازی پر دل ہی دل میں مسکرا بھی رہی  
 ہوں گی۔ جو اب مختصر آویں۔ "کچھ ہی دالنے ہیں۔"

"ہوں، گڈ۔" میں نے ایک لمبی جھکاری لے کر  
 دوبارہ... منطقی انداز میں اپنا سر سیٹ کی پشت سے نکال دیا مگر  
 ساتھ ہی زردیدہ نظروں سے کامران کے چہرے کی طرف  
 دیکھا۔ وہاں مجھے ابھن آمیز پریشانی کے علاوہ جھٹلاہٹ  
 کے آثار بھی محسوس ہوئے۔

"میرا خیال ہے مجھے پاور والوں کو مطلع کر دینا  
 چاہیے۔" یہ بڑبڑاتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے  
 کامران کا سسل فون نکال لیا اور یونٹی نمبر سچ کرنے لگا۔  
 "مجھے بات لائن نمبر یاد ہے۔ تمہارا سسل فون خوب کام آ رہا  
 ہے۔" میں نے دانستہ کامران کی بے بسی اور جھٹلاہٹ کو ہوا  
 دیتے ہوئے کہا۔

"تھنک... ٹھنک... ایک منٹ۔" وہ ایک دم بولا۔  
 میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ چمکی۔

"ثریا زندہ ہے۔ میں تم سے تعاون کرنے پر تیار  
 ہوں۔" بانا خروہ بولا۔

"اب میں تم پر بھروسہ نہیں کر سکتا، تم کہہ رہے تھے  
 کہ ثریا مر گئی ہے اور اب تم بتا رہے ہو کہ وہ زندہ ہے، میں  
 تمہاری کون سی بات کا اعتبار کروں؟" میں نے سچ سچے میں  
 کہا۔

"میں سچ بول رہا ہوں ثریا زندہ ہے۔" مجھے اس کا  
 لپچ جھوٹ کی چٹلی کھانا محسوس نہیں ہوا۔ ثریا کے زندہ ہونے

ہمارے لیے مناسب نہ ہوگی۔  
میں نے ان کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔  
کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ انہوں نے گیز ڈال کر ایک جھٹکے  
سے گاڑی آگے بڑھادی۔

اول خیر وغیرہ نے نواں چوک و مقام اتصال بتایا تھا  
مگر وہ ہمیں گاؤں پور کے قریب مل گئے، وہ اور ان کے باقی  
ساتھ ساتھی ایک کار اور جیب میں سوار تھے۔ بیگم صاحبہ کو  
زندہ سلامت میرے ساتھ پا کر ان کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا  
تھا۔ اول خیر بڑے پرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ جکے  
کھیل دادا محض سرسری انداز میں... وہ مجھ سے ناخوش نظر  
آ رہا تھا۔ مکان کی جانب ہمارا سفر شروع ہو چکا تھا۔ تھوڑی  
دیر بعد ہم مکان پہنچ گئے، اور پو پھٹنے تک ہم بہ خیریت بیگم  
والا کھینچ چکے تھے۔

☆☆☆

اول خیر اور بیگم صاحبہ سمیت سارے ساتھی میری  
بہادری کی تعریفیں کر رہے تھے اور مجھ سے بہت خوش تھے  
مگر کھیل دادا ایک واحد آدمی تھا جو میری اس کامیابی کو  
بار بار "رکھی" قرار دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا  
میں نے جنگل ڈیرے میں جذبائی ہو کر جو درخت دار قدم  
اٹھایا تھا وہ بیگم صاحبہ کی جان کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو  
سکتا تھا، وغیرہ۔

اول خیر نے دانستہ خاموشی اختیار کر رکھی۔ ورنہ وہ  
میرے حق میں بولتا ضرور تھا۔

ہم کھانپ کر کافی دیر تک آرام کر چکے تھے۔ کامران  
کوٹ خانے میں جنگلی خان کے ساتھ قید کر دیا گیا تھا۔

بیگم صاحبہ نے میری حمایت میں کھیل دادا سے کہا۔  
"شہزی نے جو کچھ کیا وہ حالات کے پائل متقاضی تھا۔"

"مگر بیگم صاحبہ! ہم سب وہاں موجود تھے اور  
دشمنوں پر حاوی ہونے والے تھے، ایسے میں شہزی کو سوچ  
کچھ کر مجھ سے مشورہ لے کر قدم اٹھانا چاہیے تھا۔" کھیل دادا

بولتا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔  
"جھوٹ مت بولو کھیل دادا! وقت سے پہلے ہی جنگل  
ڈیرے میں بائیں ڈکیت کے کارندوں کو ہماری آہ کا پائل  
چکا تھا۔ انہوں نے ہم پر حملہ کر دیا تھا۔ ہم پہاڑ ہونے لگے  
تھے۔ خود تم دشمن کی کچھار میں پیش قدمی کی ہمت نہیں کر  
پارہے تھے۔ ایسے میں مجھے بیگم صاحبہ کو چھڑانے کے لیے  
اپنی جان پر کھیلنا پڑا۔"

"اس میں بھی تمہاری ہی لٹھی تھی۔" کھیل دادا برہمی  
جنا سو سوس ڈائجسٹ 179 جون 2015ء

"تم اگر مجھ سے تعاون کرو تو میں تمہیں اسپیکٹرم میں  
شمولیت دلوا سکتا ہوں۔" وہ بولا۔ "یہی نہیں تمہاری ممتاز  
خان سے بھی صلح صفائی کر دادی جائے گی۔"

"مجھے ٹریا کا پتا... بتاتے ہو یا نہیں؟" میں نے  
اپنے اندر کی جلتی سکتی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے فراہٹ  
سے مشابہ آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے، تم مجھے پاور والوں کے حوالے کرو۔"

وہ پورے سکون سے بولا۔ "مگر یاد رکھنا... اسپیکٹرم کی ابتدا  
امریکا ہی کی مرزمن سے پھوٹی ہے اور ممتاز خان اسپیکٹرم کا  
کیشیا ایجنٹ ہے۔ یہ بھی مت بھولو کہ اس وقت تمہاری

مشق تدریسینہ امریکا ہی کے ایک اسپتال میں موجود ہے۔"  
"گاڑی روکو... میں حلق کے بل دھاڑا۔ بیگم  
صاحبہ نے فوراً کار کو سڑک کے کنارے کر کے بریک لگا  
دیا۔ کامران وحشت زدہ نظر آنے لگا۔ میرے دل و دماغ  
میں آتشیں جنوں شہزی کی لہریں شکل لاوا کی طرح بھر گئیں۔

کار رکنے ہی میں نے کامران کی طرف والے دروازے پر  
زور وار لات رسید کر دی۔ دروازہ کھلا تو دوسری لات میں  
نے کامران کو بھی جڑوی۔ وہ چیخ مار کر کار سے باہر تارکی  
میں ڈھک گیا۔ میں نے اپنی جگہ سے ہسپ نہا اور باہر کودا۔

پھر خاک چانتے ہوئے کامران کو دیوچ لیا اور اس پر  
جنونیوں کے سے انداز میں تازی توڑ گھونٹے، ٹھوکریں اور  
لاٹس برسنا شروع کر دیں۔ وہ اذیت ناک انداز میں چیخنے  
چلانے لگا۔ بیگم صاحبہ نے کار سے اتر کر میرے پیچھے

ہوئے وجود و سنبھالا دینے کی کوشش میں تمام لیا۔ "بوش کرو  
شہزی! بیٹیز اس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔ مار دو گے اسے تو  
کچھ حاصل نہ ہوگا۔" وہ مجھے سمجھاتے ہوئے بولیں۔ میرا

غیظ قدرے کم ہونے لگا تو میں نے دھیرے سے بیگم صاحبہ  
کو ہٹا کر نڈھال اور ہانپتے کراچے کامران کو دیوچ کر  
دوبارہ کار کے اندر پھینکا اور اپنا پٹہ غیظ چہرہ اس کے قریب

لے جا کر خوفناک لہجے میں بولا۔ "میں تجھے کتے کی موت  
ماروں گا، بتاؤ مجھے... تم لوگ عابدہ کے خلاف کون سی  
سازش تیار کر رہے ہو؟ کامران! تمہیں اب بتانا پڑے  
گا... ورنہ..."

"م... میرا وعدہ میں تمہیں سب کچھ سچ بتا دوں  
گا۔" وہ کراہ کر بھٹک بولا۔ "نہیں... لیکن مجھے پاور والوں  
کے حوالے مت کرنا۔"

اس دوران بیگم صاحبہ دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ  
سنبھالتے ہوئے بولیں۔ "میں لکنا چاہیے شہزی! دیر

Scanned By Amir

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY



کے سر ہونے کا فیصلہ سننے کے منتظر ہو گئے۔

”تم لوگ ادا حاصل بحث کر رہے ہو جبکہ ہم اب تک حالت جنگ میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے اور شہزی کے ساتھی پولیس کی قید میں ہیں۔ اس راجب خور پولیس افسر روشن خان نے نہ جانے ان کا کیا حشر کر رکھا ہو۔ ہمیں ان کے بارے میں کچھ کرنا چاہیے۔“ بیگم صاحبہ کی بات اپنی جگہ درست تھی مگر مجھے تو ڈی خیرت ہی ہوئی کہ انہوں نے ایسا کوئی اعتراف کرنے کی جسارت کیوں نہ کی جس سے یہ تو ظاہر ہوتا کہ بیگم صاحبہ کو دشمنوں کے چنگل سے چھڑانے والی یہ خطرناک بم ٹم کے سر تھی؟ مجھے اپنی داد واہ کی کوئی پروا نہ تھی مگر میں یہ ضرور چاہتا تھا کہ کم از کم بیگم صاحبہ اول خیر کے سلسلے میں کچھ حوصلہ افزا کلمات تو ضرور ادا کر سکیں۔ اول خیر مجھ سے دوستی یاری کی پاداش میں مسلسل کھیل و ادا جیسے بعضی آدمی کے زیرِ عقاب آتا رہا تھا۔ مجھے بیگم صاحبہ کے اس دو غلطے میں بردہ ہوا تھا۔ ہم میں نے سردست خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

اردشہ، شوکت حسین اور بھلیلہ کے سلسلے میں مجھے تشویش، حیرت تھی۔ یوں تو ریاض باجوہ صاحب نے مجھے نہ صرف ان کے بلکہ میرے سلسلے میں بھی تسلی دی تھی کہ وہ ہائی کمان سے اپنے تفویض شدہ خصوصی اختیارات کے ذریعے اس سلسلے میں کچھ کرنے والے تھے، مگر صاحب کا خیال آتے ہی میں نے ذہن میں فوری ابھرنے والے ایک خیال کے تحت فیصلہ کیا کہ کامران کو اسپیکٹرم کے ایک ٹاپ ایجنٹ کی حیثیت سے ان کے حوالے کر دوں۔ اب دعویٰ کامران کے مدعے سے بہت سی باتیں اگوانے کی جسارت کر سکتے تھے۔ یوں بھی یہ ان کا شکار تھا۔ اس طرح مجھے پی ایس ایس کی خصوصی سپورٹ حاصل رہتی۔ کیونکہ میں گزرتے وقتوں کے ساتھ محسوس کرنے لگا تھا کہ میرے ارد گرد بھانت بھانت کے خطرناک دشمنوں کا گھیرا وسیع تر ہوتا جا رہا تھا مگر کامران کا وعدہ یاد آتے ہی کہ وہ مجھے سب کچھ بتانے پر راضی تھا بشرطیکہ میں اسے پاور والوں کے حوالے نہ کرتا۔ یہ سوچ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اول خیر کو مخاطب کر کے بولا۔ ”آؤ ذرا میرے ساتھ... میں کامران سے کچھ اگوانا چاہتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ شہزی! ابھی بیگم صاحبہ کا حکم نہیں ہوا۔“ مجھے کھڑا ہونے دیکھ کر کھیل و ادا گواہی سے بولا تو میں نے اسے گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

”بیگم صاحبہ کا احترام مجھ پر لازم ہے مگر یہ بات میں

سے بولا۔ ”باہن ڈکیت پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے تم نے ایک نئی پوسٹی ڈال دی تھی، تمہیں کیا ضرورت تھی ممتاز خان کی گاڑی کو ٹرپ کرنے کی، تم اور اول خیر اس مشن میں ناکام ہو گئے اور ممتاز خان بچ گئے۔ یوں باہن ڈکیت اور اس کے مسلح ساتھی ہوشیار ہو گئے۔“

اب اول خیر خاموش نہ رہ سکا، بولا۔ ”بڑے استاد! شہزی کی یہ جانتگ درست تھی کیونکہ ہمارے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ ممتاز خان بھی وہاں پہنچنے والا ہے اور اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے وہ بیگم صاحبہ پر تشدد کا راستہ اختیار کرنے والا ہے۔ ہم ممتاز خان کو گرفتار بنا کر بیگم صاحبہ کی واپسی کا مطالبہ کرنا چاہتے تھے، بے شک ہمیں اس سلسلے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا لیکن جلد ہی اس کا ازالہ شہزی نے اپنی جان پر کھیل کر کیا کیونکہ اس وقت حالات ہی خطرناک رخ اختیار کر چکے تھے۔“

لاجوابہ جوتے ہی کھیل و ادا نے اپنی جھینپ مٹانے کی خاطر بے چارے اول خیر کی دکھی رنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ ”تم تو خاموش ہی رہو اول خیر، تم پر سے ابھی غداری کا سبیل نہیں اترتا۔ پہلے اپنا داغ دھونے کی فکر کرو پھر تم شہزی کی دکالت کرنا۔“ ایسے میں اول خیر چپ ہو جاتا تھا تاہم اس بار وہ فقط اتنا ضرور بولا۔

”میں بیگم صاحبہ سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“ اول خیر تو بے چارہ ایسے میں اتنا ہی کہہ پاتا تھا مگر میں کھیل و ادا کے سامنے ہمیشہ خم ٹھونک کر جوابی کارروائی کرتا تھا۔ مجھے صاف محسوس ہونے لگا کہ وہ اندر سے سخت مسد اور جلا پنے کا شکار ہو رہا تھا۔ بیگم صاحبہ کے سلسلے میں اسے شروع ہی سے مجھ سے ذاتی عناد اور بغض ہونے لگا تھا۔ میں نے کھیل و ادا کی طرف دیکھ کر استہزائیہ لہجے میں کہا۔

”کھیل و ادا! تمہارے اس کینہ پرور کردار اور سلوک نے تمہیں خود اپنے آدمیوں کی نظروں میں چھوٹا کر دیا ہے۔ کیا یہ موقع ایسی باتوں کا ہے؟ اول خیر نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر تمہارا... بیگم صاحبہ کی تلاش کا بیڑا اٹھایا تھا اور چک نوال پہنچ کر ہمیں یہ اطلاع دینے والا بھی اول خیر ہے تھا کہ بیگم صاحبہ کو اس وقت بدر اقبال عرف باہن ڈکیت نے گرفتار بنا رکھا ہے۔“

”اس بحث کو اب ختم کرو۔“ مہا بیگم صاحبہ نے اپنا ایک ہاتھ قدر سے بلند کر کے کھیر اور تھکمانہ لہجے میں کہا تو سب کو چپ لگ گئی گویا ہم اس بم کی کامیابی و ناکامی کس

”تم نے عابدہ کے متعلق جو کچھ اس کی تمہی اس میں کتنی حقیقت ہے؟“

وہ اپنے خشک پڑتے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔  
”ممتاز خان تمہیں زیر کرنے کے لیے عابدہ کو ہٹ کرنا چاہتا ہے۔“

”کس طرح؟ وہ تو پاکستان میں نہیں ہے؟“ میں نے یہ فوراً اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا۔  
”اسپیکٹرم کے ذریعے۔“

”وہ کس طرح؟“  
”اسپیکٹرم کے ایجنٹ ہر جگہ بھیلے ہوئے ہیں۔“  
”تم نے کہا تھا کہ اسپیکٹرم کی شروعات امریکا سے ہوئی تھی؟“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”ہاں، یہ وہاں کی ایک انڈر گراؤنڈ انٹرنیشنل سینڈیکٹ ہے۔“

میں اس کی بات سمجھ گیا، بولا۔ ”یہ اسپیکٹرم ہے کیا بلا؟ اور یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟“

”مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔“ اس نے کہا۔ پھر تکی لہجے میں اپنے خشک پڑتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ ”خدا کے لیے مجھے پانی تو پلا دو۔“

”نہیں، پہلے سوالوں کے جواب دو۔“ میں نے ضحیلے لہجے میں کہا۔ ”تم پھر چالاک بن رہے ہو، تمہیں اسپیکٹرم کی حقیقت کے بارے میں نہیں پتا؟ جبکہ تم اس کے ایک ٹاپ ایجنٹ ہو۔“

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے فقط یہی پتا ہے۔“  
اس بار اول خیر نے اس سے پوچھا۔ ”اسپیکٹرم...“

یہاں... ہمارے ملک میں کیا کر رہی ہے۔ یہاں اس کے کیا مقاصد ہیں؟ یہ تو تم ضرور جانتے ہو گے کیونکہ وہ تم جیسے کتوں کے گلے میں بلاوجہ پتا نہیں ڈالے ہوئے ہے؟“

اول خیر کے اس سوال نے اسے کچھ بوکھلا دیا تاہم بولا۔ ”ہمیں یہاں کی حکومتی اور غیر حکومتی سیاسی اتھارٹیز پر کڑی نظر رکھنے کا مشن سونپا ہوا ہے۔“

”کیوں؟“  
وہ اول خیر کے اس ”کیوں“ کا جواب دینے کے بجائے بڑی مکاری سے ہنسنے لگا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”شہزی! میں تمہیں شریا کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔“

میں اس کی آہ کالی بھانپ کر نصی سے دانت بھینچ کر بولا۔ ”پہلے اول خیر کی بات کا جواب دو۔“

پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ میں یہاں کسی کے حکم کا پابند نہیں ہوں اور تم اپنی ہرزہ سرائیوں کو بھی لگام دو کھیل دادا! آؤ... اول خیر۔“

”اول خیر اپنی جگہ سے ہٹے گا بھی نہیں۔“ کھیل دادا طیش میں آ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”ٹھیک ہے میں تہ خانے میں چلا جاتا ہوں۔“ کہتے ہوئے میں نے قدم آگے بڑھایا تو بیگم صاحبہ نے کھیر آواز میں مجھے روکنے کو کہا۔

”شہزی! شہزی۔“ میں رک گیا اور پڑتات نظروں سے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھنے لگا۔ انہوں نے اول خیر سے تھکسا نہ کہا۔ ”اول خیر! تم جاؤ... شہزی کے ساتھ۔“ اس قسم پر اول خیر فوراً اٹھ کر میرے ساتھ چل دیا۔

”شہزی! بیگم صاحبہ۔“ میں نے ہولے سے کہا اور جاتے ہوئے کھیل دادا پر ایک دزدیدہ نگاہ ڈالی۔ اس کا چہرہ بغض و کینہ کے باعث مسخ ہو رہا تھا۔

میں اور اول خیر تہ خانے میں آگئے۔ جتنی خان کی حالت ابتر تھی۔ اسے رتن بہت حالت میں ایک طرف ڈالا ہوا تھا، وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا۔ دوسری جانب کامران پڑا تھا۔ میں ایک کرسی پر جا کر براجمان ہو گیا اور پاؤں کی ٹھوک مار کر کامران کو جگا یا۔

”وقت ضائع کیے بغیر مجھے بتاتے چلو کیا کہنا چاہتے ہو...“

”پہلے مجھے ضمانت دو کہ تم مجھے چھوڑ دو گے۔“ وہ غرات لہجے میں بولا۔ اس کی بار بار قلابازیاں کھاتی باتوں سے میرا دماغ مارے طیش کے پھر بھٹکنے لگا تھا۔ دانت نہیں کر بولا۔

”اس کا فیصلہ بعد میں ہو گا اور یاد رکھو! اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا۔“ پھر اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہونے کے لیے میں نے اپنی جیب سے اس کا سلی فون نکال کر اپنے ہاتھ میں چکڑا لیا اور آخر میں اسے تہد یہ بھی کر ڈالی۔ ”اگر اب تم نے اپنی زبان نہ کھولی تو بی ایس ایس والوں کو فون کر دوں گا، وہ تمہیں رہینے کے لیے یہاں پہنچ جائیں گے۔“ اس کی آنکھوں میں اچھنکی تیرگی پھر بولا۔

”... کیوں ہی جگہ ہے؟“  
”غیر متفقہ اور فضول سوال نہیں سنوں گا میں، صرف میری باتوں کا جواب دو گے تم۔“ میں نے کہا۔

وہ ایک تہری سانس نے کر رہ گیا پھر بولا۔ ”پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“

"مجھے پانی پلا دو... میں اب تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا... سب بتا دوں گا۔" وہ بولا۔ میں نے اول خیر کی طرف دیکھا۔ وہ اٹھ کر تہ خانے سے باہر نکل گیا۔ کامران اپنی رو میں کہتا جا رہا تھا۔

"یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ میں خود بھی اسپیکٹرم کا ٹاپ ایجنٹ ہونے کے باوجود ان کی اصل حقیقت سے ناواقف تھا بلکہ میں کیا میرے جیسے دیگر ایسے مقامی لڑاکار بھی ناواقف تھے، اسوائے چند بڑے سنگی عہدے داروں کے، جن میں ممتاز خان اور اسٹیشن چیف وزیر جان بھی شامل ہیں کہ ان کے اصل اغراض وقتاً فوقتاً معلوم ہو گئے۔ نیز اسپیکٹرم کن کے لیے کام کر رہی ہے مگر یہ سب ثریا نے بتا چکا ہے۔ جب ثریا کا پول کھلا تو ان نے مجھے ان کی اصل حقیقت بتائی بھی تھی مگر جانے کیوں میں نے اس کی باتوں کو اہمیت نہ دی، افسوس... وہ رکھا پھر میری طرف تھمتے ہوئے مسکھم

سچے میں بولا۔ "شہزی! تم ایک کام کرو۔ میں... میں... یہاں غیر محفوظ ہوں۔ میں تمہیں سب بتا دوں گا جو کچھ مجھے ثریا نے بتایا، اس کا دل بھی انہی باتوں کی وجہ سے اسپیکٹرم سے کھٹا ہوا تھا، وہ باخبر تھی۔ تم... مجھے پنی انہیں والوں کی لٹھکی میں دے دو... پلیز... جلدی کرو۔" اس کے چہرے پر اچانک انجانا سا خوف مس آ گیا تھا۔ اس کے بارے میں میرا شبہ نکلت نکلت ختم ہونے لگا۔ اس کا چہرہ اس کا بچہ نمازی کر رہا تھا کہ اس کے ضمیر نے اسے بالآخر بھینچوڑ ڈالا تھا۔ نیز اسے اس بات کا بچھڑا بھی کھائے جا رہا تھا کہ اس نے ثریا کے سلسلے میں جو کچھ کیا تھا وہ اسے نہیں کرنا چاہیے تھا اور یقیناً ثریا بھی پہلے اسپیکٹرم کی کامران کی طرح ایک فعال رکن تھی مگر جیسے ہی اسے اپنی ذاتی کوششوں کے ذرائع سے اسپیکٹرم کی اہمیت معلوم ہوئی تو وہ ان سے متنفر ہو گئی اور پھر بعد میں اس نے ان کے درمیان رہتے ہوئے ان کی بیعت بھی کرنے کی کوشش چاہی تھی مگر بد قسمتی سے اس کا راز کھل جانے کے باعث کامران سے اس کی نہ بھینچوڑی تو اس نے کامران کو بھی ان کی اہمیت بتا کر اس کا ضمیر بھینچوڑنے کی کوشش کی ہوگی۔ ثریا نے جو کچھ کامران کو بتا کر اس سے مدد کی درخواست کی ہوگی، آج کامران کو اس پر پشیمانی اور ہی گئی۔

اول خیر پنی لے آیا تھا مگر آتے ہی اس نے بتایا کہ اوپر تکم صاحبہ مجھے با رہی ہیں۔ ممتاز خان کا لون آیا تھا اور وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔

میں اس اطلاع پر چونکا اور سیدھا اوپر آ گیا۔ تکم

"دو... دو... مجھے ہلاک کر ڈالیں گے۔" وہ گھٹیانے لگا۔

"زندہ تو ہم بھی تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔" اوس خیر نے اس کی طرف گھورا۔ تاہم میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کامران کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری سمجھا۔

"اگر تم ہم سے تعاون کرو گے تو ہم تمہیں بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں بلکہ میں خود ایک ڈیٹا ایجنٹ کی حیثیت سے یاد رکھوں کہ تمہاری اس شرط پر سفارش بھی کروں گا کہ تمہارے عمل تعاون کو نظر رکھتے ہوئے وہ تمہارے تحفظ کو بھی یقینی بنائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ مجھے اثر پذیر کرنے کے لیے محسوس ہوا پھر دوسرے ہی لمحے وہ بڑے مستحضرانہ لہجے میں بولا۔

"کاش! میں نے ثریا کی بات مان لی ہوتی... کاش! اس سے ان کے حوالے نہ کرتا۔"

"کون سی بات؟" میں نے اس کے چہرے پر اپنی بھانپتی ہوئی نظریں مرکوز کیے جو میں سکیڑ کر پوچھا۔

"اس نے میرا ضمیر دکھانے کی کوشش کی تھی مگر مجھ پر پیش پستی اور پریشانی کا خواب رکھیں سوار تھا۔"

"تو اب تمہارے ضمیر کیو کہتا ہے؟" اوس خیر نے اس سے پوچھ تو وہ پرتاسف لہجے میں بولا۔

"اب ضمیر جاکنے کا کیا فائدہ۔ مگر اس وقت میں یہی سمجھتے ہوئے تھا کہ ثریا جو کچھ کہہ رہی تھی وہ کسی کمزور چیز کی حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا۔ میں اسے بے وقوف سمجھ رہا تھا کہ وہ جیونٹی بن کر گھمکی کی سونڈھ میں گھسنے کی بے وقوفانہ کوشش کر رہی ہے۔ وہ محض خودشی کے سوا کچھ نہیں۔"

"بات کمزور اور طقت ور کی نہیں ہوتی کامران، حوصلے اور ہمت کی ہوتی ہے جو تمہارے اندر نہیں۔" میں نے اسے آسنا یا اور اس کا خوابیدہ ضمیر بھینچوڑنے کی غرض سے بولا۔

"دیکھو اب بھی کچھ نہیں بگڑا... ہم سے تعاون کرو... مجھے لگتا ہے اسپیکٹرم والے اپنے کسی ناپاک اور گھٹانے وقتہ کے لیے ہمارے وطن کی جڑیں کھوکھی کرنے کے لیے یہاں داروہوئے ہیں۔"

"اسپیکٹرم والوں کی حیثیت بھی تمہ جیوسا سے کم نہیں... اس کے پیچھے بھی کسی کا بہت بڑا ہاتھ ہے ایک نئی بات... کامران نے انکشاف کرنے والے انداز میں کہا

تو میں اور اول خیر قدر سے چونک کر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

زر خریدتے ہیں چکے ہو مگر یاد رکھنا ممتاز خان! اگر عابدہ کا حق نے ذرا بھی ہاں بیٹا کرنے کی کوشش کی تو تمہارا وہ حشر کروں گا نہ تم مجھ سے موت کی بھیبت مانگنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

"صرف چوبیس گھنٹے... یاد رکھتے۔" دوسری جانب سے ممتاز خان نے میری دھمکی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہہ اور فون بند کر دیا۔ میں نے ہونٹ بچھتے ہوئے سر ہلایا تاکہ نمبر ڈائل کر دیا۔ دوسری جانب سے "ہیلو" کی شناسا آواز ابھرتی ہی میں نے ایک گہری سانس لے کر سلام کیا تو وہ میری آواز پہچانتے ہی نظر آ میز بے چینی سے بولے۔

"ش... ش... ش... شہزی بیٹا! تم کک کیسے ہو؟ تم کہاں ہو؟ ٹھیک تو ہونا تم؟ تم نے مجھے خوش خبری بھی نہیں دی۔"

خوش خبری کی بات پر میں چونکے بنا نہ رہ سکا۔ میری زندگی اب تک اتنے آس و مصائب میں گھری ہوئی تھی کہ اب تو میرے لیے "خوش خبری" کا لفظ بھی اجنبی بن کر رہ گیا تھا۔ لہذا میں نے اس پر توجہ دیے بغیر کہہ۔ "بابا! میں باگل ٹھیک ہوں اور خیریت سے ہوں۔ مجھے آپ پہلے عابدہ کے بارے میں بتائیں وہ کیسی ہے؟ کب پاکستان لوٹ رہی ہے؟ عارفہ کا تو آپریشن ہو چکا ہے؟"

"بیٹا! وہ فوراً باگل ٹھیک ہیں۔ عارفہ کا کامیاب آپریشن ہو چکا ہے مگر ڈاکٹروں نے اسے بیڈ ریٹ کا کہہ دیا۔ دینے تقریباً دو دنوں کا ہے اور وہ لوٹنے والی ہیں۔"

سر ہلایا کی بات سنی کہ میرے دل و دماغ میں سکون کی لہریں سرایت کر گئی۔ ایک تو عابدہ کی طرف سے خیریت کی اطلاع مل گئی، دوسرے وہ جہد پاکستان لوٹنے والی تھی میں نے سنی خیال کے تحت پوچھا۔ "بابا! آخری بار آپ کی عابدہ سے کب بات ہوئی تھی؟"

"شہزی بیٹا! میں تو روزانہ ہی بات کرتا ہوں دونوں سے۔ اکثر تو دن میں دو بار بھی۔ کبھی تمہاری بات نہیں ہوتی؟"

"ایک بار ہوئی تھی بابا۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "بڑی مشکوٰۃ سے رابطہ ہوتا ہے، اسپتال کی مینجمنٹ کے کچھ تو امنی وہاں ملت ہونے کے باعث مجھے باہر کے سلسلے میں ٹیلیوژن ہو جاتی ہے۔ بہت مختصر بات ہوتی تھی۔" اب کرتا ہوں۔"

"تم ہو کہاں پر بیٹا؟" انہوں نے پوچھا۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ میں عمان میں ہی ہوں اور حکم و آواز سے بول رہا ہوں۔ تب انہوں نے مجھے خوش خبری والی بات بتائی کہ

صاحب کا چہرہ طے سے سرخ ہو رہا تھا۔ یقیناً اس کی وجہ ممتاز خان کا فون تھا اور صاف لگتا تھا کہ تعویذی دیر پہلے ان دونوں کے بیچ ٹیلی فونک گرامر ممتنع ہوتی رہی ہے۔ میں نے ریسیور اٹھایا اور بیلو کیا۔ دوسری جانب سے ممتاز خان کی ہنسنی ہوئی آواز ابھری۔

"شہزی! تم نے جتنی اونچی آواز بھرنی تھی سو بھرنی۔ اب تمہیں زمین پر ہی آنا پڑے گا۔"

میں اس کی بات پر زہریلے لہجے میں بولا۔ "میں زمین پر ہی تھا ممتاز خان مگر تم آسمان پر اڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو ہوا اس کرنی ہے کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"کامران کو تم نے کہاں رکھا ہوا ہے؟"

"میں تمہیں بتانے کا پابند نہیں ہوں۔"

"مجھے ا مطلب ہے اگر وہ ابھی تک تمہارے حوالے ہے تو اسے چھوڑ دو۔ بات سمجھتی فتم ہو جائے گی۔"

میں اس کی بات پر چونکا۔ وہ مکاری سے چٹکا گا چاہتا تھا کہ اگر کامران ہمارے قبضے میں ہے تو اسے یقیناً نکیم والا میں ہی رکھا ہو گا اور وہ یہاں اپنے وکیل یا والائی کتوں کے ساتھ یہاں بلا لوتے کی کوشش کرے۔ لہذا میں نے کھردرے لہجے میں کہا۔ "مجھے کسی بات کے ختم ہونے یا نہ ہونے کی کوئی پروا نہیں ہے، وہی بات کامران کی تو جس کا شیخ رقمہ میں اسے ان سے حوالے کر چکا ہوں۔"

"وو... تمہنی اس۔ میں کی بات کر رہے ہو؟"

"یقیناً۔"

"تم بہت بچتا ہو شہزاد احمد خان! نہیں جانتے کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔"

"شہزی بیٹا! یہ دیکھو شہزی! مت بھولنا کہ تم اسے امریکا بھیج کر چھوڑنا سمجھ رہے ہو۔"

عابدہ کے ذکر پر میرا دلخ اٹھنے لگا۔ میں نے بھی شہزادہ کے بارے میں کہا۔ "میں نے عابدہ کو امریکا... اس کے تعلق کے لیے نہیں کی بنا کی بھلائی کے لیے روانہ کیا تھا اور اس کی حفاظت کرنے والی ذات اوپر موجود ہے جس کے قبضے میں سب کی جان ہے، میں تو سبھی پہلے صرف ایسا بھونکنے والا نکتا سمجھتا تھا اب پتا چلا ہے کہ تم خود بھی کسی کے

میرے اوپر چبھتے بھی کیس تھے وہ شتم کر دیے گئے تھے۔ ایک بڑے پرائیویٹ میڈیکل سینٹر میں جتنی خان سے خون ریز ٹاکرے کے بعد میں نے جن انجی کاروں سے میجر باجوہ صاحب کے بیٹے کو چھڑایا تھا، نیز مذکورہ اسپتال میں نصب خفیہ سی سی ٹیویں کے سامنے میں نے جس طرح جتنی خان اور اس کے سگ کارندوں کی دہشت گرد کارروائی کو آشکار کرتے ہوئے اسے چودھری ممتاز خان کا مقرب خاص کارپرداز ظاہر کیا تھا وہ میڈیا کے سامنے آچکا تھا۔ لہذا اب حکومتی مشینری پر زور دیا جا رہا تھا کہ جتنی خان جیسے خطرناک مجرم کو پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے ریٹائرز کے حوالے کر دیا جائے، وغیرہ۔

سرمد بابا نے مجھے ایک اور چونکا دینے والی اطلاع بھی دی تھی کہ ایڈووکیٹ خانم شاہ بھی صحت یاب ہو چکی ہیں اور انہیں اس حقیقت کا علم ہوتے ہی کہ نسیم کوٹھی میں زہیر خان کے آدی تارڑ کی گولی کا نشانہ بننے کے بعد میں ہی اسے اپنی جان پر کھیل کر اسپتال پہنچایا تھا اور اس کی جان بچ گئی تھی، اس نے میرے حق میں نہ صرف گواہی دی تھی بلکہ بیرونی بھی کی تھی۔ یوں ان کی اور میجر باجوہ صاحب کی مشترکہ کاوشوں سے میری خصوصی طور پر جبرول ہو گئی تھی۔

گویا اب جتنی خان اور کامران کو میجر باجوہ صاحب کے حوالے کرنا از بس ضروری ہو گیا تھا۔ بہر حال میں نے سرمد بابا سے جلد ملنے کا وعدہ کر کے رابطہ منقطع کر دیا اور عابدہ سے بات کرنے کی کوشش کی مگر نہ ہو سکی۔ اس کے بعد میں نے نسیم صاحبہ سے ساری حقیقت گوش گزار کر دی۔ وہ میرے آئندہ کے لائحہ عمل سے مطمئن اور متعلق نظر آ رہی تھیں پھر وہ اپنے کاروباری و دیگر معاملات میں مصروف ہو گئیں جبکہ میں اول خیر کے ساتھ جتنی خان اور کامران کو ایک کار میں ڈال کر سیدھا ریٹائرز کے ہیڈ کوارٹر پہنچا۔

باجوہ صاحب بڑے پرتپاک انداز میں ہم سے ملے، پھر میں نے انہیں کامران سے متعلق ساری تفصیلات گوش گزار کیں تو وہ غور و فکر کا شکار ہو گئے۔ میں نے انہیں ثریا کے متعلق بھی بتایا کہ اسے اسپیکٹرم والوں کی قید سے چھڑانا لازمی ہو گا، خرید سستی نیز انکشافات کی توقعات انہوں نے کامران سے پوچھ چکے تھے اور میری فتوحات سے وہ خاصے پرجوش نظر آ رہے تھے اور میری فتوحات سے مسرور بھی تھے۔ مجھ سے انہوں نے انگ کمرے میں ایک مختصر آن ٹوون ملاقات بھی کی اور مجھے ایک کارڈ بھی جاری کیا جس میں میری تصویر چسپاں تھی، یہ خصوصی اختیارات کا

کارڈ تھا، یہ کارڈ حاصل کر کے مجھے پہلی بار ایک عمل تحفظ کا احساس ہوا تھا۔ نیز انہوں نے مجھے مختصر انٹریٹنگ کرانے کے لیے وقت بھی مانگا تھا۔ میری یہ انٹریٹنگ بی ایس ایس کے خفیہ تربیتی کیمپ میں ہونا تھی جس میں جدید ہتھیاروں اور اسپاہی آلات اور ڈیوائسز سے لے کے بھاری مشینری کا کنٹرول اینڈ مینجمنٹ سسٹم بھی شامل تھا۔ نیز اس انٹریٹنگ کے بعد میری باقاعدہ رہائش گاہ اور تنخواہ بھی مقرر کرنا تھی، میں ایک وائسنگ کی حیثیت سے "عزازی" طور پر بی ایس ایس میں بھرتی کر دیا گیا تھا۔ اس کے اغراض و مقاصد کا کچھ اشارتی حوالوں سے مجھے پہلے ہی میجر صاحب بتا چکے تھے۔

نیز باقی معلومات مجھے بی ایس ایس کے خفیہ تربیتی کیمپ کے ٹیچر سیشن میں بتانا تھیں۔ وہاں میجر سہیل عاظمی سے ملاقات کرنا تھی۔ باجوہ صاحب نے مجھے کارڈ کے ایک کونے میں بنے مخصوص "پب" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ یہ درحقیقت ایک "سینر چپ" ہے جس کے اندر میرا کھل بانڈو بنانا مع میرے کارناموں کے محفوظ ہے۔ یہ کارڈ مجھے..... میجر سہیل عاظمی کو دینا ہو گا۔ میرے لیے یہ سب کچھ خاصا سستی خیر تھا۔ مجھے لگا تھا میری بھانجی دوڑتی بے مقصد زندگی تو جیسے اب ایک نئی سمت سننے والی تھی مگر ہر دست میں مذکورہ تربیتی کیمپ کو جوائن کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ کیونکہ ابھی مجھے... کچھ ذاتی..... سلسلے میں وزیر جان سے ملنا تھا اور اس کے منہ سے بہت کچھ اگلوانا تھا۔ آخر پتا تو چلتا میں کون ہوں؟ میرا باپ کون ہے؟ میری ماں کہاں ہے؟ ان سارے سوالوں کے جواب مجھے وزیر جان کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا تھا لیکن بات پھر وہی آجاتی تھی کہ گویا ابھی میری جنگ ممتاز خان سے ختم نہیں ہوئی تھی، بلکہ لگتا کچھ ایسا ہی تھا کہ اس کے ساتھ تو اصل جنگ اب شروع ہونا تھی، ایسے میں جبکہ ممتاز خان اور وزیر جان خود ہی ایک بڑی مجرم تنظیم کی پشت پناہی میں آ کر خود کو زیادہ بااثر اور طاقتور سمجھنے لگے تھے، پھر عابدہ سے متعلق اس کی دھمکی بھی خالی ازطلت نہیں ہو سکتی تھی۔ وزیر جان کا معاملہ دوسرا کسی گروہ بھی مجھے ممتاز خان والے معاملے سے زیادہ سمجھ نہیں ہونے لگا تھا۔ اس میں اب نہ میرا خان کہاں منت ہونے والا تھا، یہ آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔ ایڈووکیٹ خانم شاہ سے ملنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ ان سارے معاملات و مکرگوں کو تہ نگاہ رکھتے ہوئے میرے لیے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں بھی اب اپنے سلسلے میں آگے کچھ..... کرتا اور خدا نے ہر خود ہی اس سلسلے

اوارہ گرد

اپنے حقیقہ اور مذموم مقاصد کے لیے ان کی گرفتاری کو شرافت نہیں کرے گا۔

"ہوں... خیر شہزی: تم فکر نہ کرو۔ ان کا جلد پتا چل جائے گا۔"

"میں اب چلوں گا باجوہ صاحب!" میں نے فوراً اٹھتے ہوئے کہا۔ مجھے ایک نئی اور پریشان کن بے چینی نے آن لیا تھا۔

میں اول خیر کے ساتھ نکلا تو وہ میرے چہرے کی لنگر آمیز پریشانی بھانپ گیا کار میں بیٹھتے ہی تو صمیمی لہجے میں بولا۔  
"او خیر... کا کے، تو نے وڈی فور شوہر بنائی ہے۔ بڑے فوجی السرتیر سے دوست بن گئے ہیں۔ پر تو خاصا پریشان بھی نظر آ رہا ہے، آخر کیا بات ہے؟"

میں نے اسے اپنی بی ایس ایس میں شمولیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا نہ ہی ٹرینگ کے متعلق... ہم میں نے اسے ارشد وغیرہ کے تھانہ تک اپ سے پراسرار غیاب کے بارے میں آگاہ کیا تو وہ چھوٹے ہی بولا۔

"میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا وہ رات بخود خورد کین روشن خان کی حرکت کرے گا۔ شہر ہے اس روز تم اس کے ہتھے نہیں چڑھے تھے، ورنہ... وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔"

"اول خیر... اب اس ڈھپٹی روشن خان سے بھی فیصلہ کن دود دہا تھا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور چونکا اس وقت جب میں پولیس ہیڈ کوارٹر کے اندر اپنی جیب لے جا کر کھڑی کر چکا تھا۔ اول خیر کو مجھ سے اس قدر تیزی کی توضیح نہ تھی، وہ فطری طور پر ذرا ہلکا سا گیا مگر پھر ہولے سے "او خیر..." کہہ کر چپ ہو رہا۔

مجھے کار سے اترتے دیکھ کر چند وردی پوش پولیس اہلکار میری طرف بڑھے مگر کسی نے بھی مجھ سے "اڑنے" کی جرات نہ کی۔ ان کے بولنے سے پہلے ہی میں نے سنجیدگی سے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ "مجھے ڈھپٹی روشن خان سے ملنا ہے۔"

"کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہو تم صاحب سے؟" مخاطب نے بھی سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہ میں ان کو ہی بتاؤں گا۔" میں نے بھی اسی لہجے میں کہا تو وہ ہمیں عدالت کے اندر آفیسرز بلاک میں سے آیا اور برآمدے میں بھی ایک لکڑی کی بیچ نما کرسی پر ہمیں چھوڑ کر ڈھپٹی روشن خان کے کمرے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر

میں سمجھ رہا جو صاحب کی صورت یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔ لہذا اب قلابازیاں کھاتے ہوئے میرے ذہن و سما میں بیٹھا ارادہ پختہ ہونے لگا کہ مجھے اس والکنیئر "شمولیت" کو ویکم کہنا چاہیے اور کچھ دنوں کی ٹرینگ پر چلے جانا چاہیے۔

لہذا میں نے باجوہ صاحب سے سنجیدگی کے ساتھ اس سلسلے میں گفتگو کی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ بی ایس ایس والوں کا وہ خفیہ تربیتی مرکز عام ٹرینگ کیسوں سے قطعی مختلف ہے، وہاں ایمر جنسی اور جتنی بنیادوں پر ٹرینگ دی جاتی ہے۔ بہر حال میں نے اس کی ہائی بھری۔ انہوں نے مجھے علی الصبح ہیڈ کوارٹر آنے کا کہہ دیا جہاں ایک بندوین میں مجھے مذکورہ تربیتی کیمپ لے جایا جانے والا تھا۔ اس کے بعد مجھے ڈیٹا ایجنٹ سے کمانڈو کا درجہ دے دیا جاتا۔ باجوہ صاحب سے یہ تفصیلی معاملات طے کرنے کے بعد میں نے ان سے اپنے ساتھیوں ارشد، شوکی اور شکیلہ کی رہائی کے سلسلے میں درخواست کی تو انہوں نے اسی وقت آئی جی صاحب رحمان تیموری صاحب سے ہاٹ لائن پر رابطہ کیا اور مجھ سے حاصل کردہ مختصراً تفصیل ان سے متعلق انہیں گوش گزار کر دی۔ رابطہ منقطع کرنے کے بعد باجوہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ ابھی ان تینوں کے بارے میں پتا کر کے بتائیں گے۔"

میں نے مطمئن ہو کر اشارات میں سر ہلا دیا۔ اول خیر کو کیمپ روم میں بھیجا گیا تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ بے چارہ وہاں اکیلا بیٹھا ہو رہا ہوگا۔

تھوڑی دیر گزری... تیموری صاحب کا فون آ گیا۔ انہوں نے باجوہ صاحب کو ایک چونکا دینے والی اطلاع دی کہ ارشد وغیرہ سرے سے پولیس کے قبضے میں تھے ہی نہیں۔ یہ سن کر مجھے سخت تشویش ہوئی، میں سمجھ گیا اس میں چودھری ممتاز اور ڈھپٹی سپرٹنڈنٹ روشن خان کی ضرور کوئی کمی بھگت ہوگی۔ مجھے شوکی اور باخسوس شکیلہ سے متعلق ایک نئی پریشانی نے آگھیرا اور میں سخت مضطرب نظر آنے لگا۔

تیموری صاحب سے بات کر کے باجوہ صاحب نے مجھ سے کفرم کرنے کے انداز میں پوچھا۔

"آر یو شیور... مسٹر شہزی کہ تمہارے ان تینوں ساتھیوں کو پولیس نے واقعی گرفتار کیا تھا؟"

میں نے سچ مسکراہٹ سے کہا۔ "باجوہ صاحب!... میں دشمنوں کی سازش سمجھ رہا ہوں کہ وہ کیا مخالفت ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میرے تینوں ساتھیوں کو ڈھپٹی روشن خان نے ہی گرفتار کیا تھا اور مجھے اس کا پہلے ہی شہر تھا۔ وہ

کھور رہی ہے... جن کی نگاہ میں قانونی حیثیت مستحکم نہیں  
 مستحکم بھی ہو چکی ہے، چناؤ... جو کہا ہے وہ کرو۔"  
 شو اہلکار کی اکڑوں رخصت ہونے لگی۔ جیلا اس  
 پر انجمن میڈیکل سینٹر والے خوں ریز صحر کے اور میری  
 خصوصی ضمانت، میڈیا کی حمایت اب کہاں ڈھکی چھپی رہی  
 تھی۔ وہ فوراً پلانا اور کمرے میں غائب ہو گیا۔  
 "او خیر... کا کا تو نے تو اس کی چٹون سی میلی کر دی  
 مگر پھر بھی ذرا ہتھ ہولا رکھ... یہ پولیس میڈیکو آرڈر ہے۔"  
 اول خیر نے پھر سرگوشی کے سے انداز میں مجھ سے کہا تو میں  
 نے اپنی روشن خان کے کمرے کی طرف نظر سے جھانکے  
 رکھتے ہوئے کہا۔  
 "اول خیر... ان لوگوں نے بہت پولیس کر دی کرنی  
 اب میری باری ہے۔"

"او خیر... وہ ہولے سے بولا پھر شاہرہ خدیجہ  
 بڑبڑایا۔ "تک ہے آج پھر کوئی تیار ونا پڑنے والا ہے۔" وہ  
 شو اہلکار دوبارہ دایکس آنا دکھائی دیا۔ میری بھانجی نظروں  
 نے دور سے ہی اس کے چہرے کو ٹاڑ لیا۔ وہ اب خاصا  
 پراگندہ نظر آ رہا تھا اور تھوڑی دیر پہلے میں نے اس کی "اکڑ"  
 کے غبار سے سے جو ہوا نکالی تھی، نکلتا تھا شاہرہ روشن خان نے  
 دوبارہ اس کے اندر بھر دی تھی۔ لہذا قریب آ کے گردن اکڑا  
 کے بولا۔

"صاحب کو ایسے کسی قیدیوں کا علم نہیں ہے اور  
 انہوں نے آپ سے ملنے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ دونوں  
 جا سکتے ہو۔"

میں نے مارے طیش کے دانت چیر لیے اور روشن  
 خان کے کمرے کی طرف قدم بڑھانا چاہا تھا کہ اول خیر نے  
 مجھے روک دیا۔ "جس اونے کا کے... کوئی نئی پٹوڑی نہ  
 ڈان دیتا... ابھی چھوڑ بعد میں دیکھتے ہیں، آ..."

وہ مجھے بازو سے تھامے پر آدے سے ہا ہرا ملے  
 میں لے آیا جہاں ہری کار کھڑی تھی۔

"یہ کل پولیس گروہ ہے۔ قانون کی آڑ میں یہ دشمنی  
 کی واردات کو محفوظ دے رہے ہیں... ہمارے تینوں ساتھی  
 برنڈل بنا لیے گئے ہیں اور ہمیں یہ بھی نہیں پتا کہ وہ  
 خدا نخواستہ زندہ ہی ہیں یا نہ... نہیں۔"

میں کار کے قریب آتے ہوئے پھرے ہوئے لہجے  
 میں بولا تو اول خیر نے فوراً ڈرائیونگ سیٹ کے برابر وانا  
 دروازہ کھول کر مجھے اندر سوار کرا دیا اور خود جلدی سے  
 اسٹینڈنگ سیٹ پر براجمان ہونے کے بعد کار اسٹارٹ کر

بعد وہ اہلکار لوٹا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔  
 "صاحب کہہ رہے ہیں کہ آپ کو کس سیٹے میں ان  
 سے ملنا ہے؟"  
 "میرے انہیں بتایا نہیں کہ..."

"ظاہر ہے۔ میں بتا چکا ہوں۔" وہ میری بات  
 کاٹ کر سرد لہجے میں بولا۔ "وہ سب کہہ رہے ہیں کہ ملاقات  
 کی وجہ جاننے کے بعد وہ یہ فیصلہ کریں گے کہ تمہیں ملاقات کا  
 وقت دیں یا نہیں۔" اس کی بات سن کر میرا مارا ایک نئے کو  
 بھنا کر رہ گیا۔ جی میں تو آئی کہ اس شو اہلکار کو پرے دھکیل کر  
 دھچ سے اس راشی اور رہتہ خور روشن خان کے کمرے میں  
 جاھسوں اور اس کا گریبان دیوچ کر اس کے فروہ کی وجہاں  
 پھیرتے ہوئے اس کی اوقات... یا دو دنوں اور شاہ  
 میں ایسا کر بھی ڈالنا، اگر اول خیر... شو اہلکار کی بات پر  
 میرے چہرے کے سگتے تاثرات بھانپ کر مجھ سے سرگوشی  
 میں یہ نہ کہتا۔

"کا کا! ذرا ہولا رہ۔ تیری فتح اور رہائی نے اسے اس  
 یوکس قسم کے فروہ میں جلا کر رکھا ہے، وہ اب ایسے سستے قسم  
 کے ہتھکنڈوں سے اپنی تھڑی لولی برتری ثابت کرنے کی  
 کا کام کوشش کرتا رہے گا۔"

یوں خیر کے ان دور رس جملوں نے جیسے میرے سینے  
 میں کھولتے لاوے پر ڈانہ باری کا کام دینا تھا اگرچہ یہ  
 سرگوشی اول خیر نے میرے کان کے قریب کی تھی مگر شو اہلکار  
 نے یہ سن لی تھی۔ تاک بھول چڑھا کر اول خیر سے بولا۔

"یہاں صاحب کے خلاف کوئی غلط بات نہیں پنے  
 گی۔ اپنے آنے کا مقصد بتاؤ ورنہ چپے پھرتے نظر آؤ۔"  
 اس کی بد پیڑی پر میں دانستہ اسے تا ڈالنے والے انداز  
 میں اس کی طرف دیکھ کر مسترا یا پھر بولا۔

"اپنے صاحب سے جا کر کہہ کہ... ہم ان تینوں  
 قیدیوں سے ملنا چاہتے ہیں جنہیں اس نے اپنی روانی  
 پولیس گروہ دکھاتے ہوئے بیگم ولا سے غیر قانونی دانسنے  
 کے بعد گرفتار کیا تھا۔"

"شت اب... بکواس بند کرو اپنی... شو اہلکار  
 نے میری طرف گھومتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہا تو  
 جواب میں، میں نے بھی اسی لہجے میں چڑھتی ہوئی آنکھوں  
 سے اسے گھور کے کہا۔

"زیادہ بد پیڑی کی جرأت اب مت کرنا...  
 تمہارے اور تمہارے صاحب کے کالے کرتوت میڈیا میں  
 آچے ہیں اور اس وقت بھی میڈیا کی خفیہ آنکھ تمہیں کہیں سے

آوارہ گود

کیوں نہ اٹھایا جائے مگر اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ممتاز خان کے معاملے میں لیا اس میں کو مجبوراً ظاہر ہونا پڑا اور اس کی وجہ "ایکٹرم" ہے مگر میں جانتا ہوں ممتاز خان کم از کم اس معاملے میں ہرزہ سرائی کرنے یا بھونکنے کے بجائے مقابلے کو ترجیح دے گا۔ بہر حال تم یہ معاہدہ اپنے طور پر صل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ اب تم آزاد ہو اور تمہاری حیثیت و شخصیت معاشرے میں مثبت انداز میں ڈیکھ کر ہو چکی ہے۔ اوکے۔"

"تھینک یو! آپ نے یہ کہہ کر میری بھی ایک طرح سے مشکل حل کر دی۔" میں نے کہا۔ باجوہ صاحب میرا اشارہ سمجھ کر بیٹے تھے اس کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔ میں نے مطمئن انداز میں کار کی سیٹ سے سر لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

بیمم ولا پہنچ کر ہم نے بیگم صاحبہ کو یہ بتایا تو انہیں تینوں ساتھیوں کی طرف سے شدید تشویش ہوئی۔ نیز ڈپٹی روشن خان کی اس عمل بددیانتی پر طیش بھی آیا۔ وہ روشن خان پر مادرائے قانون اور اختیارات کا ناجائز استعمال کرنے کا مقدمہ دائر کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں جس سے میں نے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا بیگم صاحبہ، کیونکہ یہ تاریکی کے پردے کے پیچھے ہونے والی جنگ ہے اور اس جنگ میں جو جیتا... وہی سکندر ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے انہیں اپنے طریقے کار سے بھی آگاہ کر دیا۔

گھبل دادا بھی وہاں موجود تھا۔ وہ حسب عادت میری اس تکی ہم جوئی پر "مین سٹج" نکالتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہیوں کے جتے میں دانست ہاتھ ڈالنے والی بات ہوگی، ابھی تو بڑی مشکوں سے ہم نے پولیس سے جان چھڑائی ہے۔ اب پھر آئیل مجھے بارہا وال حرکت ہمیں ممکن پڑ سکتی ہے۔"

"کس نے تم سے یہ کہہ دیا کہ پولیس نے ہماری جان چھوڑ دی ہے؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمارے تین اہم ساتھیوں کو وہ مردود ڈپٹی روشن خان مادرائے قانون غائب کر چکا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ پولیس نے ہماری جان چھوڑ دی ہے۔"

"شہزی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" بیگم صاحبہ نے باوقار لہجے میں کہا۔ "ایک محاذ پر دشمنوں کو شکست قاش مٹنے کے بعد اب وہ ہم سے تاریکی کے پردے میں جنگ مسلما کرنا

کے آگے بڑھادی۔ ہیڈ کوارٹر کے وسیع و عریض احاطے سے نکلنے ہی اول خیر نے کہا۔

"کا کے اپریشان نہ ہو۔ اگر زہر کو زہر ہی کاٹتا ہے تو یہی سہی۔ ہم بھی اس رذیل صفت راتب خورد روشن خان کے لیے لوہے کا چننا ثابت ہوں گے۔"

میں اس کی بات سن کر چونکا۔ "کیا تم بھی وہی سوچ رہے ہو اول خیر، جو میں سوچ رہا ہوں؟"

"او خیر، اب تیرے ساتھ رہتے ہوئے ذہنی ہم آہنگی تو آئے گی نا... وہ مخصوص لہجے میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"روشن خان جس طرح تاریکی میں پولیس گروہ دکھاتا ہے تو ہم بھی راتوں میں قانون کے ایسے جھل رگھولوں کے لیے بہت اچھی درجے کے بد معاشرے ثابت ہوں گے، ذرا رات ہونے دے اس کے صبر پر چڑھائی کریں گے، ایسے تو ایسے ہی سہی۔"

"واہ... اول خیر، جیو میرے پار۔ تم نے میری نس نس میں جوش دوڑا دیا۔" میں نے لیکن ہنکاری بھر کے کہا پھر اچانک مجھے باجوہ صاحب کا خیال آیا۔ عقل نے ترغیب دی کہ اس سلسلے میں باجوہ صاحب سے ضرورت بات کرنی چاہیے کہ ڈپٹی روشن خان کس دھڑلے سے اپنی وردی کا قند استعمال کر رہا تھا، ممکن ہے روشن خان کے خلاف ان کے ذہن میں کوئی کلیو ہو اور وہ اسے بروئے کار لاتے ہوئے اسے ایسا سنبھل سکتا ہے جو اس کی تنزی پر بیچ ہو۔

یہ خیالی آتے ہی میں نے اسی وقت سیل فون سے باجوہ صاحب کی ہاٹ لائن پر ان سے رابطہ کیا اور انہیں ساری صورت حال گوش گزار کر دی۔ وہ چند منیوں کی خاموشی کے بعد بولے۔

"شہزی! بے شک یہ ڈپٹی روشن خان کی ایک غیر قانونی حرکت ہے اور میں بھی یہ سمجھ رہا ہوں کہ اس نے ارشد، شوکی اور شکیلہ کو کس مقصد کے لیے اور کس کے کہنے پر عثمان بنا رکھا ہوگا مگر اس بات کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دیکھو، ہمارے کام کا ایک مخصوص طریقہ کار ہوتا ہے۔ ورنہ اس طرح سول اتھارٹیز میں مداخلت کرنے سے عام عوامی سطحوں میں ہمیں بدنام کیا جائے گا۔ تمہارے کیس کے سلسلے میں بھی میڈیا اتھارٹیز اور چند دیگر ایسی اہم کلیدی شخصیات کو استعمال کرنا پڑا تھا جن سے ہماری خاصی گہری اور یرینہ شناسائی ہے۔ ہمارا ہر قدم ملک اور قوم کے مفاد میں ہی اٹھتا ہے۔ چاہے وہ تاریکی کے پردے میں ہی

جائوس سوسائٹی جسٹس 187 جون 2015ء

Scanned By Amir



کے باوجود کھیل دادا آخری حربے سلسلے آزمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جسے دانے معانے کو وہ نہیں بھولا تھا۔ اور اس کو ایک سنجیدہ ایٹوٹا کر وہ اول خیر کو پچھاڑنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ بیگم صاحبہ کے جواب دینے سے پہلے ہی میں نے کہا۔

”بیگم صاحبہ! میں آپ سے پہلے ہی اول خیر کے سلسلے میں سفارش کر چکا ہوں۔ یہ ایک سچا اور وفادار انسان ہے۔ اس کی پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر اسے معاف کر دینے کی آپ سے عاجزانہ گزارش بھی کرتا ہوں۔“

”یہ صرف تمہارا وفادار ہوگا، ہمارا نہیں۔“ کھیل دادا نے اپنے دل کی میل اگلی۔ ”اس کی حضرت سے ہم بھی اب تک آگاہ ہو چکے ہیں کہ یہ گروہ سے باہر کے لوگوں سے ہی دوستی نبھاتا اور وفاداری کرتا ہے اور یہ بیگم صاحبہ کی حکم عدولی کے ناقابل معافی جرم کا مرتکب ہوا ہے۔ اگر اس کی سزا تجویز نہ کی گئی تو تنظیم میں ایک غلط روایت پڑ جائے گی۔“ کھیل دادا نے کسی گناہ اور مکار پر اسکی ٹوٹی طرح اول خیر کو بیگم صاحبہ کی عدالت میں مجرم ظاہر کرنے کی سعی چاہی۔۔۔۔۔ اس کا یہ کہنا کہ اول خیر ”باہر والوں“ سے وفاداری یاد دلاتی بھاتا ہے تو اس کا اشارہ بلاشک و شبہ میرے اور مجھے کی طرف ہی تھا۔

میں نے کہا۔ ”اول خیر کی وفاداری کسی بھی شک و شبہ سے باہر تر ہے۔ میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔ اپنے حوالے سے نہیں۔۔۔ بیگم صاحبہ کے جاں نثار ساتھیوں کے حوالے سے۔۔۔ اور میں اس بات کی بھی ضمانت دینے کو تیار ہوں کہ اگر خدا غواستہ بیگم صاحبہ پر کوئی برا وقت آیا تو اول خیر مجھے چھوڑ کر بیگم صاحبہ کو ہی ترجیح دے گا۔“

”جذبہ باقی باتیں کر کے تم اپنے جگری یاری کی وکالت نہیں کر سکتے شہزی! یہ کڑے اصولوں کی بات ہے۔“

کھیل دادا زہر پہلے لہجے میں بولا تو میں نے بالآخر بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا۔ مجھے ان کا چہرہ گم سم سا نظر آنے لگا۔ اس پر کھیل دادا نے دوبارہ زہر کی پھٹکار ماری۔

”اول خیر کو مزید آزمانا۔۔۔ دوسرے سوراخ سے سانپ ڈسوانے کے مترادف ہو گا۔ اگر یہ سچا ہے تو اسے چمچے کو ہلاک کر دیتا چاہیے۔“ شاطر کھیل دادا کی اس بات پر مجھے بے انتہا طیش آ گیا۔

”تم خود بیگم صاحبہ کے احکامات کی سختی پاسداری کرتے ہو۔ یہ میں بھی ابھی طرح جانتا ہوں کھیل دادا! تم تو مجھے اس رات کو چڑا بازار کے دربان چوراہے پر کار سے

چاہتے ہیں تو ہمیں اینٹ کا جواب پتھر سے ہی دینا چاہیے۔ ممتاز خان نے اس بار بڑی خطرناک اور گہری چال چلی تھی، ایک طرف مجھے برٹنل بنا لیا دوسری طرف اپنے راتب خور روشن خان کے ذریعے بیگم و لا میں بغیر کسی سرچ وارنٹ کے ریڈ دلوا دی جس کے نتیجے میں وہ شہزی سمیت ہمارے ساتھیوں کو گرفتار کر کے لے گیا جس کا پولیس میں دو روز تک کوئی ریکارڈ نہیں۔“

کھیل دادا نے ہولے سے ہتھمار کر کہا۔ ”بیگم صاحبہ! ڈپٹی روشن خان، چودھری ممتاز کا زرخیز اور ہوش ہے۔ اسی طرح چودھری ممتاز نے اس جیسے جانے کتنے لوگوں کو اپنا کتا بنا رکھا ہوگا۔ ہم کس کس سے لڑتے رہیں گے جبکہ وہ خود سات پر دوں کے پیچھے چھپا ہوا ڈوریاں ہلاتا رہتا ہے۔ لہذا ہمیں روشن خان پر حملہ کرنے کے بجائے چودھری ممتاز کو تارگت کرنا چاہیے۔“

”تمہاری بات بھی کسی حد تک قابل غور ہے۔“ بیگم صاحبہ نے اس کی حمایت میں کہا۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے بولیں۔ ”لیکن ممتاز خان نے اب دسکی ہی نہیں دہرائی کتنے بھی پال لیے ہیں اس نے خود کو کافی حد تک انڈر گراؤنڈ کر رکھا ہے جبکہ ہمارے تینوں ساتھیوں کی بازیابی فوری ایکشن لینے کی متقاضی ہے اور اس سلسلے میں جو شکار ہمارے سب سے زیادہ قریب ہے وہ ممتاز خان نہیں بلکہ ڈپٹی روشن خان ہے۔“

بیگم صاحبہ نے بڑی مضبوط دلیل دے کر کھیل دادا کا منہ بند کر دیا مگر پھر بھی وہ اپنے دل کا بغض نکالے بنا نہ رہ سکا بولا۔ ”ٹھیک ہے پھر۔۔۔ اس مہم جوئی کی کمانڈ میرے سپرد ہوگی۔“

”میرے ہوتے ہوئے تم فیصلہ صادر کرنے والے کون ہوتے ہو کھیل دادا؟“ بیگم صاحبہ نے غمی سے کہا تو وہ جبری طرح گڑبڑا گیا۔ فوراً خفیف ہو کے بولا۔

”م۔۔۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا بیگم صاحبہ۔“

”میں اس کی مکمل عور پر کمانڈ شہزی کے سپرد کرتی ہوں۔ کیا کہتے ہو تم شہزی؟“ بیگم صاحبہ نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا۔

”میں آپ کے اس اعتماد کا مستور ہوں بیگم صاحبہ! میں اول خیر کو ساتھ رکھتا چاہوں گا، اس مہم میں جتنے کم لوگ ہوں اتنا ہی مفید ہوگا۔ ہم دونوں کافی ہوں گے۔“

”بیگم صاحبہ! اول خیر کی حیثیت اب واضح کرنا ہوگی آپ کو۔۔۔ یہ خدار ہے ہمارا۔۔۔ یا ساتھی؟“ ذک اٹھانے

ہوئے ایک طرف تو مجھے خوش کر دیا تھا اور دوسری طرف انہوں نے اول خیر کو درحقیقت کڑی ہی سزا دی تھی۔

یتیم صاحبہ نے اول خیر کی داد فریاد سننا تو درکنار اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ میں نے یتیم صاحبہ سے کچھ کہنا چاہا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہو گئی اور مجھ سے پُرماتنت لہجے میں بولیں۔

”شہزی! میں تمہاری کامیابی کی دعا کرتی ہوں۔ میرے کسی ساتھی کی تمہیں ضرورت پڑے تو کسی کو بھی ساتھ لے جاسکتے ہو یا سوائے بھیل دادا کے۔“ کہیل دادا سمیت اس کے ساتھی بھی احتراماً کھڑے ہو چکے تھے۔

میں نے بھی کھڑے ہو کر یتیم صاحبہ سے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ ”میرے لیے آپ کا ساتھی اول خیر ہی کافی ہے۔“

”خبردار شہزی! آئندہ اول خیر کو ہزار ساتھی کہنے کی غلطی بھی مت کر۔“ وہ فوراً تیز اور برہم لہجے میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولیں اور کمرے سے نکلتی چلی گئیں۔ کہیل دادا ایک فاتحانہ نگاہ ہم پر ڈالتے ہوئے یتیم صاحبہ کا دم چلاتے ان کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ باقی ساتھی بھی ادھر ادھر ہو گئے۔ صرف میں اور اول خیر وہاں رہ گئے۔ میں اپنے چہرے پر تشویش و غم کے آثار لیے اس کی طرف بڑھا اور اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر بولا۔

”ایسا کیا ہوا میرے پار! تو نے تو اتنی سی بات اپنے دل کو گالی؟“ میرا انداز اسے سلی اور حوصلہ دینے کا سا تھا مگر وہ تو جیسے پشیمانی اور کرب جیسی حالت سے دوچار نظر آ رہا تھا۔ وہ کرب آمیز لہجے میں بولا۔

”یہ اتنی سی بات نہیں ہے شہزی! میرے لیے یہ بہت بڑی سزا ہے، یہ تم نہیں سمجھو گے۔“

”میں سمجھ رہا ہوں اول خیر... یہ بات تیرے لیے بڑے صدمے کا باعث بنی ہے مگر میں واقعی اسے چھوٹی سزا سمجھتا تھا لیکن تیری کیفیت اور تیری غمگساری کچھ اور کہانی کہہ رہی ہے۔“ میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ اسی ٹونے ٹونے لہجے میں بولا۔

”ہاں کا کا، یہ واقعی ایک کہانی ہے۔ ایک بڑی کہانی۔“ اس کے گہرے اور عجیب اسرار بھرے انداز نے مجھے انہن میں جھکا کر دیا۔ وہ کسی کہانی کی بات کر رہا تھا۔ کبھی کہانی؟ کیا اول خیر کی بھی اپنی کوئی کہانی تھی؟ جس کی ابتدا یتیم صاحبہ سے ہوئی تھی یا پھر کوئی اور معاملہ تھا؟ کچھ بات تو یہ تھی کہ میں خود بھی ابھی تک اول خیر کے ماضی سے

اتار کر واپس چلے گئے تھے جب پولیس میرے پیچھے تھی، حالانکہ یتیم صاحبہ نے تمہیں کسی بھی صورت مجھے اکیلا نہ چھوڑنے کا سختی سے حکم دے رکھا تھا۔“

”تم ہرزہ سرائی کر رہے تھے۔“ کہیل دادا نے تگڑی لولی تاویل دی اور پھر اس سے پہلے کہ ہم دونوں مزید الجھتے... یتیم صاحبہ کی تھکسات... آواز ابھری۔

”اول خیر کے سلسلے میں بہت پہلے فیصلہ کر چکی ہوں۔ مگر مجھے اسے ظاہر کرنے کا موقع نہ مل سکا۔“

یتیم صاحبہ کی اس بات پر جیسے وہاں موجود ہم سب کے چہروں پر سائلے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بالخصوص اول خیر کا خاموش اور نام نام سا چہرہ مجھے کچھ زیادہ ہی پریشان بنا۔

”میرا فیصلہ بہت مختصر اور حتمی ہے۔“ بالآخر یتیم صاحبہ نے کہنا شروع کیا اور دم بخود سا ماحول جیسے ساعت میں گیا۔ ”وہی تو میں نے اول خیر کے لیے بہت کڑی سزا سوچی تھی مگر شہزی سے اس کی گہری یاری کو دیکھتے ہوئے میں اسے صرف اس قدر سزا دیتی ہوں کہ... اسے اپنے حلقہ و قاداری اور اپنی ہم رکابی سے الگ کرتی ہوں۔ آج کے بعد سے اول خیر کا نہ ہم سے تعلق رہے گا نہ ہمارے معاملات و دیگر امور سے، اور نہ ہی ہمارے گروہ کے کسی اور فی ترین ساتھی سے... شہزی چونکہ ہمارے گروہ سے تعلق نہیں رکھتا اس لیے ہم اس پر شہزی سے تعلق توڑنے کا حکم دینے کا حق نہیں رکھتے۔“

میں نے سکون اور اطمینان کی سانس لی کیونکہ میرے نزدیک اول خیر کی یہ سزا بہت معمولی تھی لیکن جب میں نے اول خیر کی طرف دیکھا تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ یتیم صاحبہ کا فیصلہ صادر ہوتے ہی اس کا چہرہ جیسے دھواں دھواں سا ہو کے رہ گیا۔ اس کی ایک تک یتیم صاحبہ کی طرف مٹی آنکھوں سے انتہائی کرب ناکي جھٹکنے لگی۔

”یتیم صاحبہ! ہم... مجھے آپ کی کڑی سزائوں ہوتی مگر انکی سزا تو نہ دین... آپ بھی جانتی ہیں کہ یہ سزا میرے لیے ہرزہ برگرز معمولی نہیں۔“ بالآخر اول خیر کی غم انگیز کپتالی آواز ابھری۔ میں نے یتیم صاحبہ کی طرف دیکھا۔ میری فطری آبروروشن وانی صلاحیت مجھ پر یہ دور کروا رہی تھی کہ یتیم صاحبہ خود بھی جانتی تھیں کہ اول خیر کے لیے کون سی سزا کڑی سے کڑی ہو سکتی ہے اور انہوں نے گویا وہی کڑی سزا دی تھی مگر وہ میری سمجھ میں نہ آسکی تھی اور میں خوش تھا جبکہ یتیم صاحبہ نے ”دو حق“ ذہانت کا مظاہرہ کرتے

”یار تو فرت نہ کر۔۔۔ میں بیگم صاحبہ سے بعد میں معافی  
ملائی کی بات کروں گا۔ مجھے یقین ہے وہ میری بات رو نہیں  
کریں گی۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے دانستہ اس کی طرف معنی  
خیز نظروں سے دیکھا، مقتصدان کا ہم دور کرنا تھا تاکہ اس کی  
دلی کدورت کچھ کم ہو سکے مگر وہ اسی طرح چمکی چمکی  
سکراہٹ سے بولا۔

”نہیں کا کا! اب تیرا یہ وار بھی شاید کام نہ کر سکے۔ یہ  
اب معاملہ ہے۔“

میں نے اسے بتا دیا کہ بیگم صاحبہ مجھے اپنے وطن اور  
اپنے محبوب مرحوم نسیح شاہ کے بارے میں سب بتا چکی  
ہیں۔ اس نے سن کر ہولے سے سر کو گھٹس ایک جنبش دی تھی۔  
میں نے ایک بار پھر عابدہ سے بات کرنے کی کوشش  
چاہی تو معلوم ہوا سیل فون کی سربلاک کر دی گئی تھی۔ میں سمجھ  
گیا کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی تھی۔ اگرچہ کامران ہماری ہی  
کرنڈی میں تھا وہ ویسے بھی یہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ یوں بھی  
وہ ہم سے تعاون پر آمادہ ہو گیا تھا۔ یقیناً اس کے سیل فون کی  
سہ اس کے کسی تنگ منہ ساتھی کے نام سے ہو گئی جو اس کے  
سرکردہ نے بند کر دوا دی ہوگی۔ اچانک مجھے لینڈ لائن کا خیال  
آیا۔ میں نے لینڈ لائن پر بھونکتے دل سے فون ماریا تو فوراً  
ہلکی ذکورہ اسپتالی کی ایڈمنسٹریٹیشن سے رابطہ ہو گیا۔ میں نے  
تخلیبات کو روم نمبر اور مریضہ عارفہ کا بتاتے ہوئے اس کی  
ساتھ عابدہ سے بات کرنے کا کہا تو ذرا ویر تک بیٹھے  
میڈیک کی آواز آئی رہی اور پھر عابدہ کی آواز ابھری۔

”ہیلو۔“

یہ آواز روح بن کر میرے وجود میں سین دل کے  
مقام پر دھڑکی تھی اور میرے نور سے وجود کو ایک سرشاری  
میں چھوکتی تھی۔ میں نے تڑپ کر عابدہ کو یوں پکارا جیسے وہ  
مجھ سے بخش چند قدموں کی دوری پر کھڑی ہو اور میں بے  
تاہنہ اسے آواز دے کر اپنے قریب آنے کے لیے پکار رہا  
ہوں۔

”عابدہ۔۔۔ کف۔۔۔ کیس ہو تم؟ میں شہزی بات کر رہا  
ہوں۔“

میری آواز سن کر دوسری جانب شاید عابدہ بھی ایک  
نئے کوئی رنگ رہ گئی تھی پھر جیسے وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے  
بولی۔ شش۔۔۔ شہزی! تہ۔۔۔ تم۔۔۔ کہاں ہو؟ اب تک مجھ  
سے بات کیوں نہیں کر سکے؟ تم ٹھیک تو ہو۔۔۔ اہم نہیں  
سلامت رکھے۔۔۔ کتنی صدیاں بیت جاتی ہیں ہونا کب اور  
اندیشہ تک و سہولتیں تم سے بات نہیں ہوتی، کبھی بھی تو

نادانگت تھا، دل تو چاہتا تھا میرا کہ اس سے آج پوچھتی لوں  
مگر اول خیر کی موجودہ ہیئت کڈائی نے مجھے اس کے بارے  
میں کچھ پوچھنے سے مانع ہی رکھا۔ مجھے کیل ڈاؤ پر بھی شدید  
طیش آنے لگا کہ اس بد بخت نے اتنے بھلے موضوع کا رخ  
بدل کر بیگم صاحبہ کی توجہ اس کی جانب مبذول کرادی تھی۔  
اول خیر کو دل جوئی کی ضرورت تھی۔ میں نے جبراً سکرا کے  
اس کا کاندھا تھپتھپایا اور بولا۔ ”جہل یار! اٹھ، نکل یہاں  
سے، جب تک تو ادم رہے گا تیری یہی کیفیات رہیں گی۔“

”شہزی کا کا! میں اب یہاں سے کہاں جاؤں گا؟  
میرا اب کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔“ وہ رندھے ہوئے لہجے میں  
بولا۔ ”شہزی! تو نہیں جانتا بیگم صاحبہ میرے لیے کیا حیثیت  
رکھتی تھیں۔ میں نے انہیں ہر اس روپ میں دیکھا ہے جو  
پابیزہ جذبے اور مقدس احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔  
وہ میری سرپرست تھیں۔ میں نے انہیں مہربان اور شفیق ماں  
کے روپ میں بھی دیکھا۔ عین کے روپ میں بھی اور۔۔۔ اور  
ایک سخت گیری کی صورت میں بھی مگر ان کی سخت گیری  
میں بھی ماں بہت جیسی شفقت ہوتی تھی۔ آج انہوں نے  
مجھے اس سے محروم کر دیا، اپنے سامنے سے دور کر دیا۔“

”جہل! اٹھ، یہاں سے نکل۔“ میں نے اسے بازو  
سے تھام لیا اور پھر ہم بیگم وانا سے نکل آئے۔ اگرچہ مجھے بیگم  
صاحبہ کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ میں ان کی گاڑی  
بھی سٹوں کر سٹا تھا مگر میں نے ذیبا نہیں کیا۔ پتا نہیں  
کیوں اول خیر کی یہ حالت دیکھ کر خود میرا دل بھی اب یہاں  
سے کھٹا ہونے لگا تھا۔

ہم دونوں ٹیکسی میں بیٹھ کر سیدھا سرمد بابا کے گھر  
آئے۔ وہاں کی شریفیال موجود تھی۔ ایک بوڑھا ملازم بھی  
تھا۔ دونوں بے اوراد سماں ہوئی تھے، اور عرصے سے وہاں  
ملازم تھے۔ سرمد بابا دفتر میں تھے۔ تاہم میں نے نہیں اپنی  
آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ وہ بھی کچھ ہی دالے تھے جبکہ  
خرم اور نسیح گھر پر ہی تھے۔ خرم کا پورا نام خرم دانش تھا۔  
اسے پیار سے دانی کہتے تھے اور نسیح کو وکی۔ دونوں نے  
ہمیں ادب سے سلام کیا پھر اپنے کمروں میں چلے گئے۔ میں  
اور اول خیر نشست گاہ میں بیٹھ گئے۔ ہاں ہمارے لیے  
چائے لے آئی تھی۔

”کا کا! میں سمجھتا ہوں بیگم صاحبہ نے بہت غلط وقت  
پر مجھے خود سے انک کر دیا۔ مجھے اپنی گھر نہیں مگر بے شک  
ممتاز خان زندہ ہے وہ خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔“ اول  
خیر کے لہجے میں گھر تھا۔ میں نے اس سے اذرا پیشی کہا۔

حاصل شدہ نشست 190 جون 2015ء

"ارے بابا! اپنے لیے بھی رکمت ہوں اور تم..."  
 "ظاہر ہے میں بھی رکمتی ہوں اپنا خیال۔"  
 "کس کے لیے؟ اپنے لیے یا میرے لیے؟" میں  
 ایک نشے کی سی کیفیت میں بولا۔ اس کی نوخیز کلی جیسی چٹکی  
 آواز میرے کانوں میں رس گھول رہی تھی، امرت بن کر  
 میری نس نس میں سارے تھی، میرے اندر کوسر شاری میں بھگو  
 رہی تھی۔  
 "ہمارے سچ اپنا تمہارا کب رہا ہے شہزی! میرا تو  
 اپنا بھی تم ہو۔ صرف تم۔" وہ محبت سے لہریز لہجے میں بولی  
 بھر جیسے اجانک اس کی چوٹھی ہوئی آواز ابھری۔  
 "شہزی!..."

"ہاں... ہاں کب؟"  
 "تمہیں کبھی اخبارات پڑھنے کا موقع ملتا ہے؟..."  
 "نئی دنیا کی خبریں وغیرہ سنتے ہو؟"  
 "اخبار پڑھنے کا موقع تو خالص خالص ہی ملتا ہے۔ البتہ  
 نئی دنیا دیکھنے کا بھی کبھی کبھی موقع مل جاتا ہے، کیوں خیریت؟"  
 وہ چند ثانیوں کی پُرسوج خاموشی کے بعد بولی۔  
 "امریکا میں ورلڈ ٹریڈ ٹاور سینٹر میں دھماکوں کے بعد یہاں  
 تھیم سسٹم کیونٹی پانچھویں پاکستانیوں کو بہت شک و شبہ کی  
 نظروں سے دیکھا جانے لگا ہے۔ حتیٰ کہ یہاں کی عام عوام  
 بھی چھبستی نظروں سے ہمیں گھورتی ہے۔ دعا کرو میں اور  
 عارفہ لیکن جلد وطن واپس لوٹ آئیں۔"  
 عابدہ کی اس بات پر نہ جانے کیوں مجھے پورے وجود  
 میں ان جانے اور متوقع خدشات کی تشویش بھری لہری  
 سرایت کرتی محسوس ہونے لگی۔ ورلڈ ٹریڈ ٹاور سینٹر کی تباہی  
 سے متعلق خبریں تو جنگل کی آگ کی طرح پوری دنیا ہی میں  
 پھیلی ہوئی تھیں جسے نائن الیون کے طور پر یاد کیا جاتا تھا۔  
 اس سلسلے میں امریکا درون و بردن اپنی تحقیقات میں بھی  
 مصروف تھا۔ تاہم میں نے کہا۔

"ارے بھی تو اس میں تمہیں پریشان ہونے کی کیا  
 ضرورت ہے؟ تم کون سا پیشہ کے لیے امریکا رہے گئی ہو۔  
 یہ فرض علاج کئی ہو اور اب خیر سے لوٹنے والی ہو۔ پھر تمہارا  
 امریکا میں داخلہ بھی بین الاقوامی قوانین کے تحت ہوا ہے۔  
 خواہ مخواہ اس سلسلے میں تمہیں پریشان یا تشویش زدہ ہونے کی  
 کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اسے تسلی دینی چاہی تو وہ  
 بولی۔  
 "وہ تو ٹھیک ہے شہزی! مگر یہاں کی بعض خفیہ  
 ایجنسیوں کے لوگ... غیر ملکیوں سے خواہ مخواہ ہی پوچھ بچھ

سرمد بابا تو بھی تمہاری خیریت کے بارے میں مہم نہیں ہوتا،  
 ایسے میں تو میں بالکل ادھ موٹی ہو جاتی ہوں۔ تم سن رہے ہو  
 ناں... شہزی؟" وہ کہے جا رہی تھی گویا جذبہ بات... میں  
 سنبھے جا رہی تھی۔  
 "عابدہ! تمہارے ہوتے ہوئے بھلا تمہارے شہزی  
 کو کیا ہو سکتا ہے، جس کی دعا میں واقعی اثر پذیر ہوتی ہیں کہ  
 چاہے حالات جس قدر بھی دشمن ہوں ہم ایک دوسرے کی  
 آواز تو سن لیتے ہیں نا... میں بالکل ٹھیک ہوں عابدہ اور  
 اس وقت سرمد بابا کے گھر سے تمہیں فون کر رہا ہوں۔ یہ خوش  
 خبری سنانے کے لیے کہ میں اب قانونی طور پر باعزت رہا  
 ہو چکا ہوں۔"

ایسا میں نے میلوں دور فاصلوں کا کرب بھلیتی عابدہ  
 کی پریشانی اور تشویش کو کم کرنے کے لیے محض نقل تیلی کے  
 لیے کہا تھا ورنہ حقیقت کچھ اور تھی جسے شاید عابدہ بھی محسوس  
 کرتے ہوئے بولی۔  
 "خدا کا شکر ہے مگر شہزی! کیا تمہارے دشمن بھی  
 قانون کی گرفت میں آچکے ہیں؟"  
 "ابھی ایسا نہیں ہوا۔" میں نے ہولے سے کہا۔  
 اسے اندھیرے میں، میں بھی نہیں رکمتا چاہتا تھا۔ تاہم امید  
 افزا لہجے میں بولا۔ "مگر ایک دن وہ بھی ضرور قانون کی  
 گرفت میں نہیں تو خدا کی پکڑ میں ضرور آنے والے ہیں۔ تم  
 ساؤ ٹھیک تو ہونا تم؟ عارفہ کی لہجہ؟ سرمد بابا بتا رہے تھے  
 ان کا آپریشن کامیاب ہو چکا ہے۔ پیڈریٹ بھی قتم ہونے  
 کو ہے پھر تمہارے ویزے کی مدت بھی قتم ہونے والی ہے  
 اور مختصر عارفہ کو اسپتال سے ڈسچارج کیا جانے والا  
 ہے۔"  
 "ہاں، یہ صحیح ہے مگر وہ دن میں عارفہ کو ڈسچارج  
 کر دیا جائے گا اور انہی دنوں ہماری واپسی کی تیاری ہوگی۔  
 سرمد بابا کہہ رہے تھے کہ وہ ہمیں لینے کے لیے خود بھی امریکا  
 آئیں گے۔"

"اچھا۔ یہ تو اور اچھی بات ہوگی۔"  
 "شہزی! تم اپنا خیال رکھتے ہو نا؟" عابدہ نے  
 اجانک بڑی نرمی بڑی محبت سے پوچھا۔ میں جی جان سے  
 مسکرا کے محبت پاش لہجے میں بولا۔  
 "ہاں عابدہ، کیوں نہیں، مجھے معلوم ہے کہ مجھے اپنا  
 خیال رکھنا ہے اپنے لیے نہیں تمہارے لیے۔"  
 "اپنے لیے کیوں نہیں؟" وہ مسکراتے لہجے اور مہکتی  
 شوٹی سے بولی۔

ایک امریکی دوران سفر ایک بار پر رکا۔ اندرا ٹاڈا کا گاہک بنی موجود تھی۔

اس نے بیڑ کا ایک گلاس لیا۔ بارمین نے دو سینٹ کاٹ کے اسے ریڑ گاڑی لوٹائی تو وہ حیران رہ گیا۔

”اتنی سستی بیڑ تو میں نے اپنی زندگی میں نہیں پئی۔“ مسافر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ”اور یہ بیڈ وچ کتنے کا ہے؟“

”پانچ سینٹ۔“ بارمین نے سنجیدگی سے کہا۔ مسافر کا سر پھرا گیا۔ اسکی برائے نام قیمتوں پر کوئی بار چل ہی نہیں سکتا تھا، اس نے پوچھا۔ ”تم اس بار کے مالک ہو؟“

”نہیں، ملازم ہوں۔“ جواب آیا۔

”مالک کہاں ہے؟“

”ادپر... میں ادپر رہتا ہوں۔“

”وہ ادپر تمہاری بیوی کے ساتھ کیوں ہے؟“

”مجھوری ہے۔“ وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ ”میں ڈیوٹی ٹائم پر نیچے آتا ہوں تو وہ آرام کرنے کے بہانے ادپر چلا جاتا ہے۔ اس نے میری زندگی برباد کر دی ہے جواب میں، میں اس کا کاروبار تباہ کر رہا ہوں۔“

سوات سے محمود عباسی کی جوابی کارروائی

کی بہو عارفہ کی طبیعت کا پوچھا۔ وہ بولے۔ ”شہزی بیٹا! اللہ کا شکر ہے اس نے بڑا گرم کیا میری بیٹی پر... ڈاکٹر نے بتیں کے جگر کی کامیاب پیوند کاری کر لی ہے اور کسی متوقع پیکیٹھن کے باعث اسے کچھ دن آبزرویشن اور بیڈ ریٹ پر رکھا تھا۔ اب اسے اوکے قرار دے دیا ہے بس چند دنوں کی بات ہے، دونوں خیر سے لوٹنے والی ہیں۔“

”میری بیٹی عابدہ سے بات ہوئی تھی۔“ میں نے کہا۔ ”وہ بتا رہی تھی کہ آپ خود ان دنوں کو لینے جائیں گے؟“

”ہاں، ارادہ تو میرا یہی ہے بلکہ میرا ایک طرح سے بزنس ٹرپ بھی پینڈنگ میں چلا آ رہا تھا۔ وہاں کے حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ التوا کا شکار ہوتا رہا۔ اب سوچا اسی بہانے ہی چلا جاؤں۔“

”آپ کب جا رہے ہیں پھر؟“ میں نے پوچھا۔ ”دو چار روز میں چلا جاؤں گا۔ اچھا ہوا تم آگے اب

کرتے رہتے ہیں۔ کئی ایک کو تو غائب بھی کر چکے ہیں باسکل ہو! رڈ نامی ایک خفیہ ادارے کا افسر سادہ وردی میں مجھ سے بھی نہیں چکا ہے۔“

”ہاں تو ٹھیک ہے، وہ اپنی عمومی اور ضابطے کی کارروائیوں کو نمٹا رہے ہوں گے۔ تم نے انہیں مطمئن تو کر دیا ہوگا؟“ میں نے کہا۔

”وہ بولی۔“ میں اسے دو تین بار مطمئن کرنے کی کوشش کر چکی ہوں۔ نیز اپنے سفری کاغذات، عارضہ بین سے متعلق... وہ سب کچھ اسے بتا اور دکھا چکی ہوں لیکن چلو چھوڑو تم پریشان ہو جاؤ گے۔ یہ واقعی ضابطے کی کارروائی ہی نمٹا رہے ہوں گے۔“ عابدہ نے کسی خاص بات کا انکشاف کرتے کرتے ایک دم اپنی بات بدلی تو مجھے تشویش ہوئی، فوراً بولا۔

”نہیں عابدہ! مجھ سے کچھ مت پھپھاؤ... لیکن کیا تم کیا بتانا چاہ رہی تھی، مجھے بتاؤ... پلیز۔“ میرے تشویش بھری اصرار پر باآخروہ بولی۔

”شہزی! سرد بابا نے مجھے اس قسم کی گفتگو فون پر کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا تھا۔ ان کے خیال میں امریکا کے حالات کے پیش نظر کچھ مخصوص کالز ریکارڈ یا ٹریس کی جارہی ہوں۔ اگر ہمارے منہ سے کوئی اسکی ویسی بات نکل گئی تو... وہ کسی شے کے پیرائے میں یہاں کی ایجنسیوں کے لیے ٹھک کا باعث نہ بن جائے... میں تو یہاں رہتے ہوئے روزانہ ہی اخبار پڑھتی اور ٹی وی دیکھتی ہوں۔ مجھے حالات کا یہ خوبی اندازہ ہے۔ میرا خیال ہے بس تم دعا کرو ہم خیریت سے وطن واپس پہنچ جائیں۔“

اس کی بات درست تھی۔ میں نے بھی اصرار نہ کیا مگر مجھے عابدہ کی باتوں نے نہ معلوم سی تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ پتا نہیں وہ باسکل ہولارڈ نامی اس شخص کے بارے میں کیا انکشاف کرنا چاہ رہی تھی، تاہم میں یہ سوچ کر کچھ مطمئن بھی تھا کہ ہمارا ایسا کسی سے کوئی تعلق نہ تھا جو کسی تشویش یا مصیبت کا باعث بنا۔ میں نے تموزی وری تک ادھر ادھر کی باتیں کیں اس کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔

اس دوران سرد بابا بھی آگئے۔ مجھ سے من کر وہ بہت مسرور اور مطمئن ہوئے۔ اول خیر کو بھی وہ میرے دوست کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔

کافی دنوں بعد سرد بابا کے ساتھ آج تفصیلی نشست جمی تھی۔ وہ بہت خوش تھے اور بار بار عابدہ کے خوالے سے میرا شکر یہ بھی ادا کرتے جا رہے تھے۔ میں نے ان سے ان

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

شاید واقعی جلد نکل جاؤں۔“

”یہاں آپ کے کاروبار کی دیکھ بھال کون کرے گا؟“

”جمال الدین میرا بہت پرانا اور قابل اعتماد آدمی ہے۔ وہ بیک وقت میرا جی ایم بھی ہے اور پی اے بھی... بلکہ مشیر بھی۔ تم شاید جمال سے نہیں ملے ہو۔ دانی اور علی تو اسے انکل کہتے ہیں۔ دونوں مانوس ہیں اس سے۔“

”جی، خدا تو تمہیں ہوں جمال صاحب سے لیکن غائبانہ تعارف ہے میرا ان سے۔“

”شہزی بیٹا! اب یہ بھانگم دوڑی چھوڑو اور آرام سے میرے پاس رہو۔ عارفہ اور عابدہ بھی خیر سے جلد لوٹنے والی ہیں۔ اتنا کہہ کر وہ چند ثانیوں کے لیے حمسے بھر ایک گہری ہنسی خارج کرتے ہوئے بولے۔

”شہزی بیٹا! میری بڑی خواہش ہے کہ میں خود تمہاری اور عابدہ کی بڑی دھوم دھام سے شادی کروں۔ بالکل اسی طرح جیسے میں نے کئی سال پہلے بڑی محبت اور... چاہ سے اپنے انکل سے بیٹے محمود کی نکاحی کی۔ اپنے مرحوم بیٹے کو یاد کر کے ان کا لہجہ اُڑا دیا گیا۔ یوزمی آنکھوں میں می اتر آئی۔ سرد بابا ایک ہمدرد اور عظیم انسان تھے۔ میری تو ان سے اطفال گھر میں بہت پرانی شناسائی تھی، اس وقت جب میں خود ایک بچہ تھا۔ آفرین ہے اس یوزمے شخص پر جس نے اپنی اولاد کی خاطر سب کچھ کیا مگر ان کے سگے بیٹے محمود نے ان کے ساتھ ایسا ساخا کا نہ برتاؤ کیا تھا۔ انہیں گھر سے ہی بے دخل کر دیا اور سب کچھ بڑی چالاقی سے اپنے نام بھی کروا لیا۔ یقیناً اس میں محمود کی بیوی عارفہ کی بھی سگھائی پڑھائی کا دخل رہا ہوگا۔ مجھے یاد تھا۔ اطفال گھر میں جب پہلی بار سرد بابا سے میرا سامنا ہوا تھا اور انہوں نے مجھے اپنے بیٹے اور بہو (محمود اور عارفہ) کی بے بسی کے بارے میں بتایا تھا تو مجھے بھی دکھ ہوا تھا۔

بہر حال سرد بابا کی شادی والی بات پر میں نے بھی ان کی دل جوئی میں کہا۔ ”ہاں بابا! میں بھی آپ کے مرحوم بیٹے محمود کی طرح ہی ہوں۔ عابدہ بھی آپ کی بیٹیوں جیسی ہے۔ ہماری شادی آپ ہی اپنے دست مبارک سے کریں گے۔“

میری بات پر سرد بابا کے بوڑھے چہرے پر مسرت و خوشی کے تاثرات اُٹ آئے پھر بولے۔ ”شہزی بیٹا! لیکن کہو گے میری بات کا... میں اس وقت جس پر سب سے زیادہ اہتمام اور بھروسہ کرتا ہوں... وہ صرف اور صرف تم

اور عابدہ ہی ہو۔ تمہارے علاوہ میں عابدہ کا بھی دل سے مشکور ہوں۔“

میں نے مسکرا کر کہا۔ ”بابا! آپ ہمیں اپنی اولاد کی طرح بھی دیکھتے ہیں اور پھر شکر یہ جیسے الفاظ کہہ کر مجھے شرمندہ بھی کر رہے ہیں۔“

میری بات پر سرد بابا نے ہاتھ پٹا ہنس پڑے۔ ”تم بھی ہر بات پکڑ لیتے ہو۔ ارے بھئی شکر یہ ادا کرنا تو ہمارا فرض بنتا ہے۔“ اس کے بعد ہم سب نے مل کر کھانا کھایا پھر میں اولیٰ خیر کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

مجھے اب ایسا لگتا تھا جیسے اول خیر کا ہی نہیں بلکہ میرا بھی آج سے بیگم و نڈ اور بیگم صاحبہ سے تعلق ختم ہو گیا تھا۔ اول خیر کے سلسلے میں بیگم صاحبہ نے جو فرمان جاری کیا تھا، وہ نامناسب تھا۔ میرے خیال میں اس وقت بیگم صاحبہ سمیت ہم سب ہی حانت جنگ میں تھے۔ ان حالات میں بیگم صاحبہ کا اول خیر کو اپنے گردہ اور اپنے ٹھکانے سے بے دخل کرنا نامناسب تھا۔ یوں تو چودھری ممتاز صرف بیگم صاحبہ کا ہی نہیں ہمارا بھی دشمن تھا اور ہم اس جنگ سے مت نہیں موڑ سکتے تھے لیکن باوجود اس کے بیگم صاحبہ کے اس فیصلے سے میں بھی اب خوش نہ تھا۔

اول خیر نے مجھے سوچنا پکڑ پکڑا دیا۔ ”کیا سوچ رہے ہو کا کا؟“

”مجھے بیگم صاحبہ کا فیصلہ سخت ناگوار گزارا ہے۔ انہوں نے یقیناً کھیل داوا کے کہنے اور دباؤ پر ایسا کیا ہے۔“ میں نے غل سے کہا۔

”او خیر... نہیں کا کا! بیگم صاحبہ کے اپنے کچھ اصول ہیں۔ وہ خود بھی ان سے اعتراف نہیں کرتیں مگر مجھے سب سے زیادہ فکر تمہاری ہے اور...“ دو کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ میں نے قدر سے چوتھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔

”اور کیا؟“

”مجھے تمہاری زیادہ فکر ہے کا کے۔“ اس نے جیسے یہ دم بات بنانے کی کوشش چاہی تو میں مسکرا کر اس کی طرف دیکھ کے بولا۔

”میری فکر کرنے کی بھلا تمہیں کیا ضرورت ہے۔ تم میرے ساتھ ہو۔“

”او خیر... کا کا! میری جان تم پر قربان۔“ وہ مخصوص لہجے میں یار باش انداز سے بولا۔ ”مگر شہزی کا کا! تو بیگم صاحبہ سے تعلق مت توڑنا...“ مجھے ابھی شاید ان کی ضرورت پڑتی رہے گی۔“

تھی۔“

”ہاں، بول کیا بات ہے؟“ وہ پورے دھیان سے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا تو میں نے اسے وزیر جان اور ایکسٹرم سے متعلق مزید تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ اول خیر نے سن کر سناٹے میں آ گیا کہ میں نے اپنے باپ کا پتا لگا لیا تھا لیکن... اس کی میرے ساتھ بے حسی اور بے درنی اپنی جگہ نہ صرف برقرار تھی بلکہ وہ تو میری جان کا بھی دشمن بنا بیٹھا تھا۔

”پھر وہ خیر باپ نہیں ہو سکتا شہزی کا کہ! یہ کوئی اور ہی معاملہ ہے۔“

اول خیر نے فوراً تہرہ کیا تو میں نے پُرسوج لہجے میں اپنے سر کو ٹھیکیں جنبش دیتے ہوئے اس کی تائید میں کہا۔ ”ہاں اول خیر! مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ وہ میرا باپ نہیں ہو سکتا مگر یار! میں تو اسے اپنے بچپن سے ہی دیکھتا آیا ہوں۔ مجھے تو اپنی سگی ماں کا بھی نہیں معلوم... میں نے تو سب کچھ اسے ہی اپنا سمجھا تھا۔ یار... پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وزیر جان میرا باپ نہیں ہو؟ اگر وہ میرا باپ نہیں تھا تو پھر وہ جب سے اطفال گھر چھوڑ کے گیا تھا تو ممکن کیوں ہوتا تھا؟ اپنے لخت جگر کی جدائی میں پھر کیوں اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے؟ اگر وہ میرا باپ نہیں ہے تو پھر کون ہے میرا باپ؟ یہ آخر کیا راز ہے؟ میرا اصل باپ کہاں ہے؟“ میرا لہجہ رقت اور جذباتی ہونے لگا۔ اول خیر مجھے غم زدہ پا کر اپنے بندے سے اٹھ کر میرے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اپنا ایک ہاتھ میرے کندھوں پر پھیلا کے بولا۔

”اول خیر... کا کہ! تو تو ایک دم جذباتی ہو جاتا ہے، میرے یار۔“

”یہ محض جذباتیت نہیں ہے اول خیر۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ میری بیچان اور میری شناخت کا معاملہ بھی ہے۔ میں اپنی ذات کے شخص کو اس وقت تک نامحسب ہی سمجھوں گا جب تک اس راز سے پردہ نہیں اٹھ جاتا کہ اگر وزیر جان میرا باپ نہیں تھا تو پھر وہ سب کیا تھا؟ اور کیوں تھا؟ ماں کا تو مجھے بتایا تھا کہ وہ سوتیلی سگی میری... تو کیا... تو کیا... اول خیر... میرا باپ بھی سوتیلا... مگر کیسے؟ یہ سب کیا ہے... کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں... اول خیر۔“ میں نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اول خیر کو میری اس اعصاب زدہ کیفیات پر یک دم تشویش ہونے لگی۔ وہ مجھے سنبھال دینے کی کوشش کرنے لگا اور بولا۔

”شہزی کا کہ! خود کو سنبھال یار، ارے تو تو بڑے

”بہت بڑی بات کر دی تو نے اپنے شہزی کا کہ سے اول خیر۔“ میں نے یک دم سخی سنجیدگی سے کہا تو وہ بے چارہ میرے بدلے ہوئے لہجے پر پریشان سا ہو گیا۔ میرا چہرہ نکلتے ہوئے بولا۔

”کیا ہوا کا کہ؟ میں نے ایسی کیا بات کہہ دی ہے تجھ سے؟“

”تم اتنا عرصہ میرے ساتھ رہے ہو اول خیر، کیا اب بھی تم مجھے نہیں سمجھ سکتے؟ کیا تم مجھے اتنا ہی کمزور اور بے بس سمجھتے ہو کہ میں سہاروں کی تلاش میں رہتا ہوں؟ یہ ٹھیک ہے کہ ابتدا میں چند وقتی اور مشترکہ مجبوریوں کے باعث مجھے بیگم صاحبہ اور اس کے آدمیوں سے اخلاق کرنا پڑا۔ مگر کیا تم نے دیکھا نہیں کہ...“ میں کچھ سوچ کر رکا پھر ایک گہری سانس خارج کر کے بولا۔ ”اب میں اور کیا کہوں؟ یہ پھر احسان جتانے والی بات نہ ہو جائے۔“

”اول خیر... کا کا! میں سب سمجھ رہا ہوں اور دیکھتا بھی آیا ہوں۔“ اول خیر بے جگر مسکراہٹ سے بولا۔ ”بیگم صاحبہ کو بھی اس حقیقت کا یہ خوبی علم ہو گا کہ اس کے مقابلے میں تمہارے ان پر احسانات زیادہ ہیں۔ تم نے اپنے دل بوتے اور اپنے زور بازو پر بیگم صاحبہ کے لیے بے جبری ہے وہ کچھ کیا ہے جو ہم بھی... میرا مطلب ہے اس کے سامنے بھی ان کے لیے نہیں کر سکتے تم نے تنہا اپنی جان پر کھیل کر بیگم صاحبہ کو چودھری ممتاز خان اور اس کے خطرناک گروہ... بہن ذکیت کے چنگل سے نہ صرف بچزایا بلکہ اسے واصل جہنم بھی کر ڈالا لیکن کا کہ! میرے کہنے کا مقصد ہتھیار اور تہا، یہ زندگی ہے اور زندگی ہمیشہ ایک سی نہیں گزرتی، یہ ہمیشہ الٹ پلٹ کا شکار رہتی ہے، ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت انسان کو پڑتی رہتی ہے۔“

میں نے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اول خیر! میرے لیے تمہاری یاری ہی کافی ہے۔ پھر اللہ بھی تو میرے ساتھ ہے۔“

”بے شک۔“ وہ بولا۔ ”تیرے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے میرے سونے شہزی کا کہ... پھر یار! میں پھر بھی تجھ سے کبھی کہوں گا کہ تو بیگم صاحبہ سے تعلق مت توڑ ابھی۔“ اس کی بات پر میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”اول خیر! اپنی بات ہے کہ مجھے تیرے سلسلے میں بیگم صاحبہ کے اس فیصلے سے سخت اختلاف ہے۔ اب میرا دل خراب ہونے لگا ہے ان سے۔ اب اس موضوع کو ادھر ہی دفن کر دے... مجھے تجھ سے ایک اور ضروری بات کرنی



گئے۔ اس کی بات پر میں نے ہولے سے اپنے سر کو اٹھائی  
جنش دی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح نیند پوری کر کے ہم بیدار ہوئے۔ ناشتا ہم  
سب نے اٹھنے کیا۔ اس دوران سرہ بابا نے مجھے امریکا  
رواگی کے پروگرام سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس سلسلے میں  
انہوں نے مجھ سے گزارش کی تھی کہ ان کی اور عابدہ وغیرہ کی  
امریکا سے واپسی تک میں ان کی کوئی میں ہی متیم رہوں۔  
ناشتے سے فراغت کے بعد دونوں بچے اسکول روانہ ہو گئے  
جبکہ سرہ بابا دفتر جانے کی تیاری کرنے لگے کہ اچانک  
امریکا سے انہیں لینڈ لائن پر ایک کال موصول ہوئی۔ میں  
چونک سا گیا۔ وہ فون پر باتیں کرنے لگے۔ میں نے اندازہ  
لگایا وہ کسی سے بڑی تجیدہ نوعیت کی گفتگو کر رہے تھے۔ ان  
سے کچھ پوچھا جا رہا تھا۔ یہ گفتگو بگ بگ نصف گھنٹے تک  
جاری رہی۔ یہ ساری گفتگو انگریزی میں ہوتی رہی تھی جس  
سے میں نے اندازہ لگایا کہ دوسری طرف سے کوئی غیر شاہ  
ہی سرہ بابا سے مخاطب تھا۔ روت عابدہ یا عارف سے وہ اردو  
میں ہی گفتگو کرتے تھے۔

گفتگو کے دوران میں نے سرہ بابا کی زبان سے  
باسک ہولارڈ... کا بھی ذکر سنا تو مجھے ایسا کئی ایک نامعلوم  
سی تشریح نے آن لیا۔ کیونکہ یہ نام میں عابدہ سے گفتگو کے  
دوران بھی سن چکا تھا جو امریکا کے کسی خفیہ ادارے سے تعلق  
رکتا تھا۔

رابطہ منقطع ہونے کے بعد سرہ بابا کے چہرے پر بھی  
مجھے کچھ تبصیر آمیز نظر کے آثار نمودار ہوتے محسوس ہوئے  
تھے۔

”کیا بات ہے بابا! کون تھا؟ آپ خاصے پریشان  
سے نظر آ رہے ہیں۔ فحیرت تو ہے ناں؟“ میں نے پوچھا تو  
وہ اپنی پریشانی کو زبردستی کی مسکراہٹ میں چھپانے کی  
کوشش کرتے ہوئے بولے۔

”کوئی خاص بات نہیں شہزی بیٹا! بس وہ ذرا امریکا  
میں آج کل کچھ حالات ایسے ہیں، تاہن انہوں نے واقعے  
کے بعد سے وہاں بعض غیر ملکیوں کے سلسلے میں کڑی نگرانی  
اور پوچھ پچھ کی جارہی ہے۔ تو ایک معمولی کی کنفرمنشن عارف  
بیٹی اور عابدہ بیٹی سے متعلق مجھ سے کی گئی تھی۔ میں نے انہیں  
مطمئن تو کرنے کی کوشش کی ہے۔ عارف یہ فرض علاج وہاں  
مقیم ہے اور عابدہ اس کی دیکھ بھال کے سلسلے میں اس کے  
ساتھ رہے گی۔ آپ لوگ بے شک ان کے کاغذات کی

مضبوط دل گردے کا آدمی ہے۔ میں ہوں تیرے  
ساتھ... اور وزیر جان بھی سرائیکس ہے۔ تو نے اس کا ٹھکانا  
دیکھ ہی رکھا ہے ناں... جس وقت کہے گا جا کے اس کی  
گردن دبوچ کے ساری اگلی پچھلی حقیقت انکوائس کے اس  
کے منہ سے۔“

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اپنی ذات کے تشخص اور  
شناخت کے معاملے میں میرے جیسے مضبوط اور آہنی  
اعصاب کا نوجوان... یہ سب باتیں سوچ کر نونٹے اور  
بکھرنے لگا تھا مگر اول خیر کی دل جوئی سے بھی مجھے بڑی  
زحار ملتی تھی۔ اس نے وہی کچھ کہا تھا جو کل سے میرے  
ذہن میں ”پلان“ تھا بلکہ میں نے تو ثریا سے ملاقات کے  
بعد ہی سے یہ پختہ عزم کر رکھا تھا کہ اب مجھے وزیر جان سے  
بھی دو دو ہاتھ کرنا پڑے تو میں جیسے ہرگز نہیں ہنوں گا۔

میں نے ایک گہری ہسکاری خارج کرتے ہوئے  
اول خیر سے کہا۔ ”میرا دل بھی وزیر جان سے دو دو ہاتھ  
کرنے کے لیے بے چین ہو رہا ہے اول خیر! پر مجھے اس کا  
ابھی تک موقع نہ مل سکا اور میں بد قسمتی سے یکے بعد دیگرے  
اور ہی حالات سے دو چار رہا۔“

”اب تو بے غم ہو جا کاے! ٹھکانا تو نے دیکھ ہی رکھا  
ہے۔ صبح تڑکے تیرے روانہ ہو جاتے ہیں۔ سائیڈال کی  
طرف...“ وہ بولا۔

”کرنا تو اب یہی پڑے گا مگر یا اس معاملے میں  
کچھ ٹیز ہے۔“

”کیسی ٹیز ہے؟“ اس نے ابھی ہوئی نظروں سے  
میری طرف دیکھا۔

”وہ دنیا کے دکھاوے کے لیے بظاہر ایک صنعت کار  
ہے لیکن درحقیقت وہ کسی ”ایسیکٹرم“ نامی بین الاقوامی گروہ  
کا ایک اہم عہدے دار بھی ہے جسے ان کی اصطلاح میں  
”اسٹیشن چیف“ کہا جاتا ہے۔ ثریا کے مطابق یہ ایسیکٹرم  
میں مقامی سطح کا ایک بڑا عہدہ گردانا جاتا ہے۔ پاور والوں  
کو بھی اس کی ہونٹ پڑ چکی ہے۔ وہ بھی اسے میرے ذریعے  
شکار کرنے کا ارادہ رکھے ہوئے ہے۔ مگر پہلے میں وزیر  
جان کو شکار کرنا چاہوں گا۔ اس مقصد کے لیے میں نے ابھی  
سیخرج باجوہ صاحب کو بھی اس سلسلے میں زیادہ تفصیل نہیں بتائی  
تھی۔“

”یہ تو نے بالکل ٹھیک سا شہزی کا ہے!“ اول خیر  
یک دم مچ جوش ہوتے ہوئے بولا۔ ”تو ٹھنک کر... نیند  
پوری کر لے... کل صبح سائیڈال کی طرف نکل جائیں

جناسوس ڈائجسٹ [196] جون 2015ء

جانچ پڑتا ہے، وغیرہ۔“

”مجھے عابدہ نے بائبل ہولارڈ نامی ایک امریکی اٹلی جنس ایجنٹ کے بارے میں بتایا تھا۔“ میں نے کہا اور پھر عابدہ سے اس سلسلے میں کی ہوئی گفتگو کے بارے میں انہیں بتا دیا تو وہ ہنسنے ہوئے بولے۔

”شہزی بیٹا! یہ امریکی تو اپنے باپ پر بھی شک کر سکتے ہیں ہم کیا شے ہیں۔ وہ کے انجوائے پور سیلف... میں چلتا ہوں۔“ کہتے ہوئے سرد بابا چلے گئے۔

اب میں اور اول خیر کوٹھی میں تیار ہو گئے۔ ہمارا ارادہ پہلے روشن خان والی ہم کے لیے روانہ ہونے کا تھا مگر میں اس سے پہلے میجر باجوہ صاحب سے ایک ملاقات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ایٹا ٹرینگ کو سر دست موخر کرنے کے سلسلے کے علاوہ ان سے پوچھنا تھا کہ کامران نے انہیں اب تک اسپیکٹرم اور بالخصوص ٹریا کے بارے میں کیا بتایا جبکہ اول خیر کا ارادہ تھا کہ ابھی میجر صاحب سے ملاقات کو موخر رہنے دیا جائے یہ بعد میں بھی ہو سکتی تھی، پہلے روشن خان اور وزیر جان کا معاملہ ٹھنڈا بنا چاہیے۔

”نہیں اول خیر۔“ میں نے اس کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے گہری سہنت سے کہا۔ ”مجھے ٹریا کے سلسلے میں کنٹریشن درکار ہے۔“

”وہ تو ہم وزیر جان کی گردن دیوچ کر بھی اگوا سکتے ہیں۔“

”نہیں اول خیر، میجر صاحب سے ملاقات ضروری ہے، آؤ۔“ میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”ادخیر کا کے، اتنی جلدی نہ دکھا۔ ذرا ہولارہ۔ دمن باہر ہنری گھات میں ہو سکتے ہیں۔ ذرا تھوڑے سے بدل کر ہی باہر نکلیں گے۔“ میں نے سکراتے ہوئے کہا۔

”سردیوں کی آمد شروع ہو گئی ہے۔ اوپر گرم چادر ہی ڈال لیتے ہیں۔ ٹی الحال یہی دہی طریقہ اپنانا پڑے گا۔“

”پارکاس کے اتو ادھر ہی فون پر باجوہ صاحب سے بات کیوں نہیں کر لیتا۔“

”نہیں اول خیر، انکی باتیں فون پر نہیں کی جا سکتیں۔“

”اوہیل پھر آگے ٹک۔“ وہ بولا۔

ہم نے گرم چادریں اڈھ لیں اور پوری احتیاط کے ساتھ کوٹھی سے باہر نکل آئے۔ اگرچہ کوٹھی کے پورچ میں ایک گاڑی کھڑی تھی مگر میں دانستہ سرد بابا کی کوئی گاڑی اس

مقصد کے لیے استیمان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہم بڑی محتاط روی کے ساتھ کوٹھی سے نکلے اور فوراً ہی ایک فیکسی کر کے ریجنرل کے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم دانستہ کوٹھی سے خاصی دیر سے روانہ ہوئے تھے اور ٹیج کے کافی دیر بعد نکلے تھے۔

وہاں پہنچے تو میجر ریاض باجوہ کو اپنا ہی بے چینی سے خطرہ پایا۔ اول خیر ان کے لیے اجنبی تو نہ تھا مگر وہ اس کے سامنے کوئی اہم بات کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہے تھے، وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے گئے۔

یہ سادہ سا کمرہ تھا جہاں سادہ سا ہی مختصر فرنیچر تھا۔ یہ وہی روم تھا جہاں گل ہم نے بیٹھ کر دن نو دن ملاقات کی تھی۔ درمیان میں گول ٹکڑی کی بغیر پوش کی میز تھی اور تین کرسیاں۔ ہم آسنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ باجوہ صاحب یہ غور میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولے۔

”شہزی! میں سمجھتا ہوں ٹک اور قوم کو تمہارے جیسے دلیر اور پُر عزم نوجوان پر فخر ہونا چاہیے۔ تم شاید نہیں جانتے کہ چودھری ممتاز سے اپنی ذاتی جنگ کے دوران نادانستہ طور پر ایک بڑی اور ٹیک جنگ کے میدان کے شہسوار بن چکے ہو جس پر پوری قوم، ملک اور امت مسلمہ کی بقا کا دارومدار ہے۔“

وہ ذرا تھمے۔ میں پورے دھیان اور غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ میں ابھی ان کی بات کا مطلب نہیں سمجھ پایا تھا۔ انہیوں نے پوچھا۔

”شہزی! تم آج تک ممتاز خان کے ساتھ اس جنگ میں پوری دلیری کے ساتھ اور مستقبل مزاحمتی سے ثابت قدم رہے ہو جو تمہاری اس کے ساتھ ذاتی جنگ ہے۔ مجھے بتاؤ تمہارا اپنا دل ملک و قوم کے لیے کتنا دھوکا ہے۔ تمہارا دل وطن عزیز، پاکستان کی سلامتی اور امت مسلمہ کے لیے کس قدر دھوکا ہے؟“

میجر باجوہ صاحب کے اس سوال پر میرے چہرے پر بڑی پرجوش اور پُر عزم مسکراہٹ ابھری تھی اور پھر میں نے اس لہجے میں کہا۔ ”میجر صاحب! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میرا بچپن اور پھر کسی حد تک لڑکپن ایک قلاحی ادارے میں گزارا ہے۔ نیک ایسا بچہ یا لڑکا جو ابتدا ہی اس طرح کے کڑے حالات سے دوچار رہے تو اس کے اندر فطری اور نفسیاتی طور پر کچھ صلاحیتیں وقت سے پہلے ہی بیدار ہونے لگتی ہیں۔ ان میں کچھ تو فطرت کا بھی حصہ ہوتی ہیں اور کچھ قدرتی طور پر روایت ہوتی ہیں پھر گزارنے وقت کے ساتھ

جاسوسی ڈائجسٹ [198] جون 2015ء

Scanned By Amir

تفہیہ مقاصد اور اس کی اصلیت کے بارے میں جان کاری حاصل ہو جائے گی لیکن انہیں ایسا نہ ہو سکا۔

”کیا مطلب میجر صاحب؟“ میں نے چونک کر سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ ”کیا کامران نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا ہے؟“

”نہیں۔“ میجر باجوہ نے نئی میں سر ہلایا۔ ”کامران جیسے ویسی ڈاؤٹ یا ایجنٹوں کو اسپیکٹرم محض ایک نشوونما کی طرح استعمال کرتی ہے۔ انہیں کچھ زیادہ جان کاری نہیں ہوتی۔ وہ بس روپے پیسوں اور پڑھیں مراعات کے لیے ان کے آگے سر جھکانے والے محض حکم کے غلام ہوتے ہیں اور وہ بس اس میں ہی خوش اور مسرور رہتے ہیں۔ لیکن کامران کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ اس کے اندر بہر حال یہ تجسس کیلئے رہتا تھا کہ آخر اس بات کا پتا تو چلنا چاہیے کہ آخر ”اسپیکٹرم“ سے کیا ہلا؟ اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ جو ظاہر ایک بین الاقوامی مجرم تنظیم کا ”شوآؤٹ“ کرتی ہے لیکن وطن عزیز میں آخر اس کے وہ کون سے خفیہ مقاصد ہیں؟ بقول کامران کے اس نے اپنی ہی محنت و کوشش سے اور جو کام اسے تنظیم کے ذریعے سونپا جاتا تھا اس سے کامران کو ایک حد تک ایسا اندازہ ہو پایا تھا کہ اسپیکٹرم عالمی سطح کے ایسے معاملات میں ملوث رہتی ہے جس سے کسی ایک ملک کو نقصان اور دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ علاوہ ازیں اسپیکٹرم کے اپنے کالے دھندے بھی چلتے رہتے ہیں مگر کامران نے ایک آخری بات بتا کر ہمیں چونکا نے کے ساتھ تشویش میں مبتلا ضرور کر دیا ہے وہ ہے۔ ”بلیو تھی۔۔۔“

میجر باجوہ اتنا بتاتا کر خاموش ہوئے۔ میں اس عجیب نام پر ایک بار پھر الجھ کر رہ گیا۔ وہ آگے بولے۔ ”اس کے بارے میں بھی کامران کچھ زیادہ جان کاری نہیں کر سکا تھا۔ بس یہی بتایا کہ بلیو تھی نامی کسی خفیہ تنظیم کے افراد اسپیکٹرم کے ساتھ خفیہ گٹھ جوڑ کرنا چاہتے ہیں بلکہ کوئی جدید تھیسی کہ بلیو تھی نے اسپیکٹرم کی خدمات لینے کے لیے اسے خاص اپنے کسی مذموم مقاصد کے لیے وطن عزیز میں ہار کیا۔ ہم اس نام پر چونکے تھے۔ کچھ عرصے پہلے رائے پاکستان میں اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے ”بلیک کیٹس“ کو خفیہ کارروائی پر میدان میں اتارا تھا، جسے بری طرح ناکامی سے دوچار ہونا پڑا تھا مگر انہیں ”بلیک کیٹس“ کے اصل مقاصد کیا تھے؟ یہ ہنوز جان کاری نہ ہو سکی تھی۔ اب اپنے طور پر ہمیں یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بلیو تھی کی درحقیقت

ساتھ یہ سب دو آئینہ بن کر ابھرتی ہیں۔

”اطفال گھر میں جب تک اس کے اصل روح رواں ملک حاجی اسحاق صاحب زندہ تھے تو ہماری تربیت اچھے اور واضح خطوط پر کی جاتی تھی، اپنی تربیت پر میں زیادہ توجہ دیتا تھا۔ کافی حد تک اپنی پڑھائی مکمل کی۔ اخبارات کا بھی مطالعہ کرتا رہا۔ مختلف ٹی وی چینلز کے سٹیڈیہ تجزیاتی پروگرام وغیرہ بھی غور سے دیکھتا تھا۔ ملکی اور اسلامی تاریخی واقعات تو میری گھنٹی میں رہتے ہی رہتے ہیں۔ میجر صاحب! اور اگر میں ممتاز خان یا اس طرح کے دیگر سماجی درندوں سے برسر پیکار ہوں تو اس میں ایک جذبہ میرا یہ بھی تو بنیادی طور پر شامل رہتا ہے کہ میرے وطن کی سر زمین ایسے بدطینت اور جرائم پیشہ افراد سے پاک ہو جائے۔ رعنی بات وطن عزیز کی تو میں نہیں سمجھتا کہ ہماری سر زمین پاکستان کا بوڑھا، جوان، مرد، عورت حتیٰ کہ بچہ تک اس کی محبت میں سرشار نہ ہو۔ وطن کی محبت تو ہمارے ضمیر میں گندمی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمہ کا دکھ درد اور اتحاد ہماری گھنٹی میں پڑا ہونا چاہیے اور ایسا ہے بھی۔ معاف کیجیے گا۔ میجر صاحب! آپ نے شاید شیخزادہ احمد خان عرف شہزی سے ایک بہت ہی بچکانا سوال کر ڈالا ہے۔“ یہ سب باتیں کرتے ہوئے میری سانس تیز چلنے لگی تھی، چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے چند ہی سترخ ہونے لگی تھی۔ میجر صاحب نے اپنی کرسی سے اٹھ کر دار فغانہ جوش کے مجھے اپنے گلے سے لگا لیا اور میرا کانڈھا تھپک کر بولے۔

”ویل جھٹلین! ہمارے اسی جوش... انہی نیک جذبات سے ہمارے دیدہ و نادیہ وطن آج بھی خوف زدہ رہتے ہیں کہ بے شک یہ قوم کچھ خارجی اور بیرونی سازشوں سے وقتی طور پر خوابیدہ ضرور ہو جاتی ہے لیکن وقت پڑنے پر پورے تن من و دھن کے ساتھ پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ایک قوم کی صورت پیدا ہونے میں دیر بھی نہیں لگاتی ہے۔“

میں دانت پر دانت بھنائے خاموش رہا۔ ایسے میں میرے جہڑوں کی ہڈیاں ابھرائی تھیں۔ مجھے کچھ ایسا لگتا تھا جیسے میجر باجوہ صاحب مجھ سے کچھ خاص بات کہنے والے تھے۔ دوبارہ اپنی کرسی پر براجمان ہونے کے بعد وہ سٹیڈیہ لہجے میں بولے۔

”شہزاد! ہمیں پوری امید تھی کہ کامران کے ذریعے ہمیں ”اسپیکٹرم“ سے متعلق بہت سی باتوں باقصوں اس کے

باجوہ میری طرف دیکھ کر خصوصاً مسکراہٹ سے بولے۔ "ہم بھی اسی نقطے اور لاکھوں پر غور کر رہے ہیں مگر کھلے بندوں کا ردوائی کے مقابلے میں خفیہ کارروائی بہت مشکل ہوتی ہے۔ اس میں دامن بھی بچانا پڑتا ہے۔ ورنہ اس کے نتائج برعکس بھی نکلتے ہیں، ایسی ہی ایک کارروائی کے دوران ہم بال بال اگلے نتائج کی زد میں آنے سے بچے تھے مگر اس طرح ہمیں یہ فائدہ ہوا تھا کہ "ایسیٹیزم" کے بارے میں خاصی حد تک مصنوعات حاصل ہو گئی تھیں مگر بات وہی آتی ہے کہ کھلے م کارروائی کے لیے ٹھوس ثبوت کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

"میں جانتا چاہوں گا میجر صاحب کہ ایسیٹیزم کے خلاف آپ کی پہلی خفیہ کارروائی میں آپ کو کیا مصنوعات حاصل ہوئی تھیں؟" میں نے ان کی طرف دیکھ کر گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ میری لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی دلچسپی پر وہ بولے۔

"بنام بھنگری نامی ان کا ایک بہت فعال نمائندہ تھا۔ وہ ایک آرکائیو جسٹ تھا۔ اس کا تعلق اندرون سندھ کے علاقے لاڑکانہ سے تھا۔ بہت قرض شناس اور زمین فوجوان تھا۔ اس نے اپنے شہ کے حوالے سے کئی اچھے کام اور خدمات انجام دے کر ایسیٹیزم کی شہرت اور تک نامی میں اضافہ بھی کیا تھا مگر جیسے ہی اسے ایسیٹیزم کے اصل اور در پردہ کارے کرتوں کی بہتک پڑی وہ خاموشی کے ساتھ الگ ہو گیا۔ ہم اس کے آبائی شہر لاڑکانہ گئے تھے اس سے ملنے۔ اس نے ہی ہمیں ایسیٹیزم کی کسی قدر حقیقت اور اصلیت کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی۔ جس قدر وہ جانتا تھا اس نے ہمیں بتا دیا۔ نیز آئندہ بھی اس فوجوان نے ہماری مدد کرنے کے حزم کا کھلے دل سے اظہار بھی کیا تھا۔ یوں سمجھو تمہاری طرح وہ بھی ہمارا ایک اہم گناہ ساگھی ہے جو در پردہ رہتے ہوئے مگر عام لوگوں میں گھسٹ کر ہمارے لیے کام کر رہا ہے مگر بد قسمتی سے پچھلے کچھ عرصے سے وہ لاپتا ہو چکا ہے یا پھر دانستہ روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ تاہم اس سے جتنی معلومات ہو سکی تھیں اس کے مطابق ایسیٹیزم کا ہیڈ کوارٹر نیویارک میں ہے اور اس تنظیم کے ممبروں کو ضرورت کے وقت ایک ملک سے دوسرے ملک بھی بھیجا جاتا ہے۔"

"لیکن میجر صاحب! انہوں نے میرا مطلب ہے بیو تیس دانوں نے اس ادارے پر اتنا تسلط کیسے قائم کیا ہوا ہے؟ مجھے تو یہ ڈگ جڑ تم پیشہ اور انتہائی تربیت یافتہ لگتے

"بیک کیٹس" کا دوسرا نام ہے۔ اس بار یہ ٹیک نئے پینٹرے کے ساتھ میدان میں کودی ہے اور اپنے کی خفیہ اور دیرینہ ناپاک مقاصد کے حصول کے لیے دوبارہ وطن عزیز کی جڑوں میں نئے کیل کانٹوں کے ساتھ گھسنے کی کوشش میں مصروف کار ہے۔ ناکام بیک کیٹس کا دوسرا اور نیا روپ دھارنے والی رائی یہ ہے کہ "پہلو بھی" یعنی بیو تیس آخر ایسے کچھ مقاصد رکھتی ہے کہ اسے فوری طور پر پہلی ناکامی کے بعد نام بدل کر دوبارہ میدان میں اترنا پڑا؟ ہم نے بھی تہیہ کر رکھا ہے کہ اس بار بیک کیٹس نئی بیو تیس کے مذموم خفیہ مقاصد کو بے نقاب کر کے ہی رہیں گے لیکن ایسیٹیزم مانع ہوتی ہے۔"

"وہ کس طرح میجر صاحب؟" میں نے فوراً کہا۔  
 "ایسیٹیزم پر ہاتھ ڈالنا اب کون سا مشکل کام ہے؟"  
 میری بات پر وہ بولے سے مسکرائے پھر بولے۔ "ایسیٹیزم نے خود کو بین الاقوامی سطح پر ایک "معتبر ادارے" کی صورت میں ڈیکلیر کر رکھا ہے۔ بظاہر جس کا مقصد اپنے طور پر دنیا بھر کے تاریخی نوادرات کی حفاظت، نیز ایسے نوادرات بھی جو کسی ملک یا قوم کا تاریخی ورثہ ہوتے ہیں، گمشدگی یا برآمدگی کی صورت میں انہیں ان کے صحیح ادرتی بچانے کا مقام پر رہنے دیا جائے، ان کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ اب تک یہ تنظیم یعنی ایسیٹیزم بے شمار چوری شدہ نوادرات برآمد کر کے انہیں ان کے اصل ورثا تک پہنچا چکی ہے۔ اس تنظیم کو دنیا کے بیشتر ممالک کی مالی اعانت بھی حاصل ہے اور اس کے ممبر پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لہذا ہمیں اس پر خفیہ طور پر ہی ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہے ورنہ عالمی سطح پر وطن عزیز کی بدنامی کا سبب بن سکتی ہے۔ بیک "معتبر ادارے" کے خلاف کارروائی کرنے کی بنا پر ہمیں غیر مہذب کا ٹھہرا لگا کر عالمی سطح پر بدنام کیا جا سکتا ہے۔"

میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میجر صاحب! میرا خیال ہے کہ جو دھری ممتاز خان اور وزیر جان "ایسیٹیزم" کے مقامی سطح پر کلیدی اور اہم عہدے دار معلوم ہوتے ہیں اور مجھے یقین پورا یقین ہے کہ ہم انہیں یہ دونوں تو ضرور ایسیٹیزم اور اس کے بیو تیس کے ساتھ گھ جوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہی ہوں گے۔ لہذا اگر ان دونوں اشخاص پر ہاتھ ڈالا جائے تو ایسیٹیزم جیسے بظاہر معتبر ادارے کی عملی صورت ختم ہو سکتی ہے۔"

"تمہارا پوائنٹ قابل غور ہے بیک مین۔" میجر

اسپیکٹرم کو نئے سرے سے اور جدید خطوط پر منظم کیا ہے۔ چونکہ بنیادی طور پر لولووشی جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے اس لیے وہ بڑی بڑی ذہانت کے سودے کرتا ہے جن میں ملک ملک کے کلیدی اور خفیہ عہدوں پر قاتر عالمی شخصیات شامل رہتی ہیں۔ تاہم لولووشی نے اسپیکٹرم کو اب ایک خود مختیار ادارہ بنا دیا ہے۔

باجوہ صاحب یہ سروری تفصیل بتا کر خاموش ہو گئے تو میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”باجوہ صاحب! یہ ساری باتیں آپ کو یقیناً کامران سے ہی پتا چلی ہوں گی؟“

”ظاہر ہے۔“ وہ بولے۔ ”لیکن شہزی! حقیقت یہ ہے کہ کامران کو بھی ان باتوں کا علم نہ تھا۔ کیونکہ اسپیکٹرم کا کوئی بھی مقامی ایجنٹ سوائے دو مقامی عہدے داروں وزیر جان اور چوہدری ممتاز کے اسپیکٹرم سے متعلق اتنی حقیقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ شہزی بھی نہیں اور شہزی نے ہی کامران کا ضمیر جگانے کی خاطر اسے یہ سب بتایا تھا جبکہ شہزی نے خود اپنے توسط سے اپنی جان کو خنجرے میں ڈال کر اسپیکٹرم کے یہ اہم راز جانے تھے۔ پتا نہیں اب وہ بے چاری کس حال میں ہوگی مگر میں سمجھتا ہوں شہزی نے ملک و قوم کی خاطر بڑا کام کیا ہے اور قربانی دی ہے۔ شہزی! کیا تم شہزی کی اتنی بڑی قربانی کو ضائع جانے دو گے؟“

”ہرگز نہیں، باجوہ صاحب ہرگز نہیں۔“ میں نے یہ ایک ترنت پر عزم لے کر کہا۔ ”شہزی بے چاری تو خود مجھے یہ ساری باتیں بتانا چاہتی تھی، میں نے آپ کو بتایا تھا۔ شہزی ہی نہیں بلکہ اس کے چند اور بھی ہم خیال ساتھی ہیں، اب وہ کون کون ہیں یہ مجھے بھی معلوم نہیں لیکن سمجھ صاحب! خدا کرے شہزی ان کی قید میں ابھی تک زندہ ہو تو میں ضرور اسے چرانے کی کوشش کروں گا۔“

”وہیں اسے پوائنٹ۔“ سمجھ باجوہ صاحب پورے جوش سے بولے۔ ”ہم بھی یہی چاہتے ہیں کسی طرح شہزی کو ان کے پنگل سے آزاد کر لیا جائے تو نہ صرف مزید سستی خیز امکانات سامنے آسکتے ہیں بلکہ شہزی کے ذریعے اس کے ان ہم خیال ساتھیوں کا بھی پتا چل سکتا ہے جو ابھی تک اسپیکٹرم کے قابل اعتماد ایجنٹ سمجھے جاتے ہیں۔“

میں نے اپنے ذہن میں فوری طور پر ابھرنے والے ایک خیال کے تحت باجوہ صاحب سے کہا۔ ”میرا خیال ہے شہزی زندہ ہوگی۔ یہ ایک بات ہے کہ ان کے ذہن پر تشدد ہوگی کیونکہ وہ اس کے ذہنیے جس کے ہم خیال ساتھیوں کا بھی

ہیں۔ آپ کا اور میرا ان سے ٹاکرا بھی ہو چکا ہے۔“ میں نے مدافعت کی۔

”سب بتا رہا ہوں تمہیں۔“ وہ مسکرائے۔ ”اس کے لیے مجھے سب سے پہلے تمہاری مثال دینا ہوگی۔“

”میری مثال؟“ میں نے ابھی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

”ہاں شہزی! تمہاری مثال۔“ ان کے ہونٹوں پر اسرار بھری مسکراہٹ بکھری۔ ”تم اطفال گھر میں رہتے تھے اور جب تک ملک حاجی اسحاق صاحب مرحوم اس ادارے کے راج روایں تھے تو یہ ادارہ واقعی ایک فلاحی ادارے کے طور پر کام کرتا رہا لیکن جیسے ہی چوہدری ممتاز اور اس کے ایک پرانے گمشدے گنگل خان نے اپنے مذموم کاروبار اور گناہوں کے مقاصد کے لیے اس ادارے کو ”یرغمال“ بنا لیا تو پھر سب کچھ بدل کر رہ گیا۔ پھر اطفال گھر ایک فلاحی ادارہ نہیں بلکہ جرم کا گڑھ بن گیا۔ میں اسی طرح بیوقوفانہ طور پر اس عالمی ادارے اسپیکٹرم کو اپنے گناہوں کے مقاصد اور مذموم سازشوں کے لیے use کر لیا اور اسے ”ہائی جیب“ کر ڈالا۔“

میں باجوہ صاحب کی بات پر ششدر سا رہ گیا۔ وہ بولتے رہے۔ ”اسپیکٹرم بھی کوئی ”دودھ کا دھلا“ ادارہ نہیں تھا۔ اس کے اپنے بھی بعض ذاتی خفیہ مقاصد ہوتے تھے جو وہ گمشدہ نوادرات کی آڑ میں ملک ملک کی خدمت کا بیڑا اٹھا کر در پردہ حاصل کرتا رہتا تھا یہ ایک ملک کے راز و مقامی امور سے متعلق خفیہ باتیں اور ایسے دیگر اہم راز وہ دوسرے ملک کو بھیجے داسوں فروخت کرتا تھا۔ اس سلسلے میں اس ادارے پر امریکا ہی میں دو بار پابندی بھی لگی۔ اسے انڈر گراؤنڈ بھی ہونا پڑا مگر وہ عارضی ثابت ہوا۔ کیونکہ بڑی مضبوط عالمی حیثیت کی ملکی و غیر ملکی شخصیات اسے سپورٹ کرتی تھیں۔ اس تنظیم کا ہانی بھی ایک امریکی ہی تھا جس کے انتقال کے بعد ایک دوسرے امریکی لولووشی نے اس کی جگہ ڈور سنبھال لی۔ وہ خود امریکا کی انڈر گراؤنڈ جرائم پیشہ تنظیم کا ایک بڑا ”ڈان“ رہ چکا ہے۔ اسے اسپیکٹرم کا سربراہ بنانے میں بھی ریکل اسٹار اور بیولٹس کا ہاتھ ہے۔ لولووشی اب خود ایک بڑی مضبوط اور پاورفل شخصیت بن چکا ہے۔ اپنے کانے کر توت ڈھ نیچے کے لیے اس نے کاروبار میں بھی ہاتھ ڈال رکھا ہے۔ وہ صیہونی سوداگروں کی ایک تنظیم ”بیوش برلس میونی“ کی صدارتی کمپنی کا ممبر بھی ہے۔ بیولٹس کی مانی اور دیگر سپورٹ کے نتیجے میں لولووشی نے

لیکن وزیر جان والی مہم سے پہلے مجھے ڈپٹی روشن خان سے دو دو ہاتھ کرنا تھے، وہ بہت مت پرہیزگار تھا میں بھی مجھے اس سے بہت سے پرانے صحافت چکے کرنا تھے۔ وہ میرے ساتھ "پولیس سردی" میں بہت آگے چاچکا تھا اور مجھے اس کی پولیس سردی کو آوارہ گردی سے نمٹنا تھا۔

جب ہم ریجنز کے ہیڈ کوارٹر سے نکلے تو شام گہری ہونے لگی تھی۔ ڈپٹی روشن خان اپنی سرکاری رہائش گاہ میں مقیم تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے جب وہ پولیس میں ایک معمولی افسر ہوتا تھا تو اپنی ذاتی رہائش گاہ میں رہتا تھا۔

ڈپٹی بن جانے کے بعد اسے خاصا بڑا سرکاری ہنگامہ ملا تھا۔ اگرچہ میں بعض قانونی جھجھے گیوں سے اپنے ہم خیال خواہوں کی حد سے جان بچا چکا تھا اور آزاد تھا اور اب میری یہ حرکت مجھے دوبارہ کسی نہ ختم ہونے والے خطرناک قانونی مہم چکر میں پھنسانے کا باعث بن سکتی تھی لیکن روشن خان نے مجھے جس راستے پر چلنے پر مجبور کیا تھا اس راجب غور سے اس انداز میں نمٹنا میرے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ وہ دنیا والوں کی نظر میں قانون کا رکھوالا بننا تھا مگر اس نے اپنی حرکتوں سے بڑے بڑے مجرموں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر کی عمارت کے عقبی سردی احاطے میں اس کا ہنگامہ تھا۔ وہاں باقاعدہ پولیس کی چوکیاں قائم تھیں جدھر ہر وقت آٹھ آٹھ گھنٹے کا پہرا رہتا تھا۔

رات مزید گہری ہونے کا انتظار کرنے کے بعد ہم اس طرف روانہ ہو گئے۔ سردی زوروں پر تھی۔ وقت سے پہلے اندھیرا چھا چکا تھا اور کبیر آلود سخت سردی نے لوگوں کو گھروں کے اندر رہنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ سڑکوں پر سناٹا طاری تھا۔ میں اور اول خیر ایک رکشے میں سوار ہو کے پولیس ہیڈ کوارٹر کے کسی نزدیکی مقام پر پہنچے۔ اس کے بعد رکشے والے وقار کر کے آگے بڑھ گئے۔

ہماری یہ مہم بہت خطرناک اور روکی تھی مگر رسک لیے بغیر ہمیں اپنے تین ساتھیوں کا کیسے پتا چل سکتا تھا۔ میں ڈپٹی روشن خان کو بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ اگر پولیس کی وردی میں ہمارے قانون اور اپنے اختیارات سے تجاوز ہو کر بڑے دھڑلے سے میرے خلاف ہر قدم اٹھا سکتا تھا تو میں بھی اسے اسی انداز میں جواب دینا چاہتا تھا۔

اول خیر اور میں نے سردی سے بچنے کے لیے بھاری شائیں لے رکھی تھیں۔ ایک مقصد چہرہ چھپانا بھی تھا۔ ہم مزاحمت کے انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ مطلوبہ رہائش گاہ سے پہلے پولیس چوکی ہمیں دور سے ہی نظر آ گئی۔ اس راستے

عام اگوانے کی کوشش کر رہے ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ ثریا اس سلسلے میں کبھی بھی اپنی زبان نہیں کھولے گی چاہے اس کی جان ہی چلی جائے۔" یہ کہتے ہوئے میں خود بے چین سا ہو گیا، جی میں تو آئی کہ باجوہ صاحب کو اپنے آٹھہرہ کے اہم مشن کے بارے میں بتا دوں لیکن میں نے سردی سے ابھی اس کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وزیر جان پر اب میرا ہاتھ ڈالنا اور بھی اہم ہو گیا تھا چنانچہ میں نے باجوہ صاحب سے اجازت چاہی اور وعدہ کیا کہ میں ثریا کو آپیکٹرم کی قید سے چھڑانے کے لیے اپنے جان پر کھیل جاؤں گا، آپ میرے لیے دعا کریں۔

باجوہ صاحب نے مجھے ٹینگ پر جانے کا بھی زور دیا تھا۔ ظاہر ہے ابھی میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ تاہم میں نے پُر مزم مسکراہٹ کے ساتھ رخصت ہوتے ہوئے باجوہ صاحب سے کہا۔

"سبیر صاحب! آپ بس میری کامیابی کی دعا کریں۔ اللہ نے مجھے اتنی صلاحیت دے رکھی ہے کہ میں بغیر کسی تربیتی عمل سے گزر کے اپنا نیک مقصد حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ کیونکہ میرا عزم میرا حوصلہ اور میرے حالات ہی میری تربیت گاہ اور میرا اختیار ہیں۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے اور سیکھ رہا ہوں۔"

"گڈ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔" سبیر ریاض باجوہ نے یہ کہتے ہوئے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد میں اول خیر کے ساتھ ریجنز ہیڈ کوارٹر سے باہر آ گیا۔

☆☆☆

باجوہ صاحب سے میری ملاقات خاصی سیر حاصل رہی تھی۔ جو باتیں انہوں نے مجھے بتائی تھیں اس کا ذکر میں نے اول خیر سے نہیں کیا تھا اور نہ ہی ابھی کرنا چاہتا تھا۔ اسے میں نے صرف ممتاز خان سے جنگ کی حد تک محدود کر رکھا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا بھی تھا کہ باجوہ صاحب سے میری ملاقات کسی رہی تھی۔ اس کا میں نے اسے گول مول سا جواب دے دیا تھا۔

اب جلد از جلد وزیر جان کی گردن ٹاپنا از میں ضروری ہو گیا تھا۔ اس سے مجھے بہت سے سوالوں کے جوابات حاصل ہو سکتے تھے، وہ میرا اہم ترین شکار بن چکا تھا۔ مجھے ہر حالت میں اسے چھاپنا تھا اسے اپنے قابو میں کرنا تھا۔ اگرچہ جانتا تھا میں بھی کہ یہ اتنا آسان کام نہیں ہے اور بھڑوں کے چمٹے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہو گا مگر وہ شہزی کیا جو خطروں سے ہنگامے لے کر بچا چکا بیٹھا رہے۔

جاسوس سہ ماہی جہت [202] جون 2015ء

اس کا تعاقب کرنا ہے رفتار بڑھا۔  
رکھنے والا بڑی طرح بدک گیا۔ میں نے بھی اس کی  
گردن پر اپنے ہاتھ کا ٹکڑہا سہلانے کے انداز میں رکھتے  
ہوئے دھکی دی۔ ”سوچنے میں وقت برداشت کرو نہ تجھے  
ادھر ہی ہلاک کر کے تیرا کشالے اڑیں گے۔“  
”ادھی میرا کشا بھلا اس کار کا مقابلہ کیسے کرے  
گا؟“ وہ خوف سے گھٹیانے کے انداز میں بولا۔ ”تو ادل  
خیر فرمایا۔

”ادے چلا کی نہ کر زیادہ... کوئی کار اور رکشے کی  
ریس کا مقابلہ نہیں ہو رہا ہے سمجھا تو۔“  
”میرا خیال ہے یہ ایسے نہیں مانے گا اس کے سر میں  
گوئی اتار کر کشالے اڑو۔“ میں نے دانستہ رکشے والے پر  
خوف کا نفسیاتی دباؤ ڈالتے ہوئے اول خیر سے کہا تو میرا یہ  
حرب کا مینا ب رہا۔ اس نے فوراً رکشے کی رفتار بڑھا دی تاہم  
پھر بھی گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔ ”ادھی! میں غریب  
آدی ہوں کسی لیے رولے شولے میں تہ ڈال دیتا۔“  
”چلتے چلو اور جیسے کہوں ویسے ہی کرتے رہو تو کوئی  
رولہ، سیا پائیں ہوگا۔“ اول خیر نے کہا مگر باز وہ بھی نہ آیا،  
سنناتے ہوئے بولا۔

”پر تم اس کار کا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟ کیا اسے ہلاک  
کرنا چاہتے ہو؟“  
”ابے اب اپنی رکشے جیسے آواز والی چونچ بند رکھ،  
ہم کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتے، بس ان کا خفیہ ٹھکانا دیکھنا چاہتے  
ہیں۔“ اول خیر دانت کھینچ کر بولا۔

میں روڈ پر رکشا دیکھ کر رولہ ٹریفک کے درمیان دوڑتا  
رہا۔ ہماری نظر میں ڈہنی روشن خان کی کار پر جمی ہوئی تھی۔  
دو تین سٹنز بھی آئے۔ میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ کار کسی کھلی  
سڑک یا مضافات کی طرف نہ نکل جائے ورنہ ایک رکشے  
میں تیز رفتار کار کا تعاقب مشکل ہو جاتا۔ شکر تھا کہ ایسا نہیں  
ہوا۔ کار میں پچیس منٹ بعد مختلف موڈ کا ٹی ہوئی ایک  
نو تعمیراتی پرڈیکٹ والے علاقے میں داخل ہو گئی۔ یہاں  
نو تعمیر شدہ ہنگلے اور کونھیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں کچھ آباد  
کچھ غیر آباد تھیں۔

کار جس سفید رنگ کے ہنگلے کے گیٹ کے باہر کی تھی  
وہ نسبتاً الگ تھلگ مقام پر تھا اور اس پکس پشتر پلاٹ خالی  
پڑے تھے۔ چند ایک کونھیاں ہنگلے نظر آتے تھے۔ ان میں  
اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یقیناً وہ بے کمن تھے۔ انہی چوکیدار  
باہر چار پائی ڈالے ضرور نظر آ رہے تھے۔

سے ہٹ کر ہم ایک چوڑی گلی میں آ گئے۔ یہاں گلی کے  
سرے پر ایک چھپر نما چائے خانہ تھا۔ جہر مزدور طبقہ آ کر  
چائے پیتا تھا۔ ایک ٹیکسی اور دو تین رکشے بھی یہاں کھڑے  
دکھائی دیے۔ گلی سے نکلے تو ہم چوکی کر اس کر چکے تھے اور  
یہاں سے تقریباً پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر ہمیں روشن  
خان کی رہائش گاہ دکھائی دی مگر اس کے گیٹ پر نظر پڑتے  
ہی ہم بری طرح ٹھکے۔ گیٹ کھل رہا تھا اور اندر سے ایک  
کار برآمد ہو رہی تھی۔ ہم دائیں جانب کے مکانوں کی دیوار  
کی آڑھے تیز تیز قدموں سے ذرا آگے بڑھے تو ہمیں کار  
میں ڈرائیور اور اس کے برابر والی سیٹ پر ڈہنی روشن خان  
عام شنوار سوٹ میں ملبوس بیٹھا نظر آیا جبکہ دوسرا وہ لباس میں  
پولیس والے بھی تھے جو تھنی سیٹ پر براجمان تھے۔ کار سننے  
ماڈل کی چھپاتی تھی رنگ سیاہ تھا۔ یہ ہنڈا کار ڈھکی۔

”ادھی خیر کا ایہ کدھر چلا ہے؟“  
”ہم آج ہی اس سے ارشد وغیرہ کے سلسلے میں ملے  
ہیں، مجھے لگتا ہے یہ ان تینوں کا کوئی بندوبست کرنے نکلا  
ہے۔“ میں نے اندازہ قائم کیا۔

”وہ تو ٹھیک ہے پر کا کا! ہمارے پاس تو گاڑی  
نہیں۔ اس کا لقب کیسے کریں گے؟“ اول خیر کو پریشانی  
کی لائق ہونے لگی۔ کار دھیرے دھیرے رہتی ہوئی گیٹ  
سے باہر کر ڈرائیور کو روکی تھی اور گیٹ کا رخ چوکیدار بڑی  
ستھدی کے ساتھ روشن خان کی کھڑکی کے قریب جھکا اس  
کی کوئی ہدایت وغیرہ نہ رہا تھا۔

”آؤ اول خیر، جلدی۔“ میں نے سرسراتے اور جوش  
بھرے لہجے میں کہا اور پلٹا۔ اول خیر میرے ساتھ تھا۔ ہم  
نے ایک رکشالیا اور کسی فرمی جگہ کا نام بتا کر اس میں سوار ہو  
گئے۔ ہم نے رکشے والے کے ساتھ کیا کرنا تھا یہ میں اول خیر  
کے ساتھ ملے کر چکا تھا۔ اپنے چہرے ہم نے نصف حد تک  
چھپا رکھے تھے۔ اس پر رکشے والا ڈراچونکا تھا مگر ہمارے  
رکشے میں سوار ہوتے ہی بھادڑاؤ کی دوسری سے بچنے کی  
خوشی میں اس نے فوراً رکشا اشارت کر کے آگے بڑھا دیا۔

سانے میں روڈ آگئی رکشا ڈرائیور کا۔ ٹھیک اسی وقت  
عقب سے وہی سیاہ کار گزری۔ میرا دل یکبارگی زور سے  
دھڑکا۔ کار کا ڈرائیور مستھ تھا۔ مجھے سلی تھی، کار کے مقابلے  
میں ایک رکشا والے پر تعاقب کا شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں  
روڈ پر آ کر کار فرمائے بھرنے لگی۔ رکشا اس کے پیچھے تھا۔  
ادل خیر نے پستول نکال کر اس کی نال رکشے والے کی گدی  
سے نکادی اور فرمایا۔ ”یہ جو سانے سیاہ کار گزری ہے، تجھے

چھوڑی نظر آتی تھی وہاں ایک دو ایئرنگ پرانے نصب تھے جن پر گلوب روشن تھے۔ ان کی روشنی میں ایک جیب بھی کھڑی نظر آئی۔ مذکورہ دروازے سے کچھ افراد برآمد ہوئے اور میں انہیں دیکھ کر بری طرح ٹھنک گیا۔ میں نے عقب میں موجود اول خیر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

سودار ہونے والے افراد میں ڈپٹی روشن خان، اس کے دو سپاہی، باقی دو سادہ وردی میں اس کے کارندے تھے جبکہ باقی دو ہمارے ساتھی، شوکت حسین عرف شوکی اور اس کی بہن شکیلہ تھے۔ ارشد دھانی نہیں دیا، مجھے تشویش ہوئی۔

”تت... تت... تت... تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟ ہمیں مارنا چاہتے ہو؟“

میں نے شوکی کو خوف سے ہکلاتے کہتے سنا۔ مجھے اس کی حالت خاصی ہلکی دکھائی دے رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں رہتے ہوئے بھی ایک منظر دیکھنے کے تجربہ سے گزرا ہو۔ شکیلہ بھی خوف زدہ نظر آ رہی تھی، شوکی زیادہ ہلکے رہا تھا۔ دونوں کو سختی کے ساتھ دبوچ رکھا تھا، ان کے ہاتھوں میں پستول تھیں۔ ڈپٹی روشن نے اپنا تک اپنی ٹیس کے اندر بچھے ہوئے ہاتھوں سے ایک پستول نکال لیا۔ میں اس کی لمبی نال دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔ اس پر سائیکسٹر چڑھا ہوا تھا۔ وہ شوکی کے چہرے کی طرف کر کے سفاکانہ غراہت سے بولا۔ ”اگر تم نے داد دینا کرنا بند نہ کیا تو...“

اس کی آواز درمیان میں رہ گئی۔ شوکی کو شاید وقت سے پہلے اس سفاک حقیقت کا اندازہ ہو چلا تھا۔ انہیں ملک بھر پر روانہ کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ وہ آخری بار زور سے بھلا... اور اپنا ایک بازو چھڑاتے ہی اس نے ڈپٹی کے ہاتھوں والے ہاتھ پر جھپٹا مارا۔ ڈپٹی روشن کو اس حرکت کی توقع نہ تھی۔ دوسرے تین لمبے شوکی کے ہاتھ میں اس کا سائیکسٹر لگا پستول آ گیا۔ مگر اسے فائر کرنے کا موقع نہ مل سکا، اس سے قبل روشن خان کے نیک کارندے نے اپنے ہاتھوں سے اس پر فائر کر دیا جو اسے دبوچے ہوئے تھا۔ نہ جانے کس وقت اس نے غلطی دیکھی تھی ہی پستول نکال لیا تھا۔ بہت قریب سے گولی چلی تھی اور شوکی کے حلق سے ابھرنے والی چھٹی پڑی کرینک تھی۔

ہونی رشتوں کی خود مرضی اور پرانے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پرورش پانے والے نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

رکھنے والے کو ذرا اور روک کر ہم اتر گئے۔ اور اسے کرایہ مع کچھ دھمکیاں دے کر وہاں سے رخصت کر دیا۔ اسے کرائے سے زیادہ اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ فوراً وہاں سے فرار ہو گیا۔ میں اور اول خیر آگے بڑھنے لگے۔ ہم دونوں سیاہ شالوں میں مخلوف ہونے کی وجہ سے تاریکی کا کسی حصہ نظر آ رہے تھے۔

غیر آواز اور کچھ دھمکیاں دے کر ہم اپنی عمارتوں کے ڈھانچوں کی آڑ میں ہونے میں اور اول خیر جب تک مطلوبہ پہنچنے کے قریب پہنچے تب تک کارسوار اتر کر اندر داخل ہو چکے تھے۔ گیٹ ہنز بند ہی تھا۔ صرف بظنی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک بڑا کھیرا نما آدمی ہاتھ میں بڑا سا موٹا ڈنڈا سنبھالے اندر سے نکل کر باہر کار کے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔

”کا کا! کام آسان ہی نظر آتا ہے۔ چل پہلے اس ڈنڈے بردار سے نمٹتے ہیں۔“

اوس خیر نے سرگوشی کی۔ میں نے دھیرے سے اثبات میں سر ہل دیا۔ ڈپٹی روشن خان کو اپنی طاقت کا کچھ زیادہ ہی زحمت تھی وہ یہ بھی اسے کی معلوم تھا کہ کوئی اس طرح اس کی کار کا تعاقب کر کے یہاں پہنچ سکتا ہے۔

ہم دونوں چیتے کی طرح خاموشی سے رہتے اور جھکے بیٹھے انداز میں ڈنڈا بردار چوکیدار کے دائیں بائیں بیک وقت گویا بجلی کی طرح کڑکے۔ میں نے اس کی گردن کے گرد اپنے آئینی بازوؤں کا شہنہ کسا جبکہ اول خیر نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا فولادی دستہ اس کی کپٹی پر چھو دیا۔ وہ میرے ہاتھ میں جمول گیا۔ میں اسی طرح ہی اسے گھسیٹتا ہوا جھکے کی شمالی دیوار کے پیچھے گیا اور وہاں ایک کونے میں اس کے بے سدھ وجود ڈھالنے کے بعد اول خیر کے پاس پہنچا تو اس نے چوکیدار کا ڈنڈا ہاتھ میں رکھا تھا۔ وہ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”کا کا! یہ تو سنبھال لے۔ کام آئے گا۔“ میں نے مسکرا کر اس کے ہاتھ سے ڈنڈا لے لیا۔ بظنی گیٹ آدھ کھلا تھا۔ میں نے اندر جھپٹنا چاہا تو بری طرح ٹھنک گیا۔ مجھے ایک لمبی چٹائی سنائی دی تھی۔ بالکل بھٹی بھٹی سی چٹائی تھی... کیونکہ اس کے فوراً بعد وہ چٹائی گھٹ کر وہ گئی تھی البتہ کسی کی غراہت سے مشابہہ بولنے کی آواز ابھری تھی، انہوں جیسے کوئی دھمکارا ہوا۔ پلنگت میرے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ آواز ڈپٹی روشن خان کی تھی۔ تب پھر جھکے کا مرکزی دروازہ کھلنے کی چھڑاہت کے ساتھ کچھ لوگ سودار ہوئے۔ مرکزی دروازے اور گیٹ تک میں تیس گز کا احاطہ تھا جہاں





## بیوٹی

ایس... فور

جب بات ذاتی مفادات کی پاسداری کی ہو... یا پھر اس مقصد کی جسے  
ہائے زندگی کے دھارے میں بڑی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی رہیں... تو  
پھر قربانیاں تو دینی ہی پڑتی ہیں... چاہے وہ کتنی ہی مہلک کیوں نہ  
ہوں... اپنے مخالف کے حاصل کردہ اسٹیٹس... شہرت اور کامیابی کو  
برداشت کرنا دشوار تر ہوتا ہے... وہ مضبوط اعصاب کی مالک تھی...  
مگر ایک حد پر آگے اس کی اعصابی جنگ نے ہتھیار ڈال دیے...

ایک گمشدہ شلٹ کی کہانی جس میں پراسراریت بھی ہے اور سرائی بھی...

”مجھے سمجھنے دو کہ تم کیا چاہ رہی ہو تاکہ پورا معاملہ  
مجھ پر مکمل طور پر واضح ہو جائے۔“ میں نے کہا۔  
... ڈاؤن ٹاؤن آفس میں میرے مقابل بیٹھی  
ہوئی نیلی آنکھوں والی لینیسی ہشپ نے اپنی ہلکی جھپکائے  
بغیر صرف اثبات میں سر ہلادیا جو اس بات کا اشارہ تھا کہ  
میں اپنی بات جاری رکھوں۔  
”تم مجھ سے ایک تیس سال پرانے لٹس کی تحقیق  
کروانا چاہتی ہو۔ یہی بات ہے؟“

جانوسر ڈائجسٹ | 205 | جون 2015ء

Scanned By Amir

اور یہ نشانی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک میری ماں کے قاتل کو تلاش نہیں کر لیا جاتا۔“  
 ”کیا یہ کیس حل نہیں ہوا تھا؟“  
 ”اوہ، یہ کیس حل ہو گیا تھا اور اس جرم میں میرے باپ کو حراست میں لے لیا گیا تھا اور بعد میں انہیں مجرم قرار دے دیا گیا تھا۔ کئی سال تک مجھے یہی یقین رہا کہ ماں کے قاتل کے ذمے دار وہی ہیں لیکن تڑپتے برس معاملات بدل گئے۔“ مینسی نے کہا۔  
 ”کیوں؟“ میں نے پوچھا۔ ”گزشتہ برس ایسا کیا ہوا تھا جو معاملات بدل گئے؟“

”میرے باپ نے مجھے جیل سے لکھا کہ انہیں میری مدد درکار ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس اس بات کا ثبوت ہے جو ان کی بے گناہی ثابت کر دے گا۔ ان کے اس خط نے مجھے حقیقت میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ سرائی رساں جونز اور میرا ذہن وہاں 20 مارچ 1954ء کی اس شب کی طرف چلا گیا جب اسی شب میری ملاقات اپنے باپ سے بھی ہوئی تھی۔ گو میں نے ان کے ساتھ اپنی اس شب کی ملاقات کو یاد کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ مجھے اپنے باپ سے ملاقات کا سطر یاد آ گیا۔ یہ ملاقات گھر پر ہی ہوئی تھی۔ ہم دیر تک پارک چلی اور چائیز چکرز کھلتے رہے تھے پھر ڈیڈی نے رات کو سونے کے لیے بستر پر لٹا دیا تھا۔ میں ان کے ساتھ تھی، تم میری بات سمجھ رہے ہونا؟“

”تب میرا مشورہ ہے کہ تم وہاں سے اپنے تجسس مٹانے کا آغاز کرو، مینسی۔ اپنے باپ سے بات کرو ثبوت اور شواہد سمجھ کر دو اور...“

وہ اپنی کرسی پر آگے کی طرف جھک گئی اور اس کی نیلی حسین آنکھوں میں آنسو اٹھائے۔ ”میں یہ نہیں کر سکتی۔“  
 ”کیوں نہیں کر سکتیں؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”میرے باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔“

میں نے اپنی میز کی دراز کھولی، ایک زرد لیٹل پیڑے اور قلم نکالا اور مینسی کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ ”مجھے وہ سب کچھ لکھ کر بتا دو جو تم جانتی ہو۔“

”میں کہاں سے آغاز کروں؟“ اس نے پوچھا۔  
 میں نے شانے اچکا دیے۔ ”بالکل ابتدا سے... کیا خیال ہے؟“

”میرا ماں ڈورس کھیسی تھی۔ بھی ان کے بارے میں سننے کا اتفاق ہوا؟“

”یہ صرف ایک نقل کی بات نہیں ہے، سرائی رساں جونز۔ میں تم سے اپنی ماں کی موت کے بارے میں چھان بین کرنا چاہ رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ بات بڑی عجیب سی لگے گی لیکن یقین کریں اگر میں یہ محسوس نہ کرتی کہ تحقیق ضروری ہے تو میں یہاں تمہارے پاس بھی نہ آتی۔“  
 میں خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔  
 ”جب میری ماں کی موت واقع ہوئی تو اس وقت میری عمر صرف آٹھ سال تھی۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کونسی بچے کی محسوس زندگی میں کیا قیامت برپا کر دیتا ہے؟“ مینسی نے پوچھا۔

جب میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو مینسی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ایک طڑپتے ہاتھ لگایا اور بولی۔ ”نہیں، میرے خیال سے تم نہیں جانتے۔ مجھے ایسے زیادہ لوگ نہیں ملے جو اس بات کو سمجھتے ہوں جب آپ چھوٹے ہوتے ہیں تو آپ یہ سوچ کر سونے کے لیے بستر پر نہیں جاتے کہ اب آپ بھی اپنی ماں کو نہیں دیکھ پاؤ گے لیکن میرے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اپنی ماں کو پھر بھی نہیں دیکھ پاؤں گی تو میں اس کے سینے سے دیر تک چپنی رہتی، اس سے بھر پور پیار کر داتی، اپنے رخساروں کو اس کے بوسوں سے سرج کر دیتی، اس سے اتنا پیار مانگتی کہ...“ یہ کہتے ہوئے مینسی کی آواز رندھ گئی اور اس کی نیلی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔

میں خاموش بیٹھا اس کی جذباتی کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ مینسی نے اپنے بیگ کو کھولا اور اسے ٹھولتے ہوئے ایک رومل نکال کر اپنے آنسوؤں کو خشک کرنے لگی پھر دوبارہ گویا ہوئی۔ ”بیشیہ میری حماقت رہی کہ میں لوگوں کی اس بات پر یقین کر سکتی تھی جو یہ کہہ کر مجھے دلاسا دیتے تھے کہ وقت گزرنے کے ساتھ میرے زخم مندمل ہو جائیں گے اور میں اس بوجھ کو ہلکا محسوس کرنے لگوں گی لیکن بد قسمتی سے میں آج بھی 20 مارچ 1954ء کی اس شب پر کھڑی ہوں جب میری ماں کی موت واقع ہوئی تھی۔“

”لیکن اب کیوں مینسی؟“ میں نے پوچھا۔ ”اب تو اتنا بہت سا وقت گزر چکا ہے؟ کیا اس لیے کہ تمہاری ماں کی بیسیوں بری آ رہی ہے؟“

مینسی نے ایک بار پھر رومال سے اپنی بیگی ہوئی آنکھوں کو پونچھا اور گیلیے رومال کو داییں اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے بولی۔ ”بات صرف اس حد تک نہیں بلکہ اس سے بھی بہت آگے کی ہے، سرائی رساں جونز مجھے نشانی چاہیے

بیواش

بھری۔ "جب میری ماں کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کی عمر صرف پچیس برس تھی۔ تم کہہ سکتے ہو کہ میں ان کے لیے ایک سرپرست تھی اور اس کے نتیجے میں میرے والدین نے تو عمری ... میں شادی کر لی تھی اور اس کے باعث میری ماں کو اپنے امید افزا مستقبل کو بڑھاوا دینے میں کوئی مدد نہیں ملی لیکن اس کے باوجود بھی وہ کبھی اپنے خواب سے دستبردار نہیں ہوئیں۔ چاہے وہ ڈرتا ڈرتا کر رہی ہوں یا کپڑے تہہ کر رہی ہوں یا مجھے اسکول لے جا رہا ہوں۔ ان کا خواب سوتی جاگتی آنکھوں کا خواب بتا رہتا تھا۔"

"تمہارے والدین کے آپس میں تعفقات کیسے تھے؟ تمہارے اپنے تناظر میں؟" میں نے سوال کیا۔  
"مخفی نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "یہ کہنا مشکل ہوگا، ہے؟ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ ہم بہت کم وقت اکٹھے گزارتے تھے۔ اس لیے کہ میرے ڈیڑی ہمیشہ اپنے کام میں مصروف رہتے تھے اور ماں کی اپنی خواہشات اور منگنی تھیں۔ میں ان کے ساتھ وقت تو گزارتی تھی لیکن علیحدہ علیحدہ۔ کیا اس سے بات سمجھ میں آتی ہے؟"

"بالکل سمجھ میں آتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔  
"کیا ان میں ٹکراؤ ہوتی تھی؟ لڑائی جھگڑا؟ کیا ٹکراؤ میں مار پیٹ بھی ہوتی تھی؟"

"کئی بار کی ٹکراؤ تو مجھے یاد ہے جو ہمیشہ رات گئے ہوتی تھی جب وہ سمجھتے تھے کہ میں سوچتی ہوں البتہ میں نے انہیں بھی ہاتھ پائی کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن کسی کو کیا پتا کہ بند دروازوں کے پیچھے کیا ہوتا ہے؟ جب میری عمر سات برس کی تھی تو میرے والدین میں علیحدگی ہوئی تھی اور مجھے ہمیشہ سے یہی لگتا تھا کہ معاملہ ان کی عمروں اور حالات سے کہنا بڑھ کر ہے۔ میرا نہیں خیال کہ ڈیڑی میری مہمائی تر جیہات کو پسند کرتے تھے۔ اگر میری مہمائی ہلکی نڈل کلاس سوسائٹی تک محدود اور مطمئن رہنے پر آمادہ ہو جاتیں اور سیدھی سادی گھریلو خاتون اور ایک ماں کا کردار ادا کرنے پر رضامند ہو جاتیں تو ان کی شادی آج کے دن تک برقرار اور قائم رہتی۔ کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟ میں بس یہی جانتی ہوں میری ماں بھی کبھی متوسط یا عام زندگی گزارنے پر رضامند نہیں تھیں اور جب میرے ڈیڑی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تو مجھے اپنی ماں کو تم کم، بہت کم دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ میں تب بھی ان سے بہت محبت کرتی تھی اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے جتنا ان سے بہتر ہو سکتا تھا اپنے

اس وقت تک ہمیشہ خاصی حد تک پُر سکون ہو چکی تھی اور ہم دونوں بڑے بچے کہوں میں بلیک کافی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی لوری بنا رہا ہو۔"

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "آئی ایم سوری، نہیں۔" "کوئی بات نہیں۔ میرے خیال سے تمہارا ان کے نام سے واقف ہونا کوئی ضروری بھی نہیں۔ وہ ایک پتہ اپ کر لیں۔ حسین اور ہمیشہ کشش کی حامل انہوں نے کئی میگزینز اور چند کیڈٹروں کے لیے پوز دے تھے اور تصویریں کھینچی تھیں۔ کلب میں پہچان انگیز رقص بھی پیش کیے تھے اور یقیناً انہیں پندیرائی بھی ملی تھی اور شہرت بھی لیکن صرف مقامی طور پر البتہ ان کی صلاحیتوں کے بارے میں سب ہی کا خیال تھا کہ یہ صرف مقامی طور پر محدود نہیں رہنی چاہیے۔ اسے وسعت ملی چاہیے اپنے مرنے سے عین قبل وہ ایک چھوٹے بجٹ کی ٹی مووی سے ایک کردار کا ٹیسٹ دینے کے لیے کئی فورنیا پرواز کا پلان بنا رہی تھیں۔ مجھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اس میں لازمی کامیاب ہو جاتیں۔" ہمیشہ نے یہ کہہ کر اپنے ہجک میں سے ایک فولڈ نکالا اور میرے سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ میری ماں کی تصویریں ہیں۔"

میں نے فولڈر کھولا اندر پیشہ ورانہ تصویروں کا ایک ڈھیر تھا۔ بیشتر تصویریں رنگین تھیں۔ تصویروں میں موجود عورت بلاشبہ بلا کی حسین تھی۔ ڈرائگ کا میکس... میک آپ، ٹھنکریا لے سہری بال، جھیل سی نیلی آنکھیں... ہر تصویر ایک شاہکار تھی۔ اس کا سراپا انتہائی جالب نظر تھا اور پرانے ہالی ووڈ کے گیسر کے دور پر بالکل فٹ بیٹھا تھا۔

جب تصویریں دیکھنے کے بعد میں نے فولڈر پر سے نگاہ اٹھا کر ہمیشہ کی طرف دیکھا تو وہ سرسرا رہی تھی۔ "تصویروں میں وہ سرخ گلاب دیکھا؟ یہ ماما کا ڈیڑی مارک تھا جب وہ صرف ماما ہوتی تھی تب بھی اس کے بغیر کہیں نہیں جاتی تھیں۔ چاہے انہیں مارکیٹ جانا ہوتا تھا یا پوسٹ آفس۔ وہ اپنے بالوں میں سرخ گلاب لازمی لگاتی تھیں۔ مقامی لوگ انہیں بولی کہہ کر پکارتے تھے۔"

"یہ خطاب ان کے لیے نہایت موزوں اور قطعی درست تھا۔" میں نے فولڈر بند کرتے ہوئے کہا۔ "وہ واقعی بے حد حسین تھیں۔ تم نے اپنی آنکھیں ان ہی سے لی ہیں۔" "تھینک یو... بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے باپ سے مشابہت رکھتی ہوں۔" یہ کہہ کر ہمیشہ نے ایک آہ

تیس انداز میں سنوارے ہوئے تھے۔ وہ ایک نیا لباس پہنے ہوئے تھیں۔ ایسا سجلا لباس میں نے پہنے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس پر بڑی بڑی سرخ چیر یزنی ہوئی تھیں اور شانوں پر انہوں نے ایک چھوٹا سرخ رنگ کا کارڈ لیکن سویٹر پہتا ہوا تھا۔ میں انہیں الوداع کہنے کے لیے ان کی جانب دوڑ پڑی لیکن وہ اتنی پیاری، اتنی حسین اور عمدہ خوشبو میں تھی دکھائی دے رہی تھیں کہ مجھے ان کو چھوتے ہوئے ڈر سنا گئے لگا۔ انہوں نے مجھے پیار کیا۔ مجھ سے کہا کہ میں ایک اچھی لڑکی ہوں اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے ہم سب مل کر ایک بڑا سا چین کیوکھا کھا کھا کے پھر وہ اپنی پرانی بی بی بلو شیور لیٹ میں جا بیٹھیں اور کارڈ اسٹارٹ کر کے روانہ ہوئیں... میں دوڑتے ہوئے گیت تک چلی گئی اور اس وقت تک ان کی کارڈ ٹو بجتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوئیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے ایسا کیوں کیا تھا۔ میں اپنی نانا کے رخصت ہونے کی عادی ہو چکی تھی اور کبھی اس طرح انہیں الوداع نہیں کہتی تھی لیکن اس شام... دل، وہ میرا انہیں رخصت کرنے کا انداز کسی قدر مختلف تھا پھر اس کے بعد میں انہیں کبھی نہیں دیکھ پائی۔

"لیکن اس رات تم نے اپنے ڈیڑی توجہ دیکھا تھا؟"  
 "ماما کو گھر سے گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ڈیڑی آئے۔ وہ مجھے آکس کریم کھانے کے لیے باہر لے جانا چاہتے تھے لیکن آیا کا خیال تھا کہ وہ مجھے باہر نہ لے جائیں۔ اس لیے کہ ماما کو گوارا نہیں تھا کہ میں ڈیڑی کے ساتھ باہر جاؤں۔ ڈیڑی آکس کریم لینے چلے گئے اور آکس کریم لے کر گھر آ گئے۔ ہم فرنیٹ پورج پر بیٹھ گئے اور وہیں بیٹھ کر آکس کریم کھانا شروع کر دی۔ ہم دونوں گھنٹوں وہیں بیٹھے رہے... صرف ہم دونوں تھا کہ سورج ڈوب گیا۔ وہ دیر تک رہے اور ہم نے مختلف مہل کھیلے... ہم نے سیر ہو کر کھانا کھا یا اور پھر وہ چلے گئے اور... تڑپتے سال سے پہلے میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

تینسی کی تقریب کھڑکی سے باہر جی ہوئی تھیں۔ وہاں باہر نوگ مین اسٹریٹ پر تیزی سے ادھر ادھر جا رہے تھے۔ مجھ نے بارش سے بچنے کے لیے اپنے سروں کے اوپر اخبارات کی آڑ لی ہوئی تھی جبکہ بہت سے چھتریوں تھا سے رواں دواں تھے لیکن میرے خیال میں تینسی کی توجہ ان لوگوں پر نہیں تھی۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گھومتی ہوئی تھی۔ پھر وہ خود ہی گویا ہوئی۔ "اگلے روز صبح جب میں نیند سے بیدار ہوئی تو ماما گھر پر نہیں تھیں۔ آیا وہیں موجود تھی

تیں کیا لیکن میری اپنی ماں کے بارے میں کوئی زیادہ بڑی غلط فہمیاں نہیں تھیں۔ وہ ایک اسٹار جیٹا چاہتی تھیں اور میں ان کی راہ میں ایک رکاوٹ تھی۔"

میں اپنے لیگل پیڈ پر چند نوٹس تحریر کرتا رہا جبکہ تینسی اسی دوران اپنی کافی کی چمکیاں لٹکتی رہی۔

"اپنے ڈیڑی کے بارے میں کچھ بتاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔ "ٹیکھ کی کے بعد کیا ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی؟"

"بالکل رہتی تھی۔" تینسی نے کہا۔ "عام طور پر میری دیکھ بھال میری آیا کس ٹولنز کیا کرتی تھی لیکن جب میری ماں شام کے بعد گھر سے چلی جاتی تھیں تو میرے ڈیڑی گھر آ جایا کرتے تھے۔ آیا اور ڈیڑی... میرے سونے کے وقت تک پاس رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ میری ماما کے گھر واپس آنے سے پہلے گھر سے چلے جاتے تھے کیونکہ ان کے درمیان معاملات مزید بدتر ہو چکے تھے۔ ان کے درمیان حقیقت میں ان کی شادی کے دوران اتنے جھگڑے بھی نہیں ہوئے تھے جتنے کے سمجھ کی کے بعد ان کے مابین ہونے لگے تھے۔"

"نانا ان کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ تمہارے ڈیڑی اس شادی کو ختم نہیں کرنا چاہتے تھے۔" میں نے کہا۔

تینسی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میرا خیال بھی یہی ہے۔ تم خود دیکھ چکے ہو کہ میری ماں کتنی خوب صورت اور حسین تھی۔ یہ بات میرے ڈیڑی کے لیے بے اتنا مشکل کا باعث رہی ہوگی کہ وہ ان سے رشتہ ختم کرنے کو برداشت کر سکیں۔"

"میں جانتا ہوں کہ یہ تمہارے لیے کافی مشکل بات ہوگی لیکن پھر بھی تم نے اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے 20 مارچ کے واقعات کو پوری توجہ اور دھیان سے ایک بار پھر بیٹا کرنا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "اس رات کے بارے میں مجھے وہ ہر بات تفصیل سے بتا دو جو تمہیں یاد ہے۔"

تینسی نے یس کر ایک گہرا سانس لیا۔ جب اس نے اپنا کافی کاپ میری میز کے کنارے پر رکھا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ "مانا نے اس روز ایک پرائیویٹ فونو سیشن کا اہتمام کیا تھا۔ وہ اپنے پورٹ فولیو کے لیے نئی تصاویر چاہتی تھیں اور وہ ٹھیک چار بجے سے پھر گھر سے نکل گئی تھیں۔ میں کبھی نہیں بھول سکتی کہ وہ کیسی دکھائی دے رہی تھیں۔ میں بیرونی لان میں کھیل رہی تھی جب وہ تیزی سے چلتی ہوئی گھر سے باہر آئیں۔ انہوں نے اپنے بال نہایت

بے گناہی کے دعوے کو درست ثابت کر سکوں اور میں حقیقت اور سچ بھی جاننا چاہتی ہوں۔" یہ کہہ کر ٹینسی نے اپنے بیگ میں سے کاغذات کا ایک پلندہ نکالا اور میز پر میری جانب کھسکا دیا۔ "میں نے پولیس کی رپورٹس حاصل کر لی ہیں۔ ان کے نیچے اخبارات کے تراشے گلپ کیے ہوئے ہیں۔"

پھر ٹینسی نے خاموشی اختیار کر لی۔

میں نے ان پرانے کاغذات کا جائزہ لینا شروع کر دیا جو برسوں پہلے پینٹس کا ڈنٹی پولیس ڈیپارٹمنٹ میں فائل کیے گئے تھے۔ "ان کاغذات میں تمہاری ماں کی موت کا وقت رات گیارہ بج کر ستاون منٹ تحریر ہے، کیا تمہیں یاد ہے کہ تمہارے ڈیڈی نے تمہیں سونے کے لیے کس وقت بیڈ پر لٹایا تھا؟"

"میرے سونے کا وقت رات آٹھ بجے کا تھا لیکن اس رات انہوں نے مجھے ٹو بجے کے بعد بیڈ پر لٹایا تھا جو میرے معمول کے وقت سے خاصا دور کا تھا۔" ٹینسی نے بتایا۔

میں نے رپورٹس ایک طرف کھسکا دیں اور بولا۔ "اگر تمہارے ڈیڈی نے تمہیں ٹو بجے پر لٹا دیا تھا اور تم نے انہیں رخصت ہونے سے منع کیا تو پھر کس بنا پر تم یہ سوچ رہی ہو کہ انہوں نے تمہاری ماں کو قتل نہیں کیا ہوگا؟ ان کے پاس یقیناً اس کام کے لیے ایک عمدہ موقع دستیاب تھا۔"

"جب تک میں نے ڈیڈی سے بات نہیں کی تھی میرا بھی یہی خیال تھا۔ انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ رات دس بجے کے بعد وہ دوبارہ گھر آئے تھے۔ آیا سے مکمل ملاقات کے لیے وہ دونوں ہی ساتھ تھے جب گیارہ بجے کے بعد کسی وقت میری ماں نے نون کیا تھا۔ مجھے یہ بات ابھی طرح یاد ہے سرائے رساں جوڑ۔ کسی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی تھی... میرا خیال ہے کہ وہ شور مچا رہا تھا مجھے یاد ہے کہ مجھے ڈیڈی کی آواز سنائی دی تھی۔ انہوں نے اقرار کیا تھا کہ فون پر ان کے اور میری ماں کے درمیان بڑی زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ ماما نے ان سے کہا تھا کہ وہ گھر واپس آ رہی ہیں اور بہتر ہوگا کہ ان کے گھر پہنچنے تک وہ وہاں سے چلے جائیں لیکن وہ نہیں گئے انہوں نے ماما کے پہنچنے کا انتظار کیا اور آیا کے ساتھ ہی رہے لیکن جب ماما رات ایک بجے تک گھر نہیں پہنچیں تو وہ آخر کار وہاں سے چلے گئے۔"

"بد قسمتی سے یہ کوئی بات ثابت نہیں کرتی مینسی، یہ سب سنی سنائی بات ہے۔" میں نے پولیس رپورٹس کی جانب

اور بہت سے پولیس افسران بھی۔ جب ہی مجھے پتا چلا کہ میری ماں جا چکی ہیں اور وہ کبھی واپس نہیں آئیں گی۔ میری ڈیڈی کوئل کے الزام میں پہلے ہی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اس کے بعد میری پرورش میری بڑی چھوٹی نے کی۔ وہ ایک اچھی خاتون تھیں لیکن ہم نے آپس میں کبھی میری ماں۔ اس رات یا میرے باپ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ "سو تم اس نتیجے کے ساتھ پروان چڑھیں کہ تمہارے باپ نے تمہاری ماں کو قتل کیا تھا؟"

"بلاشبہ، میں بھلا اور کس بات پر یقین کرتی؟ ان برسوں کے دوران میں انہوں نے کئی بار مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن میں ان سے بات کرنے سے انکار کرتی رہی تھی کہ گزشتہ دس برسوں میں مجھے ان کا خط موصول ہوا۔ ڈیڈی نے خط میں لکھا تھا کہ وہ کینسر سے مرنے والے ہیں اور انہیں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے میری مدد کی ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر اس نے قدرے توقف کیا۔

میں خاموشی سے ٹینسی کی بات سن رہا تھا۔ وہ خود ہی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "جب میں ہر پلٹنے ان سے ملنے کے لیے ان کے پاس جاتی رہی تھی کہ ایک روز ان کا انتقال ہو گیا جب تک مجھے ان کی بے گناہی پر یقین آنے لگا تھا، سرائے رساں جوڑ۔"

"اس یقین کی وجہ؟"

"وہ قریب المرگ بیمار تھے۔ وہ اپنا سب کچھ کھو چکے تھے۔ وہ تقریباً تیس سال سے امیری کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس موقع پر انہیں جھوٹ بول کر کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ وہ اس بوجھ کے ساتھ مرنا نہیں چاہتے تھے کہ میں بھی انہیں مجرم سمجھتی رہوں جیسا کہ میں انہیں تمام زندگی سمجھتی رہی تھی۔ میں نے ان کی مدد کرنے کے لیے بے انتہا کوشش کی لیکن مجھے ہر سوڑ پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ پولیس کے گلے نے بھی میری کوئی مدد نہیں کی۔ کوئی بھی بیس سال پرانے کیس کو دوبارہ سے کھولنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا جو کہ ایک صاف ستھرے طریقے سے حل کیا جا چکا تھا۔"

میں نے تائید میں سر ہلا دیا۔ "اس کے علاوہ اس بات کا امکان بھی زیادہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کیس پر کام کیا تھا، وہ اب گلے سے وابستہ ہی نہ ہوں۔"

"ہاں۔" ٹینسی نے اپنا رخ میری جانب موڑتے ہوئے کہا۔ "میں بس ہار مان لوں اور آگے بڑھنے کی کوشش کروں لیکن لگتا ہے کہ مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے ڈیڈی کی یاد میں بس یہی ایک کام کر سکتی ہوں کہ ان کی

سیلز میں ایک بہرے شخص کو آکر سماعت خریدنے پر آمادہ کرنے کی سر توڑ کوششیں کر رہا تھا لیکن وہ صدی شخص آدمی قیمت پر بھی آلہ خریدنے کو تیار نہیں تھا۔  
 ”تم کم سنتے ہو۔ آخر تمہارا کام کیسے چلتا ہوگا؟“  
 سیلز میں نے آخری وار کیا۔

”ابھی بتاتا ہوں۔“ وہ اندر گیا اور چند لمحوں بعد ایک تار کے ساتھ واپس آیا۔ ”یہ دیکھو، میں نے یہ مفت میں ایک گیراج کے سامنے سے اٹھایا ہے۔ اس کا ایک سرائس ٹیس میں ڈال لیتا ہوں، دوسرا اپنے کان میں اڑس لینے کی کوشش کرتا ہوں۔“

سیلز میں نے تہقہ لگا کر اس کا مذاق اڑایا اور کہا۔ ”اس سے کیا ہوتا ہے؟ تو بے کار تار ہے۔“

”میرے بیٹے! ہوتا یہ ہے کہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ میں نقل سماعت کا شکار ہوں اور میرا آلہ کسی فراہی کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ زور زور سے بولنا شروع کر دیجے۔“

”جس... مجھے کیا منظرت ہے کوئی قیمتی آلہ خریدنے کی؟“

رساں جونز۔  
 ”وہ کیوں؟“

”اس لیے کہ ایک طویل عرصے کے بعد کسی نے بیوی کے بارے میں بات کی تھی۔“

”اس کی بیٹی نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں تم سے بات کروں۔“ میں نے بتایا۔

”بھئی نے؟“ فلیس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے برسوں سے اسے نہیں دیکھا اب تو وہ بہت بڑی ہوئی ہوگی۔ وہ کیسی ہے؟“

”وہ اب اٹھائیس برس کی ہو چکی ہے سسر فلیس اور آج کل خاصی پریشان ہے۔“

”وہ کیوں؟“

”وہ اپنی ماں کے قتل کے کیس کو ری اوپن کروانا چاہتی ہے اور اسی سلسلے میں میں یہاں تمہارے پاس آیا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”تم تو جانتے ہو گے کہ اس کے باپ فرینک بشپ کو اس جرم میں سزا ہو گئی تھی۔“ فلیس نے کہا۔ ”یا تمہیں علم نہیں ہے؟“

”مجھے معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس جرم کی تقریباً تیس سال سزا بھگتنے کے بعد جس کے بارے میں اس

اشارہ کیا۔“ آبا نے حراست میں بیٹے والے افسران کو اپنا بھی بیان دیا تھا لیکن یہ بیان حکاہر ہے عدالت نے رد کر دیا تھا۔“ میں نے ان کاغذات کو اٹھایا اور انہیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ ”یہاں ایک مرد گواہ کا بیان ہے جو کہ اس موکی جو بار سے نکل رہا تھا۔ اس نے سیاہ بالوں والے ایک دراز قد آدمی کو نصف شب کے فوراً بعد ناتھ کبر لینڈ کی گلی سے نکلنے ہوئے دیکھا تھا جس نے نیوی بلیورنگ کا پنی کوٹ پہنا ہوا تھا۔“ یہ کہہ کر میں نے اپنا پیچہ نیچے رکھ دیا۔

”میں تمہارے ساتھ ایمان دارمی سے کام لینا چاہتا ہوں۔ یہ تمام واقعات تمہارے ڈیڈی کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہو رہے ہیں کیا وہ اس صیغے پر پورے اترتے ہیں جو اس گواہ نے بیان کیا تھا؟“  
 ”ہاں لیکن...“

”ان کی ساقبتہ مجھ کے علاوہ کیا کوئی اور آدمی رات کو انہیں تہاری ماں کے گھر رکھ سکتا تھا؟ تمہارے ڈیڈی نے یہ جاننے کے باوجود کہ انہیں آیا کے ہمراہ اپنی بیوی کے بیڈ روم میں نہیں کرنا چاہیے تھا تمہاری ماں کا فون کیوں اٹھایا تھا؟ یہ بہت زیادہ واقعاتی شہادتیں ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔“ نیٹی، آئی ایم سوری۔“ میرا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

”پلیز، میری انتہا کو روک کر رہیں۔ میں حقیقت اور سچ جاننا چاہتی ہوں۔ چاہے مجھے... یہ معلوم ہو جائے کہ میرے باپ نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا تو مجھے اس کی قطعاً پروا نہیں ہوگی۔ میں بس جانتی چاہتی ہوں۔“

نیٹی کی کپکپاتی آواز میں مایوسی کا عنصر نمایاں ہو گیا تھا۔ ”دو افراد ایسے ہیں جو اس معاملے میں مدد کر سکتے ہیں۔ صرف دو جنہیں یہ علم ہو سکتا ہے کہ اس رات حقیقت میں کیا ہوا تھا۔ بس ان سے بات کرو، پلیز۔“ اس نے بے بسی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ”تم ہی میری واحد امید ہو۔“

☆☆☆

”مجھے ملاقات کا وقت دینے کا شکر یہ سسر فلیس۔“ میں نے ریکل اسٹیٹ کے مالک رچرڈ فلیس کے دفتر میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے معاملے کے لیے ہاتھ آگے بڑھادیا اور اپنی میز کے مقابلہ رکھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”پلیز، بیٹھ جائیں۔“

میں بیٹھ گیا وہ میز کے پیچھے بیٹھ کر رہی جا بیٹھا۔ ”تمہارا نیلی فون آنے پر مجھے خاصی حیرانی ہوئی تھی سراسر

کا دعویٰ تھا کہ وہ جرم اس سے نہیں کیا تھا مسٹر بشپ کا حال ہی میں کاڈنی اسٹیٹ پر یژن میں انتقال ہو چکا ہے۔" میں نے بتایا۔

یہ سن کر فلیس کا چہرہ بدستور جذبات سے عاری رہا۔  
"فلیس نے بتایا ہے کہ تم مقامی نوٹو گرا فر ہو آرتے تھے اور اس کی ماں کو ماڈلنگ کی راہ پر متعارف کروانے کے ذمے دار بھی تم ہی تھے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ان دنوں میں خود کو ایک اچھا خاصا آرٹسٹ سمجھا کرتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اپنی بیٹی ہوئی تصاویر کے بدلے مجھے خاصی شہرت مل جائے گی لیکن نوٹو گرائی کے فن کا خاتمہ ہو گیا اور یہ فن ایک سائز پروڈیکٹ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں رہا۔ مجھے اس فن میں کوئی زبردست قسم کی کامیابی نہیں ملی۔ وہ بیوی تھی جس کی بدولت مجھے کامیابی کی امید تھی لیکن جب وہ مر گئی تو نوٹو گرائی سے میرا لگاؤ بھی دم توڑ گیا۔ ریکل اسٹیٹ کا کاروبار میرا روزگار بن گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔" اس نے اپنے دفتر کی جانب ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔  
"ساتھ ہی اس کے ادنیوں پر تاسف آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم ڈورس جیسی کے نوٹو گرا فر سے بڑھ کر کچھ اور بھی تھے فلیس ہے؟"  
اس نے ایک سرد آہ بھری اور بولا۔ "ظاہر ہے، کیوں؟"

"یہ بات میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں کی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ڈورس عرف بیوی سے میری ملاقات ستمبر 1945ء میں ہوئی تھی جب موسم خزاں کے سالانہ فیسٹیول کی نوٹو گرائی کے لیے میری خدمات مستعار لی گئی تھیں۔ میں نے اس جیسا حسن پہلے ہی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور اس سے پوچھا کہ کیا بھی اس نے ماڈلنگ کرنے کے بارے میں سوچا ہے اور پھر اس کی تصویریں کھینچنے کے انتظامات کیے۔ وہ انتہائی نوٹو جینک تھی۔۔۔ نوٹو گرائی کے لحاظ سے انتہائی موزوں۔ میں نے اس کی تصاویر مختلف مقامی میگزینوں، سرکلرز اور مقبولوں میں بھیجا شروع کرویں اور ان میں سے بہت سوں میں اسے کامیابی بھی ملی اور اس نے مقابلے بھی جیتے۔ مجھے اس سے محبت ہوئی تھی لیکن ہمارے تعلقات میں عیاشی یا نفسانی خواہشات کی تکمیل کا کوئی عنصر نہیں تھا۔"

"پھر اس کی ملاقات فریج بشپ سے ہو گئی۔"  
"ہاں، اور میں نے سوچا کہ پھر اپنی راہیں بدل نہیں سکتے لیکن جب فلیس اس دنیا میں وارد ہوئی تو پھر ڈورس نے اپنے کیریئر میں آگے بڑھنے اور مزید ترقی کرنے کا عزم کر لیا۔ اس وقت پن اپ گریڈ کے مروج کا زمانہ تھا اور ان کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ جب میں نے ڈورس اور دیگر لڑکیوں کے ساتھ جو اسٹاڈز بننا چاہتی تھیں کام شروع کر دیا۔ ان میں سے بیشتر میں عزم سمجھ کی کمی تھی اور زیادہ محنت کرنے کا جذبہ بھی نہیں تھا۔ آخر میں ڈورس اور برناڈیٹ ہی باقی رہ گئیں اور ہمارے درمیان کام کرنے کے تعلقات ڈورس کی موت تک برقرار رہے تھے۔" فلیس نے بتایا۔

"اس حوالے سے بات اس رات کی آ جاتی ہے۔۔۔ 20 مارچ 1954ء کی وہ رات۔" میں نے اسے یاد دلانے ہوئے کہا۔ "فلیس کا کہنا ہے کہ اس کی ماں پر شام ہی تمہاری طرف ہلی گئی تو پھر کیا ہوا تھا، مسٹر فلیس؟"

"بیوی ہالی ووڈ کی راہ پر کاہن گئی۔ 20 مارچ کی اس رات پھر ایک فوٹوشاٹ کے لیے کھٹے ہوئے تھے۔ اس وقت ٹیری لینڈ کے علاقے میں میرا ایک چھوٹا سا اسٹوڈیو ہوا کرتا تھا۔ سچ لئی اور میں نے ڈنریک ساتھ کیا اور اس شب کا زیادہ وقت ہم نے جاز موسیقی سننے میں گزارا تھا پھر نو بجے کے لگ بھگ ہم اسٹوڈیو واپس چلے گئے اور فوٹوشاٹ کا اختتام کیا وہ بجے سے پہلے ہو گیا تھا۔ بیوی نے فلیس کی خبر گیری کے لیے اس کی آیا کو فون کیا اور۔۔۔"

"تو یہ اختلاف ہوا کہ فریج بشپ وہاں موجود ہے۔" میں نے فلیس کی بات کاٹتے ہوئے جملہ مکمل کر دیا۔  
"فلیس نے اہانت میں سزا دیا۔"

"بیوی کا ٹوری ریکل کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔  
"وہ نہایت اہانت ہو گئی تھی۔ وہ اسی وقت وہاں سے چلے جانا چاہتی تھی لیکن اس وقت بارش بہت تیز ہو رہی تھی اور اس کی حالت یہ نہیں تھی کہ وہ ڈرائیو کر سکے۔ میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ چھوٹا ڈیر ٹمبر جائے اور بارش تمہارے کا اٹھنا کرے تب وہ مان گئی۔"

"پھر وہ وہاں سے کس وقت روانہ ہوئی تھی مسٹر فلیس؟" میں نے سوال کیا۔

"بشاہت نے بارہ۔۔۔ کا وقت تھا۔ بارش تب بھی ہو رہی تھی تین اس وقت تک وہ خاصی چمک رہی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ خود کو بالکل بہتر محسوس کر رہی ہے اور اسے

”تو تمہارا خیال بھی یہی ہے؟“  
 ”ہاں اور اب نہیں کو اس حقیقت کو لازمی تسلیم کر لینا  
 چاہیے۔“ قلمس نے کہا۔

☆☆☆

”اور اس مرنے کے بعد اتنی ہی خوب صورت لگ  
 رہی تھی جتنی کہ اپنی زندگی میں تھی۔ کسی کے بارے میں اس  
 قسم کی یاد کیا کچھ عجیب سی بات نہیں؟ لیکن ایمان داری کی  
 بات یہ ہے کہ میں نے اتنی پیاری اور دلکش لاش پہلے بھی نہیں  
 دیکھی تھی اور نہ کسی تہنیں کی رسم اتنے بھرپور انداز کی دیکھنے  
 کا اتفاق ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ پورا دن اپنی شکست جیوتی  
 کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے اٹھ آیا تھا۔“  
 اتنے میں چائے کی کیتلی کی سینی کی آواز نے  
 برتاؤت کو چونکا دیا۔ وہ اپنے چہرے سے مگن کی میز پر  
 سے اٹھ کر اسٹوکی جانب بڑھ گئی۔ ”وہ بیویں کا دشمنی میں  
 سب ہی کو عزیز تھی سب ہی اس سے بے حد پیار کرتے تھے  
 مسز جوڑ لیکن مجھے یقین ہے کہ قلمس نے اس بارے میں  
 تمہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔“  
 ”ہاں، اس نے بتایا کہ ڈورس اور تم نے اس کے  
 فونوگرافی کے ابھرتے ہوئے مستقبل کو قائم رکھنے میں اس

زیادہ دور بھی نہیں جانا پھر وہ قلمی دروازے سے نکل گئی تھی  
 اور اس وقت میں نے اسے آخری مرتبہ زندہ دیکھا تھا۔“  
 قلمس رچڑنے لگا۔  
 میں خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا  
 تھا۔

وہ اپنی میز پر آگے کی جانب جھک گیا اور اپنی نظریں  
 میرے چہرے پر جماتے ہوئے بولا۔ ”میں سمجھ رہا ہوں کہ  
 تم کیا کرنا چاہ رہے ہو اور میری نگاہ میں یہ ایک قابل ستائش  
 عمل ہے لیکن ساتھ ہی تمہیں یہ حقیقت بھی لازمی طور پر ذہن  
 نشین کرنا ہوگی کہ تم ایک بیس سال پرانے قتل کے کیس پر کام  
 کر رہے ہو اور ایک ناخوش عورت کی شکست یا دونوں کی  
 راہنمائی میں عمل پیرا ہو۔ بیوی کے ساتھ میرے تعلقات  
 کے بارے میں بہت سی افواہیں گردش میں تھیں اور بیوی کی  
 موت کے بعد بھی ان افواہوں کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔“  
 ”تم کہنا کیا چاہ رہے ہو، مسز قلمس؟“  
 ”میرے اور بیوی کے درمیان محبت اور دوستی کے  
 سوا اور کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن فریبک شب کا خیال اس کے  
 برعکس تھا اور اسی اندیشے کی بنا پر اس نے اپنی بیوی کو قتل  
 کر دیا تھا۔“

**رات کا مسافر**

سائل سے پیارے لوٹنے والے ایک مسافر کی لمبی مسافت کا احوال ...  
**طاہر جاوید مغل** کے قلم سے آخری صفحات پر سوغات

**سیرشت آدم**

تبدلی صفحات پر **الیاس سہتاپوری** کے قلم سے ایک حقیقت کا احوال  
 جب ہادی بھارون کے درمیان بوشہرت کے احساس نے دوریوں پیدا کرائی تھیں

**سودانے جنوں**

جن دنوں کا سر کھینچنے والے سر فرشتوں کی دلیری اور دانشمندی کا امتحان  
**ڈاکٹر عبدالرب بھٹی** کے خیالات کی پرواز

**ماروی**

روحانی ہوئی محبوبہ اور پر جوش دلہا کے درمیان اچھے ہوئے سراو کی  
 بے بسی کا احوال **مہی الدین نواب** کے قلم کا چادر

جولائی 2015ء کی جولانیاں

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

**سپر سٹورس**

**ماہنامہ**

مزید

خطوط کی محفل  
 محفل شہر خوش اور  
 ہرزہ ایجوکیشن کا پر جوش انداز

منظر امارت ڈاکٹر شہر شاہ سید کا شہدائے  
 شہر ریاض اور قادریہ النجریہ کی دلچسپ تحریریں آپ کی منتظر

جاسوس ڈائجسٹ | 213 | جون 2015ء



کی بھرپور مدد کی تھی۔“

ذہنی تقریبات میں شرکت کرنے سے متعلق کرتے ہیں۔  
فلیس کے ڈورس سے تعلقات خاصے رسوا کن تھے۔  
اشارے اس بات کے ہوتے تھے کہ اگر چند شرائط کو مدنظر  
نہ رکھا گیا تو ان کا فیصلہ عام ہو جائے گا اور فلیس کو اپنی  
بیوی اور بیٹے سمیت اور بہت کچھ کھونا پڑے گا۔ کیا تم نہیں  
سمجھتے کہ وہ ان دھمکیوں پر بندش لگانے کے لیے بھی کچھ  
کر سکتا تھا؟“

”کیا تم یہ کہہ رہی ہو کہ بیوی، فلیس کو بیک مسل  
کر رہی تھی؟“ میں نے چونکتے ہوئے کہا۔  
”بالکل بجا کہہ، ڈورس جانتی تھی کہ اسے کیا مطلوب  
ہے اور اسے کس طریقے سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس  
بارے میں، میں اس کی اس خوبی کی معترف ہوں۔“  
براڈیٹ نے کہا۔

”اس بارے میں یہ موثر اشارہ ہے فلیس نے ڈورس  
کو قتل کیا تھا اور ایک سنگین الزام ہے۔“ میں نے کہا۔  
”یہ فریک بشپ کو محض ایک ممکنہ سبب کی بنا پر مجرم  
قرار دینے کے مقابلے میں کوئی زیادہ سنگین الزام ہے؟  
جب پولیس نے ایک پار فیصد کر لیا کہ وہی قاتل ہے تو تمام  
تحقیقات رکت گئیں۔ دھیان سے سوچو مسز جونز، فلیس وہ  
آخری مرد تھا جس نے ڈورس کو زندہ دیکھا تھا اگر تم ایک  
مردہ شخص پر سے بدنامی کا داغ دھونے کا ارادہ رکھتے ہو تو  
پھر میرا مشورہ سنا ہے کہ تم بیگزس کا ڈنٹی کے پاس ریل  
اسٹیٹ کی اہم شخصیت کا ہار ایک بیٹی سے جا کر لہو۔“  
”میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مس  
براڈیٹ۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اگر ڈورس کی کامیابی  
کے سبب فلیس کو بھی اپنے بہتر مستقبل کا موقع مل رہا تھا تو یہ  
بات عقل سنیم نہیں کرتی کہ اس نے ڈورس کو قتل کیا ہوگا۔ میں  
نے سنا ہے کہ بیوی کی موت کے ساتھ ہی اس کا مستقبل بھی  
ختم ہو گیا تھا اور تمہارا مستقبل بھی۔“

”ہاں لیکن میرے خیال میں قربانیاں تو دینی ہی  
پڑتی ہیں، چاہے وہ کتنی ہی مہنگے کیوں نہ ہوں اگر ان کا  
مقصد اپنے بہترین ذاتی مفادات کے تحفظ سے ہو۔ جب  
ڈورس کا قتل ہوا تو بلاشبہ یہ میرے تیزی سے پختے ہوئے  
کیریئر کا اختتام بھی تھا انہی فلیس کے پاس اپنا ذاتی اسٹیٹ  
کا کاروبار موجود تھا جس پر وہ انحصار کر سکتا تھا۔ اگر وہ چاہتا  
تو بیگزس کا ڈنٹی سے باہر بھی جا سکتا تھا اور جہاں تک میرا  
تعلق تھا۔۔۔ میرا معاملہ قدرے مختلف تھا۔ ڈورس کی موت  
کے بعد بھی میں نے کامیابی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد

”میرا بھی ایسی خیال ہے ان دونوں ہم سب بڑے  
بڑے خواب دیکھا کرتے تھے۔ ہم۔۔۔ اس جگہ کی غربت  
سے فرار حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ ایک بھرپور، دلوانہ، انگیز  
اور عشرت کی زندگی بسر کر سکیں لیکن ہمارے خواب شرمندہ  
تعبیر نہ ہو سکے۔“ براڈیٹ نے بے بسی سے شانے اچکاتے  
ہوئے کہا پھر وہ چائے کی پیالیاں لے کر وہیں میز پر آگئی  
اور ایک بار پھر میرے مقابلے بیٹھ گئی۔

”ڈورس، لیکن آگے بڑھنے میں تقریباً کامیاب  
ہو چکی تھی، ہے؟“ میں نے کہا۔ ”میں نے جو کچھ سنا ہے  
اس کے مطابق اپنے مرنے سے قبل وہ تو میسج پر خاص  
شہرت حاصل کر رہی تھی۔“

یہ سن کر براڈیٹ مسکرا دی۔ ”اگر آپ بلندی پر پہنچنے  
کے لیے راہ میں ہر کسی کے ساتھ سونے کے لیے رضامند  
ہوں تو پھر مقبولیت حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔  
بیوی کو مردوں کو لہمانے میں نطف آتا تھا اور وہ ان کی  
رفاقت سے انجوائے کرتے تھے۔ وہ اور میں دونوں ہی  
جنگل کوئن میں نیپینا کے کردار کے حصول کے لیے دوڑ میں  
شامل تھے لیکن آخر میں فلیس نے ہالی ووڈ کے اسٹوڈیو  
انڈسٹری کو ڈورس کا پورٹ فولیو بھیجے کا فیصلہ کر لیا اور پھر لازمی  
ڈورس کو اس کردار کے لیے ہسکرین ٹیسٹ کے لیے چانس  
کی پیشکش ہو گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اسے وہ کردار بھی مل جاتا  
لیکن یہ فیصلہ اس کی ملا جتوں کی بنیاد پر ہوتا یا کسی اور بنیاد  
پر؟“ براڈیٹ نے آخری جملہ مستی تیز لہجے میں ادا کیا اور  
اپنا چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا پھر چائے کا ایک  
گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔ ”بہر حال، یہ ایک مشکوک  
معاملہ ہے۔“

”فلیس کا کہنا ہے کہ بیوی کے ساتھ اس کے تعلقات  
خالص دوستی اور محبت پر مبنی تھے اور ان میں جنسی کشش کا  
کوئی پہلو شامل نہیں تھا۔“ میں نے بتایا۔

”اوہ اتنے بھولے مت جو مسز جونز۔ فلیس اور  
ڈورس کا فیئر برسوں سے چل رہا تھا اور ان کے احساسات  
اور جذبات کی ذمے دار میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو  
بھی قرار نہیں دے سکتی۔ ان کا کوئی قصور نہیں تھا، وہ ایک  
انتہائی جاذب نظر جوتی تھی۔ اس دور میں فلیس نہایت ہی  
وینڈم ہوا کرتا تھا۔ دراز قامت، خوب رو اور وینڈم ٹائپ البتہ  
سے ایک چھوٹا سا شہر ہے اور یہاں کے باسیوں کو باتیں بتانا  
اچھی لگتی ہیں بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنے پلانے اور چرتی کی

جاسوس ڈائجسٹ، 214، جون 2015ء

Scanned By Amir

”یہ چرڈ کا آئیڈ یا تھا مجھے یہ آئیڈ یا قدر سے اہمقا نہ  
 لگا تھا کہ نبوی کے سناہوں کا ہیٹ پہن کر سیٹوٹ کرتے  
 ہوئے تصویر کھینچو اؤں لیکن یہ نو نو در حقیقت ہمارے نو بیوں  
 کے لیے ایک قسم کا انسائرنٹن ثابت ہوا۔ میرے خیال میں  
 یہ جتنی کارناموں میں ایک طریقے سے میری شرکت بھی کھی  
 جاسکتی ہے۔“

”اور یہ پی کوٹ جو تم نے پہنا ہوا ہے؟ کیا یہ بھی  
 فلیس ر چرڈی کا آئیڈ یا تھا؟“

”در حقیقت یہ اسی کا آئیڈ یا تھا۔“

”لیکن یہ اس کا آئیڈ یا نہیں تھا کہ تم وہی کوٹ پہن کر  
 بیوی کو قتل کرو۔ ہے ناس برناڈیٹ؟“

برناڈیٹ یہ سنتے ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی  
 آنکھیں تیزی سے لگیں پائیکل حرمت کرنے لگیں۔

”تم ڈورس فلیسی کی شہرت، کامیابی اور غائبی اس  
 کے عاشق کو بھی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ جب بیوی کو ہائی  
 ووڈ بیچنے کے لیے جن لیا گیا تو یہ بات تمہاری پروا نہ  
 سے باہر ہو گئی، ہے نا؟ اس کو قتل کرنا اور فلیس کو قتل کے  
 الزام میں پھانسنے کا مطلب اپنے کیریئر کی قربانی تھا۔  
 تمہیں یقیناً اس بات کا یہ خوبی احساس تھا لیکن ہوسکا ہے  
 کہ تمہارے ذہن میں قسمی انتقام لینا اس کامیابی کے  
 مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت کا حامل تھا جو تمہیں حاصل  
 ہو سکتی تھی۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا ہاتھ اپنی برساتی  
 کی جیب میں ڈال دیا۔

”لیکن تمہارا پلان ناقص ہو گیا اور ایک بے گناہ شخص  
 نے اپنی زندگی جیل میں گنوا دی۔۔۔ اور صرف تمہاری وجہ  
 سے اور اب تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تمہاری جوانی، تمہارا  
 حسن سب جاکھے ہیں اور اب تمہارے پاس صرف بڑھاپا  
 باقی رہ گیا ہے۔۔۔ جو تم جیل کی کوٹھری میں سلاخوں کے پیچھے  
 گزاردی۔“

میرے ان الفاظ نے جیسے برناڈیٹ کے غیظ  
 غضب کو چنگاری دکھادی۔ وہ مجھ پر جھوٹ پڑی۔

لیکن اسی دوران میں اپنی برساتی کی جیب میں سے  
 پستول نکال چکا تھا۔ میں نے پستول کی تال بر او راست  
 اس کی پیشانی پر تان لی۔ پستول پر بیچہ پڑتے ہی اس کا غصہ  
 جھاگ کی طرح بپھٹ گیا۔

پھر وہ فرش پر تھکتی چلی گئی اور سر پتڑ کر رونا شروع  
 کر دیا۔

کی لیکن اس وقت میں تقریباً تیس سال کی ہو چکی تھی اور  
 میری مدد کرنے کے لیے میرے پاس فلیس نہیں تھا۔ میرا  
 خیال ہے باقی تر خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو۔“ اس نے  
 ہمارے خالی کپوں کی جانب ہاتھ بڑھایا اور بولی۔  
 ”میں تمہاری اور چائے سے کرائی ہوں۔“

جب برناڈیٹ ہمارے چائے کے کپ دوبارہ پُر  
 کرنے میں لگی تو میں اس پتلے سے ہال وے نما راہ داری  
 میں چلا گیا جس میں اس سابقہ پین اپ گرل نے اپنا ذاتی  
 تخلیق کردہ فائبر کیا ہوا تھا۔ وہاں دیواروں پر برناڈیٹ کی  
 فریم شدہ تصویریں جو بیشتر بلیک اینڈ وائٹ میں تھیں  
 آڑے تر جیسے انداز میں لگی ہوئی تھیں۔

”تمہارے پاس تصویروں کا ایک متاثر کن ذخیرہ  
 ہے۔“ میں نے قدر سے بلند آواز میں پکارتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو، اپنی ان تصویروں کو یوں سجائے رکھنا  
 قدر سے بے مقصد ہی ہے لیکن ان تصویروں کو دیکھ کر ماضی  
 کی حسین اور حرمت انگیز یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ عمر سیدہ  
 ہونا ناقابل تین حد تک ایک مشکل مرحلہ ہے، سٹریجوژ اور یہ  
 میرے لیے قابل قبول نہیں۔“ برناڈیٹ نے حسرت  
 بھرے لہجے میں کہا۔

”تم بلاشبہ حسین اور خوب صورت تھیں۔“ میں نے  
 کہا۔

تصویروں میں وہ دراز قامت، پلک دار چہرے  
 بدن نور گہرے بھورے والی ان عورتوں کے مانند دکھائی  
 دے رہی تھی جن کا تعلق طبقہ امرا سے ہوتا ہے۔ وہ ہر جگہ  
 بڑھیا لہرس اور پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھی۔ اس کا  
 سراپا جیسی جذبے کو ابھارنے والا تھا۔  
 وہ ڈورس فلیسی سے بالکل متضاد لگ رہی تھی۔

”تمہاری تصویریں دیکھ کر مجھے ماضی کی نامور  
 اداکارہ بینی بیچ کی یاد آ رہی ہے۔“ میں نے تبصرہ کیا۔  
 ”تھینک یو سٹریجوژ یہ الفاظ میرے لیے ت کش کا  
 درجہ رکھتے ہیں۔“

پھر ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی اور میں اس کی  
 تصویروں کا جائزہ لینے لگا۔

”کوئی تصویر خاص طور پر نو پسپ گئی؟“

میں پلٹ گیا، برناڈیٹ میرے سین پیچھے کھڑی  
 ہوئی تھی۔ ”ہاں، یہ تصویر جس پر فروری 1954 کی تاریخ  
 پڑی ہوئی ہے۔“ میں نے تصویر کی جانب اشارہ کرتے  
 ہوئے کہا۔

## لہورنگ

انوار مدنی

علم اور فراست زندگی کے وفادار ساتھی ہیں... جو کبھی دغا نہیں دیتے لیکن ہوس پرستی اور خطا کاری ایسے اندھیروں میں دھکیلتی ہے کہ پھر کوئی شمع روشن نہیں ہویاتی... ایک راست گواہ انسان کی کہانی جو علم و عمل میں اپنے آپ کو پکتا سمجھتا تھا... لیکن شیطان کا کام اذیت دینا ہے... وہ ان بندوں کے پیچھے لگ جاتا ہے... جو اپنے مضبوط کردار کے باعث ہمیشہ اس کو شکست دیتے ہیں... انسان اور شیطان کے درمیان ازلی جنگ کے اسرار و رموز... ایک ایسی غلطی... جس کا کوئی مداوم ممکن نہ تھا... ایک سرکشیدہ انسان کی کہانی جو اپنی وحشی خواہشات کی تکمیل کی خاطر دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

نرالی رشتوں میں - امت روزے والوں کا سوا ہونگ

نشست پر رکھا بھر سیٹ پر بیٹھ کر ویسٹ بٹ باندھنے لگا۔ ابھی تک اس نے اتر ہوس کی کسی بات کا جواب دینے کے بجائے صرف سکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

طیارے نے آہستہ آہستہ قہ آف کرنا شروع کیا۔ مسافروں کو پرواز کے درمیان احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے سلسلے میں ضروری ہدایت نشر ہو رہی تھی۔

کنٹرول ٹاور سے آخری ہدایت ملنے کے بعد طیارے نے رن وے پر اسپید بکڑنی شروع کی تو مسافر نے اپنی دسی گھڑی پر نظر ڈالی۔ فلائٹ ٹیمک وقت پر روانہ ہوئی گا۔ طیارے نے رن وے پر رفتار بڑھانے کے بعد زمین سے اپنا رشتہ ختم کر کے فضا کی بلندیوں کی طرف اٹھنا شروع کیا تو مسافر نے نشست کی پشت سے سر تکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن میں پریشان کن خیالات گزرتے ہوئے لگے تھے۔

صبح تقریباً آٹھ بجے اپنے نگاری قلیٹ میں وہ اس

طیارے میں داخل ہونے والا وہ آخری مسافر تھا۔ اتر ہوس نے موافق انداز میں مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔ وہ خوب صورت خدو خال کا مالک تھا۔ گرے چینیٹ اور ڈارک بیوشرٹ نے اس کی کھلتی رنگت کو اور خوشنما بنا دیا تھا۔ فضائی مہمان کی تجربہ کار نظروں نے اس کی عمر کا تخمینہ چھبیس اور اٹھائیس کے درمیان لگا یا تھا۔

مسافر نے جیب سے اپنے بورڈنگ کارڈ کا نصف حصہ نکال کر اتر ہوس کو دکھایا تو اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری اور متنی خیز ہو گئی۔ پھر وہ مسافر کو ہاتھ کے اشارے سے فرسٹ کلاس کی طرف لے گئی جہاں صرف پانچ مسافر پہلے سے موجود تھے۔

”اے ون اتر ہوس نے نشست تک اس کی راہنمائی کرنے کے بعد وہ بی زبان میں مسکرا کر کہا۔ ”یہ نمبر کس خوش قسمت آدمی ہی کو ملتا ہے۔“

مسافر نے اپنے ہاتھ میں دبا چڑی بیگ برابر والی

جاسوس سڈ انجسٹ 216 جون 2015ء

Scanned By Amir



بھولا کہ باپ کی پڑا سرا موت کے بعد ابرار کی زبان بھی  
 تمہارے خلاف زہری لگے گی۔“  
 ”لخت بھیجواس پر۔“ ساجد نے عقارت سے جواب  
 دیا۔ ”کسی معنی شہادت یا ٹھوس ثبوت کے بغیر پولیس محض  
 ابرار کے بیان پر مجھے پھانسی نہیں چڑھا سکے گی۔“  
 ”تم ایک اہم حقیقت کو کیوں فراموش کر رہے ہو؟“  
 ”کیا کہنا چاہتی ہو؟“ ساجد نے ٹھلا ہونٹ چباتے  
 ہوئے سوال کیا۔  
 ”تمہاری ماں۔“ عنبرین نے سنبھل کر جواب دیا۔  
 ”انگل نے اسے طلاق دیتے وقت طلاق نامے میں بھی لکھی  
 لکھا تھا کاس کا ماشی صاف ستر نہیں بلکہ داغ دار تھا۔“  
 ”زبان کو لگام دو۔“ ساجد نے جھٹلا کر کہا۔ ”احتشام  
 احمد دودھ پیتے بچے نہیں تھے۔ دوسری شادی بھی تمہارے  
 انگل نے سب کچھ جانتے بوجھتے کی تھی۔“  
 ”مجھے غیر زنجھو ساجد.... میں جو کچھ کہہ رہی ہوں،

سنسنی خیز خبر کی تفصیل پڑھ رہا تھا جب عنبرین نے اسے کال  
 کر کے پریٹن کن لہجے میں کہا تھا۔  
 ”ساجد! میرا مشورہ ہے کہ تم کوئی خلائیٹ سے ملک  
 سے کہیں باہر چلے جاؤ۔“  
 ”پہلے تم نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب  
 خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟“  
 ”میں اب بھی تمہارے ساتھ ہوں لیکن....  
 حالات اب سازگار نہیں ہیں۔“ عنبرین ایک حق سانس  
 میں بولتی رہی۔ ”احتشام انگل کا قتل معمولی بات نہیں ہے۔  
 پولیس کے ماہرین ہنگامے کا ایک ایک کونا جھانکتے پھر رہے  
 ہیں۔ علاقے کا ایس پی بھی جانے واردات پر موجود ہے۔“  
 ”لیکن موجودہ حالات میں میرا منظر عام سے ہٹ  
 جانا پولیس کے شبہات کو اور ہوادے سکتا ہے۔“  
 ”ابرار کو کیوں فراموش کر رہے ہو؟“ عنبرین نے  
 سرسراتے لہجے میں اسے سبھانے کی کوشش کی۔ ”یہ بھی نہ

جانسو سرد آنجسٹ 217، جون 2015ء

Scanned By Amir

تہارے مجھے کو کہہ رہی ہوں۔“

ہوگا۔“

”تم نے میرے بارے میں کیا رائے قائم کی ہے؟“ ساجد نے بے حد سنجیدگی سے سوال کیا۔

”قانون کی نظر میں میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ جو بھی فیصلہ ہوگا وہ پولیس کی پھان میں اور ابرار کے بیان کی بنیاد پر ہوگا۔“

”جانتا ہوں مگر۔۔۔ تم بھی اس بات کی گواہ ہو کہ میں نے بھی ماں سے ناراض ہو کر ٹھہر رہا ہوں اختیار کرنی ہے۔ صرف تمہاری خاطر ایک دو پارہ کرنے والے کی دلہیز پھلائی تھی۔“

”والدین اگر حادثے کا شکار ہو کر مجھے تنہا چھوڑ جاتے تو میں بھی انکل کے ساتھ رہنے پر مجبور نہ ہوتی۔“

”میں حالات سے ناواقف نہیں ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ ابرار شروع دن سے تمہارے میں دلچسپی لے رہا ہے۔“

”لعنت بھیجواتے پر۔“ حمبرین نے تیزی سے جواب دیا۔ ”اس وقت انکل کی کروڑوں کی جائداد کا معاملہ پولیس کی نگاہوں میں زیادہ اہم ہے جس کا ایک معقول حصہ چھری ماں کے علاوہ انکل کی تحریر کردہ وصیت کی روشنی میں نہیں بھی۔۔۔۔۔“

”شٹ۔۔۔“ ساجد کسی درد سے کی طرح غرایا۔ ”میں تمہارے انکل اور ان کی وصیت۔۔۔ دونوں پر لعنت بھیجتا ہوں جس کا رد ہمارے دل میں بھال کر رہا ہوں، اس کا معاوضہ میری شہاذاات کے لیے بہت ہے۔“

”ہو سکتا ہے تم درست کہہ رہے ہو لیکن پولیس۔۔۔۔۔“ ”جنہم میں گئی پولیس اور اس کی تفتیش۔۔۔ تمہاری ذاتی رائے کیا ہے میرے بارے میں؟ کیا تم کو بھی اس بات کا کم ہے کہ تمہارے جیسے انکل کا تعلق اب اس دنیا سے نہیں رہا؟“

”میں جو کچھ مشورہ دے رہی ہوں وہ تمہارے بھلے کے لیے ہے۔ اس میں میرا کوئی ذاتی منافع نہیں ہے۔“ ”جس چھت کے نیچے تمہارے متوں انکل رچے تھے وہاں کچھ اور افراد بھی ہیں۔ ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“

”سب سے زیادہ غم آتی کو ہے۔“ حمبرین کی آواز ابھری۔ ”ابراہیم اپنے بیروں پر کھڑا ہونے کے بجائے انکل کی دولت پر عیش کر رہا ہے اور اب وہ بھی انکل کی جائداد کے ایک بڑے حصے کا حق دار بننے کے خواب دکھ رہا

”ابراہیم کی صحت بھی اچھی نہیں ہے لیکن ابھی تک اس نے کسی غلط راستے کا انتخاب بھی نہیں کیا، اسے بھی غیبت سمجھو۔“ ساجد نے تھلا کر قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ ”اسے بگاڑنے میں آئی کا بھی ہاتھ ہے۔ انکل کے بعد اب وہ ماں کو جھانسا دے کر ان کا حصہ بھی ہتھیانے کی کوشش ضرور کرے گا۔“

”مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ آئی اور ابرار سے زیادہ مجھے تمہاری فکر لاحق ہے۔“

”کیا میرے جانے کے بعد تم تنہا حالات کا مقابلہ کر سکو گی؟“ ساجد نے کھلی بار بھر دی کا اظہار کیا۔

”تم سے ہمیشہ کے لیے جانے کو نہیں کہہ رہی۔“ جواب میں حمبرین نے بھی اسے پیار سے بھنپا۔ ”اپنے کاروبار کے سلسلے میں بھی تم وہاں اکثر آتے چلتے رہتے ہو۔ پولیس کو زیادہ شک بھی نہیں ہوگا۔ انکل کے قتل کا سہہ حل ہو جائے تو تم واپس آ جانا۔“

ساجد نے حمبرین کی بات مان لی لیکن اب وہ بڑی سنجیدگی سے اپنی حماقت پر غور کر رہا تھا۔ احتشام احمد کے قتل کے سلسلے میں پولیس مشکوک افراد کی جو لسٹ مرتب کرتی، اس میں ایک نام اس کا بھی ضرور شامل کیا جاتا۔ تفتیشی افسران اس اہم پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ ایک جوان بیٹے کی ماں نے پہلے شوہر کے انتقال کے چند ماہ بعد احتشام احمد سے دوسری شادی کر لی تھی۔

ہر چند کہ احتشام احمد نے دوسری شادی آمنہ بیگم اور اپنے جوان بیٹے سے چھپ کر کی تھی لیکن اس کی جھجک دو مہینے بعد آمنہ بیگم کو سن گئی کہ ان کی خوشگوار ازدواجی زندگی کو برباد کرنے میں برہمن ناز کا ناپاک وجود شامل تھا جس نے ایک شوہر کے مرنے کے بعد احتشام احمد پر ڈور سے ڈال کر دوسری شادی کر لی تھی۔ خود احتشام احمد نے بھی دوسری شادی کے لیے اپنی رہائش سے بہت دور ایک دوسرا بنگلا کرائے پر حاصل کر لیا تھا۔

آمنہ بیگم نے جوان بیٹے کی وجہ سے اس تلخ حقیقت کو زبان تک لانے سے گریزی کیا لیکن جب یہ لاوا پہناتا تو ایک بھونچال آ گیا۔ جوان بیٹے کا سرخ لہو بھی ماں کی حمایت میں جوش مارنے لگا۔ احتشام احمد نے حالات کو سنبھالنے کی خاطر برہمن ناز کو طلاق دے دی۔ وقتی طور پر طوفان کی شدت کم ہوئی لیکن نفرتوں کا پودا دلوں میں جڑ پکڑتا گیا جس کا نتیجہ بارہا خراحتشام احمد کی پراسرار موت کی شکل میں

جانسو سے ڈانچست 218 جون 2015ء

Scanned By Amir

ساجد کا ذہن ان پیچیدہ حالات کی روشنی میں بری طرح الجھ رہا تھا۔ خبریں کی بات مان کر اس نے جو قدم نہایا تھا اب اس کا کوئی دوسرا اور فوری علاج بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ کینیڈا کے لیے جو فلائٹ پکڑی تھی، اس کو منزل تک پہنچنے میں پندرہ گھنٹے درکار تھے۔ ان پندرہ گھنٹوں میں اس کے پاس فرار کا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

ساجد نے خود کو سنبھالنے کی کافی کوشش کی۔ جہاز میں ذرا بیٹگی کا سامان دیا اور ہوش تھی جس نے بڑے خوب صورت انداز میں اسے خوش آمدید کہا تھا لیکن وہ اس کی پیشہ ورانہ سکرابٹ تھی جس کا اظہار وہ سب سے کرنے کی عادی تھی۔ اس کا تجربہ ساجد کو پہلے بھی ہوئی سفر کے دوران سنبھلی ہو چکا تھا۔ اس وقت بھی وہ اثر ہوش کو دیکھ کر اپنی نشست پر صرف پہلو بدل کر رہ گیا جو ایک اوجیز عمر کے مسافر کا کوٹ اتارنے میں بڑی بے تعلقی اور اپنائیت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ساجد نے برابر وائی سیٹ سے فٹن میگزین اٹھا کر اس کے اوراق اٹھتے پتھتے شروع کر دیے لیکن وہ اس الجھن کو کم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا جو اسے لائق تھی۔ اس کا ذہن پھر ماضی کے دھندلوں میں گم ہونے لگا۔

☆ ☆ ☆

احتشام احمد کی لاش ان کے بستر پر پڑی تھی۔ خواب گاہ میں اس وقت ابرار احمد اور آمنہ بیگم کے علاوہ خبریں بھی سوگوارہ حوالہ کا ایک حصہ نظر آرہی تھی۔

علاقے کے ایس پی کی موجودگی میں اس کا عملہ ضروری تفتیشی کارروائی میں مصروف تھا لیکن ایس پی کی تیز اور تجربہ کار نظریں مرنے والے کے لواحقین کے چہروں کا ایک سرے کرنے میں مصروف تھیں۔ اس کے حکم پر ملازموں کو بھی مرحوم کے پتکے سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

دو گھنٹے کی چھان بین اور ضروری شواہد کو ہر طرح محفوظ کرنے کے بعد لاش کو پوسٹ مارٹم کے نیچے روانہ کر دیا گیا۔ خواب گاہ کو سنبھل کرنے کے بعد سب ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے جہاں ایس پی نے براہ راست چھان بین کی خاطر مرحوم کی بیوہ سے سوالات کیے۔

”مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں آپ کے نم میں شریک ہونے کے باوجود اپنے پیشہ ورانہ فرائض پورے کرنے کی خاطر مجبور ہوں۔ تقاس یا قائلوں تک پہنچنے کی خاطر آپ سب کا بیان ہی مجھے کامیاب کر سکے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے تعاون کریں گی۔“

آمنہ بیگم نے اپنا سوگوارہ چہرہ اٹھا کر ایس پی کو دیکھا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔ ”میری دلی آرزو یہی ہے کہ اس گھر کی خوشیاں برباد کرنے والا جلد از جلد اپنے بدترین انجام تک پہنچے۔ وہ کوئی بھی ہو، ہماری ہمدردی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔“

”کیا آپ اور مرحوم ایک ہی خواب گاہ میں رات گزارتے تھے؟“ ایس پی نے چہیتے ہوئے لہجے میں پہلا سوال کیا۔

”پہلے ایسا ہی تھا لیکن.....“ آمنہ بیگم نے ہونٹ چباتے ہوئے کسماکس جواب دیا۔ ”مگر کچھ عرصے سے ہم علیحدہ علیحدہ کمروں میں سو رہے تھے۔“

”اس کا سبب غالباً مرحوم کی دوسری شادی تھی؟“ آمنہ بیگم نے اس بار سرکوشاہات میں جنبش دینے پر اکتفا کیا۔

”دوسری شادی کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ضرور ہونی چاہیے؟“ ایس پی نے کچھ توقف سے پوچھا۔

”یقیناً ہوگی مگر میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”کیا مرحوم کو آپ سے کوئی ایسی ذاتی شکایت تھی جو دوسری شادی.....“

”میں بتاتا ہوں۔“ ابرار احمد نے ماں کے چہرے پر ابھرنے والی بیزارگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ”دوسری شادی کی وجہ میری ماں نہیں، وہ بے غیرت عورت تھی جس نے ہمارے گھر کی خوشیوں کو برباد کیا ہے۔“

ایس پی نے نظریں گھم کر ابرار احمد کو دیکھا۔ شاید اسے مثل اندازی پسند نہیں آئی تھی۔ ایک لمحے وہ خاموش رہا پھر اس نے چونک کر سوال کیا۔

”آپ نے عورت کے سلسلے میں تھی، کیوں استہمال کیا؟“

”اس لیے کہ اس آبرو ہائفت عورت نے ذیذہ سے شخص دولت کے نایاب میں شادی کا ڈھونگ رچایا تھا۔“ ابرار احمد نے بدستور عقارت سے جواب دیا۔ ”اپنے مقاصد حاصل کرنے کے بعد ہی اس نے ذیذہ سے طلاق کا مطالبہ کیا ہوگا۔“

”آپ یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ ایس پی نے پہلو بدل کر کریدنے کی کوشش کی۔ ”کیا آپ کے پاس اس بات کوئی ثبوت ہے؟“

”میں بتاتی ہوں۔“ آمنہ بیگم نے رندھی ہوئی آواز میں ایس پی کو غصہ کیا۔ ”طلاق کی اطلاع بھی مجھے میرے

شوہر نے بیس روز قبل ہی تھی۔ اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے مرنے والے نے یہ اقرار بھی کیا تھا کہ دوسری شادی سے قبل اس نے دوسری عورت کے اصرار پر ایک وصیت نامہ بھی اپنے وکیل کی موجودگی میں تحریر کیا تھا جس کی رو سے اس عورت اور اس کے سوتیلے بیٹے کو بھی جائیداد کے کچھ حصے کا حق دار قرار دیا گیا تھا۔

”آئی سی۔ ایس بی نے پہلو بدلا۔“ گویا مشکوک افراد کی فہرست میں ان کو شامل کرنا بھی ضروری ہے۔

”فصل کس نے کیا، اس کا فیصلہ آپ کی تحقیقات اور رپورٹ کی روشنی میں عدالت کرے گی لیکن ذاتی طور پر مجھے یہی شبہ ہے کہ ڈیڑے کے قتل میں ان دونوں ماں، بیٹے کا ہاتھ کسی نہ کسی زاویے سے شامل ہے۔“ ابرار احمد نے اپنی نفرت کا اظہار کیا پھر منبرین کی طرف کن انھیوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”مطلقہ فاحشا اب تک اسی شہر میں ہے جبکہ اس کا سوتیلہ بیٹا ساجد فرار ہو چکا ہے۔“

”فرار ہو چکا ہے؟“ ایس بی نے پہلو بدلا۔ ”آپ کو اس کا علم کس طرح ہوا؟“

”اپنے شہر کی بنیاد پر میں نے سب سے پہلے اسی کو فون کیا تھا۔ اس کے دو گھنٹے کے کاروباری دفتر سے یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی کاروباری سلسلے میں کینیڈا چلا گیا ہے۔ ڈیڑے کے قتل کے بعد اس کے فوراً ہی ملک چھوڑ دینے کو محض اتفاق کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ میں قضائی کمپنی کی فلائٹ انکوآری سے اس کی روانگی کی تصدیق بھی کر چکا ہوں۔“

”کیا ساجد کا آپ کے گھر آنا جانا تھا؟“

”جی ہاں۔“ ابرار احمد نے ناپسندیدہ انداز میں جواب دیا۔

”سوچ کر جواب دیں مسٹر ابرار۔۔۔ کیا ساجد کل رات بھی کسی وقت آیا تھا؟“

”ہو سکتا ہے لیکن میں نے نہیں دیکھا۔“

”آپ کیا کہیں گی اس سلسلے میں؟“ ایس بی نے آمنتیہم سے سوال کیا۔

”میں زیادہ تر اپنے کمرے تک محدود رہتی ہوں اس لیے یقین سے نہیں کہہ سکتی۔“

”ساجد کے بارے میں بہر حال آپ کی کوئی ذاتی رائے ضرور ہوگی۔“

”میری ناقص معلومات کے مطابق جین وہ اپنی ماں کی دوسری شادی سے خوش نہیں تھا۔“

”ون منٹ۔“ ایس بی نے چونک کر ابرار احمد کی

جانب دیکھا۔ ”جب آپ کے مرحوم والد نے ساجد کی ماں کو شیکہ مکان میں رکھا تھا اور وہ اس کی شادی سے خوش بھی نہیں تھا تو۔۔۔ یہاں کس سلسلے میں آتا جاتا تھا؟“

”وہ۔۔۔ ساجد کا دلچسپ دراصل منبرین کا کلاس فیلو تھا۔“ ابرار احمد نے قدرے رک کر اپنا جملہ مکمل کیا۔

ایس بی کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے ابرار احمد کو ذرا تنگ روم سے باہر بیچ کر منبرین کو قریب آ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کا چہرہ کئی قسم کے اندرونی جذبات کی ترجمانی سے ہنس عاری تھا۔

”مرحوم کو جو صورت حال پیش آئی ہے، اس کی روشنی میں آپ کیا کہیں گی؟“

”بچی کے باپ کے بعد میں اپنے مشفق اہلک کے سامنے سے بھی محروم ہو گئی۔“ منبرین نے مغموم لہجے میں کہا۔

”آپ کا کیا اندازہ ہے؟ کیا مرحوم کے بعد آپ کی آئی آپ کا خیال نہیں رکھیں گی؟“

”میں ایسا سوچنا بھی سنہ سمجھتی ہوں۔“ منبرین نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ ”انگل اور آئی دونوں نے بھی مجھے والدین کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔“

”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے سے پیشتر ہم موت کے اسباب کے بارے میں صحیحی بات نہیں کر سکتے لیکن میرا تجربہ کہتا ہے کہ مرحوم کو پہلے کسی طرح بے ہوش کیا گیا اس کے بعد کوئی ماری ٹی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں کی گئی، اس کی ایک اہم وجہ اور یہی ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔“

”وہ کیا۔۔۔؟“

”قاتل مرحوم کے لیے کوئی اجنبی نہیں بلکہ جانی پہچانی شخصیت تھی۔“ ایس بی نے رک رک کر کہا۔ اس کی نظریں بدستور منبرین کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ”کوئی مارنے کی خاطر جو آؤ ٹو ٹیک ہتھیار استعمال کیا گیا وہ بھی مرحوم کا تھا۔“

منبرین نے چونک کر ایس بی کو دیکھا لیکن چپتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”میں کوشش کروں گی آپ کی ہر طرح کی مدد کی جائے۔“

”شکریہ۔“ ایس بی ماہرانہ انداز میں مسکرایا پھر اس نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔ ”آپ مسٹر کو ساجد کو کس خانے میں فٹ کریں گی؟ کیا وہ اپنی ماں کی دوسری شادی سے خوش تھا؟“

اشارے پر رد یافت کیا۔  
 "مکمل جہان میں تفتیش افسر کی حیثیت سے آپ کو  
 ہی کرتی ہے۔ میں نے مقتول کی ذاتی حیثیت کی بنا پر یہاں  
 آنا ضروری سمجھا تھا۔" ایس پی نے سامنے گول میز پر رکھے  
 ہوئے موہاٹل کو اٹھا کر سراج کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔  
 "گھر کے افراد سے میری جو گفتگو اب تک ہوئی، وہ اس  
 میں ریکارڈ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں آپ کو بھی کچھ کارآمد  
 باتیں مل جائیں۔ باقی ڈسکشن میں آپ سے بعد میں کروں  
 گا۔"

"میں ملازموں کا بیان لے چکا ہوں سر، اب ان  
 کے بارے میں کیا حکم ہے؟"  
 "ملازموں کو میرے خیال میں زیادہ پریشان کرنے  
 کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو اختیار ہے۔" ایس پی نے  
 اٹھتے ہوئے سپاٹ لیجے میں جواب دیا پھر وہ زیادہ دیر نہیں  
 رکھا۔

☆☆☆

باپ کے انتقال کے بعد ساجد نے ریڈی میڈ  
 کپڑوں کے کاروبار کو پوری توجہ سے سنبھال لیا تھا۔ ایک  
 سال کے مختصر عرصے میں اس نے اپنی دن رات کی اٹھک  
 محنت کے بعد کاروبار کو نہ صرف مقامی مارکیٹ میں پھیلا دیا  
 بلکہ کچھ دوستوں کی مدد سے کینیڈا کی مارکیٹ میں بھی  
 ایک سپورٹ کا کام شروع کر دیا تھا جو بتدریج اس کے کاروبار  
 کو بیرونی منڈیوں میں بھی دست دینے میں معاون ثابت  
 ہوا تھا۔

صبح دس بجے سے شام سات بجے تک وہ دفتری اور  
 مارکیٹ کے دیگر کاموں میں مصروف رہتا، شیک ساڑھے  
 سات بجے گھر پہنچ کر وہ ماں کی دلجوئی میں لگ جاتا تھا۔ یہ  
 روزمرہ کا معمول تھا لیکن اس روز قسمت کے ستارے شاپ  
 گروڈ میں آنے والے تھے جب وہ خلاف معمول شام  
 کے چار بجے گھر آ گیا۔ اپنے گھر کے دروازے پر ایک قیمتی  
 کار کو گھرا دیکھ کر وہ ایک لمحے کو حیران ہوا پھر اس نے سبھا  
 سمجھا کہ شاید گاڑی والے نے پارکنگ کی ٹکٹی کو غمبوس کر کے اس  
 جگہ کا انتخاب ضرورتاً کیا ہوگا مگر گھر میں قدم رکھتے ہی دوسرا  
 جھٹکا لگا۔۔۔ احتشام احمد اور اپنی ماں کو کرسیوں پر آنے  
 سامنے بیٹھا دیکھ کر وہ چونکا پھرنے کی طور پر ایک ٹوش گوارنٹلا  
 ٹکی کا شکار ہو کر اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اس  
 کے ذہن میں عنبرین کا تصور ابھرا جو اپنے والدین کے ایک  
 حادثے میں شکار ہو جانے کے بعد احتشام احمد کے گھر منتقل

"اس کا جواب وہ بہتر طور پر دے سکتا؟" عنبرین  
 نے سسکا کر جواب دیا۔ "اس گھر میں وہ کلاس فیلو ہونے  
 کی وجہ سے دو تین بار ہی آیا تھا لیکن میں اتنا ضرور جانتی  
 ہوں کہ ماں کی دوسری شادی سے پہلے ہی ساجد نے اس  
 سے طے کر لی اختیار کر لی گی۔"

"کیا آپ کو اس کا یہاں آنا جانا پسند تھا؟" ایس پی کا  
 لہجہ معنی خیز تھا۔  
 "میں نے کبھی برساتانے کا اظہار بھی نہیں کیا اس لیے  
 کہ میری پرورش جس ماحول میں ہوئی ہے، اس میں صاف  
 دل سے کسی واقف کار سے ملنے جلنے کو مقبوض بھی نہیں سمجھا  
 جاتا۔" اٹکل یا آٹھی نے بھی بھی ساجد کے یہاں آنے پر  
 اعتراض نہیں کیا۔

"ایک اہم بات اور، کیا ساجد کل شام کے بعد کسی  
 وقت یہاں آیا تھا؟"

"جی نہیں۔" عنبرین نے پورے اعتماد سے جواب  
 دیا۔

"پھر اسے حادثے کی اطلاع کس طرح  
 ہوئی؟" ایس پی نے جیسے لہجے میں سوال کیا۔ "کیا اس کا  
 آج ہی کینیڈا جانا محض اتفاق کہا جاسکتا ہے؟"  
 عنبرین نے اس بار فوری جواب نہیں دیا۔ اس کے  
 چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات اس بات کی غمازی کر  
 رہے تھے کہ وہ ایس پی کے سوال سے کسی ذہنی کشمکش کا شکار  
 ہو گئی تھی۔

"آپ خاموش کیوں ہیں؟" ایس پی نے ساجد کے  
 بارے میں پھر اپنا سوال دہرایا۔ "حادثے کی اطلاع اسے  
 کس طرح ہوئی؟"

"اٹکل کے نقل کی اطلاع اسے میں نے دی تھی۔"  
 عنبرین نے اترار کیا۔ "کینیڈا جانے کا مشورہ بھی ساجد کو  
 میں نے ہی دیا تھا۔"

"اس کی کوئی وجہ بھی ضرور ہی ہوگی؟"  
 "جی ہاں۔" عنبرین نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔  
 "دراصل ابراہم کو میری وجہ سے ساجد کا یہاں آنا جانا پسند  
 نہیں تھا۔"

"آئی سی۔" ایس پی نے پہلو بدلا پھر اس نے  
 عنبرین کو دو تین مزید معلوماتی سوالات کرنے کے بعد  
 کمرے سے جانے کی اجازت دے کر علاقے کے تھانہ  
 انچارج انسپٹر سراج کو طلب کیا۔

"کوئی پیش رفت ہوئی سر؟" انسپٹر نے ایس پی کے

جاسوسی ڈائجسٹ 222 جون 2015ء

Scanned By Amir



”میں کوئی بے زبان جانور نہیں جو خاموشی سے قربان ہو جاؤں۔ مذہب نے مجھے پسند اور ناپسند کا جو حق دیا ہے، اس سے بھی ناواقف نہیں ہوں۔“

”لیکن میں تمہیں کسی امتحان میں نہیں ڈالوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ عنبرین نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ”تم اپنی والدہ کو پیغام لے کر بھیجو، باقی میرا کام ہے۔“

”مجھے تمہوڑا وقت درکار ہے۔“ ساجد نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ ”بزنس کو کچھ اور اصلاحیں کر لوں اس کے بعد میں ماں کو بھی دل کا حال بتا دوں گا۔“

”اوکے، ایجنڈا دس یو گنڈ لک۔“ عنبرین نے بڑے عیار سے جواب دیا پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

عنبرین کو حاصل کرنے کی لگن اور ماں کے دل سے بیوگی کا غم دور کرنے میں ساجد نے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ قسمت اور وقت نے اس کا ساتھ دیا تو حالات خود بخود سازگار ہوتے چلے گئے۔ بیرونی منڈیوں تک ایک سپورٹ کا سلسلہ قائم کرنے کے بعد وہ اس قابل تھا کہ عنبرین کا ہاتھ تمام سکے۔ اس غرض سے وہ اس دن شام چار بجے گھر آ گیا تھا تاکہ ماں سے اپنے دل کا حال بتا سکے۔ لیکن خلاف توقع احتشام احمد اور ماں کو آسنے سامنے بیٹھا دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا پھر وہ بس خوشگوار غلط فہمی کا شکار ہو گیا کہ شاید عنبرین نے کسی طرح اپنے اور ساجد کے پیار کی داستان گھردالوں کے کان تک پہنچا دی ہوگی جو احتشام احمد نے خود اس کے غریب نہانے تک آنے کی زحمت گوارا کر لی۔ وہ آڑ میں ہو کر ان کی گفتگو سننے لگا۔

”میں تمہاری خاموشی کو کیا سمجھوں؟“ احتشام احمد کی آواز ابھری۔ ”اقرار یا انکار؟“

”فوری طور پر میں اس اہم مسئلے کا کوئی جواب دینے سے قاصر ہوں۔“ ماں نے ہچکچا کر کہا۔

”شادی کا پیغام کوئی حرم نہیں ہے جسے مسئلہ بنالیا جائے۔“

”آپ مرد ہیں اس لیے زبان کھولنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے لیکن میں عورت ہوں اور ماں بھی اس لیے ذرتی ہوں۔“

”ڈرنے کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟“

”ہاں۔“ ماں نے کچھ توقف سے جواب دیا۔

”میری زندگی کی کتاب کے کچھ اور اوراق آپ کی نظر سے بھی گزر چکے ہیں۔ انسان مارنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے

عنبرین۔ کالج میں اس کی کلاس فیلو تھی پھر وہ دونوں وقت کے ساتھ ایک دوسرے کے مستقبل کا حسین خواب بن گئے تھے۔ ان کی پاکیزہ محبت کے چرچے پھر پورے کالج میں ہونے لگے۔ ساجد کے ایک قریبی دوست نے ایک بار اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”میری ماں تو عنبرین کا خیال ذہن سے نکال دو۔“

”کیا مطلب؟“ ساجد نے چونک کر اپنے اس شخص دوست کو حیرت سے دیکھا۔ ”کیا تم بھی دوسرے لڑکوں کی طرح۔۔۔“

”گلا مت سمجھو ساجد۔“ دوست نے وضاحت کی۔

”کالج کی بات اور تھی یہاں ملگلو تعلیم ہونے کی وجہ سے کسی کو زیادہ انگلیاں اٹھانے کی ہمت نہیں تھی لیکن باہر کی طبعاتی دنیا میں تمہارے اور عنبرین کے پیار کو لوگ کچھ اور رنگ دیں گے۔ احتشام احمد کی شخصیت، ان کی امارت اور اسٹینس کے بارے میں تم بھی جانتے ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ تمہاری اور عنبرین کی محبت کو پروان چڑھنے کی اجازت دیں گے خاص طور پر ایسی صورت میں کہ جب خود عنبرین کو بھی حالات کی گردن نے ان کی ذمہ داری بنا دیا ہے۔“

ساجد نے خاموشی سے گردن جھکالی۔ اس کا ذہن بھی اسٹینس کے تانے بانوں میں الجھ کر رہ گیا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ابرار احمد بھی عنبرین کے دعوے داروں میں سے ہے۔ احتشام احمد اور آمنہ بیگم بھی عنبرین جیسی سونے کی چڑیا کو جو کروڑوں کی جائداد کی تباہ وارت رہ گئی تھی، ہاتھ سے نکل جانے دیں گے۔

پھر سالانہ امتحان ختم ہوئے تو کچھ عام ملاقاتوں کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ ہفتے میں ایک دو بار موبائل پر مختصر گفتگو ہو جاتی تھی۔ عنبرین نے دبی زبان میں کہا بھی تھا کہ ساجد ماں کو رشتے کے لیے بھیجے لیکن باپ کی موت کے بعد ساجد اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ ماں کو آمادہ کرے۔ اسے اندیشہ تھا کہ احتشام احمد اس کی مالی پوزیشن کے تحت عنبرین کا ہاتھ اسے دینے کی حامی نہیں بھریں گے۔

”تم ہمت کرو ساجد، میں کوئی ان پڑھ یا غنوار لڑکی نہیں ہوں جو اپنی قسمت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکوں۔ والدین کا سایہ سر سے ضرور اٹھ گیا ہے لیکن کروڑوں کی جائداد میرے نام ہے۔ ہم علیحدہ رہیں گے تو تم اپنا بزنس بھی بڑے پیمانے پر کر سکو گے۔“

”کیا تمہارے اپنے انکل کے سامنے زبان کھول سکو گی؟“

بولنے والوں کی زبان بند نہیں کی جاسکتی۔“

”کیا ساجد بھی اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ وہ تمہاری سوئی اولاد ہے؟“

احتشام: ہمد کا وہ جملہ ساجد کے وجود میں کسی آتش نشانی کے اچھے ہوئے لادے کی طرح اترتا چلا گیا۔ ایک لمحے کو وہ اس انکشاف کو اپنی سماعت کا وہم سمجھا لیکن پھر برہم ناز کے جواب نے اس بات کی تصدیق بھی کر دی۔

”میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، اس راز کو دو بارہ زبان تک نہ آنے دیجیے گا ورنہ میں کسی کو متہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی اور اب تو ساجد کے سوا میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔“

”مجھے منظور ہے لیکن اس شرط پر کہ تم بھی میری خواہش کا احترام کرو۔“

”آپ کو آمنتیہم سے ایسی کیا فکارت ہے جو دوسری شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔“ برہم نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ”یہ بھی نہ بھولیں کہ آپ ایک جوان بیٹے کے باپ ہیں۔“

”یہ سوچنا میرا کام ہے۔“ احتشام احمد نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ”ابراہیم میرے کسی معاملے میں بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ رہا آمنتیہم کا مسئلہ تو تم بھی جانتی ہو کہ ایک پیچیدہ آپریشن کے بعد وہ میرے قرب کو پہلی جیسی رغبت سے قبول نہیں کرتی۔۔۔ بالکل سرد ہو کر رہ گئی ہے۔“

”لیکن اس میں اس غریب کا کیا قصور ہے؟ وہ آپریشن بھی اس نے آپ کی خواہش پر کر دیا تھا۔ آپ اپنے کیے کی سزا دوسرے کو کیوں دے رہے ہیں؟“

”سزا اور جزا کی بات چھوڑو برہمیں شکم۔ یہ بھی نہ بھولو کہ کسی نے تمہیں داغ دار کر کے بیچ مندر حار میں چھوڑ دیا تھا۔“ احتشام احمد نے چپے انداز میں کہا۔ ”دوسرے سرد نے فوراً تمہارا ہاتھ نہ تھاما ہوتا تو ساجد کا بچہ بھی مکمل کیا ہوتا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو احتشام۔“ برہم نے جواب دیا۔ ”اوپر والے کی ناشکی بھی سزا اور جزا کے پارے میں کبھی غلط ٹھیلے نہیں کرتی۔ وہ اپنے مجبور بندوں کی بے کسی پر خصوصی کرم کرتا ہے جس نے بھی میری مجبور یوں سے قائمہ اٹھایا وہ بھی خدا کی بے آواز ناشکی کا تہ نہ ضرور ہے گا۔“

”مجھے اس کا نام نہیں بتاؤ گی؟“ احتشام احمد نے تذبذب کی کیفیت سے دوچار ہو کر در پافت کیا۔

”وقت کا انتظار کرو، ہو سکتا ہے کہ حالات تمہیں کسی ایسے سوز پر پہنچا دیں جب تم کو بھی کسی کی اوصیت کا اندازہ ہو جائے۔ اس وقت میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”لغت بھی جوان باتوں پر۔“ احتشام احمد نے اس بار فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”تم بہر حال مجھ سے شادی کرنے کے سلسلے میں انکار کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہو۔ میں دو روز بعد پھر آؤں گا۔“

”اگر تم ضد کر رہے ہو تو پھر تمہیں میری ایک شرط بھی قبول کرنی ہوگی۔“

ساجد کا پورا وجود طوفان میں گھرے کسی حصوم پردے کی طرح نرزار ہاتھا۔ اس نے جو کچھ سن لیا تھا اس سے زیادہ سننے کی تاب بھی نہیں تھی اس لیے تیزی سے پلٹا اور اگلے قدموں گھر سے واپس چلا گیا۔

اس رات وہ خاصی دیر سے گھر واپس آیا۔ ماں نے اس کے چہرے پر پھیلی دیرانیوں کا اندازہ لگایا تو بڑے پیار سے بولی۔

”کیا بات ہے ساجد، آج اتنی دیر کہاں ہو گئی؟“

”زندگی اور کاروبار میں اکثر کچھ ایسے تشیب و فراز آجاتے ہیں جو انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے۔“ ساجد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”نفع اور نقصان انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔“

”نقصان کی فکر کرو گے تو کاروباری اونٹ بیچ کا تجربہ کیسے کرو گے؟“ ماں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”انسان کو بہر حال میں صبر و شکر سے کام لینا چاہیے، چلو کھانا کھا لو۔“

”نہیں۔“ ساجد نے سرد انداز میں جواب دیا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“

”کیا بات ہے ساجد؟“ ماں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔ ”ایسا کیا نقصان ہو گیا جس کی حلانی نہیں ہو سکتی؟“

”آج۔۔۔ آج وہ شیشہ ٹوٹ کر چٹکا چور ہو گیا جس میں مجھے میرے ماضی، حال اور مستقبل کا عکس نظر آتا تھا۔“

ساجد نے خلا میں گھورتے ہوئے دل برداشتہ انداز میں کہا۔

”تو نے ہوئے شیشے دو بارہ نہیں جڑا کرتے۔“

برہم نے ساجد کو نئی نظروں سے دیکھا۔ جو بات ساجد کی زبان سے نکلی وہ اس شے کو تقویت دے رہی تھی کہ وہ احتشام احمد اور اس کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ کچھ لمحے وہ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی

پندرہویں سہ ماہی فائنل ایوارڈ 2015ء کی فاتحہ

کراچی  
ماہنامہ  
پاکستان



رفیق جاوید نے عیاں کیا رنگِ خلش کا اصل رنگ.....

نگہت سیما کی ماضی و حال میں تیزی سے سفر کرانی دلچسپ تحریر..... اعتبار و وفا

اسیر و وفا میں زمر نعیم نے سمیٹے وفا کے انوکھے باب

متاع دل..... نبیلہ ابرار جانے اٹھایا چند تلخ حقائق سے پردہ

چلو ہم ساتھ چلتے ہیں..... صائمہ اکرم کی ایک پرفسوں تحریر

اختر شجاعت کے قلم سے..... توبہ..... توفیق الہی ایک روح پرور مضمون

شیریں حیدر کے مشاق قلم کا ایک اور شاہکار گھنٹی کی صورت

ماہنامہ قلم کار.....

نبیلہ احمد بشیر نے بخشی ہماری بزم

کو رونق اپنی کھٹی، میٹھی مگر پر فکر باتوں سے

دیگر ممتاز لکھاریوں کی پر تنوع کاوشیں جن میں حبا بخاری، صائمہ قیصر، صدف آصف،

نزهت جبین ضیا، شمیم فضل خالق و دیگر شامل ہیں۔

پندرہویں سہ ماہی فائنل ایوارڈ 2015ء کی فاتحہ





وہ اپنے فکری پریشانی کی رپورٹ آجائے تو پھر ہمیں قافلے کا سراخ لگانے میں بھی زیادہ سہولت ہوگی۔" انسپٹر نے قافلے اور دیگر سامان سینے ہوئے کہا پھر ابرار احمد سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

ساجد کے گھر چھوڑ کر چلے جانے سے برہمیں کی زندگی میں جو غلط پیدا ہو گیا تھا، اس کا پڑ کرنا اس کے اختیار کی بات نہیں تھی۔ ماضی کی کچھ کمزوریوں نے اس کی زبان پر قفل ڈال دیے تھے۔ وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھی کہ مکمل کر اپنی صفائی پیش کر سکتی۔ صرف اپنی مجبوریوں پر مکمل کر آنسو بہانے کے سوا کوئی بات اس کے اختیار میں نہیں تھی۔

ساجد کے جانے کے دو دن بعد احتشام احمد دوبارہ سامنے آیا تو برہمیں کا دل جاہا کہ خفارت سے اس کے منہ پر تھوک دے، دھکے مار کر گھر سے نکال دے یا پھر اس کا خون کر دے جو اس کی خوشیوں کو بار بار دستا ہوتا تھا لیکن وہ اس وقت بھی دل پر جبر کر کے رہ گئی۔ بات بڑھتی تو رانی کا پرہیز بن جاتی اور اس پرہیز سے اڑنے والی دھون ساٹھ لینا بھی دو بھر کر دیتی۔ ساجد کا وجود بھی پیٹ میں آتا جو برہمیں کو کسی قیمت پر منظور نہیں تھا چنانچہ اس نے دل پر ہتھ رکھ کر احتشام احمد کو پھر اپنی وہلیز پیدا کرنے کی اجازت دے دی۔

"قبل اس کے کہ میں تمہاری مرضی معلوم کروں یہ بتا دوں کہ میں نے تمہاری خاطر ایک بنگلا کرانے پر حاصل کر لیا ہے۔" احتشام احمد نے مسکرا کر کہا۔ "اب تم مجھے اپنے آخری ٹھکانے سے بھی آگاہ کر دو۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" برہمیں نے دل شکستہ لہجے میں سوال کیا۔ "کیا میں تمہاری کن بات سے انکار کر سکتی ہوں؟"

"آج تم کچھ افسردہ نظر آ رہی ہو؟" احتشام نے اسے کرپہنے کی خاطر سوال کیا۔ "کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں۔" برہمیں نے تھلا ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "ساجد گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

"کیوں؟"

"بچھلی ہار جب تم آئے تھے تو اس نے ہم دونوں کی بات سن لی تھی۔"

"اوہ۔" احتشام کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "کیا اسے بھی پتا چل گیا ہے کہ وہ تمہاری سوتیلی اولاد ہے؟"

"اس ذکر کو بھی تم ہی ہار ہار نکالتے ہو۔" برہمیں نے دل پر جبر کر کے غصہ کیا۔

"ایسی باتیں ہمیشہ راز میں رہتیں، کبھی نہ کبھی ان کا پول بہر حال کھل جاتا ہے۔"

"شاید تم بھی غلط نہیں کہہ رہے ہو لیکن تم بھی جانتے ہو کہ میں نے اسے کس ناز و پیار سے پال پوس کر جوان کیا ہے۔"

"کیا ساجد نے بھی تم سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تھا؟"

"تم کیا معلوم کرنا چاہتے؟" برہمیں نے نفرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ساجد کی طرح مجھے بھی اس بات کی کھوج ہے کہ اس کا باپ کون ہو سکتا ہے؟ تمہیں کہیں نہ کہتا سے اس کی ہنک تو ضرور ملی ہوگی۔"

"چور کا بھائی کو ہار گروٹ ہی ہوتا ہے۔" برہمیں نے بے اختیار ہنس کر کہا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی ہنسی میں کوئی اندر دہنی کرب بھی شامل تھا۔

"تم نے اس وقت یہ مثال کیوں دی؟" احتشام احمد کی کشادہ پیشانی ٹھکنے آلود ہوئی۔

"تمہارا ماٹھا اب کیوں ٹھنک رہا ہے جبکہ تمہارے ذہن میں ابھرنے والی شخصیت اپنی خوبیوں سمیت دفن ہو چکی ہے۔"

احتشام ایک لمحے برہمیں کو گھورتے رہے پھر موضوع بدل کر کہا۔ "میں چاہتا ہوں تمہاری اور میری شادی میں اب کوئی تاخیر نہ ہو۔"

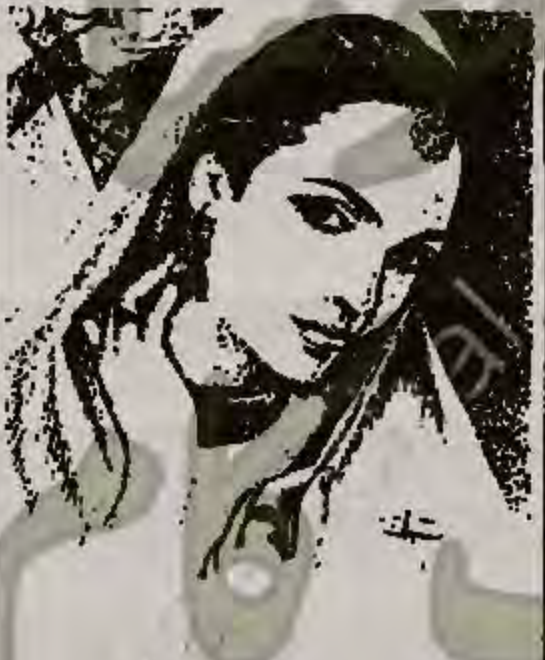
"کل بھی کسی وجہ سے میں تمہاری کن بات سے انکار نہیں کر سکتی تھی آج بھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

احتشام نے بات کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔ دوسرے ہی دن انہوں نے قاضی کو بلا کر نکاح پڑھا لیا اور برہمیں ان کے ساتھ اپنے گھر کو حسرت بھرے انداز میں لگا کر خاموشی سے رخصت ہو گئی۔ اس کی وہ سہاگ رات بھی بڑے کرب کے عالم میں گزری مگر اس نے دل پر جبر کر کے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

دوسرے دن وہ نئے گھر میں چھتا بیٹھی اپنے ماضی اور حال کے تانوں بانوں میں الجھ رہی تھی جب فون کی گھنٹی بجتی رہی پھر بند ہو گئی۔ اس نے کوئی خاص توجہ بھی نہیں دی لیکن جب دوسری بار بھی وہی آواز اس کے وجود میں اچھل چھاتی رہی تو اس نے جھٹکا کر فون اٹھا لیا۔



میں نیا سحر انگیز طویل سلسلہ  
**شیش محل**



ہر دل عزیز اور معروف قلم کار  
اسماء قادری کے قلم سے  
بہت جلد پیش کیا  
جا رہا ہے

”کون ہے؟“ اس کا سوجھی گزرے وقت کی طرف  
رجحی تھا۔  
”ایک اور نئی شادی مبارک ہو۔“  
”کی تم نے اس وقت میرے زخموں پر نمک چھڑائے  
کے لیے فون کیا ہے؟“ برہمیں کی آواز شدت جذبات سے  
کھپانے لگی۔  
”ایک بات معلوم کرنی چاہوں گا۔ میرے تمام  
ضروری دست و پازات پر ولدیت کی جگہ منظور احمد کا جو نام لکھا  
ہے وہ کون تھا؟“  
”منظور احمد ایک فرضی نام ہے۔“ برہمیں نے دل  
موسوں کر جواب دیا۔  
”کیا مطلب؟“  
”قدرت کو جو منظور تھا، میں نے وہی مناسب سمجھا۔  
اس سے زیادہ وضاحت کرنا میرے اختیار میں.....“  
”چشم میں جاؤ میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔“ دوسری  
جانب سے رابطہ منقطع کیا گیا تو برہمیں باز اپنے بستہ پر گزر کر  
ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دیکھنے کے بعد اسپیکر کا بظاہر  
ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا کہ احتشام نے کسی مخصوص ذاتی یا ذہنی  
پریشانی کے سبب ایک ایسی دوا استعمال کی جو بظاہر خواب  
آوردہ لیکن اس کی زیادہ مقدار استعمال کرنے سے حرکت  
تک بند ہونے کا خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی  
رپورٹ میں بھی یہی وضاحت کی گئی تھی۔ جائے وقوعہ سے  
دوا کی جو بوتل ملی تھی وہ بھی خالی تھی۔ ہسپتال پر صرف اور  
صرف مرحوم کے لنگر پرشس لے تھے جس میں کچھ تازہ بھی  
تھے۔ اس رپورٹ کی روشنی میں دوا یا تیس قرین قیاس تھیں۔  
یا تو جو خواب آوردہ دوا استعمال کی گئی وہ ناکالی تھی یا پھر دوا  
لینے کے باوجود مرحوم نے اپنی موت کو ٹھیک بنانے کی خاطر  
آنٹی بیجک کی ایک گولی بھی داغ دی تھی۔ دوسری صورت میں  
یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ مرحوم ہر قیمت پر اپنی موت کو  
ٹھیک بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔  
پوسٹ مارٹم اور ریکارڈ پر موجود بیانات کی روشنی میں  
کسی فرد واحد کو قائل قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ  
یعنی بیانات کی روشنی میں ابھی کچھ مشکوک افراد باقی تھے جن  
سے مل کر ان کو مزید کریدنے کی ضرورت تھی جن میں  
سرفہرست ساجد کا تھا جو احتشام احمد کی موت والی رات کی  
دوسری صبح اول فلائٹ سے کینیڈا چلا گیا تھا۔ آمنہ بیگم سے

جانسوسر ڈائجسٹ 229 جون 2015ء

بھی مزید تفتیش ضروری تھی اس لیے کہ انہوں نے ایس بی کو جو مختصر جواب دیے وہ خاطر خواہ نہیں تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے انسپکٹر سراج نے آئمن بیگم سے ملنا ضروری سمجھا۔

”آپ معقول کے سب سے زیادہ قریب رہی ہیں اس لیے میری ناقص رائے میں اگر آپ مجھ سے تعاون کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم قائل یا قائلوں کے گروہ چوروں کو بے نقاب نہ کر سکیں۔“

”میں ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ وہ تہذیب کے دائرے کے اندر ہو۔“ آئمن بیگم نے پُر دقار لہجے میں جواب دیا۔ ”غیر ضروری اور بے ہودہ سوالات کے جوابات دینا میں پسند نہیں کروں گی۔“

”میں ذاتی طور پر اس بات کا خیال رکھوں گا کہ میرے سوالات سے آپ کو مزید کسی صدمے سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ میں اس نازک نکتے کی اہمیت کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ مرحوم نے خواہ کسی وجہ سے بھی دوسری شادی کی، اس سے آپ کی حق تلفی اور دل آزاری بہر حال ضروری ہوتی ہوگی۔“

آئمن بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”آپ کے خیال میں دوسری شادی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟“ انسپکٹر نے کچھ توقف سے دریافت کیا۔

”میں اگر اسے ایک مرد کی خود غرضی کہوں تو آپ کو ناگوار تو نہیں لگے گا؟“ آئمن بیگم نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

”تقصاً نہیں۔“ انسپکٹر سراج نے پیشہ ورانہ انداز میں مسکرا کر کہا پھر پہلو بدل کر دوبارہ اپنے سوال کو ایک نئے انداز میں پیش کیا۔ ”خود غرضی زیادہ تر مردوں ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی معقول وجہ بھی ضرور ہوتی ہے۔“

جواب میں آئمن بیگم نے قریب رگھی ایک فائل اٹھا کر اس میں سے اپنے آپریشن اور میڈیکل رپورٹ کی فوٹو کاپی نکال کر انسپکٹر کے حوالے کرتے ہوئے خشک لہجے میں تاہید کی۔ ”آپ اسے آن ریکارڈ رکھ سکتے ہیں لیکن کسی وقت سکون سے بغور پڑھنے کی زحمت بھی گوارا کریں۔“

”اس تعاون کے لیے بھی میں آپ کا مشکور ہوں۔“

فوٹو کاپیاں واپس فائل میں رکھنے کے بعد اس نے آئمن بیگم سے کہا۔ ”مسٹر ابراہم نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ معقول نے آخری وقت میں انہیں اپنی خواب گاہ میں بلایا تھا۔ اس خواہش کا اظہار بھی کیا تھا کہ وہ مس عتبرین سے فوری طور پر شادی کر لے۔“

”مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔“

”کیا آپ کی بھی یہی خواہش ہے کہ ان دونوں کی شادی کسی خاص وجہ سے فوری طور پر ہونی ضروری ہے۔“

”صرف خواہش کرنا میرے اختیار کی بات ضرور ہے انسپکٹر لیکن حتمی فیصلہ بہر حال عتبرین کا حق ہے۔ وہ بالغ ہے اور سمجھدار بھی۔ ہم زبردستی اس پر اپنا کوئی فیصلہ نہیں توہمپ سکتے۔“

”آپ کا ذاتی خیال کیا ہے؟“ انسپکٹر نے تباہی رخ اختیار کیا۔ ”کیا مس عتبرین کو برابر کا رشتہ منظور نہیں ہوگا؟“

”اس کا جواب بھی وہی بہتر طور پر دے سکتا ہے لیکن۔۔۔۔۔ آئمن بیگم نے کچھ توقف کے بعد صاف گوئی سے کہا۔ ”اس کی جگہ اگر میں ہوتی تو یقیناً انکار کر دیتی۔“

”اس انکار کی معقول وجہ بھی ضرور ہوتی؟“

”جی ہاں۔“ آئمن بیگم نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر جواب دیا۔ ”میں جانتی ہوں کہ عتبرین، مساجد کو پسند کرتی ہے جو اس کا کلاس فیلو بھی رہ چکا۔ عتبرین عی کی وجہ سے وہ یہاں دو تین بار مجبوراً آیا بھی ہے ورنہ ہماری وہلیز کو پھلانگنے کی کوشش کبھی نہ کرتا۔“ آئمن بیگم نے ہونٹ چباتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ”مرحوم یا محتول نے دوسری شادی مساجد کی ماں سے ہی کی تھی۔“

”اس سلسلے میں مسٹر ابراہم نے جو بیان ایس بی کو دیا ہے، اس میں خاص طور پر یہی کہا گیا ہے کہ مساجد برہمن کا سوتیلا بیٹا ہے۔“

”اس بات کو آپ قانونی حیثیت نہیں دے سکتے اس لیے کہ کسی کے سنے یا سوتیلے ہونے کا فیصلہ ایک ماں کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔“

”یو آر رائٹ۔“ انسپکٹر نے اقرار کیا پھر پہلو بدل کر پوچھا۔ ”مسٹر مساجد کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟“

”قانون اسے کس زاویے سے دیکھ رہا ہے اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ میں ذاتی طور پر یہی کہوں گی کہ مساجد پڑھا لکھا اور مہذب لڑکا ہے۔ میری اطلاع کے مطابق وہ برہمن ناز سے علیحدگی کے باوجود برہمن سے ہونے والی آمدنی کی ایک فطری رقم ہر ماہ بڑی پابندی سے بھیجتا رہتا ہے۔“

”آپ کی معلومات میری رہبری کے لیے بہت اہم ثابت ہوں گی مگر میں ایک بات آپ سے دریافت کرنا چاہوں گا۔“ انسپکٹر نے اپنائیت سے گریڈنے کی خاطر



لہو رنگ

”عسبرین نے مہذب مگر کھلے الفاظ میں کہا تھا کہ شادی کرنے کا جو حق اسے خدا نے دیا ہے، اسے کوئی دوسرا نہیں چھین سکتا۔“

”جو اس بند کرداور... اور ایک بات کان کھول کر سن لو۔“ مرحوم نے چیخ کر کہا۔ ”تم کم از کم میری زندگی میں ساجد سے شادی نہیں کر سکو گے۔“

”پھر...؟“ انسپٹر سراج نے بے چینی سے دریافت کیا۔ ”مس عسبرین نے کیا جواب دیا؟“

”اس نے نہایت سادگی سے ایک مختصر بات کہی تھی کہ ساجد کو ہر قیمت پر اپنانے کی خاطر وہ خود اپنی سانس کی آخری سرحدوں تک بھی انتظار کر سکتی ہے۔ اس کے بعد وہ شاید مرحوم کو کوئی جواب دیے بغیر ہی چلی گئی تھی۔“ آمنہ بیگم نے سر و آہ بھر کر کہا۔ ”عسبرین کے جانے کے بعد مرحوم نے ابرار کو بلا کر کہا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ جلد از جلد عسبرین کو ہموار کر کے اس کے ساتھ نکاح کے دو بول پڑھوائے۔“

”اب آپ کیا کہیں گی؟“ اس بار انسپٹر نے اپنی نشست پر کسماکردی زبان میں کہا۔ ”مگر ہم ساجد پر کسی بھی زاویے سے شبہ کریں تو کیا مس عسبرین کو شریب جرم نہیں سمجھا جاسکتا۔“

”میں سمجھی نہیں؟“ آمنہ بیگم نے وضاحت طلب نظروں سے انسپٹر کو دیکھا۔

”مس عسبرین کے جواب کی روشنی میں یہ بات مکمل کر لی جاسکتی ہے کہ مرحوم کی زندگی کے خاتمے کے بعد ہی ان دونوں کی شادی ممکن تھی۔“

”اوہ...! آمنہ بیگم نے خود اپنی ہی کہی ہوئی بات کی اہمیت کی روشنی میں انسپٹر کی بات کو ٹولا تو اس میں خاصا وزن تھا۔ کچھ توقف کے بعد انہوں نے ایک باریقیہ کن لہجے میں ایس پی کے سامنے دیے گئے بیان کے جملے کو دہرایا۔

”میری ولی آرزو اب بھی یہی ہے کہ اس گھر کی خوشیاں برباد کرنے والا جلد از جلد اپنے بدترین انجام تک پہنچے، وہ کوئی بھی ہو گا۔ میری ہمدردی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔“

”آپ کا یہ جذبہ بھی میرے لیے قابلِ قدر ہے۔“ انسپٹر سراج نے کھلے دل سے صاف گوئی کا اظہار کیا پھر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کی روشنی میں دریافت کیا۔

”مرحوم کی خواب گاہ سے خواب آور ووا کی خالی بوتل ملی ہے۔ اس ضمن میں آپ کیا کہیں گی؟“

”نیند کی خاطر... روزانہ چوتھائی گلاس پانی میں آٹھ

سواں کیا۔“ اگر میری جگہ آپ تفتیشی افسر ہوتیں تو مسٹر ساجد کو کس خانے میں منت کرتیں؟“

”موجودہ حالات میں اس نے ملک سے باہر جا کر اپنی شخصیت کو محفوظ کر لیا ہے اس لیے اگر اس پر شبہ کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ انسپٹر... پولیس پر آنکھ بند کر کے

اعتدال کر لیا میرے اصول کے خلاف ہے اس لیے کہ کبھی کبھی یہ خود اعتمادی بھی خاصی بڑھتی پڑ جاتی ہے۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے لیکن نہ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ آپ پر اعتماد

کر کے میں اپنے دل کا کچھ بوجھ ضرور ہلکا کر سکتی ہوں۔“

”میں اس اعتماد کے لیے بھی آپ کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔“ آمنہ بیگم نے پھر کچھ دیر مہربان لب رہنے کے بعد ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

”میرے اور مرحوم کے کمروں کے درمیان ایک دروازہ مشترک ہے جس پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ دوسری

شادی کے بعد ہم دونوں نے ہی دروازے کو اپنی اپنی جانب سے قفل ڈال دیا تھا لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں ہر روز اس دروازے سے کان لگائے خاصی دیر تک سن

سکتی رہتی تھی۔ حادثے والی رات میرے لیے سب سے زیادہ اہم تھی۔“ آمنہ بیگم ایک لمحے کو چپ ہو گئی تو انسپٹر سرجیل کر بیٹھ گیا۔ اس کی تجربہ کار نظریں بدستور آمنہ

بیگم کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا انکسار کرنے میں مصروف تھیں۔

”اس نواحی رات مرحوم نے ابرار سے پہلے عسبرین کو اپنی خواب گاہ میں بلوایا تھا۔ چند رگی باتوں کے بعد انہوں نے اچانک جھلائے ہوئے انداز میں کہا تھا میں صرف

تمہاری وجہ سے ساجد کا اس گھر میں آنا جانا برداشت کر رہا ہوں ورنہ اسے اپنی دلہیز عبور کرنے کی اجازت بھی نہ دیتا۔

مرحوم کی بات کے جواب میں عسبرین نے بھی خشک لہجے میں کہا تھا کہ وہ فون کر کے ساجد کو آنے جانے سے منع کر دے گی۔ عسبرین کا جواب سن کر مرحوم نے ایک بات

بڑے فیصلہ کن لہجے میں کہی تھی کہ تم میری مرضی کے بغیر ساجد سے نہیں ملو گی۔ اس کے ساتھ کسی بھی قیمت پر میں تم کو شادی کی اجازت... نہیں دوں گا۔“

”جواب میں مس عسبرین نے کیا کہا؟“ انسپٹر نے آمنہ بیگم کی وقتی خاموشی کو محسوس... کرتے ہوئے دریافت کیا۔

”وہی جو ایک عاقل، بالغ اور خود مختار لڑکی کو کہنا چاہیے تھا۔“ آمنہ بیگم نے پُرسکون انداز میں بتایا۔

جسوسی ڈائجسٹ 231 جون 2015ء

Scanned By Amir

دس گھنٹے پینا ان کا روز کا معمول تھا۔

دنیا سے بھی چل ہے۔

”پہتول پر جو تگر پر تگر سے ہیں وہ بھی مرحوم کے سوا کسی اور کے نہیں جہاں دنیا ہم اس روشنی میں مرحوم کی موت کو اگل کے بچاتے خودوشی کا نام نہیں دے سکتے؟“

”اس کا صدمہ مجھے بھی اتنا ہی ہے جتنا اس گھر کے دوسرے افراد کو ہے۔“ عنبرین نے گلو تیر سبک میں جواب دیا۔

”تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کوئی آخری فیصلہ کرنا بھی قانون کے اختیار میں ہے۔ میں صرف یہ کہوں گی کہ مرحوم مضبوط اعصاب کے مالک تھے لیکن غصے اور جذبات کی روانی میں انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔“

”کیا آپ کسی پریشیہ کا اظہار نہیں کریں گی؟“  
”حقیقت کیا ہے، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔“  
”بہر حال اب آپ کا ساجد سے شادی کرنے کا راستہ....“

آمنہ تیمم کے بعد انسپٹر مرزا نے ابرار احمد کو مختلف ذراہوں سے کریدنا پھر اس نے خاص طور پر یہ تاکید بھی کر دی کہ اس کی اجازت کے بغیر دوشہر سے نہیں دور جانے کی غلطی نہ کرے۔

”انسپٹر....“ عنبرین نے جذباتی انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”آپ نوشہہ کرنے کا اختیار ضرور ہے لیکن آپ میرے اگلے دامن پر کچھ نہ اچھا لیں۔ میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔“

پھر اس نے عنبرین سے رابطہ کیا۔  
”کیا آپ کے علم میں ہے کہ مسز ساجد کی اینیڈا سے وہ اپنی سب تک ہوگی؟“

اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بے لیے قدم قدمی گھر سے باہر چلی گئی۔

”جی نہیں۔“ عنبرین نے سپاٹ لیجے میں مختصر جواب دیا۔

جو وقت گزر چکا تھا وہ پٹ کر واپس نہیں آ سکتا تھا لیکن حالات کے پیش نظر اس کا فوری تدارک بھی ضروری تھا چنانچہ اینیڈا اس ساجد سے زیادہ وقت نہیں گزارا۔ ردا روٹی میں اس نے وہاں سے دو چار آؤر لیے اور دو روز بعد ہی اس نے واپسی کی سیٹ بک کروالی۔

”حیرت ہے۔“ انسپٹر نے جیسے ہوئے لیجے میں کہا۔ ”اپنے انگل کی موت کی اعذار کے ساتھ ہی آپ نے مسز ساجد کو باہر جانے کا مشورہ دیا تھا۔“

اس وقت بھی اس کے ذہن میں بس یہی ایک سوال گردش کر رہا تھا کہ احتشام احمد کے ٹل یا پڑا اسرار موت سے بعد تحقیق کرنے والے اس کی اچانک غیر حاضری کو کونس نظر سے دیکھ رہے ہوں گے۔

”جی ہاں.... اس کا اقرار میں اپنے سابقہ بیان میں بھی کر چکی ہوں۔“  
”اس مشورے کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟“  
”میں نہیں چاہتی تھی کہ ساجد کے بے داغ تر وار پر کوئی حرف آئے۔“

بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے بعد وہ ڈیپارٹمنٹ ناؤنج سے گزر کر گیت نمبر فورٹین کی طرف جا رہا تھا جب اس کے موبائل پر کسی کے کال کی سرخ روشنی چلنے بجنے لگی۔ روشن اسٹریٹ پر عنبرین کا گھر دیکھ کر اس نے موبائل آن کرنے میں خاصی جھلت کا مظاہرہ کیا۔

”آپ کی مرحوم سے آخری ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟“  
”انگل کے بینڈ روم میں۔“ عنبرین نے صاف کوئی سے جواب دیا پھر وہ بات بھی دہرا دی جو ساجد کے حوالے سے آمنہ تیمم بھی بتا چکی تھیں۔

”ساجد...“ اس نے مدہم لیجے میں پوچھا۔ ”اس وقت کیسے فون کیا؟“

”کیا آپ کو یقین آ گیا تھا کہ مرحوم کی زندگی میں آپ ساجد سے شادی نہیں کر سکتیں گی؟“

”تم اس وقت کہاں ہو؟“  
”انٹرویو پر، فلائٹ میں چاہیں منٹ باقی ہیں۔“  
”پلیز ساجد.... اپنی سیٹ کنسل کرو میری خاطر۔“

”تم اس مشورے کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟“  
”جواب دیا۔“ انگل نے وہ بات جذباتی رو میں کہی تھی۔ مجھے اعتماد تھا کہ وہ اپنے فیصلے کو بدلنے میں زیادہ دیر بھی نہیں کریں گے۔ پہلے بھی خاص طور پر میرے سلسلے میں ان کا رویہ ہمیشہ بہت مخلصانہ اور شفقت آمیز رہا ہے۔“  
”ہوسکتا ہے مسکن.... اتفاق سے اسی رات وہ

”کیا بات ہے؟ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟“  
”پولیس کسی وجہ سے مجھ پر بھی شہ کیا جا رہا ہے۔“  
عنبرین نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”ابرار کی زبان بھی

میں قہقہہ لگانا شروع کر دیا۔ اس کی کیفیت ان حالات کا ردِ عمل تھا جس سے وہ گزر چکی تھی۔ ایک دو روز تک وہ اسی کیفیت کا شکار رہی پھر اس نے خود کو حالات کے دھارے کے رحم و کرم پر ڈال دیا۔ یہ اور بات تھی کہ کچھ بھولی بھری یادوں کا زخم پھر تازہ ہو گیا تھا۔

وقت اور حالات.... جس نے اس کا بہت کچھ چھین لیا تھا۔ اس کی خوشیاں، آرزوئیں، تمنائیں اور خواہشیں کا سہا پہلے دوسروں کو ملی اور ہم پر جس کو بھی لینا پڑا جو اپنی زندگی کے کئی سہاروں سے گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ محروم ہوتی گئی۔

خدا اور اس کے رسول کے بعد اس کی زندگی کا ایک کمزور مگر مضبوط سہارا ساجد بھی تھا۔ ساجد جسے اس نے ماں کا مقدس نام دیا تھا۔ اس کی پرورش کی تھی، پر دان چڑھایا تھا لیکن باپ کا نام دینے سے قاصر رہی تھی۔ اس جرم کی پاداش میں ساجد نے اس کی برسوں کی مستانگ نظر کرنا کرنا عین اختیار کر لی تھی۔ دوسرا نام احتشام احمد کا تھا۔ اس کی مجبور یوں کا ناجائز فائدہ اٹھانا رہا۔

احتشام احمد کی موت کن حالات میں ہوئی؟ پر جس کو اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ مقامی اخبارات نے صرف اس کی موت پر اسرار حالات میں ہونے کی خبر شائع کی تھی۔

اس وقت بھی وہ ایک اخبار کو سامنے پھینٹائے خیالات کے حصار... میں بھٹکے ہوئے رہی تھی۔ ساجد کو یاد کر رہی تھی جس نے احتشام سے شادی کے بعد سہارک باؤ کا فون کر کے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا تھا مگر اس کی موت پر تعزیت کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ وہ منہ موم چھٹی تھی کسا چائیک ایک پریشان کن خیال اس کے سر و وجود میں دکھائی آگ کے شعلوں کے مانند لپکا۔ اس نے اخبار کو ایک طرف ڈال دیا۔ خود کرسی سے اس طرح بے چین ہو کر اٹھی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

”نہیں ساجد ہی احتشام کا قاتل نہ ہو؟“

پر جس نے ذہن میں ابھرنے والے اس خیال سے تڑپ اٹھی۔ اس نے اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر ساجد ہی نے اقدام لیا تھا تو اس کا نام بھی نہیں نہ کہیں کسی حوالے سے ضرور آتا مگر دل کی دھڑکنیں تھمنے کے بجائے اور تیز ہونے لگیں تو اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر احتشام احمد کے بڑے بھائی احترام احمد کے ایک پرانے ملازم عبدالرحمن کا جو رحمان بابا کے نام سے مشہور

تمہارے خلاف زہرا گل رہی ہے۔“

”ایسی صورت میں اگر میں نے یہاں اپنا قیام طویل کیا تو پولیس بھی اسے ابرار کے حوالے سے زیادہ شدت سے محسوس کرے گی۔“

”میں نے فوری طور پر ایک پلان بنا لیا ہے۔“  
عصیرین نے جذباتی لہجے میں جواب دیا۔ ”دیبا حاصل کرنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ اس کے بعد میں بھی تمہارے پاس آجاتی ہوں۔“

”یہ تمہاری دوسری حماقت ہوگی۔“ ساجد نے اسے سہجایا۔ ”ایسی صورت میں پولیس کا شہہ چھین میں بھی بدل سکتا ہے۔“

”بغیر محسوس ثبوت کے دنیا کا کوئی قانون ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“ عصیرین نے کہا۔ ”آئی نے تمہارے اور میرے بارے میں جو بیان دیا ہے، وہ بھی ہمارے حق میں ہے۔“

”پولیس کی جگہ اگر میں ہوتا تو شاید میں بھی آئی کے بیان کو کوئی اہمیت نہ دیتا۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”سمجھنے کی کوشش کرو۔“ ساجد نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہارے اٹکل کی دوسری شادی سے آئی کے جذبات کو تمہیں نہیں پہنچتی ہوگی۔ کوئی دوسری عورت ان کی جگہ لے اس بات نے ان کے اندر بھی انتقام کے جذبے کو ضرور ابھارا ہوگا۔ وہ اٹکل کے حادثے میں ملوث نہ کسی لیکن پولیس دوسرے زاویے سے ان کو بھی مجرم سمجھنے میں بہر حال حق بجانب ہوگی۔“

”تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہاں بدلتے ہوئے حالات نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔ تمہارے نہ ہونے سے میں اور بھی پریشان ہوں۔“

”میں نے بھی تمہارے مشورے پر جلد بازی کا مظاہرہ کر کے حماقت کی تھی لیکن اب تم بھی اسی حماقت کو دہرا کر پولیس کو مزید شبہات کا موقع فراہم کرنے کی بھول نہ کرنا۔“

”ٹھیک ہے۔“ عصیرین نے مختصر جواب دے کر لائن منقطع کر دی۔ اس کا ذہن ایک بار پھر احتشام احمد کی پراسرار موت کے تانے بانوں میں الجھنے لگا۔

☆☆☆

پر جس کو جس وقت احتشام کی پراسرار موت کا علم ہوا۔ وہ ایک لمحے کو ٹنگ ہو گئی تھی پھر اس نے بذیاتی انداز

”آپ شاید برہمیں ناز ہیں؟“ آنے والے نے جو  
 انسپکٹر سراج کے سوا کوئی اور نہیں تھا، برہمیں ناز کے چہرے کی  
 یکلفت بدلتی رنگت کو معنی فیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”مرحوم یا مقتول، احتشام احمد کے سلسلے میں آپ کا بیان لینے  
 کی غرض سے آیا ہوں۔“

”تشریف لائیے۔“ برہمیں خود پر قابو پاتی ایک  
 طرف ہٹ گئی۔ انسپکٹر نے ایک نظر کمرے پر ڈالی پھر وہ  
 ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ برہمیں ناز نے درمیان میں رکھی گول  
 میز کی دوسری جانب والی کرسی کا انتہا کیا، ساتھ اس نے  
 دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش بھی کی۔

”میرا خیال ہے آپ کو احتشام احمد کے پراسرار قتل یا  
 موت کی اطلاع مل چکی ہوگی؟“ اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔  
 ”جی ہاں۔“

”آپ اس بارے میں کیا کہنا پسند کریں گی؟“  
 ”صرف ایک مختصر سی بات۔۔۔۔۔ قدرت کی لاشی ہے  
 آواز ہوتی ہے۔“

”میں آپ کے جواب سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں  
 کر سکا۔“ انسپکٹر کے لہجے میں نفی مہل گئی۔ ”میں یہ پوچھنا  
 چاہوں گا کہ آپ کو مرحوم یا مقتول کی موت سے خوشی ہوئی یا  
 اس میں دکھ کا بھی کوئی پہلو شامل ہے؟“

”انسانی رشتوں کے حوالے سے مجھے دکھ بھی ہوا لیکن  
 اتنا زیادہ بھی نہیں ہے کہ اسے کھل کر بیان کر سکوں۔“  
 ”اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مرنے والے نے آپ سے  
 دوسری شادی کرنے کے کچھ عرصے بعد ہی طلاق بھی دے  
 دی تھی؟“

”جی ہاں۔“  
 ”طلاق کی کوئی خاص وجہ بھی ہوگی؟“ انسپکٹر کا لہجہ  
 گہمیر ہونے لگا۔

”شاید پہلی بیوی اور اس کے جوان بیٹے کو یہ رشتہ ہم  
 نہیں ہوسکا۔“ برہمیں نے بدستور سپاٹ لہجے میں جواب  
 دیا۔

”غالبا اسی وجہ سے مسز ساجد نے بھی آپ سے  
 طیبہ کی اختیار کر لی؟“ انسپٹر نے زہر خنہ سے سوال کیا تو  
 برہمیں تڑپ اٹھی۔

”ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے لیکن دوسری اہم یہ وجہ تھی  
 کہ اس نے ایک موقع پر مرنے والے کی زبان سے یہ بات  
 سن لی تھی کہ ساجد میرا سگ نہیں سوتلا بیٹا ہے۔ اس کے  
 دوسرے ہی دن ساجد نے یہ گھر چھوڑ دیا۔ اسی ایک راز کی

تھے نمبر ملا یا۔ دوسروں کی طرح برہمیں بھی رحمان بابا کا بے  
 حد ادب کرتی تھی۔

احترام احمد اور ان کی بیگم کے ایک حادثے میں شکار  
 ہونے کے بعد جب ضمیرین، احتشام احمد کے گھر منتقل ہوئی  
 تھی تو رحمان بابا کو ساتھ لے گئی تھی۔

موبائل کی کال تیل خاصی دیر تک گنگنائی رہی پھر  
 رابطہ ختم ہو گیا۔ برہمیں کے اندر کی بے چینی بڑھنے لگی۔ پھر  
 اس نے بڑی احتیاط سے ان ہی نمبروں کو دوبارہ آزمایا۔  
 اس بار اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ چار گھنٹیوں کے بعد دوسری  
 جانب سے کسی نے کھانتے ہوئے کچھ آواز میں سوال کیا۔  
 ”کون....؟“

”مم.... میں.... میں برہمیں ناز بول رہی  
 ہوں۔“  
 ”کون سا؟“

”ساز نہیں رحمان بابا.... برہمیں ناز۔“ اس بار  
 قدرے بلند آواز میں جواب دیا۔ اس نے سوچا کہ شاید  
 وقت کے ساتھ ساتھ رحمان بابا کی قومیت سماعت بھی کمزور  
 ہو چکی ہو۔ اس کا اندازہ لگانا نہیں تھا۔

”تم.... میری بیٹی برہمیں کہاں سے بول رہی  
 ہو.... بہت زمانے بعد رحمان بابا کو یاد کیا؟“ رحمان بابا  
 نے۔۔۔۔۔ گہم گہم کر اپنی خوشی کا اظہار کیا تو برہمیں کو اس کی  
 گفتگو سے اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا کہ شاید رحمان بابا کو  
 اس کے اور مرنے والے کی شادی کی خبر نہیں تھی۔  
 ”ستا ہے، ضمیرین کے انگل بھی اللہ کو پیارے  
 ہو گئے؟“

”ہاں... آں....“ رحمان بابا نے سپاٹ لہجے  
 میں جواب دیا۔ ”اللہ کو بھی منظور تھا۔ ایک نہ ایک دن سب  
 کو جانا ہے مگر ادھر پولیس کے بڑے بڑے افسر بھی ٹامک  
 ٹونیاں مار رہے ہیں، بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔“

”تمہارا کیا خیال ہے.... کیا یہ گل کی واردات  
 ہے؟“ اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

”نی الحال کچھ پتا نہیں چل رہا.... اندر ہی اندر کچھ  
 گھڑی چک رہی ہے مگر تم کیوں پریشان ہو بیٹا؟“  
 جواب میں برہمیں کوئی بہانہ تراشنے کا سوچ رہی تھی

جب دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس نے رحمان بابا  
 کے سوال کا جواب دینے کے بجائے موبائل آف کر دیا۔  
 آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو ایک پاوروی پولیس انسپکٹر کو  
 سامنے کھڑا دیکھ کر وہ چوہے کے بغیر نہ رہ سکی۔

جانسوسر فنانس 234 جون 2015ء

Scanned By Amir

”مجبور یوں کی کوئی مقبول وجہ بھی ضرور ہوگی؟“  
 ”ہاں۔۔۔ آں۔“ برہمیں ناز نے نظریں اٹھا کر  
 جھکے جھکے انداز میں جواب دیا۔ ”مجھے اس بات کا خدشہ تھا  
 کہ میرے افکار کی صورت میں مرنے والا ساجد کے اُچھے  
 دامن پر کچڑا چھالنے کے اوجھے ہنگاموں سے بھی باز نہیں  
 آئے گا۔“  
 ”آئی سی۔“ انسپکٹر نے چپتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔  
 ”کیا آپ کا کوئی قیمتی راز مرنے والے کے پاس موجود  
 تھا؟“

”بات راز کی نہیں، انسان کے سوچنے کا انداز جب  
 شرافت کی سطح سے گر جائے تو بہت سی غلط فہمیاں جنم لیتا  
 شروع کر دیتی ہیں، احتشام احمد نے بھی کسی ایسی ہی بات کو  
 ایک عورت کی کمزوری سمجھ رکھا تھا۔“  
 ”آپ اس کی وضاحت بھی کر سکتی تھیں، احتشام کا  
 داخلہ بھی اپنے گھر میں بند کر سکتی تھیں؟“  
 ”جی نہ کر سکی جس کا خمیازہ بھگت رہی ہوں۔“  
 ”موجودہ صورت حال کی روشنی میں اس راز کو معلوم  
 کرنا میرے لیے ضروری ہے۔“

”جو ٹرڈے دن ہو چکے ہیں اب ان کی قبروں کو  
 کھودنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“ برہمیں نے ایک لمبی  
 سانس لے کر جواب دیا تو انسپکٹر سراج نے اپنی نشست پر  
 پہلو بدل کر اس کی دکھتی رنگ کو چھیڑ دیا۔  
 ”اگر آپ نے میرے ساتھ تعاون سے گریز کیا تو  
 پھر ساجد گلے گلے پھنس جائے گا۔“

”یہ ظلم ہوگا۔“ برہمیں نے تھلا کر احتجاج کیا۔ ”اگر  
 میری باتیں مشکوک ہیں تو تم مجھے بھی گرفتار کر سکتے ہو۔ ساجد  
 اگر کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا تو اس کا آنا  
 جانا معمول کے مطابق بھی سمجھا جاسکتا ہے اور۔۔۔ اور کسی  
 ثبوت کے بغیر دنیا کا کوئی قانون اسے سزا نہیں دے سکتا۔“  
 ”مجرم اور ملزم کا فرق آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا  
 مہتر۔“ انسپکٹر نے اس بار کسی پولیس کا بگڑا ہوا انداز اختیار  
 کیا۔ ”ہم اسے فی الحال مشکوک سمجھ کر مجرم کی حیثیت سے  
 اپنی تحویل میں لیں گے پھر اب تک حاصل کردہ حقیقت اور  
 ساجد کے بیان کی روشنی میں عدالت اسے مجرم بھی قرار دے  
 سکتی ہے۔“ برہمیں نے انسپکٹر کے بدلے ہوئے لب و لہجے کو  
 محسوس کیا تو اس نے نظریں اٹھا کر اسے غور سے دیکھا۔

”احتشام اور مس عنبرین کے درمیان جو آخری گفتگو  
 ہوئی تھی، اس کی تفصیل بھی آئندہ ٹیم کے بیان میں موجود ہے

قیمت چکانے کی خاطر مرنے والے نے مجھے۔۔۔ دوسری  
 شادی پر مجبور کر دیا تھا جبکہ میں۔۔۔“  
 ”ون منٹ۔“ انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ کر  
 سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔ ”حقیقت کیا ہے۔۔۔ کیا  
 ساجد آپ کا سگا بیٹا نہیں ہے؟“  
 ”میں اس سوال کا یہی ایک آخری جواب دے سکتی  
 ہوں کہ میں نے اسے اپنی اولاد ہی کی طرح پال پوس کر  
 جوان کیا ہے۔“  
 ”کیا اس کی والدیت کے سلسلے میں خود آپ بھی  
 مشکوک ہیں؟“

”انسپکٹر۔۔۔۔۔“ جواب میں برہمیں بکھٹتی تھی۔  
 ”تم مجھ سے ایسے انداز میں گفتگو نہ کرو جو میری قوت  
 برداشت سے باہر ہو جائے۔“

”قانون بہر حال یہ جاننا چاہے گا کہ مسٹر ساجد کی  
 والدیت کے خاتمے میں کس کا نام درج ہے؟“ انسپکٹر نے  
 ٹھوس انداز اختیار کیا۔

”م۔۔۔ میں تمہارے اس سوال کے جواب میں  
 خاموشی ہی بہتر سمجھتی ہوں۔“

”آپ کی خاموشی کی صورت میں ساجد کی شخصیت  
 کے گرد ہمارا حلقہ اور تنگ ہو جائے گا۔“ انسپکٹر نے قدرے  
 خشک انداز میں کہا۔ ”مسٹر ساجد کا فوراً ملک سے باہر چلے  
 جانا اور کچھ لوگوں کے بیان کی روشنی میں قانون ساجد کو مجرم  
 سمجھنے میں حق بجانب ہوگا۔“

”نہیں۔“ برہمیں پھر تڑپ اٹھی۔ ”ساجد مصوم ہے  
 وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔“

”قتل جنونی کیفیت کے اس ردعمل کا نام ہے جو  
 اچانک سرزد ہو جاتا ہے۔ آپ اس نازک مسئلے کو بھی سمجھنے پر  
 غور کریں۔“ انسپکٹر نے کہا۔

برہمیں ناز نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ بے بسی  
 کی تصویر بنی وہ قانون کے ایک ذمے دار آفسیئر کے چہرے  
 پر لکھی تھری پڑھتی رہی۔

انسپکٹر پوری توجہ سے برہمیں کے تاثرات کو پڑھ رہا  
 تھا۔ وہ ایک لمحہ خاموش رہا پھر اس نے قدرے نرم لہجے میں  
 ایک نئے زاویے سے سوال کیا۔

”کیا مرنے والے سے دوسری شادی آپ نے اپنی  
 مرضی سے کی تھی؟“

”نہیں۔“ برہمیں نے نظریں جھکا کر بدھم لہجے میں  
 کہا۔ ”اس شادی میں بھی میری مجبور یوں کا دخل تھا۔“

جس کی روشنی میں بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔ ساجد اور مس عمرین کی قیمت پر ایک دوسرے سے ٹکھہ ہونے کو تیار نہیں تھے خواہ انہیں احتیاط احمد کی لاش پر سے ہو کر ہی کیوں نہ گزرنا پڑتا۔

”میں آپ کے سوالات کے جواب میں خاموش رہنا ہی پسند کروں گی۔“ برجیس نے بے بسی کا انداز اختیار کیا۔  
 ”آپ کو شاید ایک بات نہیں معلوم۔“ انسپٹر نے زہر مند لہجے میں کہا۔ ”میں اس بات کی اطلاع تکلی ہے کہ ساجد آج رات کینیڈا سے واپس آ رہا ہے۔ اگر پورٹ سے باہر نکلنے سے پہلے ہی پولیس اسے حراست میں لے لے گی۔“

”تم صاحب اختیار ہو انسپٹر لیکن میں پھر یہی کہوں گی کہ ساجد بے گناہ ہے۔“

”ایک سوال اور کروں گا۔“ انسپٹر نے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔ ”ساجد کے سفری دستاویزات میں جس منگور احمد کا نام درج ہے وہ کون ہے؟“

”وہ ایک فرضی نام ہے۔“ برجیس نے کسی بارے ہوئے جواری کی طرح کہا۔

”تمہارے پہلے شوہر کا کیا نام تھا؟“ انسپٹر نے پہلی بار اسے تم کہہ کر مخاطب کیا۔

”ناور حسین۔“ برجیس کی آواز کپکانے لگی۔  
 ”کیا اس نے بھی تم سے ساجد کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں چاہی تھی؟“

”اس نے بھی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ہی مجھ سے شادی کی تھی۔“

”بہت خوب۔۔۔۔۔ گویا تمہارے وجود کے چہروں طرف ناقابل یقین معصوموں کا جاں لینا ہوا ہے۔“

برجیس نظریں جھکائے خاموش بنی اپنی دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کا شمار کرتی رہی۔

”تیس دو پولیس دانوں کو تمہارے گھر پر تعینات کر کے جاؤں گا اب اپنے آپ کو زیر حراست ہی سمجھو۔“

انسپٹر نے پاکٹ سائز ٹیپ ریکارڈر کو آف کرتے ہوئے انہما کر جیب میں رکھا پھر برجیس کو تھرا آلود نظروں سے گھورتا تیزی سے پلٹ کر باہر چلا گیا۔

برجیس تا دیر تم مہم بنی رہی۔ انسپٹر نے جس انداز میں اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے چہیتے ہوئے الفاظ اور جملوں کے ہتھیروں سے کریدتا تھا اس کی غلغلہ اور رویہ محسوس کر رہی تھی۔

ماضی اور حال گزر چکا تھا۔ اب مستقبل کے خدشے برجیس کے ذہن میں راکھ میں دیلی چنگاریوں کے مانند سلگ رہے تھے۔ حالات کی سلتگی ہوئی تھی جس میں پہلے ہی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ اب انسپٹر نے اسے حراست میں لے کر محض گھر کی چار دیواری تک محدود کر دیا تھا۔ آزاد ہو کر بھی وہ خود کو قید رخصتے پر مجبور سمجھتا۔ ایسے میں ایک لازوال قوت کا تصور اس کے ذہن میں ابھرا اس نے سراٹھا کر چھت کی جانب دیکھا بڑی درد بھری آواز میں بولی۔

”میرے مالک۔۔۔ تو ہی جانتا ہے تیری نکھی ہوئی تقدیر کس ہے۔ حیرا مجبور بندہ صاحب اختیار ہونے کے باوجود قسمت کے جال میں الجھ کر ہی انجام کو پہنچتا ہے جو پہلے سے رقم کر دیا گیا ہے۔ میں بھی تیری ایک لاچار بندی ہوں جو حالات کی گردش کا شکار ہو کر نوحہ و نقد پر تو پورا کر رہی ہوں۔ وقت اور حالات نے مجھے جو دھ دے دیے، وہ بھی تجھے معلوم ہیں۔ جو خوشیاں دے کر چھین لیں وہ بھی تیرے علم میں ہیں۔ نوحہ محفوظ پر فرشتوں نے تیرے حکم سے جو کلمہ دیا وہ بھی اہل ہے۔ میرے وجود میں تیرے آگے جھولی پھیلا کر صرف اتنی دعا مانگتی ہوں کہ ساجد کو اپنی پناہ میں رکھنا۔ وہ ممتا کو ٹھکرا کر چلا گیا ہے، میں نے صبر کر لیا۔۔۔ میں زبان کھونٹنے سے قاصر تھی لیکن تو بھی گواہ ہے وہ مجرم یا قاتل نہیں ہے۔ ایک ماں ہونے کے رشتے سے سبکی دیا کر گواہ کر سکتی ہوں کہ ساجد کی تمام محرومیوں کو میرے نام رقم کر دے۔“

میرے ساتھ کیا ہوا۔۔۔ کیا ہوتا رہا۔۔۔ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ تو دیکھ رہا ہے میرے مالک۔ میں تجھے تیری خدائی کا داہلا ملتی ہوں ساجد کو بر مصیبت، آفت اور بلاؤں سے محفوظ رکھنا۔ اسے کچھ بھی ہوا تو پھر میں زندہ نہ رہ سکوں گی۔“

برجیس نادر خدا کے سامنے دامن پھیلائے سز گزائی رہی پھر دعا مانگ کر فارغ ہوئی تو اس نے دور پار خلاؤں میں جھانکتے ہوئے بڑی حقارت سے کہا۔

”احتیاط احمد۔۔۔ تم تو سب سے زیادہ بزدل اور ڈر پوک ثابت ہوئے۔ پہلے تو ایسے نہیں تھے بھی ایک عورت کی مجبوری سے قندہ اٹھا کر تم اس کے تقدس کو اپنی ہوس کی آگ سے سلگاتے رہے۔ کھلوٹا کچھ کر کھیلتے رہے اور وہ۔۔۔۔۔ دل پر جبر کیے تمہاری چیرہ دستیوں کو برداشت کرتی رہی۔ ایک معصوم وجود کی خاطر تمہارے تمام اوجھے جھکنڈے برداشت کرتی رہی۔ اپنی عزت اور گھر والوں سے ڈر کر تم نے طلاق کے تین بول دہرا کر مجھے حرف ملد کی طرح اپنی زندگی سے کھرچ کر نکال دیا۔ میں تو بلی مگر فریاد

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

”آپ نے شاید غور نہیں کیا اس وقت میں بھی آپ کی دلجوئی کی خاطر ادھر آیا تھا لیکن عنبرین یہاں زیادہ دیر نہیں رہی۔“

”ابراہم۔“ آمنہ بیگم نے بیٹے کے جملے کی مہرانی کو محسوس کرتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”یہ تمہارا اور عنبرین کا ذاتی مسئلہ ہے ہمیں اس پر اپنی کسی خواہش کو زبردستی تنوینے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

”کیا آپ کو بھی میری خوشی منظور نہیں ہے؟“ ابراہم نے پہلو بدلی کر وہی زبان میں شکوہ کیا۔

”ہاں تمہاری خوشی کے علاوہ عنبرین کی اپنی ذاتی پسند اور ناپسند کی بھی ہے۔“

”جانتا ہوں لیکن آپ بھی اس کی دشمن نہیں ہیں۔“ ابراہم نے نئے زاویے سے ماں کو بھوار کرنے کی کوشش کی۔

”اس کو برے اور بھلے کے ہارے میں سمجھا سکتی ہیں۔“

”کھل کر بات کرو ابراہم۔۔۔ برے اور بھلے سے تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟“

”میں ساجد کی بات کر رہا ہوں جس کی ولدیت کے خانے میں درج نام ابھی تک مشتبہ ہے۔“

”یہ بات خود عنبرین کے بھی علم میں ہے۔“

”پھر بھی وہ اپنے چہروں پر کلبازی مارنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔“ ابراہم نے کسمسا کر موضوع گنگو کو ایک نیا رنگ دینے کی کوشش کی۔ ”اس شادی سے عنبرین کے علاوہ خود ہمارے وقت اور عزت کو بھی گھس گئی۔“

”میں اس پہلو پر غور کر چکی ہوں۔“ آمنہ بیگم نے خلا میں گھومتے ہوئے جواب دیا۔ ”اس مسئلے پر میں تم سے اختلاف نہیں کروں گی لیکن یہ نہ بھولو کہ عنبرین بھی بالغ ہے۔“

خدا نے اسے شادی کے معاملے میں اپنی پسند اور ناپسند کا جو اختیار دیا ہے، وہ ہم اس سے زبردستی چھین نہیں سکتے۔“

اور اس نے اسی اختیار کی بدولت پایا سے یہ بھی کہا تھا کہ ساجد سے شادی کرنے کی خاطر وہ آخری حد تک ان کی موت کا انتہا بھی کر سکتی ہے۔ پایا کی موت کی اطلاع کے بعد اس نے ساجد کو ملک سے باہر چلے جانے کا مشورہ بھی دیا تھا۔

ابراہم نے جملہ کر جواب دیا۔ ”پولیس کے ریکارڈ پر بھی یہ تمام تفصیلات درج ہیں۔“

”ابراہم۔“ آمنہ بیگم نے بیٹے کو تیز نظروں سے گھورا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تمہارے پایا کو عنبرین نے قتل کیا ہے؟“

بھی نہ کر سکی اور اب۔۔۔ اب جب میں نے پہلی بار تمہارے حلق میں وقت اور حالات کی حقیقتوں کے زہر کا پہلا قطرہ ٹپکایا تو تم نے اپنی عزت اور خاندانی وقار کو قائم رکھنے کی خاطر خودکشی کر کے چھٹکارے کا شادٹ کٹ اختیار کر لیا۔ میں نے تمہیں اتنا نامرد بھی نہیں سمجھا تھا۔ تمہو ہے تمہاری بزدلی پر۔“

☆☆☆

عنبرین اس وقت آمنہ بیگم کے پاس ان کے کمرے میں بیٹھی ان کا مہمان بننے کی کوشش کر رہی تھی۔

”انگل کی موت کا علم مجھے بھی ہے۔ والدین کے حادثے میں مرنے کے بعد میں نے بھی انگل اور آپ کو اپنا سب کچھ جان کر اس گھر میں پناہ لی تھی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ شاید میرے منحن قدم کی وجہ سے۔۔۔“

”مراقت کی باتیں نہ کرو عنبرین۔“ آمنہ بیگم نے بڑے عیار سے کہا۔ ”ابھی میں تمہارے سر پر ہاتھ رکھنے کو سلامت ہوں۔“

”خدا آپ کا سایہ ہاؤیر قائم رکھے لیکن انگل کے بعد آپ نے بھی خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا ہے۔“

”زخم بھرتے بھرتے بھر جائے گا۔“ آمنہ بیگم نے مرد آہ نے کر جواب دیا پھر بے حد اہمیت سے پوچھا۔

”تم میرے پاس آ جایا کرو تو میرا دل بھی بھل جائے گا۔“

”تمہیں بھی تنہائی کا احساس نہیں ہوگا۔“

عنبرین اور آمنہ بیگم کے درمیان محبت بھری معصوم باتیں ہو رہی تھیں جب ابراہم نے کمرے میں قدم رکھا۔

کرسی کھینچ کر وہ بھی ماں کی مسبری کے ساتھ بیٹھ گیا پھر اس نے اس بات کو بھی خاص طور پر محسوس کیا کہ عنبرین اس کے آنے کے بعد زیادہ دیر نہیں رہی۔ کسی کام کا بہانہ کر کے اٹھ گئی۔

”تمہارے باپ کے مرنے کا اثر عنبرین نے بھی شدت سے لیا ہے۔“ آمنہ بیگم نے بیٹے سے کہا۔ ”خدا اس کی خوشیوں کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ بے حد نیک، شریف اور حساس طبیعت کی مالک ہے۔ اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔“

”آمین۔“ ابراہم نے دل پر صبر کر کے رکھی لہجے میں کہا پھر پہلو بدلی کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ پایا کے مرنے کے بعد اب عنبرین بھی یہاں کے سوگوار ماحول سے استائی استائی نظر آ رہی ہے۔“

”تم یہ بات اس قدر چھین سے کیسے کہہ رہے ہو؟“



لہو رنگ

عورت کے جذبے تڑپ کر بیدار ہو گئے جس کو بے گناہ ہونے کے باوجود وقت کی صلیب پر زندہ لٹکا دیا گیا تھا۔ جس کی ساری ترباہیوں کو یکسر فراموش کر دیا گیا۔ جس کے حصے کی تمام جائز خوشیوں کو قدموں تلے روند دیا گیا۔ جس کی ہونٹوں کی تمام مسکراہٹوں کا گلا گھونٹا گیا جس کے سارے حقوق زبردستی چھین کر ایک مرد نے کسی دوسری عورت کے دامن میں ڈال دیے۔

اور اب..... جب قدرت نے اس رشتے کے درمیان زندگی اور موت کی فلیج پیدا کر دی تھی تو وہ اس گزرتے وقت کو اپنے خوابوں میں بسا کر جیسے تیسے وقت گزار رہی تھیں۔ اس وقت وہ اپنے خوابوں کو بھول کر ابرار، عنبرین اور ساجد کے درمیان پیدا ہونے والی مثلث کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہی تھیں جب کسی کے قدموں کی چاپ سن کر ان کے خیالات کا شیرازہ بگھر گیا۔

”سیا بات ہے کلثوم؟“ انہوں نے آنکھیں کھول کر ملازمہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جو اٹنے قدموں واپس جانے کے لیے پرتوں رہی تھی۔

”معافی چاہتی ہوں بیگم صاحبہ مجھے اندازہ نہیں تھا آپ اس وقت.....“

”سوئس رہی تھی۔“ آمنہ بیگم نے بیٹھے ہوئے کہا۔

”بس پونہ ڈرا آنکھیں بند کیے لینی تھی۔ کوئی کام ہے؟“

”جی..... اپنے رحمان بابا آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

کلثوم کی زبان سے رحمان بابا کا نام سن کر آمنہ بیگم سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ ایک لمحے کو ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں ابرار نے اپنے شہیہ کا سارا غبار رحمان بابا پر تو نہیں اتار دیا۔ اگر ایسا ہی ہے تو وہ رحمان بابا کی کسی شکایت کا جواب کس زبان سے دے سکتی گی جبکہ وہ خود رحمان بابا کی عمر اور ان کے ادب کو ہمیشہ خوب خاطر رکھتی تھیں۔ وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھیں جب کلثوم نے ان کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کہیں تو رحمان بابا کو اس وقت ٹال دوں؟“

”نہیں، انہیں اندر بھیج دو۔“ کلثوم اٹنے قدموں چلی گئی۔ آمنہ بیگم سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ چند منٹ بعد رحمان بابا نے کمرے میں قدم رکھا، ان کے چہرے پر تذبذب کی کیفیت دیکھ کر آمنہ بیگم کے ذہن میں پھر یہی خیال ابھرا کہ شاید ابرار نے کسی نادانی کا ثبوت دے کر ان کے وجود میں پھیل بچا دی ہے۔

”نہیں.... لیکن ساجد کے سلسلے میں ابھی کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا۔“

”ہزارے حاذقین کا بیان بھی پولیس لے چکی ہے۔“

آمنہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔ ”رقابت کی آگ نے تمہاری آنکھوں پر شہیہ کا جو پردہ ڈال رکھا ہے، اسے کبھی دور کرنے کی کوشش کرو۔“

”ملازموں کے درمیان کوئی حمایتی بھی ہو سکتا ہے۔“

آپ بھی اس نکتے کو فراموش نہ کریں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”رحمان بابا۔“ ابرار احمد نے بدستور اپنی نفرت کا دکھار کیا۔ ”وہ عنبرین کے والدین کے وقتوں کا تمک خوار حازم ہے۔ عنبرین کو اس نے گودوں میں کھلایا ہے تو اس کی خاطر وہ ساجد کے سلسلے میں جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔“

”شہیہ کی جزیں تمہارے ذہن میں اتنی گہری چکی ہیں کہ تم کو انسان، انسان میں فرق کی تمیز بھی نہیں رہی۔“

رحمان بابا کو میں بھی اس وقت سے جانتی ہوں، جب میری شادی ہوئی تھی۔“ آمنہ بیگم نے سینے کو سرنش کی۔ ”وہ انسان نہیں فرشتہ ہے جو کسی کے گل میں طوٹ ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں۔“ ابرار احمد نے الفاظ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ”میری اطلاع کے مطابق ساجد واپس آ رہا ہے۔ یہ بات پولیس کے علم میں بھی ہے۔ جب تک پولیس چھان بین مکمل نہ کر لے، کوئی بھی یقین سے کوئی آخری بات نہیں کر سکتا۔“

ابرار احمد اپنا جملہ مکمل کر کے چلا گیا تو آمنہ بیگم نے پھر مسہری کی پشت سے تکیہ لگا کر آنکھیں موند لیں۔ ایک ماں ہونے کے ناتے انہیں بھی اولاد کی خوشیاں منظور تھیں لیکن اپنے شوہر کی پراسرار موت کے معاملے میں وہ عنبرین جیسی معصوم لڑکی یا رحمان بابا کی ٹلی جلی کسی سازش کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھیں۔ ساجد کے سلسلے میں بھی انہوں نے پولیس کو جو بیان دیا تھا، وہ بھی کسی شہیہ سے بالاتر ہی تھا۔

خاصی دیر تک وہ آنکھیں بند کیے باغی، حال اور مستقبل کے بارے میں سوچتی رہیں۔ شوہر کی دوسری شادی کے بعد انہوں نے تمام زخموں کو اپنے وجود میں سمیٹ کر ہونٹوں پر تالے ڈال لیے تھے۔ اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ دوسری عورت کو طلاق دینے کے بعد شوہر نے دوبارہ ان کو قریب آنے کو کہا تو ان کے وجود میں اس

ستارے کی طرح تھا... برہمیں... رحمان بابا روانی  
میں بیٹے رہے۔ بڑے ناز و محبتوں میں اپنی بڑی مٹی اس  
لیے اس کا نام بھی برہمیں ناز..."

"رحمان بابا... آمنت بیگم صبر نہ کر سکیں۔ ان کے  
اندرونی عورت تھی اٹھی۔ تم اس حرافہ کی تعریف کر رہے ہو  
جس نے میرے سہاگے پر شب خون مارا۔ اس گھر کی  
خوشیوں کو اپنے خون قدموں سے رو نمواؤا۔"

جواب میں رحمان بابا کا منہ بہانوں کی طرح کھلے کا  
کھارہ گیا۔ وہ آمنت بیگم کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتے  
رہے۔ جو جیسے ان کے کانوں سے ٹھرائے تھے، وہ بھی  
صدائے بازوشت بن کر گونجتے گئے۔ انہیں اپنی قوت  
سماعت پر دعوے کا احساس ہو رہا تھا۔

"چلے جائیں میرے کمرے سے میں اپنی خوشیوں  
کے دشمن کی صورت بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔"

"مہ... سن... چلا جاتا ہوں، لیکن بیگم بیگم  
میں جس کی بات کر رہا ہوں، وہ اس قابل کہیں رہ گئی تھی کہ  
کسی دوسرے کی خوشیوں کے آڑے آسکتی۔"

"انگل جائیں میرے کمرے سے... بیگم۔"

آمنت بیگم نے دوبارہ پھر سے ہونے لگے میں ہاتھ اٹھا کر  
دھکارا تو رحمان بابا کو ایسا ہی لگا جیسے کسی نے ان کے وجود  
اور زندگی کے سارے بھرم کو ایک ہی ٹھوک سے ریزہ ریزہ  
کر دیا ہو۔ وہ جانے کے ارادے سے تھمتھے تھمتھلے انداز  
میں پلٹے۔ دو قدم آگے بڑھے پھر کسی جذبے کے تحت پست  
کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کو ضرور کوئی دھوکا ہوا ہوگا یا کسی دشمن  
نے..."

"دھوکا مجھے نہیں آپ کو ہوا ہے جو آبرو ہائے عورت کی  
حماہیت کر رہے ہیں جس نے نہ صرف میرے سہاگے پر ڈاکا  
ڈالا بلکہ اس کی ناجائز اولاد بھی ابرار کی خوشیوں کو روندنے  
کے درپے ہے۔" آمنت بیگم کے وجود کا آتش نشاں آگ  
اگلنے لگا۔

"ناجائز اولاد... رحمان بابا کے جسم کے عرشہ کی  
شدت بڑھنے لگی۔" یہ آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟"

"ساجد کی... جس کی ولدیت کے بارے میں  
شاید آپ بھی ناواقف ہو یا پھر جان بوجھ کر انجان بننے کی  
کوشش کر رہے ہوں" آمنت بیگم نے اس بار حقارت کا اظہار  
تجیح کر لیا۔ "چلے جائیں میرے کمرے سے لیکن ایک بات  
سن لیں... اپنی زبان پر قابو ہی رکھنا ورنہ آپ کی شرافت

ذاتی طور پر وہ رحمان بابا کو نہ صرف بھلا مانس سمجھتی  
تھیں بلکہ ہمیشہ ان کا احترام بھی کرتی تھیں۔ اس وقت بھی  
انہوں نے بڑی اہمیت سے ان کی دلجوئی کے لیے  
در یافت کیا۔

"کیا بات ہے رحمان بابا، آپ مجھے کچھ اچھے اچھے  
سے نظر آ رہے ہیں۔ کسی نے آپ کو پریشان نہیں کیا؟"  
"یہاں سب ہی اپنے ہیں ذہن بیگم پھر پریشان کون  
کرے گا؟"

"کوئی بات تو ضرور ہے۔"

"ہاں... آں۔" رحمان بابا نے پلکیں جھپکاتے  
ہوئے ذہنی زبان میں کہا۔ "آج ایک عرصے بعد سنا نے  
فوان کیا تھا۔ اسی وجہ سے ایک عجیب سی الجھن کا شکار  
ہوں۔"

"کوئی پرانا عزیز واقف کار؟"

"الجھن کی بات یہ ہے کہ اس نے بھی امتحان کے  
بارے میں بھی دریافت کیا تھا کہ یہ سب کچھ اچانک کیسے  
ہو گیا؟"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" آمنت بیگم کے  
لہجے میں درد کی کٹک جاگنے لگی۔ "کسی کی موت پر انہوں  
کے مادہ پرانے بھی دکھ کا اظہار تو کرتے تھا۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں ذہن بیگم لیکن... الجھن اس  
بات کی ہے کہ اس کا صاحب سے کیا تعلق تھا؟"

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں رحمان بابا؟" آمنت  
بیگم نے کہا۔ "آپ کا کوئی واقف ہی رہا ہوگا ورنہ آپ کے  
نمبروں کا علم ہے کس طرح ہوتا؟"

"برسوں پرانی بات ہے ذہن بیگم جب وہ حالات  
کے بہنور میں پھنس کر بے بسی کا شکار ہو گئی تھی اور..."  
رحمان بابا نے ہاتھ توقف کے بعد اچھے ہونے لگے میں کہا۔  
"میرا تو خیال تھا کہ وہ بدلہ لے کر گئی ہوگی لیکن وہ ابھی  
تک زندہ ہے نہ ہوتی تو بھانوں کیسے اور کیوں کرتی۔"

"آپ کا اس سے کیا رشتہ تھا؟" آمنت بیگم نے رحمان  
بابا کی باتوں پر دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"انسانیت ہی کا ایسا رشتہ ہے ذہن بیگم جو انزل سے  
ہے اور اب تک قائم رہے گا۔" رحمان بابا نے بڑستور بھر دوی  
سے جواب دیا۔ "میں بھی اسے انسانیت ہی کے رشتے سے  
جاتا ہوں۔"

"اس کا کوئی نام بھی ضرور ہوگا۔"

"ہاں... اس کا نام بھی آسمان پر چھتے ایک

"بہت ناراض ہو گئے مجھ سے۔" آمنہ بیگم کو پھر رحمان بابا کی بزرگی اور مستتر شخصیت کا احساس ہوا تو غلو میں دل سے بولیں۔ "میری جہ آپ ہوتے تو شاید آپ بھی....."

"میں سمجھتا ہوں دلہن بیگم۔" رحمان بابا کے دن کا غبار بھی چھینے لگا۔ "برسوں دونوں گھروں کا ٹمک کھایا ہے۔ اتنے قریب رہا ہوں کہ خود کو بھی گھروں کی درود ہوار کا ایک حصہ سمجھنے لگا ہوں۔ آپ کی جگہ اگر میں ہوتا تو شاید میرا اعتماد بھی ذالواں ڈول ہو جاتا۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔"

"اب تو آپ ہمیں چھوڑ کر جانے کا نہیں سوچیں گے؟"

رحمان بابا نے نظر بھر کر آمنہ بیگم کو دیکھا پھر نظریں جھکا لیں کچھ دیر خاموش کھڑے اپنے خیالوں کی بھول بھیلیوں میں گم رہے پھر رک رک کر بولے۔

"انسان خود کھرا ہوتا پھر کھری بات کہنے سے نہیں ڈرتا۔ سلی لپٹی کہنے کا عادی نہیں ہوں دلہن بیگم اس لیے ڈرتا ہوں اور اب.... اب شاید عمر کے ساتھ خود بھی سلٹھیا گیا ہوں اسی لیے الگ تھلک پڑا رہتا ہوں۔ عمر میں کے ہاتھ پیلے ہو جائیں تو میری ذمے داری کے ساتھ جہ کی بیڑیاں بھی کٹ جائیں گی۔"

"دوبارہ ایسا کبھی نہ سوچے گا رحمان بابا۔" آمنہ بیگم نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "عمر میں کے بعد مجھے بھی آپ کی پر غصوں اور بزرگانہ ہمنائی کی ضرورت ہوگی۔"

رحمان بابا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنائیت اور محبت بھرے دو برسوں میں کسی موسم ہی کی طرح پھل گئے۔ آمنہ بیگم ان کی کیفیت محسوس کر رہی تھیں۔ انہیں ان سخت دست جملوں کا احساس ہوا تھا جو وہ جذبات کی رو میں جہ گئی تھیں چنانچہ کچھ دیر رحمان بابا سے ہمیشہ کی طرح اپنائیت سے باتیں کرتی رہیں پھر انہوں نے دہلی زبان میں پوچھا۔

"آپ برہیں ناز کو کیسے جانتے ہیں؟" جواب میں رحمان بابا خاموش ماضی کے دھندلوں کی کچھ بھولی بھری یادوں کو سمیٹتے رہے پھر انہوں نے برہیں ناز کی ذات سے وابستہ جو کچھ اپنی سنائی، اس نے آمنہ بیگم کے وجود کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ کہانی فتمہ ہونے کے بعد بھی کمرے میں بہت دیر خاموشی مسلط رہی پھر آمنہ بیگم نے ہی مہر سکوت توڑی۔

"کیا آپ کے پاس اس کا موبائل نمبر ہے؟"

"آخری بار اسی بد نصیب نے بات کی تھی۔" رحمان

اور بڑھاپے کا بھرم بھی نوٹ کر بڑھ رہا ہو جائے گا۔" رحمان بابا کا پورا وجود جیسے کسی پھرے ہوئے طوفان کی شدتوں میں آ گیا ہو۔ وہ ایک لمحے تک ہٹا بٹکا سے کھڑے آمنہ بیگم کے جملوں پر غور کرتے رہے پھر کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح سر جھکا کر اپنے وجود کا بوجھ سنبھالتے اٹلے قدموں وہاں چلے گئے۔

آمنہ بیگم جیسے کی شدت سے کانپتی رہیں۔ برہیں ناز کے وجود نے ان کی خوشیوں کو تاراج کیا تھا، ان کی ہنسی مسکراتی زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔ بے بسائے گھر کو نامتھ کدو بنا دیا تھا پھر وہ رحمان بابا جیسے نیک دل اور جہاندیدہ شخص کی زبان سے اس کم ذات عورت کی تعریف کس طرح سنیں۔

تاہم یہ وہ اسی کیفیت سے دو چار رہیں پھر سوچا کہ شاید رحمان بابا کو کمرے سے نکل جانے کا حکم دے کر اچھا نہیں کیا۔ آروہ انہیں کرید کر برہیں کی اصلیت کے دوسرے پہلو بھی انکوائریس تو شاید پولیس کو اصل مجرم یا قاتل تک پہنچانے میں مدد بھی کر سکتی تھیں۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے اپنے اندر کی عورت کو کسی دوسری عورت سے نفرت کرنے کی شدتوں کو کم کیا پھر بہت غور و غوض کے بعد رحمان بابا کو دوبارہ ملازمت کے ذریعے بلا لیا۔

رحمان بابا دوسری بار کمرے میں داخل ہوئے تو پہلے سے زیادہ بوڑھے اور غمزہ نظر آرہے تھے۔ آمنہ بیگم کی سمت نظر اٹھائے بغیر سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ آمنہ بیگم نے ان کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھا پھر خود کو سنبھال کر بولیں۔

"رحمان بابا میں آپ سے....."

"اس کے آگے کچھ نہ کہنا دلہن بیگم۔" رحمان بابا نے ہاتھ جوڑ کر نظریں اٹھائیں۔ زندگی ہوئی آواز میں بولے۔

"میں شاید اپنی حیثیت اور اوقات بھول گیا تھا جو زبان پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں آپ کا مجرم ہوں اس لیے خود اپنے آپ کو سزا دوں گا۔ مم..... مم.... کل تک آپ کی کوشمیری خالی کر کے یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں گا۔ عمر میں تینی کو اپنے من کا ناکر کرنے کی وجہ بھی نہیں بتاؤں گا۔ ہو سکے تو آپ بھی اس بوڑھے کو اس کی برسوں کی خدمت کا صلہ کچھ کر ہی معاف کر دیتے ہیں۔ یہ آپ کی مہربانی ہوگی۔ اس کے علاوہ جو سزا آپ کو منظور ہو وہ بھی سناؤں۔ میں اسے جھٹھنے سے بھی انکار نہیں کروں گا۔ آپ کا ٹمک کھایا ہے تو ٹمک حرامی کی جرأت بھی نہیں کروں گا۔"

بابا نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ عنبرین کے نمبر ہوں گے۔"

آمنہ بیگم.... رحمان بابا سے موبائل لے کر ہندسوں پر نظر دوڑاتی رہیں پھر کچھ سوچ کر انہوں نے رحمان بابا ہی کے موبائل سے اس نمبر کو کال کیا۔ جھلا کر وقتے وقتے سے اس نمبر کو پھر ڈائل کرتی رہیں دوسری سمت سے ہر بار صرف ایک ہی ریکارڈ جواب سنا دیا۔

"آپ جس نمبر پر ڈائل کر رہے ہیں وہ کسی کے استعمال میں نہیں۔"

"کیا بات ہے دلہن بیگم؟" رحمان بابا نے آمنہ بیگم کی جھلاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے دریافت کیا۔ "کیا وہ فون نہیں اٹھا رہی یا آپ نے اس سے بات کرنا پسند نہیں کیا؟" "جس نمبر کی سم سے اس نے آپ کو کال کیا تھا اسے موبائل سے نکال لیا گیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں.... اس نے ایسا کیوں کیا؟" رحمان بابا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کچھ سمے اتنے اچھے ہوئے ہوتے ہیں جو آسانی سے مل نہیں ہوتے۔" آمنہ بیگم نے مطلوبہ نمبر کو بخندہ کھہہ کر موبائل رحمان بابا کو واپس کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے ہدایت کی۔ "آپ نے اس وقت جو باتیں مجھ سے کی ہیں، اس کا تذکرہ بھول کر بھی کسی اور سے نہ کیجیے گا۔"

رحمان بابا نے اپنائیت میں سر کو خفیف سی جنبش دی پھر خاموشی سے پلٹ کر واپس چلے گئے۔ برہمن کی سنی سنائی کہانی آمنہ بیگم کے وجود کے احاطے میں تادیر صدائے بازگشت بن کر گونجتی رہی۔ اس کہانی کے کراف میں جو اتار چڑھاؤ اور قدم قدم پر موزتے وہ اس قدر گنگل اور پیچیدہ تھے کہ خود آمنہ بیگم بھی اس کی بھول بھلیوں میں الجھ کر کم ہونے لگیں۔

☆☆☆

ساجد نے انرپورٹ پر اترنے کے بعد سب سے پہلے ایک طرف جا کر عنبرین کے نمبر ڈائل کیے۔ وہ خود کو تازہ ترین حالات سے باخبر رکھنا چاہتا تھا۔ دوسری تھنی کے بعد ہی عنبرین کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔

"تم نے میری بات نہ مان کر اچھا نہیں کیا۔" "خیریت؟" "پولیس کیا کرتی پھر رہی ہے، مجھے اس کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے لیکن یہاں اب گھر میں بھی پھوڑی پک رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ابراہیم قیمت پر مجھے حاصل کرنے کی خاطر داؤ پیچ لگا رہا ہے۔ آج آٹنی کے ساتھ بھی خاصی دیر اس کی باتیں ہوئی ہیں، بعد میں اس نے رحمان بابا کو بلا کر ان سے بھی خاصی دیر تک بات چیت کی تھی۔"

"رحمان بابا فرشتہ صفت انسان ہیں۔ وہ کسی برائی میں بھی شریک نہیں ہو سکتے۔"

"جاتی ہوں۔" عنبرین نے تائید کی۔ "وہ مجھے سگی بیٹیوں کی طرح چاہتے ہیں۔ میرا برا بھی نہیں سوچیں گے۔" "میں اب آ گیا ہوں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ساجد نے اسے ڈھارس دی۔

"قد اچھیں پر مصیبت سے محفوظ رکھے لیکن.... نہ جانے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"اوکے۔" ساجد نے اس بار بے پروائی کا مظاہرہ کیا پھر موبائل آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔

موبائل جیب میں ڈال کر اس نے ٹرائی ہیک کا بیٹل تھام کر آگے کی طرف قدم اٹھانے شروع کیے لیکن اس کی نظریں بدستور اس شخص۔۔۔ کا جائزہ لے رہی تھیں جو ایک مخصوص قافلے سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

کینیڈا میں مختصر ترین قیام کے باوجود عنبرین اسے سجاد شام فون کر کے حالات سے باخبر رہتی تھی۔ ان خبروں کے پیش نظر اسے یقین تھا کہ واپس پہنچنے ہی پولیس اسے پہلی فرصت میں گھبرنے کی کوشش کرے گی۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اسگریٹیشن اور کسٹم کاؤنٹر سے گزر کر وہ انرپورٹ سے باہر آیا تو وہی مشکوک شخص لیے لیے قدم بڑھا تا اس کے قریب آ گیا، محسوس کیجے میں بولا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ کا نام ساجد ہے؟"

"اور آپ کا تعلق یقیناً پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔" ساجد نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ کو اس کا خیال کیسے آیا؟" اجنبی نے جو اسپیکر سراج کے سوا کوئی اور نہیں تھا، ساجد کو تیز نظروں سے گھورا پھر اپنا تعارف بھی کروا دیا۔

"میں انکل احتشام کی موت کے دن ہی چونک چکا ہوں اور پھر کینیڈا چلا گیا تھا اس لیے مجھے یہی اطلاع ملی تھی کہ پولیس کو انکل کی موت کے سلسلے میں میرا بیان بھیجا ورنہ ہرگز ہے۔"

"آپ کو اس بات کی اطلاع کس نے دی تھی؟"

جاسوسی ڈائجسٹ 242 جون 2015ء

تھا۔

”اگر برائے ماں نہیں تو ایک نازک سا سوال پوچھوں؟“  
 ہنسیکٹر نے حاوی ہونے کی کوشش کی۔ ”کیا آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ آپ کے طبیعی اور سفیری دستاویزات میں والدیت کے خانے میں جو نام درج ہے وہ درست ہے؟“

”سوری ہنسیکٹر۔“ ساجد نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”دنیا میں کوئی فرد اپنی پیدائش کے بعد والدین کے خانے میں درج شدہ نام کے بارے میں یقین سے کوئی جواب نہیں دے سکتا۔“

”یو آر ہنڈرڈ پرسنٹ رائٹ لیکن کم از کم ہاں ضرور جانتی ہے کہ بچے کا اصلی باپ کون ہے۔“

”آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟“ ساجد نے اپنی نشست پر کسمسا کر ہنسیکٹر کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

”محترمہ برہمن کا دستخط شدہ بیان بھی ہمارے پاس آن ریکارڈ ہے۔“ ہنسیکٹر کا لہجہ قاتمانہ تھا۔ ”انہوں نے سچی بیان دیا ہے کہ منظور احمد ایک فرضی نام ہے۔ شاید آپ کے گھر چھوڑنے کی وجہ بھی یہی ہو؟“

”میں انکار نہیں کروں گا مگر اس بات سے آپ کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں؟“ ساجد نے برہمنی کا اظہار کرنے کی خاطر نچلا ہونٹ چباتے ہوئے ہنسیکٹر کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

جواب میں ہنسیکٹر مخصوص انداز میں مسکرایا پھر سرسراتے لہجے میں بولا۔ ”یہ بیان بھی آن ریکارڈ آچکا ہے کہ احتشام احمد نے حادثے سے قبل مس منبرین کو اپنی خواب گاہ میں بلا کر کہا تھا کہ کم از کم ان کی زندگی میں آپ کی اور مس منبرین کی شادی کسی قیمت پر نہیں ہو سکتی۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہنا پسند کریں گے؟“

”میں اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔“

”اوہ۔۔۔“ ہنسیکٹر نے پھر چبھتا ہوا سوال کیا۔ ”کیا مس منبرین کی طرح آپ بھی سبھی جواب دیں گے کہ اس سے شادی کرنے کی خاطر آپ بھی کسی کے مرنے یا جینے کی پروا نہیں کریں گے؟“

”نہیں۔“ ساجد کا چہرہ کسی جذبے سے تھما اٹھا۔ ”میں منبرین سے محبت کرتا ہوں۔ اسے دل و جان سے چاہتا بھی ہوں لیکن کسی کی ناش پر کھڑے ہو کر شہتائوں کی گونج میں شادی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“

”گڈ۔۔۔۔ میں آپ کے اس جذبے کی تعریف میں

”میں پندرہ گھنٹے کی مسلسل نان اسٹاپ فلائٹ سے خاصا تھک گیا ہوں ہنسیکٹر۔“ ساجد نے ہنسیکٹر سراج سے کہا۔ ”کیا یہ من سب نہیں ہوگا کہ آپ میرے ساتھ فلیٹ تک چلنے کی زحمت گوارا کر لیں۔ وہاں بیٹھ کر ہم سکون سے بات کر سکیں گے۔“

ہنسیکٹر نے ساجد کے چہرے کے تاثرات کو اپنی عقابلی نظروں سے نولا پھر بادل ناخواستہ آمادہ ہو گیا لیکن اس نے ساجد کو اپنی ہی گاڑی میں بٹھانا ضروری سمجھا تھا۔ راستے میں زیادہ باتیں نہیں ہوئیں۔ ہنسیکٹر کے علاوہ خود ساجد نے بھی خاموشی ہی اختیار کی۔

فلٹیٹ پر پہنچ کر ساجد جتنی دیر میں منہ ہاتھ دھو کر فریش ہوا، اس کے ملازم نے چائے تیار کر لی تھی۔ ساجد نے کرسی پر بیٹھ کر ہنسیکٹر سے گفتگو کا آغاز کیا۔

”مجھے آپ کے بزنس کی تفصیل معلوم ہو چکی ہے لیکن آپ کے اور مس منبرین کے تعلق کے حوالے سے قانون آپ سے بھی چھان بین ضروری سمجھتا ہے۔“

”آپ مجھے بھی ایک قانون پسند شہری ہی سمجھیں۔“

ساجد نے سنبھل کر جواب دیا۔ ”میں ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں۔“

ہنسیکٹر نے مختلف پہلوؤں سے ساجد کو کریدنے کی کوشش کی۔ اس کا تجربہ دو ہفتوں کی نشاندہی کر رہا تھا یا تو ساجد بے تصور اور محسوس تھا یا پھر اتنا گھنگ تھا کہ خود کو قانون کے جان سے بچانے کی خاطر اس نے سادگی کا خول چڑھا رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک نئے پہلو سے ساجد کے اعتماد کو حرازل کرنے کی خاطر چیسے ہوئے اس کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”سنو ساجد۔۔۔۔ کیا آپ کھل کر اس راز سے پردہ اٹھا سکتے ہیں کہ آپ نے کس وجہ سے اس سے منگھڑگی اختیار کر لی تھی؟“

”اس بات کا مرنے والی ذات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟“ ساجد نے پہلی بار محتاط انداز اختیار کیا۔

”آپ شاید بھول رہے ہیں کہ محترمہ برہمن ہی مرحوم یا متوفی کی دوسری بیوی تھی۔“

”جانتا ہوں۔“ ساجد نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ”کیا آپ کو ان دونوں کی شادی سے کسی وجہ سے اختلاف تھا؟“ ہنسیکٹر نے سنی خیر انداز میں چبھتا ہوا سوال کیا۔

”نہیں۔۔۔۔ میں اس شادی سے پہلے ہی گھر چھوڑ چکا

کسی نفل سے کام نہیں لوں گا لیکن .... "انسپکٹر کچھ توقف سے بولا۔ "مس عبیرین کا جواب کچھ اور تھا۔ اس نے مرحوم سے کھلے لفظوں میں کہا تھا کہ آپ سے شادی کرنے کے لیے وہ کسی کی موت کا انتقاد کرنے کو بھی تیار ہے۔"

"عبیرین نہ صرف یہ کہ باغ ہے بلکہ خود مختار بھی ہے۔ جو بات اس کی زبان سے نکلی وہ اس پر زبردستی کوئی غلط فیصلہ سمجھنے کا رونا بھی ہو سکتا ہے۔" ساجد نے پہلو بدل کر کہا۔ "صرف اس ایک جیسے سے اس کے خلاف ...."

"کیا غلط ہے کیا سچ .... یہ سوچنا آپ کا نہیں قانون کا کام ہے۔" انسپٹر نے اس کی بات رد کرتے ہوئے کہا۔ "جس رات سچ حملوں کا تبادلہ ہوا اسی رات احتشام احمد کا زندگی کی بازی ہار جانا .... اس کو بھی اگر حملوں کے پس منظر میں فوکس کیا جائے تو اسے بھی محض اتفاق نہیں سمجھا جاسکتا۔ ایسی صورت میں کہ جب بے ہوشی کی دوا کی بوتل بھی خالی ملی اور استعمال ہونے والے آنویٹک پر صرف اور صرف مرنے والے کے انٹرنیشن کا ملنا .... یہ بھی قابل غور ہے۔"

"اس ضمن میں بھی کوئی آخری نتیجہ اخذ کرنا قانون ہی کی ذمہ داری ہے۔" ساجد نے چپستے ہوئے انداز میں جواب دیا تو انسپٹر کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔

"ہو سکتا ہے کہ اس پراسرار واردات کی پشت پر ایک کے بجائے دو مجرموں کی ملی جلتی شائے ہو۔" انسپٹر نے جوابی حملہ کیا۔ "اس امکان پر بھی غور کرنا ہمارا فرض ہے۔"

"اگر آپ کا شبہ مجھ پر ہے تو میں اس وقت بھی خود کو قانون کے حوالے کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔" "سچ نہیں۔" انسپٹر نے بدستور خشک لہجہ اختیار کیا۔ "آپ برہمس ناز کو کیوں بھول رہے ہیں جس کو مرنے والے نے کچھ عرصہ اپنی زوجیت میں رکھ کر فارغ کر دیا تھا۔"

"میں جس گھر کو چھوڑ چکا ہوں اس کے کسی فرد سے ہمدردی کا اظہار نہیں کروں گا۔"

انسپٹر نے اس بار فوراً ہی کوئی سوال نہیں کیا۔ برہمس کے نام پر ساجد نے جس انداز میں بے پردائی کا اظہار کیا تھا اس پر غور کرتا پھر بیٹرا بدل کر سوال کیا۔

"احتشام احمد کی موت کی اطلاع آپ کو کس نے دی تھی؟"

"عبیرین نے۔"

"اور فوری طور پر باہر جانے کا مشورہ بھی اسی کا تھا؟"

"اس نے صرف مشورہ دیا تھا۔" ساجد نے سنبھل کر سنجیدگی سے کہا۔ "جاننا جانا میرے اختیار کی بات تھی۔"

"بہر حال .... آپ نے اسی کے مشورے پر عمل کیا تھا؟"

"مجھے کینیڈا میں بزنس کے سلسلے میں کچھ ضروری کام بھی نمٹانے تھے۔"

"بہت خوب۔" انسپٹر نے زہر خشک سے کہا۔ "گویا آپ کے لیے بزنس کے کچھ ضروری کام نمٹانے احتشام احمد کی آخری رسومات میں شرکت کرنے سے زیادہ اہم تھے؟"

"احتشام احمد سے میرا کوئی خوبی رشتہ بھی نہیں تھا۔" ساجد نے سادگی سے جواب دیا۔

"اس کے باوجود وہ آپ کے گھر آتا جاتا تھا۔" انسپٹر نے طنز بھری لہجے میں کہا۔ "برہمس ناز اور احتشام احمد کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لینے کے بعد ہی آپ نے برہمس ناز کے سامنے اپنی ولدیت کا سوال اٹھایا جس کے جواب میں یہی کہا گیا تھا کہ منظور احمد ایک فرضی نام ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

انسپٹر کا جوابی حملہ اس قدر بھرپور تھا کہ ساجد تھملا اٹھا۔ پہلی بار اس نے انسپٹر کو ناپسندیدہ نظروں سے گورا پھر بے حد سرد لہجے میں بولا۔ "آپ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کریں انسپٹر۔ اپنی تفتیش کو صرف مرحوم یا مقتول کی حد تک محدود رکھیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"مسٹر ساجد ...." جواب میں انسپٹر کے تہور میں بھی تناؤ آ گیا۔ "میں اس وقت یہاں آپ سے جتنی مشورے مانگنے نہیں آیا ہوں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ممکنہ طور پر مشکوک افراد کی فہرست میں ایک اہم نام آپ کا بھی ہے اس لیے آپ محض اپنا دامن بچانے کی فکر کریں۔ حالات کے پیش نظر مجھے آپ کی زندگی کے ہر نئی پہلو کو کریدنے کا پورا پورا اختیار ہے .... انڈراستینڈ۔"

انسپٹر کے لہجے کی گرمی نے ساجد کی رگوں میں دوڑتے خون کو گرم مادی یا لیکن اس نے دل پر جبر کر کے خاموشی ہی مناسب سمجھی جس کی ایک اہم وجہ عبیرین کی ذات بھی تھی جسے اس کے ساتھ حالات کی سنگینی میں برابر کا شریک سمجھا جا رہا تھا۔

کمرے میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر انسپٹر نے تہوری پر بل ڈال کر کہا۔ "میری اجازت کے بغیر آپ گھس

لبورسک

عادت بن گئی تھی۔ ساجد کے سلسلے میں اس نے زمانہ بابا و جس انداز میں ملوث کرنے کی خاطر ماں کے کان میں زہر پھونکا تھا وہ اب بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ کوئی بات ایسی ضرور تھی جس نے آمنہ بیگم کو درمیان بابا پر زیادہ مہربان کر دیا تھا۔ وہ جانتا پاتا تھا کہ ان کے اور ماں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی جس نے آمنہ بیگم کو بھی ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں گم رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس تغیر کے پیچھے یقیناً کوئی اہم بات رہی ہوگی مگر زمانہ بابا نے نہایت مصیبت سے ابرار احمد کو مال دیا۔ گفتگو کی تفصیل بتانے کے بجائے اس نے محض یہ کہا تھا کہ اس کے اور آمنہ بیگم کے درمیان کوئی قاتلہ ذرا بات نہیں ہوئی تھی۔

زمانہ بابا کا وہ جواب ابرار احمد کو مطمئن نہیں ہوا۔

اس وقت بھی وہ باہر لان میں بیٹھا کوئی ایسا پلان ذہن میں مرتب کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کے حق میں مؤثر اور مضربین اور ساجد کے حق میں ایسی دہرا ثابت ہوتا جس کو پھر تمنا ساجد اور مضربین دونوں کے اختیار سے پر ہوتا۔ وہ اپنی اس منحنی سوچ کو کوئی آخری شکل دینے میں محو تھا جب آمنہ بیگم نے اسے کلثوم کے ذریعے اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔

آنے جانے کی غلطی نہ کریں ورنہ میں آپ کو باقاعدہ دھور پر حراست میں منے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔" جواب میں ساجد خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ کچھ دیر تک مختلف پہلوؤں سے سوالات کرنے کے بعد جب اسپیکر جانے کے لیے اٹھا اس وقت بھی اس نے ساجد کو بے حد مشکوک نظروں سے گھورا تھا۔

☆☆☆☆

ابرار احمد کو جوں باب کا سایہ سر سے اٹھ جانے کا فہم تھا وہاں اس بات کا مدلل بھی تھا کہ آمنہ بیگم نے ماں ہونے کے باوجود مضربین کے سلسلے میں اس کی خواہش کو تسکین پہنچانے کے بجائے ساجد کے حق میں ایسے جملے کہے تھے جس نے ابرار کو اور زیادہ دل برداشتہ کر دیا تھا۔ وہ ماں سے حل کر تو کوئی شکایت نہیں کر سکا لیکن ساجد سے نفرت کے جذبے میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی غمے کر لیا تھا کہ مضربین کو کسی قیمت پر بھی حاصل کرنے کی خواہش کو دل کے نہاں خانوں سے نہیں نکالے گا۔ کم از کم ساجد کے مقابلے میں وہ اپنی شکست تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔

چہ نئے ہوئے حالات کے پیش نظر اس نے خود کو کسی قدر محتاط تو کر لیا تھا لیکن اب یہ بات پر نظر رکھنا اس کی

## تقدیر کی فسوں گری، قسمت کی چال بازی یا مقدر کا کھیل ؟

جرم، افسر شاہی اور  
جاگیر داری کے پس منظر  
میں لکھی گئی ایک  
ایڈونچر اس داستان

# کتاب

## اسماء قادری

خوبصورت سپرورق، بہترین طباعت و کتابت

تکمل سیٹ 6 جلدوں میں ————— قیمت -/2400 روپے

القریش پبلی کیشنز  
سکرپٹ روڈ، چوک آر، بازار لاهور  
فون: 37652546 — 042-37668958

حد سوسائٹی، نجسٹ، 245 جون 2015ء

Scanned By Amir

برو بار اور پڑھنا اس شخصیت کا مالک ہے۔ میں نے اس کے اندر کبھی کوئی گھومت نہیں پایا۔

"اوہ۔۔۔" ابرار نے غلطی کے انداز میں طنز کیا۔

"اسکی صورت میں تو آپ بھی عنبرین اور اس کی شادی۔۔۔"

"شادی کے مسئلے کو درمیان میں نہ لاؤ۔ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور اُن ہوتے ہیں۔ انسان اس میں کوئی ترمیم یا اضافہ نہیں کر سکتا۔" آمنہ بیگم نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ہر محبت کا انجام شادی نہیں ہوتی اس لیے کسی بات کو اپنے اوپر طاری کر لینا بھی حماقت ہی ہے۔ انسان کو موسموں سے سبق لینا چاہیے جو کبھی ایک جیسے نہیں رہتے۔ وہ بھی قدرت کے اشارے پر بدلتے رہتے ہیں۔"

ابرار و ماں کی باتوں سے یہی احساس ہو رہا تھا کہ وہ عنبرین کے لیے ساجد کو ترجیح دینا ہی۔ اس نے ماں کو جھیرنے کے بجائے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔

"بھیرا خیال ہے کہ رشتوں کی نوعیت کے اعتبار سے عنبرین نے بھی تم سے بے رخی کا انداز نہیں اختیار کیا۔" آمنہ بیگم نے بیٹے کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے ہمیشہ تمہارے ساتھ ہنستے ہلاتے دیکھا ہے۔ وہ تمہاری روزمرہ کی پھوٹی موٹی ضرورتوں کا خیال بھی رکھتی ہے۔"

"میں نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا۔"

"کیا تم نے بھی اس پر اپنی محبت اور پسند کا اظہار کیا ہے؟"

"جی نہیں۔"

"پھر تم ساجد کو اپنے راستے کا کانا کیوں سمجھ رہے ہو؟"

"حیرت ہے۔۔۔" ابرار احمد نے الفاظ چناتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا آپ نے بابا اور عنبرین کے سلسلے میں ساجد سے شادی کے متعلق جو باتیں پولیس کو بتائی تھیں، وہ غلط ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ اس کا ایک ایک حرف درست ہے۔" آمنہ بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا پھر کچھ توقف سے بولیں۔ "تمہارے باپ نے عنبرین سے یہی کہا تھا کہ ان کی زندگی میں ایسا کبھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔"

"عنبرین نے جو جواب دیا وہ بھی آپ کو یاد ہوگا؟"

"ہاں۔" آمنہ بیگم پھر کسی خیالوں میں مگن بیٹھی رہیں پھر حلقے حلقے لہجے میں بولیں۔ "میں تم سے پہلے بھی سہ جنگی

دس منٹ بعد جب وہ ماں کے کمرے میں داخل ہوا اس وقت بھی وہ گہری سوچ میں غرق تھیں۔ ان کے چہرے پر طاری تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ ذہنی طور پر کسی کرب کا شکار ہیں۔ ابرار ان کے فریب ہی بیٹھ گیا تو انہوں نے کچھ توقف کے بعد اسے بڑی محبت سے مخاطب کیا۔

"باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد ان کے کاروبار اور اس گھر کی ذمہ داریوں کا سارا بوجھ بھی تمہیں سنبھالنا ہے۔ میں نے اس وقت تمہیں اسی مقصد سے بلا یا ہے۔"

"آپ حکم دیں میں کسی ذمہ داری سے منہ نہیں پھیروں گا۔" ابرار احمد نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

"میں نے طے کیا ہے کہ تمہارے والد کے وکیل کو بلا کر سب کچھ تمہارے نام منتقل کر دیا جائے۔"

"یہ بھی آپ کی مرضی پر منحصر ہے لیکن مجھے قدم قدم پر آپ کی شفقت اور درجہ بندی کی ضرورت ہوگی۔"

آمنہ بیگم با دیر اس موضوع پر بیٹے سے بات کرتی رہیں پھر کچھ دیر کسی خیال میں گم م رہنے کے بعد انہوں نے ایک حساس موضوع کو چھیڑ دیا۔

"میں نے سنا ہے کہ ساجد باہر سے واپس آ گیا ہے؟"

"اس وقت آپ کو میرے مستقبل کو بتانے، سنوارنے کی بات کرتے کرتے ساجد کیوں یاد آ گیا؟"

ابرار احمد نے ماں کی زبان سے اپنے راستے کے زہرے لے کانٹے کا نام سنا تو دبی زبان میں اپنی نفرت کے جذبات کا اظہار بھی کر دیا۔ "آپ جانتی ہیں کہ وہ میری خوشیوں کا دشمن ہے۔"

"دشمنی اور نفرت کا پورا اثر انسان کے وجود میں جڑ پکڑنے تو اس کی ہر سوچ میں بھی ہو جاتی ہے۔" آمنہ بیگم نے بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "عنبرین اگر اسے پسند کرتی ہے تو اس میں ساجد کا کیا قصور۔ عملی زندگی میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں اپنی سوچ بدلتی ہوگی ورنہ قدم قدم پر مشکلات ہی نہیں آئیں گی۔"

"گویا آپ بھی ساجد کو اولاد کی محبت پر ترجیح دے رہی ہیں؟"

"یہ بھی تمہارا وہم ہے۔ ویسے ساجد کے پارے میں میری سوچ روز بروز اول سے ایک ہی ہے۔" آمنہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے بڑے گہیر انداز میں کہا۔ "وہ سنجیدہ،



نفرت؟“  
 ”تم صرف اس بات پر دھیان رکھو کہ میں تمہاری ماں ہوں اور ماں باپ بھی اپنی اولاد کے حق میں برا نہیں سوچتے۔“  
 ”مخلص ایک بات کی اور وضاحت کر دیں۔“ ابرار نے تذبذب کی کیفیت سے دوچار ہو کر ماں کی نگاہوں میں اندر تک جھانکا۔ ”پاپا کے بعد اب آپ بھی ساجد اور عنبرین کی شادی کی مخالفت کر رہی ہیں۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی؟“

”میں اس وقت تمہارے کسی سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔“  
 ”میرے لیے اور کیا حکم ہے؟“

”صبر و تحمل سے آنے والے وقت کا انتظار کرو۔ ساجد کو اپنے راستے کی دیوار یا خوشیوں کا دشمن نہ سمجھو اور کوشش کرو کہ تم کسی من سب طرز عمل سے عنبرین کا دل جیت سکو۔“  
 ابرار احمد نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ ماں کے جملوں کے سچ و غم نے۔ اسے کسی حد تک الجھا دیا تھا۔ دوسری طرف آمنہ بیگم بھی اندر ہی اندر اس کہانی کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہی تھیں جو رحمان پاپا نے سنائی تھی۔ اس کہانی کا ہر پہلو کسی زہریلے بچھو کی طرح ان کے وجود کی گہرائیوں میں اپنے ڈنک مار رہا تھا۔

☆☆☆☆

انسپیکٹر کے جانے کے بعد ساجد چھ دیوان خانہ کے تانے بانوں میں الجھ رہا جو وقت اور حالات نے اس کے گرد بن دیے تھے۔ وہ تنہا یا تنہا تھا۔ کچھ دنوں پہلے بزنس کے بھینڑوں میں قدم رکھنے کے بعد اس نے گردش نئیں و نہار کی اور بیچ اور مرد و کرم حالات میں مہل کر سانس لینے سے کافی چھٹکے لیا تھا۔

احتشام احمد کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ عنبرین سے پیار نہ ہوتا تو شاید وہ اس دلہیز پر قدم رکھتا بھی گوارا نہ کرتا جہاں اس کی خوشیوں کا دشمن رہتا تھا۔ احتشام احمد سے اس کی کوئی ذاتی دشمنی بھی نہیں تھی۔ اس کے وجود نے ساجد کی زندگی سے سکون و چین تھا۔ اس دلہیز سے قطع تعلق کرنے پر مجبور ہو گیا تھا جہاں وہ برہمن ناز کے ساتھ رہنے ہوئے زندگی کا ایک طویل سفر کیا تھا۔ برہمن ناز کو اس نے ہمیشہ اپنی ماں سمجھا تھا۔ ماں۔۔۔ جس کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔ اس جنت میں منہ بولے باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اس کے ناتواں کاندھوں پر گھر کی دیکھ بھال

ہوں وقت اور حالات نے عنبرین کو ہمارے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے ورنہ ہمیں بھی اس کی منتقلی اور غیر منتقل جانے کا یہ خوبی اندازہ ہوگا۔ والدین کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اسے یہ احساس بھی ضرور ستاتا ہوگا کہ مرنے والوں نے اسے کس پیار و محبت، ناز و محبت اور لاڈ سے پال پوس کر پر دان چڑھایا تھا۔ انکی صورت میں جب تمہارے بابا نے اس پر ایک فیصلہ جھلا کر خط انداز میں تھوہنے کی کوشش کی تو اس کے جذبات کو بھی یقیناً تمہیں پہنچی ہوگی۔“

”اور اس رات نیا کی پر اسرار موت۔۔۔۔۔“  
 ”ابرار۔“ آمنہ بیگم نے بیٹے کے جملے کو رو کر تے ہوئے جھلا کر کہا۔ ”جس بات کا سراغ ابھی پوچھیں بھی نہیں لگا سکی، تم بھی اس کے بارے میں کوئی حقیقت کی بات زبان تک لانے سے گریزیں کرو۔“

ابرار کے چہرے پر ابھمن کے تاثرات پھیل کر کبرے ہونے لگے۔ آمنہ بیگم اسے غور سے دیکھتی رہیں پھر انہوں نے تنہائی سے کہا۔  
 ”ساجد کے لیے تمہارے خیالوں میں نفرت کا جو پودا جڑ پکڑ رہا ہے اسے ذہن سے اکھاڑ چینیو۔ ہو سکتا ہے کہ جسے تم آج اپنی خوشیوں کا دشمن سمجھ رہے ہو کل تمہارے حق میں ایک بھر دو دوست ثابت ہو۔“

”کیا آپ نے سبھی کہنے کی خاطر مجھے اس وقت بلا یا تھا؟“ ابرار نے کسمپاسی سے اپنی نئی کا اظہار کیا۔

”ہاں۔“ آمنہ بیگم نے بہو بدل کر جواب دیا۔  
 ”اسی ضمن میں میری ایک بات غور سے سن لو۔ تم ساجد کے خلاف اب پوچھنے کے کانوں میں کوئی زہر نہیں بھرو گے۔“  
 ”میں اب اپوزت چاہوں گا۔“ ابرار احمد نے ناگوار انداز میں کہا پھر وہ جانے کے لیے پر تبول رہا تھا جب آمنہ بیگم نے اسے حکمتانہ انداز میں حق طلب کیا۔

”بیٹھ جاؤ اور جوابات میں کہہ رہی ہو، اسے بغیر کسی وضاحت کے غور سے سنو۔۔۔ کل تمہارے پاپا نے عنبرین اور ساجد کے سلسلے میں ایک فیصلہ جہ باقی انداز میں کیا تھا اور آج۔۔۔ آج میں بھی تمہیں اس بات کا یقین دلانا ہی ہوں کہ میں بھی اپنی زندگی میں ان دونوں کی شادی کی ہمیشہ اور آخری وقت تک مخالفت ہی کرتی رہوں گی لیکن میری اس مخالفت کا انداز دوسرا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی سن لو کہ ہر پہلو سے ساجد کو اپنی بھرداری کا مستحق بھی سمجھتی ہوں۔“

”میں آپ کی ان متضاد باتوں کو کس رخ سے دیکھوں؟“ ابرار نے کسمپاسی سے پوچھا۔ ”ساجد سے محبت یا

کے علاوہ بزنس کا سارا بوجھ بھی آگیا تھا۔ ان حالات میں بھی اس نے وقت کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا۔ نئے معمولات میں اس نے خود کو کسی مستحکم پوزے کی طرح ایڈجسٹ کر لیا تھا۔

اس وقت بھی ساجد گزرے ہوئے خواب جیسے دنوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جب ایک نٹوں دن وہ خلاف توقع معمول سے پہلے صبح بچ گیا تھا پھر اس نے احتشام احمد اور برہیس ناز کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تو پہلی بار اسے بڑی شدت سے احساس ہوا کہ اب تک وہ زندگی کے جن گزرے ہوئے دنوں کو نکلستان سمجھ رہا تھا، وہ اس کی معصوم خواہشات کا ایک حسرت فریب تھا۔ اب اور فریب کے سوال کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

حسرت احمد کی باتوں اور برہیس ناز کے سب سے سب سے جواب کے پیچھے سے جوتناؤ نے پیر سے نظر آئے وہ بڑے کمزور تھے۔ ناقابل شاکت تھے۔ ساجد نے خوابوں کا جو تاج گل برسوں میں تعمیر کیا تھا وہ ٹپ بھر میں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اسے برہیس ناز سے نفرت ہو گئی جس نے ساجد سے اس کی ولدیت کی اصمیت کو پھپھایا تھا اور..... اور زندگی کے کئی گنا ڈونے پہلو کو دنیا کی نظروں سے چھپانے کی خاطر وہ احتشام احمد کی نفسانی خواہشات کے بھیٹ بھی چڑھ چکی تھی۔

تصویر کے اس دوسرے رخ کو دیکھنے کے بعد ہی ساجد نے گھر پہنچنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ برہیس ناز نے اس کا راست روک کر چھپنے کی کوشش کی لیکن وہ جو کچھ اپنے کانوں سے سنی چکا تھا اس سے زیادہ سننے اور برداشت کی ہمت بھی نہیں تھی۔ وہ ٹپ بھر میں برہیس ناز کی دہلیز سے اپنا برسوں کا ناتواؤں کر چلا گیا۔ اس کی زندگی کا پہلا سوز تھا پھر.....

حسرت احمد کی پراسرار موت کے بعد اس نے ضمیرین کی ضد پر ملک چھوڑ کر وطن کی گئی تھی اب وہ اس کے آڑے آ رہی تھی۔ یہ زندگی کا دوسرا سوز تھا جس نے اس کے سون تو واقعی طور پر برباد کر دیا تھا۔

ساجد کا ذہن اس وقت ان ہی باتوں کے تانے بانوں کے درمیان الجھ رہا تھا کہ اس کے سوا بائیں پر ضمیرین کی کان آتی۔ ضمیرین کے اصرار پر انسپٹر سراج سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل ستا تار پھر اپنی ذاتی معصومات کی خاطر اس نے ضمیرین کو ایک بار پھر نوسٹے کی کوشش کی۔

"کیا اس بات کا سراغ ملے گا کہ آنویٹکس نے چلایا

تھا؟"

"نہی ایک سوال سب کے ذہن میں پھر رہا ہے۔ موت پولیس نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مرحوم نے پہلے خواب آور دوا کی خاصی زیادہ مقدار استعمال کی پھر کسی وجہ سے اپنی موت کو یقینی بنانے کی خاطر آنویٹکس بھی استعمال کر ڈالا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آنویٹکس کا استعمال کسی دوسرے نے دستانے دیکھ کر کیا ہو جس کا مقصد فکر پریشانی کے امکانات کو ختم کرنا ہو؟"

"اسی صورت میں وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہوگا۔" ضمیرین کی سبھی ہوئی آواز ابھری۔ اس لیے کہ ملازموں کا یہ بیان ہے کہ وہ قہر والی رات ہمارے گھر کوئی نہیں آیا تھا۔"

ان بیانات کی روشنی میں تمہارا مشہد کس پر ہوگا؟"

"کس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔" ضمیرین نے بدستور پریشانی کے لہجے میں جواب دیا۔ "اگر صرف انگل کی جائیداد کو ان کی موت کا سبب سمجھا جائے تو ابراہان پر بھی شبہ ہو سکتا ہے لیکن میری ذاتی رائے یہی ہے کہ تم ازیم ابراہان نے ایسا نہیں کیا ہوگا اس لیے کہ ذاتی بینک ٹیلیس ہونے کے باوجود آئی اور انگل ہر ماہ اسے جو سبب خرچ دیتے تھے وہ بھی اس کی ضرورت سے زیادہ ہی ہوتا تھا۔" ضمیرین نے اپنی بات جاری رکھی۔ "امکانات کی روشنی میں اگر گورنر کیا جائے تو آئی بھی خرچ از مکان نہیں رہتیں مگر یہ بھی امکان ہے کہ انگل کی پراسرار موت دوسری بیوی کوڈائیوٹس دینے کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی۔ اگر یہ حادثہ دوسری شادی کے فوری بعد پیش آتا تو دوسری بات تھی۔ ذاتی طور پر بھی میرا خیال ہے کہ آئی نے اتنا انتہائی قدم اٹھانے کے بارے میں بھی سوچ بھی نہ ہوگا۔"

"اس کے علاوہ اور کس پر شبہ کیا جاسکتا ہے؟"

"صرف تم اور میں باقی رہ گئے ہیں۔" ضمیرین نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "شادی کے مسئلے پر میں نے واقعی طور پر جھگا کر انگل کو جو جواب دیا تھا، وہ بھی پولیس کے ریکارڈز پر ہے اس کے علاوہ میں نے تم کو یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دے کر بھی حماقت ہی کی تھی۔ ذہن لپی کے بعد تفتیشی انسپٹر بھی بار بار اسی بات کو دہرا رہا تھا۔"

"اس سے علاوہ ایک مشتبہ شخصیت اور بھی ہے جسے تم فراموش کر رہی ہو۔" ساجد نے دل کا غبار ہٹانے کی خاطر ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "برہیس ناز..... اس کے

اپنے وجود سے بھی نفرت ہو جائے۔" برہمیں نے تڑپ کر احتجاج کیا۔ "میرے جذبے کو کھینچنے کی کوشش کرو ورنہ تم بھی سکون سے نہیں رہ سکو گے۔"

"بکواس بند کرو اور .... اور دوبارہ کبھی مجھے فون کرنے کی فحشی نہ کرو۔" ساجد کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے موبائل آف کر دیا پھر جھلا کر اسے زور سے دوبارہ پر زار اتوا اس کے سارے جوجڑ بھی مٹھہ ہو کر بھر گئے۔

☆☆☆

ایس پی اس وقت کسی سے فون پر گفتگو میں مصروف تھا اس لیے اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسپیکر سراج کو بیٹھے کو کہا۔ کچھ دیر بعد فون سے فارغ ہوا تو اس نے اسپیکر سے دریافت کیا۔

"حضرت احمد کی پراسرار موت کے بارے میں کیا رپورٹ ہے، کوئی سراغ ما؟"

"سر.... میں تمام متعلقہ افراد کو ایک ایک کر کے کرید چکا ہوں۔ ساجد بھی باہر سے آ گیا ہے۔ اس کا بیان بھی لے لیا مگر ابھی تک کوئی ایسا کلیہ نہیں ملا جو کسی کو ہتھیاری لگائی جاسکے۔"

"پھر.... آپ کا کیا خیال ہے؟"

"جائے وقوع سے ملنے والی تمام شہادتوں کی روشنی میں بظاہر یہ سیدھا سادہ خودکشی کا کیس ہی نظر آتا ہے۔" اسپیکر نے جواب دیا۔

"پہلی نظر میں مجھے بھی یہی خیال آیا تھا۔ جو بیان میں نے لیے اس میں بھی کوئی معمول نظر نہیں آیا لیکن آپ ایک اہم بات فراموش کر رہے ہیں۔"

"وہ کیا سر....؟"

"زندگی انسان کو سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ مرحوم یا مقتول کے مالی حالات بھی ضرورت سے زیادہ ہی اطمینان بخش تھے۔ دوسری شادی کے بعد پہلی بیوی آمنہ بیگم نے بھی کوئی واویلا نہیں مچایا تھا۔ ایسی صورت میں خودکشی بھی محض تفریحاً نہیں کی گئی ہوتی۔" ایس پی نے بے حد سنجیدہ لہجے میں بات جاری رکھی۔ "حمبرین اور عمر نے والے کے درمیان شادی کے معاملے میں جو بحث و تکرار ہوئی تھی، اس کی روشنی میں اگر دور بین نظروں سے دیکھا جائے تو ہمیں نہ کہیں ایسا کوئی غلط ضرورہ کیا ہے جو ابھی تک قانون کی نظروں میں نہیں آسکا۔ ہمیں بہر حال اپنی ذمے داری کو ایمان داری سے نبھانے کے لیے اس غلط کو بھی پُرکرا ہوگا۔"

بارے میں تمہیں زیادہ تفصیل بتانے سے گریز کروں گا لیکن اس منقبت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ تمہارے انگل کو اس سے شافی کرنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی۔ طلاق کے بعد بہت ممکن ہے کہ اس نے کسی تجربے کا راجرتی قاتل کی خدمات حاصل کر کے تمہارے انگل کے کاٹنے کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے نکال دینے کی ٹھان لی ہو۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم یہ بات اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہے ہو؟ اگر ایسا فرض کر لیا جائے تو پھر ملازموں کے بیان کو تم کس خانے میں قلم رو گے؟"

"کسی پیشہ ور اجرتی قاتل کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ملازموں کی نظروں سے ہو کر گزرے۔ اپنے شکار تک پہنچنے کی خاطر ان کے پاس کچھ ایسے طریقے بھی ہوتے ہیں جو پولیس کو بھی دھوکے میں ڈال دیتے ہیں۔"

"لیکن...."

"تم پریشان نہ ہو۔" ساجد نے اس کی بات کاٹ کر بڑی اچانکت سے کہا۔ "میں آ گیا ہوں اس لیے اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالو۔"

اپنا جملہ کھل کرنے کے بعد ساجد نے خود ہی رابطہ منقطع کر دیا۔ حضرت احمد کے قتل کی سچی اتنی اچھ گئی تھی کہ وہ بھی اسے سمجھانے سے قاصر تھا۔ قلعہ امکاٹی پہلوؤں پر خیلانی گھوڑے دوڑا رہا تھا جب موبائل پر بھی سلسل ملا۔ اس کا خیال تھا کہ حمبرین ہی نے دوبارہ کال کی ہوگی لیکن خلاف توقع برہمیں کے نمبر دکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ کال ریسیو کیے بغیر رابطہ کاٹ دے لیکن پھر کسی خیال کے پیش نظر اس نے موبائل آن کیا۔ یہ حد تک لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے ترش میں اب کون سا تیر پاتی رہ گیا ہے جو تم پھر میرے سکون کو برباد کرنا چاہتی ہو؟ کیا تمہیں حضرت احمد کے مرجانے کے بعد بھی سکون نہیں ملا؟"

"ساجد...." دوسری جانب سے برہمیں... کی رندھی ہوئی کپکپاتی آواز ابھری۔ "میں اپنی زندگی میں تمہاری کسی کو بڑی شدت سے محسوس کر رہی ہوں۔"

"اوہ.... سمجھو۔" ساجد نے زہر پلے لہجے جواب دیا۔ "تمہیں ہر ماہ جو رقم مل رہی ہے، وہ شاید کم ہے۔ یہ بھی خدشہ ذہن سے نکال دو کہ میں تمہارے کاروبار پر قبضہ کیے بیٹھا ہوں۔ چاہوں تو اس کاروبار کو بھی کسی سے چاہنے والے کے نام کروں۔ میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔"

"تم.... تم مجھے اتنی گندی گالی مت دو ساجد کہ مجھے

ایس پی نے ہونٹ چباتے ہوئے تھوڑے توقف سے کہا۔  
 ”سرسری چھان بین اور اٹھاؤ کے اس طرح کی رپورٹ  
 تحریر کر کے سردخانے میں ڈال دینا میرے اصول کے  
 خلاف ہے۔“

”بس آپ کی بات سمجھ رہا ہوں سر۔“ انسپٹر نے وہی  
 زبان میں جواب دیا۔ ”اب تک کی گئی کوششوں کے بعد  
 مجھے صرف برہیس ناز کا کردار کچھ مشکوک نظر آ رہا ہے۔“

”کس اعتبار سے؟“ ایس پی نے وضاحت چاہی۔  
 ”مسٹر ساجد کی ولدیت کے بارے میں اس نے  
 یہی کہا ہے کہ دستاویز میں منظور احمد کا جو نام درج ہے وہ  
 فرضی ہے۔“

”پھر ساجد کیا اس کے گھر کے صحن میں آسمان سے  
 پکا تھا؟“

”یہی بات میں نے دوسرے انداز میں دریافت کی  
 تھی جس کے جواب میں اس نے کہا تھا کہ کسی شخص نے  
 پرستے وقت بچہ اس کے حوالے کیا تھا۔ یہ بھی درخواست کی  
 گئی کہ اس بچے کا راز کسی پر ظاہر نہ کیا جائے پھر۔۔۔ پھر  
 برہیس ناز کے بیان کے مطابق وہ شخص دم توڑ گیا۔ اس خیال  
 سے قانون کی گرفت کہیں برہیس ناز کو مرنے والے کے سلیطے  
 میں گرفتار نہ کرنے وہ بچے کو لے کر گھر آ گئی تھی۔“ انسپٹر نے  
 غم گھم کر کہا۔ ”بچہ خوب صورت اور معصوم تھا اس لیے برہیس  
 ناز نے اسے اللہ کی دین سمجھ کر سینے سے لگا لیا تھا۔“

”بعد میں کیا اس نے مرنے والے کے بارے میں  
 چھان بین کی ضرورت نہیں سمجھی؟“

”جی نہیں۔۔۔ اس کی وجہ بھی قانون کی گرفت کا  
 خوف تھا۔“ انسپٹر نے اپنی معلومات کی روشنی میں کہا۔ ”اس  
 کے پہلے شوہر نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ پولیس خانے  
 کے پیکروں میں نہ پڑے۔“

ایس پی کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے انسپٹر کی قائل  
 کے کچھ اور اہم الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کہا۔ ”بس آپ  
 کی اس بات سے انگری کرنا ہوں کہ برہیس ناز ایک ایسا  
 کردار ہے جس کو بین پوائنٹ کہا جاسکتا ہے لیکن احتشام احمد  
 کی پراسرار موت کے الزام میں ہنجر کسی ٹھوس ثبوت کے  
 گرفتار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور جانے  
 وقوع کا تعین جازہ لینے کے بعد بظاہر یہ خودکشی کا سیدھا  
 سادہ کیس ہی نظر آتا ہے لیکن۔۔۔ میری چھٹی حس بار بار  
 یہی کہہ رہی ہے کہ احتشام احمد کی خودکشی یا اس کے پیچھے کوئی  
 نہ کوئی اہم بات ضرور ہے جو ابھی تک ہماری نگاہوں میں

نہیں آئی۔“  
 ”آپ حکم دیں سر میں اسی کی روشنی میں قدم اٹھانے  
 کو تیار ہوں۔“

”برہیس ناز۔“ ایس پی نے غلامی گھورتے ہوئے  
 حقارت سے اس نام کو دوبارہ دہراتے ہوئے کہا۔ ”آپ  
 جبر و تشدد کے بغیر اس عورت کے گرد قانون کے دوسرے  
 حربوں کا گھیرا جگ کریں۔ مجھے یقین ہے اس کے اعصاب  
 ایک بار ٹوٹ گئے تو اس کے فرشتے بھی سچ اگلنے پر مجبور  
 ہو جائیں گے۔ اس نے ساجد کے سلیطے میں کسی مرنے  
 والے اور اس کے بچے کی جو کہانی سنائی ہے، وہ بھی مجھے  
 فرضی لگتی ہے۔“

”رائٹ سر۔“ انسپٹر جانے کے لیے اٹھا تو ایس پی  
 نے پوچھا۔

”برہیس ناز کے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں  
 آپ نے کیا معلومات حاصل کی تھیں؟“

”اب اس کا قریبی رشتے دار ایسا نہیں ہے جو قابل  
 غور ہے۔ ایک بڑا بھائی تھا جو ملک سے باہر چلا گیا تھا۔ وہی  
 ان کو خرچ کی رقم بھیجتا تھا لیکن برہیس ناز کی پہلی شادی کے  
 کچھ مہینوں بعد وہ بھی کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔“ انسپٹر  
 نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”ساجد نے برہیس کے مرحوم  
 شوہر کا کاروبار سنبھال رکھا ہے جس کی آمدنی سے وہ ہر ماہ  
 پابندی سے ایک اچھی خاصی معقول رقم ویتا رہتا ہے۔“

”کاروبار کس کے نام ہے؟“ ایس پی نے کچھ سوچ  
 کر دریافت کیا۔

”پہلے صرف شوہر کے نام تھا جسے شادی کے بعد  
 برہیس ناز کا نام شامل کر کے قانون طور پر دونوں کی مشترکہ  
 حیثیت قرار دیا گیا۔ ساجد نے برہیس ناز کے ایما پر ہی  
 کاروبار سنبھالا تھا۔“ انسپٹر نے کچھ توقف کیا۔ ”میرا خیال  
 ہے کہ ساجد اس کاروبار سے بھی دست بردار ہونے میں  
 زیادہ وقت نہیں لگائے گا۔“

”میں سمجھا نہیں۔۔۔ کیا ساجد نے ایسا کوئی خیال  
 ظاہر کیا تھا؟“

”جی نہیں لیکن برہیس ناز کے بارے میں میرے  
 کچھ سوالات کا جواب دیتے ہوئے اس نے ایسا ناگوار  
 انداز اختیار کیا تھا جیسے اب کسی حوالے سے بھی وہ اس نام  
 سے کوئی تعلق رکھتا گوارا نہیں کرتا۔“ انسپٹر نے بات جاری  
 رکھی۔ ”میرا ذاتی تجربہ بھی یہی نشانہ بنی کرتا ہے کہ ساجد  
 صاف ستم سے اور بے داغ کردار کا مالک ہے مگر موجودہ

برہیں۔ ہاتھ اٹھائے خدا سے فریاد کرتی رہی۔ ان آنسوؤں کو بھی خود بھی اپنے دامن کی گہرائیوں میں جذب کرتی رہی، جو اس کی پگھلوں کی اوت سے بے اختیار اتر رہے تھے۔ دل کا بوجھ قدر سے ہلکا ہوا تو اس نے موہاٹل کی سم تبدیل کی پھر رحمان بابا کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ رابطہ قائم ہوا تو رحمان بابا نے کہا۔

”پچھلی بار تم نے بہت جھلک میں رابطہ ختم کرو یا تھا بیٹا۔ میں جب سے انتظار ہی کرتا رہا۔“ دلہن بیگم بھی تم سے بات کرنا چاہتی تھیں۔

”کون دلہن بیگم؟“

”احتمام صاحب کی بیوہ آمنہ بیگم کی بات کر رہا ہوں۔“

”رحمان بابا، میں اس وقت آمنہ بیگم ہی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میری بات کرو اور تمہارا یہ احسان بھی ہمیشہ یاد رکھوں گی۔“

”کیا بات ہے بیٹا؟ تم کچھ پریشان معلوم ہوتی ہو؟“

”میرے پاس وقت کم ہے رحمان بابا کہتا لیے سفر پر جانا ہے۔“ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ”وہ ہوئی تو پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔“

”تم فون بند نہ کرنا۔“ رحمان بابا کمرے سے نکل کر آمنہ بیگم کی طرف جانے کے لیے اٹھے۔ ”میں تمہاری بات کرواتا ہوں۔ میرے ذہن کو کئی کام ہوتے ہیں جی بتا دو۔ تمہارے جانے کے بعد وہاں رکھوں گا۔ واپسی سب تک ہوگی؟ اپنا پتہ بھی دلہن بیگم کو لکھوا دینا۔ تمہاری واپسی کے بعد ملنے کو آؤں گا ایک عرصہ ہوا تمہیں دیکھے۔“

وہ رحمان بابا کو باتوں میں ذہنی رہی کچھ دیر بعد دوسری جانب سے آمنہ بیگم کی آواز سنی تو بڑی عاجزی سے بولی۔

”آمنہ بہن میں نے اس وقت ایک عورت کے رشتے سے آپ کو فون کیا ہے۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کو میرے نام سے بھی نفرت ہوگی۔ آپ کی جگہ میں ہوتی تو شاید میں آپ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔“

”میں رحمان بابا سے تمہاری کہانی سن چکی ہوں اس لیے تمہیں دوش بھی نہیں دوں گی۔“ آمنہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اس وقت تم کچھ پریشان لگ رہی ہو، کیا بات ہے؟“

”بات بھی بتا دوں گی لیکن ایک بہن ہونے کے ناطے سے وعدہ کریں کہ جو مانگوں گی آپ اس سے انکار

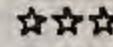
کس کے حل ہونے تک میں نے اس پر قانونی شاہلوں کی پابندیاں عائد کرنے سے گریز بھی نہیں کیا۔“

”ایک اہم بات اور غور طلب ہے۔“ انس بی نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ”مرحوم یا متوفی کا برہیں ناز سے کیا تعلق ہے؟ جو شادی کے بعد بھی وہ اس کے گھر آتا جاتا تھا ایسی صورت میں کہ جب ان کے اسٹینس میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے؟“

”یہی ایک پوائنٹ سب سے اہم ہے سر۔“ انس بی نے دلی زبان میں جواب دیا۔ ”ساجد اور برہیں کے مابین بھی مرنے والی کی گفتگوں لینے کے بعد ہی طیبہ کی ہوئی تھی۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ بلا خوف برہیں کی زبان سے سچ اگوانے کی کوشش کریں۔“ انس بی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”راہت سر۔“ انس بی نے دو قدم پیچھے ہٹ کر سٹیوٹ کیا پھر قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔



”مکار عورت... مکار عورت۔ تمہاری ترکش میں اب کون سا تیر باقی رہ گیا ہے جو پھر میرے سکون کو برباد کرنا چاہتی ہو۔ چاہو تو اپنے کاروبار کو بھی کسی سنے چاہئے وہاں کے نام کرو اور... دوبارہ بھی مجھے فون کرنے کی غلطی نہ کرنا۔“

یہ ساجد کے فون پر کہے ہوئے الفاظ یا جملے نہیں تھے، وقتی ہوتی آپ کے وہ لپکتے ہوئے شعلے تھے جو برہیں ناز کے وجود کو کسی کل چھین نہیں لینے نہیں دے رہے تھے جسے برداشت کرنا اب برہیں ناز کے بس میں نہیں رہا تھا۔

تاویران جسنوں کی بازگشت اس کے دل و دماغ میں گونجتی رہی پھر اس نے تڑپ کر ایک آخری فیصلہ کر لیا۔ ماضی کے چہرے سے ان گھٹاؤں نے نقاب کو اتار دیکھنے کا فیصلہ جو برسوں سے ایک کمزور اور مجبور عورت کے وجود کو صحت کی طرح ریزہ ریزہ کر کے چاٹ رہے تھے۔

ساجد جس کی خاطر اس نے اپنے اندر کی سسکتی بلکتی عورت کو ایک ایسے خون میں بند کر دیا تھا جس میں سانس لینے کی گنجائش بھی بہت کم تھی۔ وہ دنیا کے سرد گرم کوہنہ نہیں کر برداشت کرتی رہی۔ طوقان کے پھیڑوں میں اس کو کسی نہ کسی طور کنارے لگانے کی کوشش کرتی جس کا قسمت نے اس کے ہاتھوں سے چھین لیا تھا۔ خود اپنے زخموں کو ناسور کی شکل دیتی رہی۔ ان ناسوروں کی دھن تا قابل برداشت ہو جاتی تو صرف اور صرف خدا کو یاد کرتی۔ درد کی شدتوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ مانگتی۔

نہیں کریں گی؟

”ہاں اگر میرے اختیار میں ہوگی تو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔“

”اب سب کچھ آپ ہی کے اختیار میں ہے۔“  
برجیس نے بے حد دل شکست لہجے میں کہا۔ ”رحمان بابا نے آپ کو مجھ بد نصیب کی کہانی سنا دی ہے اس لیے اب میرے ذہن میں کچھ بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ زندگی کے اس خطرناک تجربے سے دو چار ہونے کے بعد ہی اگر میں نے وہ فیصلہ کر لیا ہوتا جو آج کیا ہے تو آپ کو اس وقت تکلیف بھی نہ دیتی۔“

”تم۔۔۔ تم کوئی حماقت نہ کرنا برجیس۔“ آمنہ بیگم نے چونک کر کہا۔ ”میں ہر طرح سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے بتاؤ تم کیا چاہتی ہو۔۔۔ تم نے کیا فیصلہ کر لیا ہے؟“

”جو قدم اٹھانے کو تھکان لیا، اس میں اب کسی تبدیلی کی سنی نہیں ہی نہیں رہی۔“ برجیس۔۔۔ نے ساجد سے اپنی آخری گفتگو کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”جو گالی اس نے مجھے انجام دے دی ہے وہ میری برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ ہم آپ سے صرف ساجد کے حق میں ایک ماں کا پیار مانگتی ہوں۔ آپ اقرار کر لیں تو میرا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ شاید وہ غلط بھی کچھ کہہ ہو جائے جو مرنے کے بعد انسان کی بھتیجی ہوئی روح کو بھی چھین نہیں لینے دیتی۔ آپ ماں جیسا تو کسی ماں کے دل کا درد بھی سمجھتی ہوں گی۔“

”پریشان مت ہو۔“ آمنہ بیگم نے غصوں سے جواب دیا۔ ”میں نے ساجد کو ہمیشہ اچھا سمجھا ہے۔ آئندہ بھی بھتیجی رہوں گی۔ انجام دے میں جو بات اس کی زبان سے نکل گئی، وہ بھی حالات کا رد عمل ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ بھی ان پیچیدگیوں میں الجھ جاتا جو وقت اور حالات نے پیدا کر دیے ہیں۔“

”میں جانتی ہوں کہ وہ محسوم ہے، بے تصور ہے لیکن میں۔۔۔ میں بھی بے بس ہوں۔ ساجد کو باپ کا نام نہ دے سکی یہ بھی شاید ایک عورت کی بے بسی تھی۔ عورت جو ازل سے مجبور یوں کا شکار رہی ہے۔ آج وہی بزدل عورت آپ سے دامن چھینا کر ایک ماں کے پیار کی بھیک مانگ رہی ہے۔ آپ نے ساجد کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تو اس کا مستقبل سنور جائے گا ورنہ۔۔۔“

”میں نے تم کو زبان دی ہے تو اس سے منہ بھی نہیں موڑوں گی لیکن جو گناہ کس نے اپنی مردانگی کے ثل پر کیا اس کی سزا تم اپنے آپ کو کیوں دے رہی ہو؟“ آمنہ بیگم

نے اپنی بات کھل کی پھر جھلا کر سوال کیا۔ ”کیا احتشام احمد کو تم نے آئینہ دکھانے کی کوشش نہیں کی؟“

دوسری جانب سے کسی فوری جواب کے بجائے سسٹے اور پلٹنے کی مدغم آوازیں ابھرتی رہیں پھر برجیس اپنے جذبات پر قابو پانے کے بعد کہا۔

”میں نے احتشام احمد کو بتا دیا تھا کہ ساجد اس کے بھائی کی زیادتی کا نتیجہ ہے۔ اسی ایک نامعلوم راز کی آڑ میں وہ بھی میری بے بسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ شادی بھی اسی مجبوری کا نتیجہ تھی ورنہ میں عورت ہو کر کسی دوسری عورت کے حق پر ڈاکا بھی نہ مارتی۔ ہو سکے تو میری اس غلطی کو بھی معاف کر دیں۔“

”جس نے زیادتی کی جس نے اس سے بعد میں فائدہ اٹھایا وہ دونوں قدرت کی بے آواز مٹی کا شکار ہو کر اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔“ آمنہ بیگم نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ”یہ بات بھی کچھ میں آگئی کہ احتشام احمد نے مرنے سے پیشتر غمخیزین سے کیوں کہا تھا کہ اس کی اور ساجد کی شادی کسی قیمت پر کیوں نہیں ہو سکتی۔“

”ایک آخری درخواست اور کروں گی۔“ برجیس نے بے حد دل گرفتہ لہجے میں کہا۔ ”ساجد حساس لڑکا ہے اس لیے آپ اس کی ولدیت کا راز تھی انا مکان اپنی ذات تک محدود رہیں تو بہتر ہے۔ میں نے ایک وصیت بھی لکھ دی ہے کہ میرے بعد میری زندگی کا تمام اثاثہ صرف اور صرف ساجد کے نام ہے۔“

”تم حماقت کی بات کر رہی ہو برجیس۔“ آمنہ بیگم نے اسے سمجھانے کی خاطر زور دے کر کہا۔ ”میری ماں تو وقت کا انتظار کرو۔ ہوسکتا ہے کہ گزرتا وقت ہی تمہارے زخموں کے لیے تریاق ثابت ہو۔ تمہاری خاموشی کا راز معلوم ہو جانے کے بعد شاید ساجد کو بھی تمہاری بے گناہی کا یقین آجائے۔“

”آمنہ بیگم۔۔۔ آپ نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے، اسے بھولنے گا نہیں۔ جو تیرے مکان سے نکل چکا وہ اب واپس نہیں آسکتا۔“

دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ آمنہ بیگم نے برجیس کو سمجھانے کی خاطر کئی بار اس کے نمبر پر کال کی لیکن دوسری جانب سے وہی ریکارڈڈ جواب ملا کہ آپ کا مطلوب نمبر کسی کے استعمال میں نہیں۔

”کیا ہوا لیکن بیگم؟“ رحمان بابا نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"صرف یہ در یافت کرنا ہے کہ میت کی چھیڑ و پھین کا بندہ بست کنی خیرانی ادارے سے کروایا جائے یا آپ کنی بھی انسانی رشتے سے اس واپسی ذمے داری سمجھیں گے؟"

"م۔۔۔ میں فوری آرہا ہوں، تدفین میں کرواؤں گا۔" ساجد اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔ اس کے ذہن میں ان گزرے برسوں کا تعلق اور اس سے وابستہ بھونی بھری یادیں ابھرنے لگیں۔ اس واپسی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ساجد کم از کم مرنے والی کی چھیڑ و پھین کرے اس قرضے کو جو وہ کئی بچہ بچا کر سکتا تھا جو مرنے والی نے اس کی پرورش کر کے کیا تھا۔

اس قرض کی ادائیگی کے بعد وہ قبرستان سے اپنے فلیٹ پر واپس آیا تو ذہن میں کسی نامور کی ہی تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ یہاں تبدیل کیے بغیر وہ بستر پر دراز ہو گیا۔ قیومہ فاحش پڑھنے کے بعد سے اب تک وہ خود کو تسلی دینے کی کوشش کرتا رہا، پگلوں کو نم آلود ہونے سے روکتا رہا لیکن بستر پر لیٹتے ہی کسی جذبہ کی شدت نے اس کے تمام حوصلے پست کر دیے۔ آنسوؤں کا بہاؤ اس کے چہرے کے بندھن کو زکرتی شدت سے اجلا کر ساجد کی آنکھیاں بندھ گئیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے لگا۔ یہ احساس بھی اس کے ذہن کو کچھ کے لگا رہا تھا کہ جو بھی بڑے آدمی سے اس کے آنسوؤں کو اپنے دامن کی کشادگی میں جذب کر لیتی، ایک پھانس چھیننے کے خیال سے بھی اس جذبے کے تحت تڑپ اٹھتی اب برسوں کا تعلق توڑ کر موتوں سنی کے نیچے دفن ہو گئی تھی۔ سادے تعلق ایک ٹپا میں کئی سنے دھانے کی طرح ٹوٹ گئے تھے۔ صرف یادیں باقی رہ گئی تھیں ان یادوں کے تعاقب میں کئی سوال بھی ساجد کے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر بار بار ابھر رہے تھے۔

"برہیس کی اچانک خودکشی کی وجہ کیا تھی؟ کیا بات تھی جس نے اس سے زندہ رہنے کی خواہش کو یکھٹ چھین لیا تھا؟ وہ کون سا اہم موڑ تھا جس سے گرتے ہوئے اس کے قدم ڈمک گئے تھے؟ خودکشی کا فیصلہ اس کا اپنا تھا یا کسی اور نے اسے ایسا قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا؟ کون تھا وہ..... کون تھا وہ؟"

ساجد بستر پر کئی بار سے ہونے جواری کی طرح پڑا ان ہی خیالوں سے ابھر رہا تھا۔ اس پہلو پر بھی غور کر رہا تھا کہ اس نے مرنے والی کے ہم کو اتنی شدت سے خود پر کیوں طاری کر لیا ہے جب اپنا تک سواہش کی داہمہ نیشن نے اس کی سوچوں کا سلسلہ توڑ دیا۔ اس نے اسکرین پر آمنہ بیگم کے

"صبر کرو رحمان بابا۔" آمنہ بیگم نے گلو گیس کے میں کہا۔ "کچھ رابطے ایسے ہوتے ہیں جو نوٹ جائیں تو دوبارہ کبھی قائم نہیں ہوتے۔ ایک بات کی درخواست اور کرواں گی۔ آپ نے برہیس کی جو کہانی مجھے سنائی تھی اب اسے بھی اپنے سینے میں دفن کریں۔"

رحمان بابا نے سوالیہ نظروں سے آمنہ بیگم کو دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا لیکن پھر گردن جھکا کر تھکے تھکے انداز میں کمرے سے باہر چلے گئے۔ آمنہ بیگم کے ذہن میں برہیس کے کہے ہوئے آخری جملے گونج رہے۔

☆☆☆

ساجد اس وقت دفتر میں تھا اور برہیس تاز کے کاروباری حساب کتاب کو آخری شکل دینے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ کھاتوں کو مکمل کر کے تمام کاروبار کو پہلی فرصت میں برہیس تاز کو واپس کر کے یا تو ملازمت کرے گا چھوٹے سونے پونے پر نیا کاروبار شروع کرے گا۔

برہیس سے ہونے والی آخری صلح منگھو کے بعد سے وہ اپنے دل دو ماہ پر کچھ ایسا بوجھ محسوس کر رہا تھا جسے کوئی نام دینا مشکل تھا۔ ایک انجانی ایشیائی کیفیت تھی جو اسے اٹھتے بیٹھتے ہی گردن چھین نہیں دیتی تھی۔ وہ اس ذہنی دباؤ سے چند کاراپانے کی کوششوں میں مصروف تھا جب اسے انسپٹر سراج کی کالی ملی۔ اس کے لہجہ میں ہلکا سا طنز بھی تھا۔

"پولیس نے ایک پراسرار موت یا قتل کے واقعے سے جس تفتیش کا آغاز کیا تھا۔ آج وہ سن کن پراسرار خودکشی کی صورت میں ختم ہو گیا۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ ان دونوں سے آپ کی قریبی واقفیت تھی۔"

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" ساجد نے قدرے جھلا کر پوچھا۔

"برہیس تاز کی۔" انسپٹر نے اس بار سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔ "اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم بھی ہو چکا ہے جس کی رپورٹ کے علاوہ خود مرنے سے اپنے خودکشی کرنے کی ایک مختصر تحریر بھی ہماری آسانی کے لیے لکھ دی تھی۔"

ساجد کو اچانک برہیس تاز کی خودکشی کی اطلاع ملی تو اس کے وجود میں ایک ہلچل ہی سج گئی۔ جو تعلق برسوں کے شب و روز سے وابستہ تھا اس کے ٹپا بھر میں ٹوٹ جانے پر ذہن کو ایک معمولی سا جھٹکا سن بھی قدرتی بات تھی۔

"مجھے کس مقصد سے فون کیا ہے؟" اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

نہروں کو دیکھا تو سنبھل کر کال ریسیو کی۔

"مجھے بریجس کی خودکشی کی اطلاع پولیس کے ذریعے مل چکی ہے، تم اس وقت کہاں ہو؟"

"اپنے فلیٹ پر۔" ساجد نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "کچھ دیر پہلے قبرستان سے واپس آیا ہوں۔"

"آخری بار تمہاری اس کی بات کب ہوئی تھی؟"

"دو روز قبل۔"

"بھروسہ نہ کرو۔" آمنہ بیگم نے زبردستی مسکرا کر کہا۔

"دونوں کا حق ادا کرنے کی خاطر تمہیں میری ہر بات تسلیم کرنی ہوگی۔"

"آپ حکم دیں میں انکار کی جرأت نہیں کروں گا۔"

آمنہ بیگم نے ساجد کو قریب بلا کر ٹھانڈا تادیب بڑی اہانت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی رہیں پھر سرد آہ بھر کر بولیں۔

"اوہ....." آمنہ بیگم نے کچھ توقف سے کہا۔ "مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اگر فرصت ہو تو ابھی آ جاؤ۔"

"مرنے والی نے اپنی کسی مجبوری کے سبب ولدیت کے لیے تمہیں منظور احمد کا جو فرضی نام دیا تھا، اسے اس کی بے بسی سمجھ کر قبول کر لو۔"

"بہتر ہے۔" ساجد نے موبائل آف کر دیا۔ تھکے تھکے انداز میں اٹھ کر اس نے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے، لباس تبدیل کیا پھر آمنہ بیگم کی طرف چل پڑا۔

راستے بھر متضاد خیالات اس کے ذہن کو چوکھو کے لگاتے رہے۔ اس کا ذہن پھوڑے کے مانند دکھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ اہم اس سوال سے ہو رہی تھی کہ زندگی و عدیت کا راز بھی مرنے والی کے وجود کے ساتھ دفن ہو گیا تھا۔ اب اس راز کی تک کون اس کی رہنمائی کرے گا؟ کیا وہ تمام زندگی اندھیروں، اجالوں کے فریب میں جکڑ رہے گا؟

ولدیت کے بارے میں بریجس نے زبردستی کہا ہوتی پت آمنہ بیگم کی زہنی سن کر ساجد کے وجود کو پھر ایک دم چمکانا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن جن نظروں سے آمنہ بیگم کو دیکھا اس میں ہر سوال واضح نظر آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

آمنہ بیگم نے اپنی ملازمہ کلثوم کو سختی سے ہدایت کر رکھی تھی کہ ساجد کے آنے کے بعد کسی کو ان کمرے میں بغیر اجازت نہ آنے دیا جائے۔ ساجد کے آنے کے بعد وہ ایک عورت کی حیثیت سے اور بریجس ناز سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں گفتگو کرتی رہیں۔ ہر پہلو پر وہ بہت خورد خوض کے بعد ہی سنبھل سنبھل کر ساجد کے ذہن کو ٹھونکتی رہیں پھر انہوں نے کچھ دیر خاموشی اختیار کرنے کے بعد پہلو بدل کر دیدہ و دانستہ ایک شہوہ کیا۔

"دو روز قبل بریجس نے مجھے فون کیا تھا۔" آمنہ بیگم نے تمام تفصیلات آہستہ آہستہ دہرانے کے بعد اس کی وہ دونوں تحریریں بھی ساجد کے حوالے کر دیں جس میں جانکاہ کا وارث قرار دینے کے علاوہ اس کہانی کی کوئی مکمل کریمان کیا تھا جو اس کی زندگی کا سب سے بڑا انیس تھی۔ جس کی خاطر اس نے ساجد کی تمام نفرت بھری باتوں کو برداشت کیا پھر جب برداشت جواب دے گئی تو اس نے ساجد کے سنبھلنے کو لوگوں کی نفرتوں کا شکار بنانے کے بجائے اپنی موت ہی کو ترجیح دی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم نے مرنے والی سے کبھی میری ملاقات نہیں کروائی۔"

بریجس جیسی عورت کو جسے ساجد نے مکار ہونے کی گالی دی تھی، آج اسی کی تحریر پڑھنے کے بعد وہ جک جک کر رہا تھا۔ وہ مانتی ہے آپ کی طرح تڑپ رہا تھا۔ آمنہ بیگم نے اسے روکنے سے منع نہیں کیا۔ اس کے سر پر محبت سے دانتوں پر مرمج رکھنے کے انداز میں ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ چٹکیاں دیتی رہیں۔

ساجد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ ادب و احترام لائق تھا جو اس کے دل میں آمنہ بیگم کے لیے موجود تھا۔

"دنیا میں ماں کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا لیکن اب اگر میں تمہارے سر پر ماں کی حیثیت سے ہاتھ رکھوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟" آمنہ بیگم نے ساجد کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

خبردار تم ہو تو آمنہ بیگم کی درخواست پر ساجد نے ماں کی اس تحریر کو بھی نذر آتش کر دیا جو اس کی قربانی اور عظمتوں کے عین سار سے کہہ نہیں سکتی۔ بعد میں آمنہ بیگم کے اصرار پر وہ اپنا مختصر سامان نے کران میا کے پاس رہنے لگا پھر...۔

عنبرین اور ابرار کی شادی کا فریضہ بھی اسی نے انجام دیا۔ ہر چند کہ عنبرین کو ابرار کا رشتہ قبول نہیں تھا لیکن شاید وہ بھی لیورنگ ایک ہونے کا سبب تھا جو اس نے ساجد کی بات سننے سے انکار بھی نہیں کیا۔

"میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی تصور کروں گا۔" ساجد نے اپنے زخموں کو چھپاتے ہوئے غلوں سے جواب دیا۔





## کاشف زبیر خواب شراب

خواب اکثر عجیب ہوتے ہیں... کبھی موت کا خواب... کامیابی کا خواب... پہازوں کا سر کر لینے کا خواب... وہ نازک سی دلکش لڑکی نے بھی اپنی آنکھوں میں خوابوں کی تعبیر کے سہانے سپنے بنے تھے... بعض اوقات خوابوں کو بڑی بھاری قیمت دینی پڑتی ہے... اور وہ اس حقیقت سے بے خبر تھی۔ سر پر منڈلانے عقاب اس کی نظروں سے اوجھل تھے... موت اور زیست کے دراپے پر کھڑی لڑکی کا دردناک انجام...

اسرار و تھیر میں ڈوبی داستان کے دلچسپ و

عبرت سامان واقعات کے تانے بانے...

”ہاں لیکن دستک دے کر۔“ گل نے سر دلیچھے میں آہٹا اور دوبارہ بیگ کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس نے ہائی تنڈریں رکھیں اور زہب بند کر دی۔  
فرہاد اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ تقریباً آٹھ سال کا

گل کپڑے بیگ میں رکھ رہی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور فرہاد اندر آئے۔ گل نے ناگواری سے اسے دیکھا تو وہ مسکرایا۔ ”تم جانتی ہو میں اجڈ آدمی ہوں اور پیسے بھی ہم کزن ہیں، میں تمہارے کمرے میں آسکتا ہوں۔“

جنسوسر ڈائجسٹ 255 جون 2015ء

”بابا میں جا رہی ہوں۔“

بوڑھا کبیر شاہ حویلی اور اس کے آس پاس موجود تقریباً ایک مربع زمین کا مالک تھا۔ اسے وراثت میں جو زمین ملی وہ چند ایکڑ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس نے اپنی محنت اور کوشش سے زمین کو یہاں تک بڑھا دیا تھا۔ اس نے خود غربت اور سختی میں آنکھ کھولی مگر اس کی اولاد نے سکھ اور آسائش دیکھیں اور یہی چیز شاید ان کے بگاڑ کا سبب بن گئی۔ کبیر شاہ کے دو بیٹے تھے۔ عرفان شاہ اور ریاض شاہ جو ان میں غلط راستوں پر چلے گئے اور عیاشی ان کی زندگی کا لازمی جزو بن گئی۔ کبیر شاہ نے انہیں سدھارنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ اس کے بس کے نہیں تھے۔ پھر زمین اور آمدنی کے معاملات ان کے ہاتھ میں آئے تو انہوں نے حریہ پونڈ سے نکالے۔ کبیر شاہ نے کم عمری میں ان کی شادی کر دی کہ شاید وہ سنبھل جائیں مگر ان کی آوارگی جاری رہی تھی۔

حرفوں کے چکر میں انہوں نے دشمنیاں بال نہیں اور زمین پر بھی آس پاس کے زمینداروں سے جھگڑے شروع کر دیے۔ کبیر شاہ اور پونیس آج تک نہیں جان سکی کہ ان کے اصل قاتل کون تھے۔ ایک مقدمے کی ججٹی پر وہ شہر گئے تھے وہاں سے واپسی پر ان کی گاڑی پر فائرنگ کی گئی اور دونوں بھائی اپنے ڈرائیور اور گارڈ سمیت مارے گئے۔ قاتلوں کو کسی نے نہیں دیکھا۔ جن سے مقدمے پازری جاری تھی وہ شدید پسند نہیں تھے۔ اصل قصور عرفان اور ریاض کا تھا۔ یہ بات کبیر شاہ بھی جانتا تھا اس لیے دو جوان بیٹوں کے لاشے دفن کر اس نے ان کے خلاف کیس واپس لے لیا۔ وہ دشمنی کے سلسلے کو مزید راز نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اب حویلی میں دو بیٹے اور تین بیٹے تھے۔ عرفان کا ایک بیٹا تھا جبکہ ریاض کی دو بیٹیاں تھیں اور گل تھیں۔ ریاض کی بیوی تو یہی نے دوسری شادی کا فیصلہ کیا تو کبیر شاہ نے بیٹوں کو اپنے پاس رکھ لیا۔

لڑکیوں کی پرورش کی ذمہ داری بھی عرفان کی بیوی صفیہ کے سر آگئی جس نے دوسری شادی نہ کرنے اور باقی عمر حویلی میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ دوسری شادی کی خاطر اپنے بیٹے کو چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ البتہ اس نے ریل اور گل کو پالنے سے انکار کر دیا۔ اسے ان کی ماں سے نفرت تھی اور یہ نفرت اس کی اولاد سے بھی تھی۔ ریل اور گل کو کبیر شاہ نے براہ راست اپنی مگر بانی میں لے لیا۔ ملازماؤں کی کمی نہیں تھی اس لیے ان کی بہت اچھی دیکھ بھال ہوتی رہی۔ کبیر شاہ نے

کمزورے اور گرفت نفوش اور بے ترتیب بالوں والا شخص تھا۔ مگر اسے بد صورت نہیں کہا جاسکتا تھا۔ قد درمیانہ اور شانے چوڑے تھے۔ اس کے مضبوط ہاتھ پاؤں تھے۔ اسے تھے کدو محنت کا عادی تھا۔ وہ گھوڑے پالتا اور انہیں تربیت دیتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے؟“

”یہ سب دیکھ کر بھی تم پوچھ رہے ہو؟“ گل کا لہجہ استہزا سے ہو گیا۔

فرہاد کا چہرہ تن گیا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس نے آگے بڑھ کر گل کی نازک کلائی پکڑی اور سرد لہجے میں بولا۔ ”تم جانتی ہو کوئی مجھ سے اس لہجے میں بات نہیں کر سکتا۔“

”میں کوئی نہیں ہوں۔“ گل نے کلائی چھرانے کی کوشش کی اور گل کھائی۔ وہ فرہاد کے ہاتھ کو جنبش بھی نہیں دے سکی تھی۔ اس نے گراہ کر کہا۔ ”چھوڑ دیجھے... وحشی۔“

فرہاد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے گل کی کلائی چھوڑ دی۔ اس کی سرسری کلائی پر اٹھکوں کے نشانات چھپ گئے تھے۔ گل کی عمر بائیس سال کے آس پاس تھی۔

سرخی مائل کلائی رنگت، سرخی بھورے بال اور اسی رنگ کی آنکھیں تھیں۔ ستواں نازک ناک تلے کسی قدر گداز لب اسے مزید دلکش بنا رہے تھے۔ اس کی بھوئی قدرتی طور پر تراشی ہوئی تھی مگر اس وقت وہ بالکل سادہ سے طپے میں تھی، اس نے کاجل یا معمولی سی لب اسٹیک بھی نہیں لگائی تھی۔ اس نے اپنی کلائی سہلائی اور تلخ لہجے میں بولی۔ ”تم یہاں سے جاتے ہو یا پھر میں چلی جاؤں۔“

”تم جا رہی ہو لیکن تمہیں واپس آنا پڑے گا۔“ فرہاد نے کہا اور دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ”دوسری صورت میں تم بھی واپس نہیں آؤ گی۔ ریل کی طرح...“

گل نے کچھ کہنا چاہا مگر فرہاد جا چکا تھا۔ وہ اپنے نازک لب کاٹنے لگی۔ ٹھنڈے اور اصابی کھیر کی کاجل وہ اپنے ہونٹوں سے لیتی تھی۔ بیگ تیار کر کے اس نے ملازمہ کو آواز دی۔ ”ساجدہ۔“

”جی ہاں بی۔“ ایک اوجیز عورت اندر آئی۔

”یہ سامان باہر پہنچاؤ۔“ اس نے بیگ اور ایک درمیانے سوت کی طرف اشارہ کیا۔ ساجدہ کو حکم دے کر وہ باہر آئی اور اس کا رخ ٹھنی منزل کے ایک کمرے کی طرف تھا۔ وہ دستک دے کر اندر آئی تو کمزری کے سامنے راکنگ چیئر پر بھونٹے بہت بوڑھے اور سفید بھوڑوں والے شخص نے اسے دیکھا۔ ”گل، میری بیٹی۔“

جسوس سنی: نتجست 256 جون 2015ء

پولیس نے کیس بند کر دیا تھا۔ اب گل بھی جاری تھی۔  
 بوڑھے کبیر شاہ نے کہا۔ ”تورل کا انجام بھول گئی ہے، وہ  
 بھی گئی تھی اور واپس نہیں آئی۔“  
 ”میں بھولی نہیں ہوں اسی لیے جاری ہوں۔“ گل  
 نے آہستہ سے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”بابا، ریل کے لیے حویلی والوں نے کچھ نہیں کیا۔  
 بس پولیس رپورٹ کرا دی اور پولیس نے بھی خانہ بری کی۔  
 ریل کو تلاش کرنے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔“ گل کہتے  
 ہوئے جذباتی ہو گئی۔ ”میں اپنی بہن کو تلاش کروں گی۔“  
 ”پتہ ہم نے پوری کوشش کی۔“ کبیر شاہ نے کہا۔

”بابا آپ کمزور اور بیمار ہیں، اپنے کمرے میں  
 ہوتے ہیں، باہر کے سارے معاملات فرہاد دیکھتا ہے اور  
 مجھے یقین ہے اس نے خاص کوشش نہیں کی۔ وہ ویسے ہی ریل  
 سے نفرت کرتا ہے۔“ گل کے لہجے میں یقین تھا۔ ”مجھے بھی  
 اسے خیال آتا کہ شاید فرہاد ہی ریل کی کھشک کے پیچھے  
 ہے۔ مگر اس نے یہ بات کسی سے نہیں کہی۔“

”یہ تیری غلطی ہے پتہ فرہاد ایسا نہیں ہے۔“

گل جانتی تھی کہ فرہاد اپنے باپ اور بچا کے مقابلے  
 میں ہلکا تھا اس میں وہ خرابیاں نہیں تھیں جو ان دونوں میں  
 تھیں۔ وہ سختی تھا اور اس نے ساری زمین سنبھالی ہوئی تھی،  
 اسے بچپن سے گھوڑوں کا شوق تھا اور اس نے ہارس فارم بنایا  
 تھا۔ مگر ساتھ ہی گل یہ بھی جانتی تھی کہ فرہاد ریل اور اس سے  
 نفرت کرتا ہے جیسے اس کی ماں صنفی کرتی ہے۔ پھر اسے  
 زمین اور جائیداد کی فکر رہتی تھی۔ کبیر شاہ اس کے جانے کا سن  
 کر فکر مند تھا اس نے گل سے کہا۔ ”تو اکیلی وہاں ریل کو کیسے  
 تلاش کرے گی؟“

”بابا آپ جانتے ہیں میں ریل کی طرح جذباتی اور تار  
 سمجھ نہیں ہوں، میں جو کرتی ہوں بہت سوچ سمجھ کر کرتی  
 ہوں۔ میں اپنی حفاظت کو اولیت دوں گی اور اس کے بعد  
 ریل کو تلاش کروں گی۔“

”میں فرہاد سے بات کرتا ہوں۔“ کبیر شاہ نے کہا۔  
 ”کوئی فائدہ نہیں ہے اس نے کچھ کرنا ہوتا تو پہلے کر  
 لیتا۔“ گل نے انکار کیا۔ اسی لمحے دروازے پر آہٹ ہوئی  
 اور فرہاد اندر آیا۔ اسے دیکھ کر گل اٹھی اور کبیر شاہ کے سامنے  
 جھک کر بولی۔ ”اب میں چلوں گی۔“

کبیر شاہ سچ بچ بوڑھا ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نئی  
 نسل کو سن مانی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس نے

ان کی نصیحت و تربیت کا خیال رکھا۔ انہوں نے بہترین  
 اسکولوں میں نصیحت حاصل کی اور پھر ریل پڑھنے کے لیے شہر  
 چلی گئی۔ وہ کالج کے گریجویٹ میں رہتی تھی۔ جس سال وہ  
 واپس آئی اسی سال گل پڑھنے کے لیے شہر گئی اس لیے اسے  
 زیادہ علم نہیں تھا کہ اس کے پیچھے کیا ہوا؟

ریل اور صنفی میں بالکل نہیں جنتی تھی، ریل نے خلاف  
 روایت اپنا کراچے تھپکھل کر لیا تھا۔ حویلی میں نیچے صرف مرد  
 رہتے تھے۔ یہ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ کوئی لڑکی چھپے آئی تھی۔  
 ریل اور گل کی فطرت میں فرق تھا۔ ریل مزاج کی تیز اور زود  
 رنج تھی۔ اسے معمولی سی بات بھی لگ جاتی تھی۔ فطرتاً وہ  
 خندی اور اپنی من مانی کرنے والی لڑکی تھی۔ گل کی طرح  
 اسے بھی کبیر شاہ سے محبت تھی مگر ساتھ ہی وہ اس سے شکایت  
 رکھتی تھی کہ اس نے انہیں ماں سے کیوں محروم کیا۔ دوسری  
 شادی کرنے کوئی ایسا گناہ تو نہیں تھا کہ انہیں ماں سے چھین لیا  
 جاتا۔ یہ بات وہ بھی جانتی تھی کہ تو یہ انہیں اپنی مرضی سے  
 چھوڑ کر گئی تھی اس کے باوجود ریل کا شکوہ نہیں کیا تھا۔ اس کا  
 کہنا تھا کہ اگر کبیر شاہ یہ شرط نہ رکھتا تو ماں انہیں بھی ساتھ  
 لے جاتی۔ تو یہی نے دوبارہ ان سے رابطہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی  
 کبھی بچیوں سے ملنے آئی تھی۔ ریل اس کا تصور وار بھی اپنے  
 باپ کے خاندان کو سمجھتی تھی۔

ریل کے برعکس گل دیکھے مزاج کی لڑکی تھی۔ اس کے  
 خیال میں اگر وہ ماں سے محروم ہوئے تو اس میں تصور دونوں  
 طرف کا تھا۔ البتہ وہ بھی نہیں سمجھ سکتی تھی کہ گھر والے تو یہ  
 سے اتنی نفرت کیوں کرتے تھے کہ اس کا نام لیتے ہوئے ان  
 کے لہجے بدل جاتے تھے۔ حد یہ کہ کبیر شاہ کے لہجے میں بھی نا  
 پسندیدگی آ جاتی تھی۔ جب بھی ماضی کا ذکر ہوتا تو یہی کا ذکر  
 خراب الفاظ میں ہی کیا جاتا تھا۔ وہ ان کی ماں تھی اور انہیں  
 برا لگتا تھا۔ خاص طور سے صنفی تو کبھی بھی حد سے ترس جاتی  
 تھی۔ ریل یہ روینہ زیادہ عرصے برداشت نہ کر سکی اور اس نے  
 شہر جانے کا اعلان کر دیا۔ کبیر شاہ نے اسے روکنا چاہا مگر وہ  
 نہ مانی۔

ان دنوں گل اپنا گریجویٹیشن مکمل کر کے حویلی آئی  
 تھی۔ ریل گھر سے لگی اور ٹرین کے ذریعے شہر روانہ ہوئی  
 لیکن اس کے بعد اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ کبیر شاہ اور  
 فرہاد نے پولیس کی مدد لی مگر ناکامی ہوئی۔ پولیس اتنا جان  
 سکی کہ اس نے ٹرین سے شہر تک کا سفر کیا اور شہر پہنچی تھی۔  
 اس کے بعد وہ کہاں گئی اور اس کے ساتھ کیا ہوا اس کا  
 سراغ نہیں لگ سکا تھا۔ اس بات کو چھ مہینے ہو گئے تھے اور

اجنا کا پتہ ہاتھ گل کے سر پر رکھ دیا۔ وہ باہر نکلے تو فرہاد نے کہا۔ ”بابا پہلے ریل گئی تھی اور قائب ہو گئی۔ اب یہ جو ریل سے جا رہی ہے۔ ان دونوں بہنوں نے ہمیں تماشا بنا دیا ہے۔“

”گل ریل کی طرح نہیں ہے۔“ کبیر شاہ نے اس کا دفاع کیا۔ ”تم بے فکر ہوو کہ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گی۔ غلط ریل نے بھی نہیں کیا اس کے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے۔“

فرہاد کچھ دیر اپنے بوڑھے دادا کو دیکھتا رہا پھر سچ لہجے میں بولا۔ ”آپ ابھی طرح جانتے ہیں یہ کس عورت کی بیٹیاں ہیں اور اس نے اس خاندان کے ساتھ کیا کیا۔“

”یہ بیٹیاں انہارا خون ہیں۔“ کبیر شاہ دھیمے لہجے میں بولا۔ ”ہاں کے کیسے کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”تعلق کیوں نہیں ہے، یہ اسی کے کٹھن قدم پر چل رہی ہیں۔“ اس کے لہجے کی ہی بڑھ گئی۔

”فرہاد...!“ کبیر شاہ کے لہجے میں سختی آئی۔ ”تم ایک طرف کی بات کر رہے ہو، بھول گئے ہو کہ تمہاری ماں کا ان کے ساتھ کیا سلوک تھا اور ہے۔ یہ ان کا جواب ہے مگر ان کا تو یہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اس خاندان کی بیٹیاں ہیں۔“

”تم سے کم آپ ریل کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ سکتے۔“ فرہاد نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ باہر آ کر اس نے کسی کو کال کی اور رابطہ ہونے پر بولا۔ ”وہ شہر کے لیے نکل گئی ہے... ہاں ٹرین سے سفر کرے گی... اس کی کڑی نگرانی کرنی ہے... مجھے ایک ایک لمحے کی رپورٹ چاہیے۔“

☆☆☆

جوان العمر اور خوش شکل ٹیکسی ڈرائیور اپنی چمکتی دیکتی نئے ماڈل کی وائٹ کیب کے پاس کھڑا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کا انداز بڑھے لکھے اور مہذب افراد کا سا تھا۔ اس نے صاف ستھری پتلون اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے سلیقے سے تراشے ہوئے بال اپنی جگہ جھے ہوئے تھے۔ اسٹیشن کے پارکنگ میں لائن سے بے شمار ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ البتہ وائٹ کیب چند ایک ہی تھیں۔ ٹرین سے اب زیادہ تر غریب لوگ ہی سفر کرتے ہیں جو وائٹ کیب کیا ٹیکسی رکشے کا کرایہ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اسٹیشن کے اندر ٹرینوں کی آمد و رفت جاری تھی اور اس کے ساتھ مسافر بھی آ جا رہے تھے۔ اسٹیشن سے جو مسافر باہر نکلے تھے ان میں ایک لڑکی بھی تھی۔ اس کے ساتھ قلی نے ایک بیگ اور

ایک درمیانہ سوٹ کیس اٹھا رکھا تھا۔ لڑکی نے پارکنگ میں وائٹ کیب والی لائن کا رخ کیا اور کچھ دیر رک کر ان کا جائزہ لیا اور پھر اس کی نظر نوجوان کیب ڈرائیور پر رک گئی۔ چند لمحے بعد وہ اس کی طرف آئی تو اس نے سگریٹ کا آخری کش لیا اور ٹوٹا ٹپتے پھینک کر اسے جوتے سے بچھا دیا۔ لڑکی نے پاس آ کر پوچھا۔

”کیب خالی ہے؟“

”جی میم صاحب۔“ نوجوان مستعدی سے بولا۔

”آپ کو کہاں جانا ہے؟“

”بتائی ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”سامان رکھو او۔“

ڈرائیور نے اس کا بیگ اور سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور پھر اس کے لیے مقبلی نشست کا دروازہ کھولا۔ وہ اندر بیٹھ گئی۔ نوجوان ڈرائیور کی سیٹ پر آیا، کیب پارکنگ سے نکال اور مین روڈ پر آتے ہوئے پوچھا۔ ”کہاں جانا ہے میم صاحب؟“

”ابھی تو ہوئی جانا ہے۔“ لڑکی نے کہا اور اسے ایک ہوش کا تپا دیا۔

ڈرائیور نے کیب اس طرف موڑ دی۔ ہوٹل خانے فاصلے پر تھا۔ اس نے چند منٹ بعد پوچھا۔ ”آپ پہلی بار یہاں آئی ہیں؟“

”نہیں پہلے بھی کئی بار آ چکی ہوں۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”آپ نے ہوٹل چلنے کو کہا تو میں سمجھا شاہد پہلی بار آئی ہیں۔ کیا آپ ہوٹل سے نہیں اور بھی جانیں گی؟“

”نہیں ابھی تو ہوٹل میں رکوں گی مگر مجھے کسی مستقل رہائش کی ضرورت ہے۔“

لڑکی نے جدید فیشن کا لیکن مناسب لباس پہنا ہوا تھا۔ آنکھوں پر سن گلاس تھے۔ چہرے سے پُر اعتماد اور اپر کلاس کی لگ رہی تھی۔ اس کی ہر چیز بہت اعلیٰ درجے کی اور چمکتی تھی۔ وہ یقیناً دولت مند کی ورنہ کیب کیوں لیتی کسی ٹیکسی یا رکشے میں چلی جاتی۔ ڈرائیور نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میم صاحب میرا نام منصور ہے۔ اگر آپ کو یہاں رہنے ہوئے کیب کی ضرورت ہو تو مجھے کال کر سکتی ہیں۔ ویسے تو کھپتی کا نمبر بھی ہے لیکن وہ اپنی مرضی سے آدنی جیتے ہیں۔ اگر مجھے کال کر رہیں گی تو میں ہی آؤں گا۔“

”یہ تو اچھی بات ہے۔“ لڑکی خوش ہو گئی۔ ”اپنا نمبر مجھے دو۔“

منصور کا نمبر اس نے اپنے اسمارٹ فون میں محفوظ کر

تھے اور تیس برس کی ہونے کے باوجود اس کا شادی کا ارادہ نہیں تھا۔ خوب صورت اور اسماٹ تھی، سینے اوڑھنے کا سینگہ تھا۔ سب سے بڑھ کر مہذب اور پُر خلوص تھی۔ استاد شاگرد کا رشتہ ختم ہونے کے بعد ان میں دوستی ہو گئی تھی اور چھٹی کا دن گل جام طور سے اسی کے ساتھ گزارتی تھی۔ گل ملے کر کے آئی تھی کہ اسے شہلا کے ساتھ ہی رکنا ہے۔ ہوٹل سے اس نے کبیر شاہ کو کال کر کے اپنے خیریت سے بتائی جانے کی اطلاع کر دی تھی مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ ابھی کہاں ہے اور کہاں جانے کا ارادہ رکھتی ہے؟

صائمہ نامی یہ عورت کئی سال سے شہلا کے پاس ملازم تھی۔ شہلا اس پر پورا اعتماد کرتی تھی اور تمام گھر اس کے سپرد کیا ہوا تھا۔ خرچ کا حساب بھی وہی رکھتی تھی۔ صائمہ بیوہ عورت تھی اور اس کی صرف ایک بیٹی تھی جسے اس نے پیدا دیا تھا۔ اب وہ شہلا کے پاس ہی رہتی تھی۔ سینے میں ایک ہار وہ دو دن کی پھٹی لے کر بیٹی اور داماد کے پاس جاتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ گل کو اور بچہ جس پسند سے وہ اس کے لیے اور بچہ جس نکال کر لائی تھی۔ باہر گری تھی لیکن اندر اسے ہی کی خشکی تھی۔ صائمہ نے کہا: "اس ہار آپ بہت دن بعد آئیں۔"

"ہاں میں گاؤں چلی گئی تھی اور پھر وہاں سے لاپتا مشکل ہوتا ہے اسی لیے آنے میں وقت لگا۔ مگر اب کچھ عرصے کے لیے آئی ہوں۔"

اسی دوران میں شہلا اندر سے نکلی، اس نے ہاتھ رو بہ پہن دکھا تھا، وہ آکر گل سے پت گئی۔ "کتنے عرصے بعد تمہاری شکل دیکھی ہے۔"

"میں بھی تم سے ملنے کے لیے بے تاب تھی مگر تم جانتی ہو کہ کتنی دور چلی گئی تھی۔"

شہلا نے صائمہ کو کھانے کا کہا اور اسے لے کر اپنے بیڈروم میں آگئی۔ "تم تیسری ہو، ریل کا کوئی سراغ ملا؟"

"نہیں۔" گل نے گہری سانس لی۔ "میں اسی لیے یہاں آئی ہوں۔"

شہلا نے اسے حیرت سے.... دیکھا۔ "کیا تم اسے تلاش کرو گے؟"

"ہاں کیونکہ وہ میری بہن ہے۔ میرا فرض بنتا ہے کہ اسے تلاش کروں، کم سے کم اپنی طرف سے پوری کوشش کروں۔"

"تم جانتی ہو پولیس نے پوری کوشش کی مگر وہ اسے تلاش نہیں کر سکی تو تم کیا کر لو گی؟"

لیا۔ جب وہ ہوٹل پہنچے تو منصور نے کیب روکتے ہوئے کہا۔ "میم صاحب مجھے بتائیے جہاں آپ کال کر رہی ہیں، بعض اوقات میں ایسی ہی نمبر سے آنے والی کال ریسیو نہیں کرتی ہوں۔"

"میں کال دیتی ہوں نمبر آجائے گا۔" لڑکی نے کہا اور اسے کال دی۔

"میں اسے کس نام سے محفوظ کروں۔" منصور نے پوچھا۔

لڑکی نے ذرا دیر بعد کہا۔ "ریشا کے نام سے محفوظ کرو۔"

منصور نے ریشا کے نام سے محفوظ کیا اور نیچے اتر کر سامان اتارنے لگا۔ لڑکی نے نیچے اتر کر اس سے کہا۔ "مجھے صرف سو بائبل پر کال کرنا ہوٹل کے نمبر پر کال مت کرنا۔"

"تھیک ہے میم صاحب۔"

"کرایہ کتنا ہوا؟"

"اتنی دیر کے ہزار کے آس پاس لیتا ہوں آپ کی جو مرضی دے دیں۔"

لڑکی نے اپنے ہینڈ بیگ سے ہزار اور پانچ سو کے دو نوٹ نکال کر اسے دیے۔ وہ خوش ہو گیا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ لڑکی ہوٹل میں آئی مگر اس نے کرا نہیں لیا۔

وہ کچھ دیر لاؤنج میں ضرور رکی اور اپنے لیے چائے کے ساتھ ریفر-شمنٹ منگوائی۔ ایک گھنٹے بعد اس نے میز کے توسط سے دوسری کیب منگوائی اور وہاں سے سامان سمیت روانہ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چھوٹے سے پتھکے کے سامنے رکی۔ تیل دینے پر اندر سے ایک عورت نے مہانکا اور اسے دیکھ کر خوشی سے بولی۔ "گل بی بی۔"

دروازہ کھلا اور عورت باہر آئی۔ سلام دعا کے بعد گل نے اسے بیگ اور سوٹ کس اندر لے جانے کو کہا اور کیب کے ڈرائیور کو کرایہ دے کر اندر آئی۔ لاؤنج میں عورت نے اس کا بیگ اور سوٹ کیس رکھ دیا اور اس کے لیے فریج سے جوس نکالنے لگی۔ گل نے بیٹھے ہوئے پوچھا۔ "شہلا کہاں ہے؟"

"بی بی کچھ دیر پیسے دفتر سے آئی ہیں اور نہا رہی ہیں۔"

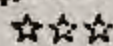
شہلا گل کی دوست تھی۔ وہ اس کالج میں نیچر تھی جہاں سے گل نے پڑھا تھا اور پھر وہ سول سروس کا امتحان پاس کر کے سرکاری ملازمت میں چلی گئی تھی۔ اگلے روز ہی میاں بیگم بہن بھائیوں سے ملتی نہیں تھی۔ ماں باپ گزر چکے

بتا رہا۔ یہ اس کے غائب ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ اس کا  
 موبائل اس کے ساتھ ہی غائب ہوا تھا۔  
 ”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولیس نے اس سے  
 موبائل سے کی جانے والی اور اس پر آنے والی تمام کالز کا  
 ڈیٹا منگوا لیا تھا۔ جو چند نمبرز اجنبی نکلے وہ بند پائے گئے اور  
 غلط افراد کے این آئی سی پر تھے۔ لوکیشن بھی نکالی گئی تھی مگر  
 اس سے بھی کچھ پتا نہیں چلا۔“  
 ”ممکن ہے وہ جس لڑکی سے بات کرتی ہو اس کے  
 پاس ان میں سے کوئی نمبر ہو؟“  
 ”اگر ایسا ہے تب بھی اس کا سراغ لگانا ممکن نہیں  
 ہے۔“

”ایک نمبر ایسا ہے جو مسلسل اسی شہر سے استعمال ہوتا  
 رہا ہے۔“  
 ”صرف اس بنیاد پر تم کہہ رہی ہو کہ وہ یہیں غائب  
 ہوئی ہے؟“

”نہیں پولیس نے یہ تو معلوم کیا ہے کہ وہ یہاں تک  
 آئی تھی۔“

شہلا نے گہری سانس لی۔ ”مجھے نہیں لگتا کہ تم اس  
 بارے میں کچھ کر سکو گی۔ بہر حال ابھی تم آئی ہو اس پر بعد  
 میں بات کریں گے۔ جب تک صاحبہ کھانا لگاتی ہے میں پیچھے  
 کر لوں۔“  
 کچھ دیر بعد وہ کھانے کی میز پر تھے۔



منصور ہوٹل سے آگے آنا پھر اس نے موبائل سے کسی  
 کو کال کی۔ ”زویا کیا حال ہے... ہاں میں ٹھیک ہوں...  
 تمہارے لیے ایک حیرت انگیز خبر ہے... ریل کی بہن گل  
 یہاں آگئی ہے اور اس نے ریش کے نام سے ایک ہوٹل میں  
 کرا رہی ہے... تم ملنا چاہتی ہو... میں اس وقت ڈیوٹی پر  
 ہوں... بارہ بجے آف ہوں گا تو تمہارے پاس آؤں گا۔“  
 کہتے ہوئے اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ”رات میں تمہارے  
 پاس ہی رکوں گا۔ بہت دن ہو گئے تم سے ملے ہوئے۔“

زویا سے بات کر کے وہ سرور نظر آنے لگا۔ بارہ بجے  
 اس کی ڈیوٹی آف ہوئی تو اس نے کیب اشیشین پر دوسرے  
 ڈرائیور کے حوالے کر کے وہاں سے اپنی ہائیڈیج لی اور روانہ  
 ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ شہر کے متوسط علاقے میں واقع ایک  
 عمارت کے سامنے رکا۔ اس چار منزل عمارت میں درمیانے  
 سائز کے اپارٹمنٹس تھے اور اس عمارت کی شہرت اچھی نہیں  
 تھی مگر اپنے ظاہری طیبہ سے عمارت اچھی اور صاف ستھری

”میں سمجھتی ہوں پولیس نے پوری کوشش نہیں کی اور  
 دوسرے میں ریش کے بارے میں جو جانتی ہوں وہ اس دنیا کا  
 کوئی دوسرا فرد نہیں جان سکتا۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ  
 شاید میں جان سکوں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا اور وہ کہاں  
 ہے؟“

شہلا ہلکے پھلکے پھر اس نے پوچھا۔ ”تمہارا کیا خیال  
 ہے، ریل ابھی زندہ ہے؟“

گل نے گہری سانس لی۔ ”ہو سکتا ہے، لیکن سچی بات  
 ہے میرا دل کہتا ہے کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے مگر میں جانتی  
 چاہتی ہوں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟“  
 ”ہو سکتا ہے وہ کسی کی قید میں ہو۔“

”وہ قید اور مجبور ہو کر رہنے والی لڑکی نہیں ہے اسی  
 لیے تو کہہ رہی ہوں کہ مجھے اس کی زندگی کی امید نہیں ہے۔“  
 ”تمہیں کسی پر شبہ ہے؟“  
 ”نہیں۔“

”تمہارا کزن فرہاد؟“ شہلا نے جھجک کر پوچھا۔  
 ”کیا وہ اس کا ڈرتے دار نہیں ہو سکتا؟“

گل سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے سر ہلایا۔ ”فرہاد بہت  
 سخت مزاج اور ارجح قسم کا شخص ہے، اسے زمین سے لگاؤ ہے  
 اور وہ ہم دونوں بہنوں سے نفرت کرتا ہے۔ یہ نفرت اس کی  
 ماں نے اس کے ذہن میں بھائی ہے۔ مگر مجھے نہیں لگتا کہ وہ  
 اس حد تک جا سکتا ہے۔“

”کیا معلوم آئی کب کس حد تک چلا جائے۔ آج  
 کل کے دور میں کل عمارت گرنی بڑھ رہی ہے۔ لوگ ذرا  
 ذرا اسی بات پر اور چند روپے کے لیے ایک دوسرے کو گل کر  
 دیتے ہیں، یہ تو بہت بڑی زمین اور دولت کا معاملہ ہے۔“  
 ”اگر ریل کے ساتھ فرہاد نے کچھ کیا ہے تو وہ اسی شہر  
 میں ہوا ہے۔ اس کا سراغ بھی نہیں لگے گا۔“

شہلا نے کہا۔ ”میں نے پولیس رپورٹ دیکھی ہے۔  
 پولیس نے بہت منظم انداز میں تفتیش کی ہے۔ ریل یہاں آکر  
 کسی ہوٹل میں نہیں رکی۔ حالانکہ یہاں اس کا جاننے والا  
 کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس کے پاس وہ رک سکے۔“  
 ”نہیں ایک ایسا فرد ہے مگر میں اس کے بارے میں  
 نہیں جانتی۔“

شہلا چونکی۔ ”ایسا کون فرد ہے اور تم نے یہ بات  
 پولیس کو بتائی؟“

”بتائی تھی۔ ممکنہ طور پر کوئی لڑکی ہے اور حویلی سے  
 جانے کے بعد ریل نے کئی بار اس کے بارے میں میسج کر کے



حد تک۔ اب ہے اور پولیس کے تشدد پر کیا ہم اپنی زبان بند رکھ سکتے ہیں؟

منصور نے غور سے اسے دیکھا۔ "اجی ضرور تو تم بھی نہیں ہو اور جب ہمارے خلاف ہتھیار بے گناہ کیا نہیں جاسکتا ہے تو تم اتنا ڈر کیسے کر رہی ہو؟"

"ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" زویا کسی قدر بھنبلا گئی۔ "ہماری بہتری ہی میں ہے گل ہم تک نہ پہنچے۔"

"تو میں کب پہنچا رہا ہوں۔" منصور نیم تنیدہ انداز میں بولا۔ "مجھے تو اطلاع دینے دوڑا آیا۔"

اس بار زویا نے اسے ترہی نظروں سے دیکھا۔ "تم اطلاع دینے نہیں بلکہ کسی اور چکر میں آئے ہو۔"

منصور ذہنائی سے مسکرانے لگا۔ "چلو کسی اور چکر میں آئی، میں دل کی بہن کا شکر گزار ہوں کہ اس نے تمہارا قرب تو ملے گا۔"

"اس کا بہانہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، تم جب چاہو میرے پاس آ سکتے ہو۔"

منصور مجھ سے انداز میں ہنسا۔ "اگر جب دل چاہے آ سکتا تو شکوہ ہی کس بات کا تھا۔"

"رات بہت ہو گئی ہے اور صبح مجھے ایک شوٹ پر جانا ہے۔" وہ بولا۔

"چلو تب ویرن کرو۔" منصور نے کہا اور باقی ٹن ایک سانس میں خالی کر کے کھڑا ہو گیا اور دونوں بیڈروم کی طرف بڑھے۔

زویا کی مالی حالت اچھی تھی۔ وہ یہاں زویا اعجاز کے نام سے مشہور تھی۔ لوگ جانتے تھے کہ وہ ماڈل گرل ہے اور شو بزنس سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے گھر آنے والوں کی تعداد محدود تھی۔ اس عمارت میں رہنے والی زیادہ تر عورتوں اور لڑکیوں کا تعلق شو بزنس یا پھر غیر اخلاقی کاموں سے تھا۔

چند ایک شریف لوگ بھی تھے جو اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ زویا چند سال پہلے یہاں آئی تھی۔ پہلے اس نے ایک پارٹنر شپ میں شریک کیا۔ اس میں چھ لڑکیاں اور عورتیں پہلے سے رہ رہی تھیں۔

ایک سال بعد اس نے پورا پارٹنر شپ کرائے پر لے لیا اور مزید ایک سال بعد اسے خرید لیا۔ زویا دیکھنے میں چوبیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی مگر وہ تیس برس تھی۔ اس کا تعلق ایک چھوٹے شہر سے تھا۔ وہ ایک عام سے گھر میں پیدا ہوئی۔ جہاں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ لوگوں میں جہالت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہاں لڑکیوں کو بھیڑ

دھکی دیتی تھی۔ گیت پر موجود چوکیدار منصور کو پہچانتا تھا، وہ اسے دیکھ کر نیا ز مندانہ انداز میں مسکرایا اور بولا۔ "بہت دنوں بعد نظر آئے منصور صاحب۔"

"ہاں فرصت نہیں تھی۔" اس نے ایک چھوٹا نوت چوکیدار کے ہاتھ میں تھمایا۔ "اور سب خیر ہے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟"

"منصور بھائی کے ہوتے ہوئے کوئی مسئلہ ہو سکتا ہے۔" چوکیدار نے نوت پیتے ہوئے کہا۔ منصور پارکنگ میں بائیک کھڑی کر کے دوسرے فلور پر آیا۔ وہیں طرف کے فلیٹ کی کال بیل بجائی تو ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔

دروازہ کھولنے والی زویا تھی۔ یہ تیکھے نقوش والی پرکشش لڑکی تھی۔ رنگت میں بالکام سا نولا پن تھا۔ اس نے ہاتھوں کے ساتھ چھوٹی سی چست فی شرٹ پہن رکھی تھی۔ منصور نے غور سے اسے دیکھا اور معنی خیز انداز میں بولا۔

"زویا جی آج کیا کسی کے گل کی تیاری ہے؟"

زویا نے بنا مسکرائے سر ہلایا۔ وہ بے چین لگ رہی تھی۔ "تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ وہ دل کی بہن گل ہے؟"

"تم نے بتایا تھا کہ دونوں بہنوں کی صورت میں حیرت انگیز مشابہت ہے اور میں اسے دیکھا ہوا ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے۔"

"تو وہ لڑکی بالکل دل کی دوسری کاپی ہے فرق صرف تاثر کا ہے، گل کے چہرے پر نرم تاثرات ہیں جبکہ دل کے تاثرات تیکھے ہوتے تھے۔ وہ خود بھی بہت تیکھی تھی۔"

وہ دونوں اندر آ گئے۔ زویا منصور کے نیچے بیٹھ کاٹن نے آئی۔ "اس نے اپنا نام مرث کیوں بتایا؟"

"اسی سے تو میں چونکا۔" منصور نے نون کھولتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے وہ دل کی تلاش میں آئی ہے اور اپنی شناخت چھپانے کے لیے اس نے نام تبدیل کر لیا۔"

"تم سے چھپانے کے لیے؟"

"نہیں وہ سب کو یہی نام بتائے گی۔"

زویا سوچ میں گم تھی، اس نے کہا۔ "اگر وہ ہم تک آگئی؟"

"تب بھی کیا ہوگا، تم کہہ سکتی ہو کہ وہ کچھ عرصے تمہارے ساتھ رہی، اس کے بعد کہاں گئی تم نہیں جانتی۔"

زویا بے چین ہو گئی۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر اس سے دوسرے مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔ تم جانتے ہو میں ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور صوبائی حکومت پر ان کا اثر بھی ہے۔ میں کوئی بھی الزام لگا کر گرفتار کیا جاسکتا

زویا نے دوبارہ اصرار کیا تو عادل نے صاف منع کر دیا اور شادی کے بعد اس نے پہلی بار زویا پر ہاتھ اٹھایا۔ ہاتھ اٹھانا تو دور کی بات تھی اس نے آج تک زویا کو ڈانٹا تک نہیں تھا اس لیے جب اسے پھڑپڑا تو وہ ششدر رہ گئی اور پھر اس کے دل میں عادل کے لیے شدید نفرت آگئی۔ اسی وقت اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اس کے ساتھ نہیں رہے گی۔ مگر وہ خاموشی سے مناسب وقت کا انتظار کرتی رہی۔ اس نے رقم جمع کرنی شروع کر دی۔ پہلے وہ طے والا جیب خرچ اور اضافی رقم بے دریغ شاپنگ میں اڑا دیتی تھی۔ اب اس نے شاپنگ بند کر دی اور زیادہ سے زیادہ رقم جمع کرنے لگی۔ پیسے سے اسے معمولی زور ملا تھا مگر عادل نے اسے خاصا زور دینا کر دیا تھا۔ اس کی مالیت بھی تین ساڑھے تین لاکھ تھی۔ اس نے یہ بھی رکھ لیا۔ دو سال میں اس نے دو لاکھ کے قریب رقم جمع کرنی۔ پھر ایک دن اسے سوجھ بھجھ لگا گیا۔ عادل اسٹور کی کچھ ادائیگیوں کے لیے بینک سے لاکھ روپے لایا تھا۔ زویا نے وہ بھی اڑا لیے اور یوں ظاہر کیا کہ رات کسی وقت چور آئے تھے اور یہ رقم لے گئے۔ اس کا مداف پورا ہو گیا تھا اس لیے ایک دن وہ خاموشی سے گھر سے نکل گئی۔ اس دوران میں اس کا منصور سے مسلسل رابطہ تھا اور وہ اس کے فرار کی اسکیم میں برابر کا شریک تھا۔

\*\*\*

شہلا نے آج چھٹی لے لی تھی۔ اس کی کچھ چھٹیاں تھیں ساتھ ہی دفتر میں کام بھی کم تھا اور نہ سرکاری ملازمین کو چھٹیاں کہاں ملتی ہیں۔ ناشتے کی میز پر اس نے گل سے کہا۔  
 ”تو تم اس طرح سے ریل کی تلاش شروع کرو گی؟“  
 ”میرے پاس فی الحال سبھی ایک راستہ ہے۔“  
 ”فرض کرو اگر تم ان لوگوں تک پہنچ بھی جاتی ہو تو کیا وہ تمہیں دیکھ کر چمکنے لگے؟“  
 ”جی تو میرا اصل پوائنٹ ہے۔ جو مجھے دیکھ کر چمکنے لگے گا اس کا ریل سے کوئی تعلق ہوگا۔“  
 ”اس صورت میں تمہیں بھی وہی خطرہ لاحق ہو جائے گا جو ریل و تھا اور جس کی وجہ سے وہ غائب ہوئی ہے۔“  
 ”میں جانتی ہوں اس کے باوجود میں چائیس لوں گی۔“ گل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ شہلا سمجھ گئی کہ وہ گل کو نہیں سمجھا سکے گی اس نے موضوع بدل دیا۔  
 ”اچھا چھوڑو آج میں نے چھٹی کی ہے ہم تفریح کریں گے۔ آرٹ کونسل میں نمائش لگی ہے وہاں چلے ہیں۔“

کبری سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور ان کی شادی کم عمری میں کر دی جاتی تھی۔ زویا کو بھی اٹھارہ سال کی عمر میں بیاہ دیا گیا۔ اس کا شوہر عادل اس سے خاصا بڑا لیکن ایک پڑھا لکھا اور شریف شخص تھا۔ وہ زویا کی خوب صورتی پر سرمٹا اور وہ جو کہتی عادل مانتا تھا۔

زویا نے میٹرک تک پڑھا تھا۔ شادی کے بعد اس نے انٹر کیا اور پھر گریجویشن کیا۔ اس دوران میں وہ بہت چیزیں سے بدلی تھی۔ گریجویشن کے بھیڑ دینے کے لیے اسے صوبائی دارالحکومت جانا پڑتا تھا۔ کیونکہ وہاں ان کا کوئی جاننے والا نہیں تھا اس لیے عادل نے اسے جیکسی لگوادی۔ وہ جیکسی میں بھیڑ دینے جاتی تھی اور اسی میں واپس آتی تھی۔ یہیں سے اس کی زندگی میں وہ موڑ آیا جس نے اسے خاتون خانہ سے متعلق مغل بنا دیا تھا۔ جیکسی ڈرامیٹر منصور تھا۔ کیونکہ دونوں آتے جاتے اکیلے ہوتے تھے۔ عادل کا اپنا میڈیکل اسٹور تھا اور وہ اسٹور چھوڑ کر اس کے ساتھ نہیں جاسکتا تھا اس لیے اس نے جیکسی لگوادی۔ منصور اس کا جاننے والا تھا اور اس نے اس پر اعتماد کیا جس کا صلہ اسے یہ ملا کہ اس کی بیوی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

منصور خوش شکل ہی نہیں چرب زبان بھی تھا۔ اس نے رفتہ رفتہ زویا کو تعریفی جملوں کے جان میں ایسا پھنسیا اور اس کے حسن کو یوں بڑھا چڑھا کر بیان کیا کہ وہ اس کی باتوں میں آگئی۔ عادل بڑی عمر کا ہونے کے ساتھ شکل صورت کا عام سا آدمی تھا۔ اگرچہ وہ پیسے والا تھا اور اس نے زویا کی ہر خواہش پوری کی تھی۔ مگر اب وہ اسے اپنے معیار کا نہیں لگ رہا تھا۔ منصور نے اسے سمجھایا کہ وہ شو بزنس میں کامیاب ہو سکتی ہے اور ایسے مقام پر پہنچ سکتی ہے جہاں سارا ملک اس سے واقف ہو۔ مگر وہ اس چھوٹے شہر کے ایک چھوٹے سے گھر میں ملازمتوں کی سی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس کا کوئی بچہ نہیں تھا کیونکہ اس نے عادل سے منوالیا تھا کہ جب تک وہ پڑھ رہی ہے وہ بچے کے بھجوت میں نہیں پڑے گی۔ عادل کو بھی اولاد کا ایسا کوئی خاص شوق نہیں تھا۔ بچہ نہ لگے بعد اس نے عادل سے کہا کہ وہ شو بزنس میں کام کرنا چاہتی ہے۔ عادل حیران ہوا تھا اس نے زویا کو سمجھایا کہ اسے شو بزنس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے، یہ دنیا پہ ظاہر چمکتی دکن ہے لیکن یہاں بہت زیادہ گندگی ہے اور یہاں جانے والی کوئی عورت خود کو اس گندگی سے نہیں بچا سکتی۔ مگر زویا کی سمجھ یہ بات نہیں آئی یا آئی بھی تو وہ خوشی خوشی اس گندگی میں اترنے کو تیار تھی۔



خواب نہ رہا

دونوں جگہوں پر دفتر عام طور سے گیارہ بارہ بجے کھلتے ہیں۔  
"کوئی بات نہیں تب تک تم مجھے شہر ٹھہراتے رہو۔"  
گل نے فرمائش کی۔ "میں یہاں کئی بار آ چکی ہوں لیکن  
میں نے آج تک اس کا چھوٹا سا حصہ ہی دیکھا ہے۔"

"کیوں نہیں میم صاحب، لیکن اس صورت میں بنگلہ  
ہوگی اور مجھے یعنی اطلاع دینی ہوگی۔"

"تم آج شام چار پانچ بجے تک بیک ہو۔"

"میں دو بجے تک کا کہہ دیتا ہوں۔ اس صورت میں  
آپ کو دو بجے تک کی اطلاع دینا پڑے گی۔ اگر ضرورت  
ہوئی تو بنگلہ آگے بھی بڑھ سکتی ہے۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔"

منصور نے کیب آفس کال کر کے اطلاع کر دی کہ وہ

دو بجے تک بیک ہے۔ کیب میں لگے چھوٹے سے پرنٹر سے

واؤچر نکل آیا جس پر چار جرنل لکھے تھے۔ وہ منصور نے گل کو چھپا

دیا۔ اس نے چھٹی اداکاری کر دی۔ ساڑھے گیارہ بجے تک

وہ گھومتے رہے اور پھر منصور سے شوپز نس کہنیوں کے دفاتر

لے گیا۔ ہر جگہ گل چندہ جس صفت کے لیے اندر گئی۔ ایسا

لگ رہا تھا کہ وہ اپنا تعارف کر رہی تھی اور اپنا کوئی نمبر

دے رہی تھی۔ دوپہر دو بجے تک وہ نصف درجن کہنیوں میں

گئی۔ اس کے بعد اس نے منصور کو کسی ایسے ریستوران چننے

کو کہا۔ وہ اسے ایک ریستوران لے آیا جہاں گل نے چٹا

کیا۔ اس کے بعد وہ اس کے ساتھ مختلف اسٹیٹ ایجنسیوں

میں گئی۔ پانچ بجے تک اس نے یہ کام نٹنایا پھر منصور سے

کہا۔ "مجھے واپس ہونے چھوڑ دو۔"

"میم صاحب ایک بات پوچھوں۔ اگر آپ میرا نہ

مانیں؟"

"پوچھو، تم اچھے آدمی ہو۔" گل نے کہا۔

"آپ شوپز نس کہنیوں میں کیوں گھسے؟"

"میں شوپز نس کی فیلڈ میں آتا چاہتی ہوں۔" گل

نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

"اور اسٹیٹ ایجنسی؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے کسی اچھی جگہ کی تلاش

ہے۔ بے شک بڑی نہ ہو لیکن اچھے غلاتے میں ہو۔"

منصور نے سوچا اور پھر یوں۔ "اگر آپ کہیں تو میں

آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟" گل نے دلچسپی لینے والے انداز میں

کہا۔

"میں ایک لڑکی سے واقف ہوں، وہ شوپز نس میں

"جیسے تمہاری مرضی آج میں بھی آرام اور تفریح ہی  
چاہتی ہوں۔"

وہ ناشتے کے بعد نکلیں۔ شہلا کے پاس سرکاری گاڑی

تھی اس نے ڈرائیور نہیں لیا تھا اور خود ڈرائیور کرتی تھی۔ وہ

آرٹ کوئل آئے۔ یہاں کئی فرمائش دیکھتے رہے۔ دوپہر

کے بعد وہ وہاں سے نکلے۔ ایک ریستوران میں ٹیچ کیا اور

پھر واپس گھر آئے۔

گل نے انجوائے کیا تھا مگر وہ یہاں تفریح کرنے

نہیں آئی تھی۔ شہلا کے پاس آتا اس کی بھوری تھی۔ کیونکہ

اس شہر میں وہی اس کی واحد واقف کار تھی جس پر وہ پورا

اعتماد کر سکتی تھی اور کسی قسم کی مدد حاصل کر سکتی تھی۔ وہ سرکاری

انٹرنس اور ایک اہم محکمے میں کام کر رہی تھی۔ شہلا اس کی

پشت پر ہوتی تو وہ خود کو زیادہ محفوظ سمجھتی۔ اگرچہ وہ پوری

طرح شہلا پر انحصار نہیں کر رہی تھی۔ وہ اپنی حفاظت خود بھی

کر سکتی تھی۔ وہ سونے کے لیے مگن کا بہانہ کر کے چند کمرے

میں آگئی اور منصور کو کال کی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ "جی

میم صاحب۔"

"مجھے کل صبح نو بجے کیب چاہیے۔"

"آپ اسی ہوٹل میں ہیں؟"

"ہاں، تم باہر آ کر مجھے کال کرنا، میں تیجے آ جاؤں

گی۔" گل نے کہا اور کال کاٹ کر سونے کی تیاری کرنے

لگی۔

☆☆☆

منصور نو بجے سے پہلے ہی کیب لے کر ہوٹل کے باہر

پہنچ گیا۔ اس نے ٹھیک نو بجے گل کو کال کی۔ "میم صاحب

میں تیجے آ گیا ہوں۔"

"میں آ رہی ہوں۔"

چند منٹ بعد گل ہوٹل کے دروازے پر نمودار ہوئی۔

اس نے جدید ترین فیشن کا لباس پہنا ہوا تھا اور بہت اچھا

میگ اپ کیا ہوا تھا۔ منصور نے کیب اس کے پاس روکی اور

اتر کر پچھلا دروازہ کھولا۔ گل اندر بیٹھی تو وہ دروازہ بند

کر کے ڈرائیورنگ سیٹ پر آیا اور کیب آگے بڑھاتے ہوئے

یوں۔ "میں میم صاحب۔"

"تم شوپز نس ایجنسیوں سے واقف ہو۔"

"بالکل، میں پہلے بھی بہت سے لوگوں کو جو شوپز نس

میں کام کرتے ہیں لاتا لے جاتا رہا ہوں۔"

"دوسرے مجھے اسٹیٹ ایجنسی سے کام ہے۔"

"وہاں بھی لے جاؤں گا۔" منصور نے کہا۔ "لیکن

جدا سوسائٹی مجسٹ 263 جون 2015ء

Scanned By Amir

کا پتھر لگا رہی ہے اور کسی بھی وقت اسے کوئی ایسا بندہ نکر سکتا ہے جس نے رٹ تو بھی دیکھا ہوگا۔ تمہارے ساتھ بہت سے لوگوں نے رٹ کو دیکھا ہے۔“

زویا پریشان ہو گئی۔ ”یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“

”تب مجھ پر بھروسہ کرو۔ اب تم ایک کامیاب شو بزنس لٹی برٹی بننے جا رہی ہو۔ ایسے میں تمہارا اسکینڈل سامنے آگیا تو تمہاری ازان سین رک جائے گی۔“

زویا نے ماتھا جکڑا۔ ”میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔“

”دیکھو تمہیں یہاں تک لانے میں، میں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم نے مجھے اس کا پورا صلہ بھی دیا ہے۔ مگر میں تمہارے ساتھ ٹھیک ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم کامیاب ہو۔ مزید آگے جاؤ۔“

”چلو ٹھیک ہے تم اسے یہاں لے آتے ہو اس کے بعد؟“

”اس کے بعد وہ ہمارے ہاتھوں میں ہوگی۔“ منصور نے عجیب سی مستراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میں نے کہا تو وہ ہمارے سامنے رہے گی تو ہم مار نہیں گے، بے شک وہ کچھ بھی جان جائے لیکن اگر وہ ہماری بے خبری میں کچھ جان مٹی تو پھر ہمارے لیے بہت زیادہ مشکل تھری ہو جائے گی۔ اصل مسئلہ بھی تمہارے لیے ہوگا۔ میں معمولی سی نوکری کرتا ہوں اسے چھوڑ کر کہیں بھی روپوش ہو جاؤں گا، تم نہ بھاگ سکتی ہو اور نہ روپوش ہو سکتی ہو۔“

زویا نے نقطہ اٹھایا۔ ”رٹ بھی یہاں آ چکی ہے اور یہاں لوگوں نے اسے دیکھا ہے۔“

”جن لوگوں نے رٹ کو دیکھا ہے وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ وہ خائب ہے۔ اگر وہ گل کو دیکھیں گے تو اسے رٹ ہی سمجھیں گے۔“

”اور اگر کسی نے اس سے رٹ سمجھ کر بات کی تو؟“

”خدا کے لیے...“ منصور مسلسل بحث سے بیزار نظر آنے لگا۔ ”یہاں کون کسی کے معاملے میں دخل دیتا ہے، کیا کسی نے آج تک تم سے بات کی ہے جو تمہارے گھر آنے والے کسی فرد سے بات کرنے گا۔“

زویا کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ راضی نہیں ہے۔ منصور غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”اگر تمہاری مرضی نہیں ہے تو ٹھیک ہے لیکن بعد میں مجھ سے شکایت مت کرنا، میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا ہے۔“

زویا کے تاثرات بدلے تھے، اس نے جلدی سے

ہی کام کرتی ہے اور اکثر میرے ساتھ آتی جاتی ہے۔ آپ کہیں تو میں اس سے بات کروں۔“

”ضرور کرو، مجھے کام چاہیے۔“

”میں جلد آپ کو بتاؤں گا۔“ منصور نے خوش ہو کر کہا۔ ”اگر آپ ایک بار شو بزنس میں آجائیں تو پھر کوئی آپ کو کامیاب ہونے سے نہیں روک سکتے گا۔“

گل مسکرائی۔ ”اور اگر ایسا ہو تو میں تمہیں فراموش نہیں کروں گی۔ تمہیں تمہاری محنت کا صلہ ملے گا۔“

جس وقت وہ اسے ہوٹل کے سامنے چھوڑ رہا تھا اس وقت ایک چھوٹی کار میں ٹی شرٹ پہنے اور کانوں میں ہینڈ فری لگائے ایک نوجوان پختا ہر میوزک یا سہاٹن میں لگا ہوا تھا لیکن وہ درحقیقت سر راون کیب کا پیچھا کرتا رہا تھا۔ اس کی سفید رنگ کی گاڑی عام سی تھی اور منصور یا گل کو ایک بار بھی شہ نہیں ہوا کہ کیب کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ جب کیب وہاں سے روانہ ہوئی تب بھی وہ وہیں رکا رہا اور کچھ دیر بعد گل دوسری کیب میں وہاں سے روانہ ہوئی تو نوجوان اس کے پیچھے تھا۔ شہلا کے گھر کی گلی کے کونے پر رکا کر اس نے گل کو اندر جاتے دیکھا اور وہ بائیں سے کال ملائی۔ دوسری طرف سے فرہاد نے کال ریسیو کی۔ نوجوان نے اسے آج کی کھل رپورٹ دی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا پھر اس نے کہا۔ ”اسی طرح مگرانی کرتے رہو اور اگر کوئی خاص بات دیکھو تو فوری بتاؤ۔ شام کا انتظار مت کرنا۔“

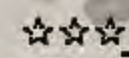
”ایسا ہی ہو گا سر۔“ نوجوان نے کہا۔

”تم اچھا کام کر رہے ہو، مجھے تم پر بھروسہ ہے۔“

”میں آپ کا تابع ہوں جناب۔“

”گل صبح اپنا چیک اکاؤنٹ چیک کر لیتا۔“ فرہاد نے بتایا تو وہ خوش ہو گیا۔

”تمہیں پوسر۔“



زویا اچھل پڑی تھی۔ ”تمہارا دماغ درست ہے، تم اسے یہاں تک لاؤ گے۔“

”کیونکہ اسی میں ہماری بچت ہے۔ وہ ہماری نظروں کے سامنے رہے گی اور ہم اس کے عزائم سے باخبر رہیں گے، اگر وہ بے خبری میں ہم تک آگئی تو ہمارے بھی جاسکتے ہیں۔“

”میں کسی صورت اس کی حمایت نہیں کروں گی۔“

زویا نے کہا۔ ”یہ تو آٹھل مجھے مار والی بات ہے۔“

”دیکھو... تم کچھ نہیں رہی ہو۔ وہ شو بزنس ایجنسیوں

برسات سے متعلق کر دیے گئے۔ اسی لیے انہوں نے ریل کو بھی نہیں روکا تھا اور مجھے بھی نہیں روکا۔  
 ”تم مضبوط شخصیت کی اور مستقل مزاج لڑکی ہو، کیا ریل بھی ایسی تھی؟“

”نہیں، وہ مجھ سے بہت مختلف اور الگ شخصیت کی مالک تھی۔ وہ جذباتی اور لحوں میں فیصلے کرنے اور بدل دینے والی لڑکی تھی۔ وہ لکھائی چمک دکھ سے متاثر ہوتی تھی۔ یوں سمجھ لو کہ اس کا ذہنی نیول کسی نوع لڑکی جیسا تھا۔ وہ شوہر نس کا حصہ بننے کے لیے حویلی سے نکلی تھی اور ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئی۔“

”تمہارا کیا خیال ہے یوں شوہر نس کمپنیوں اور اسٹیٹ ایجنسیوں کے چکر لگانے سے تمہیں ریل کا سراغ مل جائے گا۔“

”شاید مل جائے اور شاید نہ ملے۔“

شہلا سنجیدہ ہوئی۔ ”گل آج کی دنیا بہت خطرناک ہو گئی ہے خاص طور سے اکیلی لڑکی یا عورت کے لیے۔ اسے اپنے بچاؤ کے لیے بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ پلیز تم یہ خیال ذہن سے نکال دو، پور واہیں حویلی چلی جاؤ۔ وہی تمہاری جائے پناہ ہے۔ ریل کے ساتھ آ کر کچھ ہو چکا ہے تو تمہیں اس کے بارے میں جان کر صرف دکھ ہوگا۔“

”میں جانتی ہوں، ایک بار میں ریل کے بارے میں جان لوں پھر میں واپس جاؤں گی۔“

شہلا گہری سانس لے کر رہ گئی۔ ”تو تم نہیں مانو گی۔“

گل ہنسی۔ ”ابھی تم ہی نے مجھے مستقل مزاج اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے والی قرار دیا تھا۔“

”اوکے، میری کسی حد کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔“ شہلا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اب سو جاؤ آج سارا دن کھوم کر تھک گئی ہوگی۔“

”خاص نہیں مگر اب لیٹوں گی۔ تمہیں بھی صبح دفتر جانا ہے۔“

”شاید مجھے ایک دن کے لیے دوسرے شہر جانا پڑے۔ آ کر جانا ہوا تو کئی رات تک واپس ہوگی۔“

”تمہیک ہے پھر موٹیل پر رات گزارنا۔“

اس دن وہ جتنی شوہر نس کمپنیوں میں گئی وہاں اس نے ریل کی تصویر دکھا کر اس کے بارے میں پوچھا تھا: ”نہیں، اسٹیٹ ایجنسی والوں سے بھی ریل کے بارے میں پوچھا تھا کہ کسی نے اسے دیکھا تو نہیں ہے لیکن کسی نے اقرار

منصور کا ہاتھ تھام لیا۔ ”پلیز میری بات کا غلط مطلب مت لو۔ میں انکار نہیں کر رہی ہوں۔ مگر میں اب تک مطمئن نہیں ہوئی ہوں۔ مجھے گل کو یہاں لانا بہت بڑا خطرہ لگ رہا ہے۔“

”خطرہ یہاں لانا نہیں ہوگا کیونکہ وہ پہلے ہی خطرہ بن کر یہاں آ چکی ہے۔“

زویا نے سختی خیز انداز میں منصور کو دیکھا۔ ”کیا تم کچھ کر نہیں سکتے۔ تم ہر مسئلے کا حل نکال سکتے ہو جیسے پہلے نکالا تھا اسی طرح اب بھی نکال سکتے ہو۔“

”پہلے مسئلہ ہمارے ہاتھ میں تھا اور اس بار جب تک مسئلہ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا جب تک ہم اسے اپنی مرضی سے اور اپنا ہاتھ بچا کر حل نہیں کر سکتے۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تمہیں کیا کرنا ہے؟“

زویا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

منصور نے اسے ہانڈوں میں سمیٹ لیا۔ ”مت ڈرو، مجھ پر اعتماد کرو۔ میں سب دیکھ لوں گا پھر تمہیک تم میرے کہنے پر چلو۔“

زویا نے سر ہلایا۔ ”تمہیک ہے اگر تم ذمے داری لے رہے ہو۔“

منصور خوش ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ”بس اب تم قہر مت کرو اور دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔“

وہ کچھ دیر بعد اس کے پارٹمنٹ سے نکلا تو بہت خوش تھا۔ اس نے ہانڈے اشارت کرتے ہوئے زبردستی کہا۔ ”اب وقت آ گیا ہے کہ میں سب حساب مع سود وصول کروں۔ پہلی واپس لے لی نہیں کروں گا۔“

☆☆☆

گل نے شہلا کو بتایا کہ وہ آج کہاں کہاں گئی۔ شہلا سختی رہی پھر اس نے کہا۔ ”تم اپنے طور پر شاید تمہیک کر رہی ہو لیکن معاف کرنا مجھے یہ بے کاری کی مشق لگ رہی ہے۔“

”بعض اوقات بیکار چیزوں سے ہی کام کی چیز بن کر نکلتی ہیں۔“ گل نے کہا۔ ”میرے باپا کہتے ہیں کہ کوئی کام کرنا بے کار نہیں ہوتا اس سے کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا ہے۔“

”تمہارے دادا نے تمہیں آسانی سے آنے دیا؟“

”نہیں وہ اتنی آسانی سے اجازت نہ دیتے مگر وہ جانتے ہیں کہ حویلی میں میرے اور ریل کے ساتھ کیا سلوک ہوتا رہا ہے۔ ہم وراثت اور خاندان کا حصہ ہوتے ہوئے بھی

تھی۔ صنفیہ کا رویہ اچھائی پنک آمیز اور نفرت سے بھرا ہوتا تھا۔ دل اسی کا رد عمل دیتی تھی۔ گل نے کم عمری میں سیکھ لیا تھا کہ رد عمل دینے میں اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس نے رفتہ رفتہ اس نے خود پر ایک خول چڑھالیا تھا۔ اب اس کے ساتھ کچھ ہوتا تو وہ اپنا رد عمل اس خول تلے رکھتی تھی۔ یہ ظاہر وہ سرد اور خاموش رہتی تھی مگر وہی جانتی تھی کہ اس کی خاموشی تلے کتنی پھل ہے۔

نہ جانے کیوں اسے صنفیہ جی کے طرز عمل سے زیادہ فرہاد کے درشت رویے سے تکلیف ہوتی تھی۔ وہ بچپن سے ان دونوں بہنوں سے چڑتا تھا اور جہاں اسے موقع ملتا وہ انہیں مارنے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ پھر وہ بڑے ہوئے تو فرہاد کی دست درازی تو رک گئی مگر اس کی زبان میں ان کے لیے مزید کاٹ آگئی تھی۔ کبھی کبھی گل کو لگتا کہ فرہاد میں صنفیہ کا مردانہ روپ آ گیا ہے۔ وہی جملے، وہی طنز اور وہی نفرت جو صنفیہ میں ان کے لیے ہوتی تھی۔ لازمی بات تھی کہ اس میں یہ نفرت صنفیہ نے بھری تھی مگر گل کو خیال آتا کہ کیا فرہاد کی اپنی کوئی سوچ نہیں تھی۔ اسے خیال نہیں آتا ہوگا کہ گل اور دل اس کے بچپن کی بیٹیاں ہیں اور اگر ان کی ماں نے کچھ کیا بھی تھا تو اس میں ان کا کوئی تصور نہیں تھا اس کے باوجود ان سے نفسیاتی حد تک نفرت کرتا اور پیچھے پڑے رہتا کہاں تک۔ جانتا تھا؟ مگر شاید فرہاد اسے بالکل درست سمجھتا تھا اور وہ اپنی ماں کی سو فیصد پیروی کرتا تھا۔

کبیر شاہ سے بات کرتے اور اپنے فاضی کے بارے میں سوچتے ہوئے گل کے اندر ایک قسم کی مایوسی اور بیخاری سی آگئی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ جو کر رہی ہے اس کا کیا فائدہ؟ اسے معنوم ہو بھی جائے کہ دل کے ساتھ کیا ہوا ہے جب بھی وہ واپس تو آنے سے رہی۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ آج بھی جائے گی مگر اب اس نے ارادہ منوی کر دیا تھا۔ منصور نے اس سے کہا تھا کہ وہ اسے صرف ایک گھنٹے پیسے کاٹ کر دے تو وہ کہیں بھی آسکتا ہے۔ اس نے اس نے رات کو کاٹ نہیں کی اور اچھا ہی ہوا اور نہ کاٹ کر کے اسے منع کرنا پڑتا۔ لٹچ میں اسے بھوک نہیں تھی اس لیے اس نے صرف ٹیک لیا اور اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی لیٹ پڑا۔ کچھ بے مقصد براؤزنگ کر رہی تھی کہ موبائل کی بیل بجی۔ منصور کا نام آ رہا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی۔

”ہی؟“

”منصور بات کر رہا ہوں۔ آپ کے لیے ایک اچھی خبر ہے۔“

نہیں کیا تھا اور نہ ہی کسی نے تصویر دیکھ کر کوئی رد عمل دیا تھا۔ چند ایک نے پوچھا تو اس نے بتا دیا کہ وہ اس کی بہن کی گھر سے ناراض ہو کر شو بزنس میں کام کرنے کے لیے یہاں آئی ہے، وہ اسے تلاش کر رہی ہے۔ صبح ناشتے کے بعد اس نے کبیر شاہ کو کال کی۔ اس کی طبیعت کا پوچھا اور اپنی خبریت کا بتایا مگر کبیر شاہ کی تشویش کم نہیں ہوئی تھی، اس نے گل سے التجا کی کہ وہ واپس آجائے۔ گل نے کہا۔

”ہاں اس حوالی میں صرف آپ کی وجہ سے آتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے حوالی سے میرا تعلق آپ کی حد تک مشروط ہے۔“

”ایسا نہیں ہے میری بچی، یہاں تمہارا حصہ بھی ہے اور یہ تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔“

”بات مجھے کی نہیں، اپنے مقام کی ہے، مجھے معنوم ہے خدا نخواستہ آپ کے بعد میرا اس حوالی میں کوئی مقام نہیں ہوگا۔“

کبیر شاہ خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔ ”میری بچی مقام کی بات الگ ہے لیکن جو تمہارا حصہ ہے وہ تمہیں ضرور ملے گا۔“

”جو چیز ہم بہنوں نے چاہی وہ ہمیں ملی نہیں اور جس چیز کا ہمارے ذہنوں میں کوئی خیال نہیں ہے آپ اس کی بات کر رہے ہیں۔“ گل کا لہجہ کسی قدر تلخ ہو گیا اور اس نے کان کاٹ دی۔ یہ حقیقت تھی کہ بچپن سے جب وہ صرف دو سال اور دل چار سال کی تھی۔ انہوں نے اپنے ہی گھر میں اچھیوں کی سی زندگی گزار دی۔ ایسا نہیں تھا کہ انہیں سہولتوں میں کوئی کمی ہوئی ہو یا کسی چیز کے حوالے سے ان پر سختی کی گئی مگر ان دونوں بہنوں کے لیے ماحول ایسا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے کمرے سے نکلنے ہوئے ذرا ہی گھس جائے کہ وہ ماں والے حصے میں رہتی تھیں اور ان کی دیکھ بھال کے لیے الگ ملازہ میں تھیں۔ اس کے باوجود وہ کبھی بھی وہ آزادی اور سکون محسوس نہیں کر سکیں جو بچپن میں محسوس کرتا ہے۔ وہ اس کے لیے ترستی رہیں۔ شروع میں کبیر شاہ کا رویہ بھی ان سے بہت اچھا نہیں تھا۔

وہ محبت کرتا تھا اور ان سے بات بھی کرتا تھا مگر اس کے باوجود اس کے رویے میں ایک قسم کی دوری تھی۔ گل جھوٹی ہونے کے باوجود صبر کرتی تھی مگر دل چڑھتا ہی گیا وہ روتی اور چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتی۔ کبھی کبھی وہ کبیر شاہ سے بھی بدتمیزی کر جاتی تھی۔ اسے خاص طور سے صنفیہ سے چڑھتی اور وہ کبھی اس سے بدتمیزی کرتی تو فرہاد سے مار کھاتی

”کیسی خبر؟“

”شاید آپ کے دونوں سسٹے ایک ساتھ مل ہو جائیں۔ یعنی شوینز ٹیس میں داخلے کا اور رہائش کا۔“  
”وہ کیسے؟“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”میں نے بتایا تھا ایک، ڈال ہے جسے میں اکٹرا لانا لے جاتا ہوں، میں نے اس سے بات کی تھی۔ بس نے آپ سے ملنے کو کہا ہے۔ وہ آپ کو کام بھی دلا سکتی ہے اور اس کے ٹینٹ میں ایک کمرہ خالی ہے۔ مطلب رہائش کے لحاظ سے خالی ہے۔ فریچر اور دوسری چیزیں مکمل ہیں۔ آپ کو صرف اپنا ڈان سا مان لے جانا ہوگا۔“

”وہ اتنی آسانی سے مان گئی؟“ گل نے پوچھا۔  
”جی میم صاحب جیسے آپ مجھ پر اعتبار کرتی ہیں اسی طرح وہ بھی کرتی ہے۔ وہ مجھے کئی سالوں سے جانتی ہے۔“  
گل سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے کہا۔ ”میں سوچ کر بتاؤں گی۔“

”جیسے آپ کی مرضی میم صاحب۔“ منصور نے خوش دلی سے کہا۔ گل سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اسے یاد تھا کہ جب وہ اسٹیشن سے باہر آئی تھی تو کوئی اسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ یہ غور سے دیکھنے والا منصور تھا اور اس کے انداز میں وہ بات نہیں تھی جو کسی خوب صورت عورت یا لڑکی کو دیکھ کر مرد کے انداز میں ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ منصور کی طرف آئی تھی۔ اس کی چمکی جس نے کہا تھا کہ یہ ڈرائیور اسے ایسے ہی غور سے نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ اسے گل میں کوئی خاص بات نظر آئی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر گل نے ایک چانس لیا تھا اور اب اسے گت رہا تھا کہ اس نے شاید درست فیصلہ کیا تھا مگر وہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہتی تھی۔ اگر منصور کا مرضی میں میں اس سے کوئی تعلق رہا ہے اور وہ خود اس کی طرف آیا ہے تو یہ بات شک پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔ خطرے کے ساتھ ساتھ یہ گل کی کامیابی بھی ہو سکتی تھی۔ آخروہ اسی لیے تو یہاں آئی تھی کہ ملنے کے بارے میں جان سکے۔

شہلا آفس کی طرف سے دوسرے شہر چلی گئی۔ وہاں اسے کسی ضروری میٹنگ میں شرکت کرنا تھی۔ اس نے رات گئے گل کو کال کی۔ وہ کچھ دیر پہلے تک باری ہوئی بیٹھی تھی اور سونے سے پہلے اس نے کال کر کے گل کو صرف اپنی خیریت کی اطلاع دی اور یہ بتایا کہ شاید گل بھی اس کی واپسی نہ ہو سکے اور ممکن ہے اسے بات کرنے کی فرصت بھی نہ ملے۔ گل مایوس ہوئی تھی کیونکہ وہ بے تاب تھی۔ وہ شہلا سے مشورہ

خدا اب۔ خدا اب۔  
کر کے جلد از جلد کوئی فیصلہ کر کے اس پر عمل کرنا چاہتی تھی۔  
اب منصور نے خود اس سے رابطہ کر لیا تھا اور اسے جلد ہی کوئی رد عمل دینا تھا۔ زیادہ دیر اسے ٹھکوک کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆

زویا ان عورتوں میں سے تھی جو بہر صورت اپنی مرضی کرتی ہیں اور کسی بھی انجام کی پروا نہیں کرتیں۔ جب وہ گھر سے نکل اور نا ہو آئی تو کئی مہینے تک عادل کو اس کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ اس نے زویا کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ایسے کامیابی نہیں ملی۔ جبکہ زویا یہاں منصور کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس کے پاس رقم تھی اور انہوں نے ایک چھوٹا قیثہ کرائے پر لیا تھا۔ وہ دونوں خود کو میاں بیوی ظاہر کر کے کھلے عام گناہ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان دنوں منصور نہ صرف اس کے خرچ پر گزارہ کر رہا تھا بلکہ اس نے دل بھر کر اس کے حسن سے خوشہ چینی کی تھی اور جب زویا کو احساس ہوا کہ وہ اسے صرف اپنی مطلب براری کے لیے استعمال کر رہا ہے تو اس نے رفتہ رفتہ اس سے دور ہونے کی کوشش شروع کی اور سب سے پہلے اس نے اس عمارت میں قیثہ میں شیئر کے ساتھ کرا حاصل کر لیا جہاں اب وہ اپنے قیثہ میں رہ رہی تھی۔

یہ کام اس نے منصور سے پوچھے بنا اور اس سے چھپ کر کیا تھا۔ جب منصور کو پتا چلا اور اس نے وجہ پوچھی تو زویا نے چالاکی سے کہا کہ وہ نہیں چاہتی کہ کسی دن وہ دونوں ساتھ رہتے ہوئے پکڑے جائیں اور حدود کے تحت سزا پائیں اس لیے ان کا الگ رہنا ہی بہتر تھا۔ منصور کے پاس اس دیش کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ زویا سے جس حد تک مستفید ہو سکتا تھا ہو چکا تھا۔ اس نے بظاہر خوش دلی سے اس کا یہ فیصلہ تسلیم کر لیا۔ وہ ٹیکسی چلاتا تھا اس نے یہاں یہ دھندا شروع کر دیا۔ جان بچاؤ پہلے سے تھی۔ اس نے چند موٹی پارنیاں پکڑ لیں جو اسے آنے جانے کے ساتھ ساتھ زبانی بند رکھنے کا معاوضہ بھی دیتی تھیں۔ پھر اس نے ترقی کی اور کب کبھی میں نوکری کر لی۔ کیسب چلانے کا یہ فائدہ تھا کہ اس میں آمدنی زیادہ تھی اور خرچ کچھ بھی نہیں تھا۔ بلکہ ٹپ اور خاموش رہنے کا معاوضہ بھی زیادہ ملتا تھا اور پولیس والوں سے بھی جان چھوٹ گئی تھی۔

منصور سے چھٹکارے کے بعد زویا نے شوینز ٹیس میں کامیابی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے۔ وہ خوب صورت اور بے ناک تھی اس لیے اسے کام حاصل کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ مگر صرف خوب صورتی اور بے

جاسوسی ڈائجسٹ 267 جون 2015ء

Scanned By Amir

رویا نے عقارت سے اسے دیکھا۔ "تم مجھے معاف کرو گے۔"

عادل نے کوشش کی کہ رویا اس کی بات سن اور کچھ لے کر وہ سننے اور سمجھنے کے سوڈ میں نہیں گئی، اس نے بے عزت کر کے اسے گھر سے نکال دیا۔ پھر اس نے منصور سے رابطہ کیا اور اسے بتایا کہ عادل نے اسے تلاش کر لیا ہے اور اب وہ اسے واپس لے جانا چاہتا ہے۔ جواب میں منصور نے رکھائی کا مظاہرہ کیا تھا مگر رویا جانتی تھی کہ اسے کس طرح منایا جاسکتا ہے اور اس نے اسے منایا۔ رویا صرف مردوں کی حد تک ذہین تھی مگر منصور کا ذہن سازشی تھا، اس نے رویا سے کہا۔ "اگر تم عادل سے چھٹکارا چاہتی ہو تو اسے کسی لڑکی کے پتھر میں ملوث کرو اور اس طرح تمہیں آسانی سے خلع مل جائے گا۔"

"تڑکی کہاں سے آئے گی۔"

"تلاش کرو، شو بزنس کی دنیا میں زیادہ تر اکیلی لڑکیاں آتی ہیں اور ان سے کام لینا زیادہ مشکل نہیں ہوتا ہے۔ تمہیں زیادہ بھرتا ہے کہ وہ کام حاصل کرنے کے لیے ہتھیار بھی کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔" منصور کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"اگر ہم کوئی تڑکی تلاش کر لیتے ہیں تو اس سے کام کیسے لیں گے؟"

"تم لڑکی تلاش کرو اور باقی سب کچھ پر چھوڑ دو۔"

رویا نے لڑکی کی تلاش شروع کی۔ اس دن وہ ایک چھوٹے ایڈ کی شوٹنگ پر گئی۔ سیٹ پر کام کے دوران اس کی نظر ایک کونے میں بیٹھی رسالہ دیکھتی لڑکی پر گئی۔ وہ اچھی دلکش لڑکی تھی اور اس کا طبع بھی اچھا تھا۔ شوٹ کے بعد رویا اس کے پاس آئی اور اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کسی قدر اونگھی آواز میں بولی۔ "اف یہ شو بزنس بھی عذاب ہے۔ ایک معمولی سا شوٹ سارا دن کھا جاتا ہے۔"

"اس کے باوجود لڑکیاں اسے جوائن کرنا پسند کرتی ہیں۔" تڑکی نے کہا تو رویا نے اسے یوں چونک کر دیکھا جیسے اس کی موجودگی سے پہلے ہی بارواقت ہوئی ہو۔ اس نے بے تکلفی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہائے! میں رویا ہوں۔"

"ہاں۔" اس نے ہاتھ ملا دیا۔

"تم شوٹ پر ہو؟" رویا نے پوچھا۔

"جیسے، میں دیکھ رہی ہوں کہ عادل کیسے کام کرتی ہیں اور تم جھانکا کر رہی ہو۔"

تڑکی کے سہارے وہ ایک خاص حد سے زیادہ اوج پر نہیں جا سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کامیابی کے لیے صرف ماڈلنگ کافی نہیں ہے۔ اسے فی وی ڈراموں میں بھی کام حاصل کرنا تھا اور فیشن انڈسٹری سے بھی رابطے میں رہنا تھا۔ آنے والے چند سالوں میں اس نے خاصی حد تک ابتدائی مراحل سے گزرے تھے۔ مگر میں اس وقت جب وہ کامیابی کے لیے پراعتماد تھی، عادل نے اسے تلاش کر لیا۔ ایک رات وہ دیر سے اپارٹمنٹ میں آئی تو رابدراری میں عادل اس کا منتظر تھا۔ رویا اسے دیکھ کر ڈر گئی۔ "تم یہاں کیسے آئے اور کیوں آئے ہو؟"

عادل نے نرمی سے کہا۔ "مجھے تم سے صرف بات کرنی ہے لیکن تم اگر چاہو تو بنگامہ بھی کر سکتی ہو اور یہاں رہنے والوں کو پتہ چل جائے گا کہ تمہارا ایک شو بزنس ہے۔" رویا نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے مگر تم اپنی بات کرو اور یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

وہ اسے اندر لے آئی مگر بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ حال ہی میں رویا نے یہ فلیٹ خریدا تھا اور اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے اسے خود کو کئی بار فروخت کرنا پڑا تھا۔ عادل نے اندر آ کر فلیٹ دیکھا اور سنی خیر انداز میں بولا۔ "اگر یہ تمہارا ہے تو یقیناً اس رقم میں تو کام چلا نہیں ہوگا جو تم گھر سے لے کر بھاگتی تھیں۔"

"کام کی بات کرو۔" رویا نے سخت لہجے میں کہا۔

"بھول جاؤ کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"

"تو کیا نہیں ہو؟"

"اگر ہوں بھی تو اب میں اس رشتے کو نہیں مانتی اور بہت جلد میں خلع لے لوں گی۔"

"بے شک کیوں نہیں لیا؟"

"کیونکہ میں ڈراما مصروف تھی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے تم اتنی آسانی سے خلع لے سکو گی۔"

"عدالت میں آنا تو پتہ چل جائے گا۔" رویا بولی۔

"آج کل یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے۔"

عادل سنجیدہ ہو گیا۔ "سنو رویا تم جس راستے پر جا رہی ہو اس کا خاتمہ بالآخر کسی گڑھے پر ہوتا ہے۔ اب کبھی وقت ہے میرے ساتھ چلو اور اپنے گھر میں رہو۔ میں تم سے کوئی حساب طلب نہیں کروں گا نہ رقم کا اور نہ تمہارے شب و روز کا۔" تڑکی نے کوئی خطا کی ہے تو میں وہ بھی معاف کر دوں گا۔"

اخراجات شیئر ہو جائیں گے۔ ان دنوں اس کے پاس زیادہ کام نہیں ہے اور وہ مالی لحاظ سے ٹھک ہے۔ ریل مان گئی، اگلے دن وہ ہوٹل سے سامان لے کر زویا کے اپارٹمنٹ میں منتقل ہو گئی۔ وہ اپارٹمنٹ دیکھ کر خوش ہوئی تھی کیونکہ وہ اپنے ساتھ جو رقم لائی تھی اسے کفایت شکاری سے استعمال کر رہی تھی، اس کے باوجود وہ جس ہوٹل میں رکی تھی وہاں اخراجات خاصے اور معیار بہت کم تھا۔ یہ اپارٹمنٹ اس کے متعلقہ میں کبھی زیادہ بہتر تھا۔ ریل نے زویا سے کہا۔

”میں کرایہ دوں گی۔“

”نہیں بس تم بلوں اور یونین میں شیئر کر لینا۔“ زویا نے انکار کیا۔ ”میں نے تمہیں خود آفر کی تھی۔ تم نے تو نہیں کہا تھا۔“

”پھر بھی مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے اور میں کرایہ دے سکتی ہوں۔“

”ابھی تمہیں چانس حاصل کرنا ہے اور اس میں نہ جانے کتنا وقت لگ جائے۔ تم اپنی رقم بچا کر رکھو۔ ہاں اگر تم کمانے لگ جاؤ تو پھر میں تم سے کرایہ لوں گی مگر ابھی نہیں۔“ ریل اس کی بہت زیادہ شکر گزار تھی۔ اسے کالج کے زمانے سے شو بزنس میں دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ کالج میں بھی وہ آرٹ میں دلچسپی لیتی تھی اور خاص طور سے اس نے ڈرامے بہت کیے تھے۔ اس کی فرینڈز اس کی تعریف کرتی تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ وہ اداکارہ بن سکتی ہے۔ رفتہ رفتہ بہت سی باتوں سے اس کا ذہن بن گیا۔ حویلی میں اسے ماں کے حوالے سے بہت سی باتیں سننے کو ملتی تھیں اور اس کے اندر غم سا بھرتا رہا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ شو بزنس میں آئے گی۔ ماڈلنگ کرے گی اور ڈراموں میں کام کرے گی اور جب اس کا خاندان کے حوالے سے شہرہ ہو گا تو ان لوگوں کو مزہ آئے گا جو اپنی نام نہاد عزت لیے بیٹھے تھے۔ صنیعہ اور فریاد نے ریل اور گل کی نصیحت کی بھی شدید مخالفت کی تھی، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ انہیں حویلی میں قید کر دیں۔ اگر انہیں کبیر شاہ کی حمایت حاصل نہ ہوئی تو ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا۔ گریجویٹن کے بعد وہ حویلی واپس آئی تو یہاں کے ماحول میں اس کا دم زیادہ گھٹنے لگا۔ بالآخر وہ حویلی سے نکل گئی۔ اس نے بہانہ ملازمت کا کیا تھا اور شہر آنے کے بعد اپنا موبائل فون بند کر دیا تھا بس کبھی کبھی موبائل کچھ دیر کے لیے آن کر کے گل کو ایس ایم ایس کر دیتی یا اس کے ایس ایم ایس دیکھ لیتی تھی۔ اب وہ زویا کے ساتھ تھی۔

”جینک یو۔“ زویا ادا سے بولی۔ وہ کچھ ہی دیر میں ریل سے بے تکلف ہو گئی تھی اور اس نے اسے ساتھ کچ کی دعوت دی۔ ریل مان گئی۔ زویا اسے کچ کے لیے ایک ریستوران میں لائی۔ کھانے کے دوران ریل نے اسے بتایا کہ وہ شو بزنس میں کام کرنا چاہتی ہے مگر اس میدان میں بالکل نئی ہے۔ زویا نے اس سے کہا۔

”دیکھو یہاں کامیابی کے لیے روئی مگر ہیں۔ ایک تم دوسروں کو خوب صورت لگو۔ یعنی تمہیں صرف خوب صورت ہونا ہی نہیں چاہیے بلکہ نظر بھی آنا چاہیے۔ دوسرے تمہیں نئے والے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ چاہے تمہیں اس کے بدلے کوئی بھی قیمت دینی پڑے۔“

”مجھے موقع مل سکتا ہے۔“

”کیوں نہیں، تم خوب صورت ہو اور نظر بھی آتی ہو، تمہیں موقع ملے گا مگر اس موقع کو اپنی کامیابی میں تمہیں خود بدینا ہوگا۔“

ریل اس کی باتوں سے متاثر ہوئی تھی۔ ”لگتا ہے تم شو بزنس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو؟“

”ہاں۔“ وہ بے پروائی سے بولی۔ ”کیونکہ میں کئی سال سے اس شعبے میں دھمکے عارضی ہوں۔“

”جیسے زویا اس سے بات کر رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ ریل اس کے کام کے لیے موزوں ترین لڑکی ہے۔ گھنگو کے دوران ریل نے بتایا کہ وہ ایک ہوٹل میں تھیرے مگر اسے رہائش درکار ہے۔ زویا نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”میرے پاس فلیٹ ہے اور اس میں ایک بیڈروم خالی ہے۔ میں اسلی رہتی ہوں، میرے لیے ایک بیڈروم کافی ہے اگر تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔“

”ریل نے حیرت سے کہا۔ ”تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو اور مجھے اپنے ساتھ ٹھہرنے کی دعوت دے رہی ہو۔“

”مجھے انسان کی پہچان ہے، اتنے عرصے اس شعبے میں دھمکے آ کر میں نے یہ نہیں تو سیکھ ہی لیا ہے۔“

ریل تیار نہیں تھی مگر زویا نے اصرار کر کے اسے آمادہ کر لیا کہ وہ اس کے ساتھ ٹھہرے۔ اس نے ریل کو بتایا کہ وہ اسلی رہتی ہے اور اس سے ملتی جلتی نہیں ہے، کم سے کم کوئی اس سے ملنے اس کے گھر نہیں آتا ہے اور نہ ہی اس کے ہاں بڑبڑوں کا آنا جاتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ سکون سے رہے گی۔ پھر وہ اس کے ساتھ رہے گی تو زویا اس کے لیے موقع تلاش کر سکے گی۔ زویا نے اپنا فائدہ یہ بتایا کہ اس کے کچھ

”وہ ظالم تھا؟“

”ایسا ویسا، آج بھی میری پشت پر اس کی مار کے نشان ہیں۔ میرا ہونٹ اتنی ہار پھنکا کہ جب میں شو بزنس میں آئی تو مجھے اس کی سر جری کرانی پڑی۔ اسے میرے احساسات اور جذبات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ رات گئے آتا اور اپنا کام کر کے دوسری طرف منہ موڑ کر سو جاتا۔ سمجھ لو میں اس کی ملازمہ تھی۔ ہمارے درمیان پانچ سال تعلق رہا اور یہ پانچ سال میں نے جس الیمت میں گزارے اس سے میں ہی واقف ہوں۔“ زویا کہتے ہوئے یوں گہری سانس لے رہی تھی جیسے اپنے اندر کے اپناں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ اس کی اداکاری تھی اور نہ اس نے اب تک جو بولا تھا اس میں نانوے فیصد جھوٹ تھا۔ ریل نے آہستہ سے کہا۔

”مجھے افسوس ہوا سن کر۔“

”اس بات کو کئی سال گزر چکے ہیں مگر اب وہ شخص دوبارہ میرے پیچھے آرہا ہے۔ اس کا کہنا ہے وہ کسی صورت مجھے نہیں چھوڑے گا اور اس کے پیچھے فٹلے آئے دن مجھے تنگ کرتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اس کے خلاف طلع کا کیس نہ کروں۔“

”رٹن چوگی۔“ تم نے پہلے نہیں بتایا، کیا حال تیا میں کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟“

”ہاں، کل میں شوٹ سے آرہی تھی تو ایک بانیگ سوار میرے پیچھے لگ گیا اور ایک سٹنٹل پر اس نے میرے پاس رک کر مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے عادل کے خلاف کورٹ میں جانے کی کوشش کی تو میرے ساتھ اچھا نہیں ہوگا۔“

”تم پولیس میں رپورٹ کرو۔“

”ہماری پولیس بھی مظلوم کا ساتھ دیتی ہے۔“ زویا نے سنجی سے کہا۔ ”بہر حال میں نے اس کے خلاف کورٹ میں جانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور میں وہاں درخواست کروں گی کہ مجھے اس سے جان کا خطرہ ہے۔“

”سنو اگر میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں تو مجھے ضرور بتانا۔“ ریل نے غلوں سے کہا۔ ”میرا تعلق ایک ہا رموخ خاندان سے ہے اور میں اوپر سے پولیس پر دباؤ ڈالوا کر اسے سیدھا کر سکتی ہوں۔“

زویا نے چونک کر اسے دیکھا اور جلدی سے بولی۔ ”نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری بھی خاصی جان بچان ہے مگر میں نہیں چاہتی کہ معاملے کی شہرت ہو اور بات میڈیا میں آئے۔ اس سے میری پروفیشنل لائف کو نقصان ہو

زویا ہر تیسرے چوتھے دن اسے مختلف شو بزنس ایجنسیوں میں لے جاتی تھی مگر فی الحال اسے کام نہیں ملا تھا۔ اس کے دوسرے اسکرین ٹیسٹ ہوئے تھے اور نتیجہ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ مگر زویا اس کی ہمت بندھاتی رہتی تھی۔ ریل نے محسوس کیا کہ دل سے تو زویا یہ ظاہر کر سکتی تھی مگر ریل نے اس کی زندگی میں کوئی ٹینشن نہیں کی۔ کبھی کبھی وہ کھو سی جاتی تھی اور اس کا چہرہ بے تاثر ہو جاتا تھا۔ ایسے میں ریل کو واضح محسوس ہوتا کہ ماضی میں اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔ اسے یہاں آتے ہوئے تیسرا ہفتہ تھا۔ ایک شام وہ ٹیرس میں بیٹھی تھی کہ ریل نے اچانک پوچھا۔ ”تم نے اپنے ماضی کے بارے میں نہیں بتایا۔“

وہ پھٹکے انداز میں مسکرائی۔ ”میرے ماضی میں بتانے والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔“

”سوری اگر تمہیں برا لگا تو۔۔۔“

”نہیں نہیں۔“ زویا اس کی بات کاٹ کر بولی۔ ”یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں ماضی کے جس عذاب سے بچنا چھڑا کر یہاں آئی اور اس دنیا میں شامل ہوئی اس نے میرا بچپنا نہیں چھوڑا ہے، وہ میرا بچپنا کرتا ہوا یہاں تک آ گیا ہے۔“

”کون؟“

”میرا شوہر۔“ زویا نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”رٹن حیران ہوئی۔ ”تم شادی شدہ ہو تم نے کبھی بتایا نہیں۔“

”کیونکہ میری شادی خوشی کا سودا نہیں تھا۔“ زویا نے تضحیح لہجے میں کہا۔ ”میری زندگی کا بد صورت ترین حصہ ہے، کوئی اپنی بد صورتی کسی دوسرے کو دکھانا پسند نہیں کرتا۔“

”سوری، میں نے تمہیں سید کر دیا۔“ ریل نے خدامت سے کہا۔ ”ارے نہیں۔“ زویا جلدی سے بولی۔ ”تم اپنے اوپر جو جھمت لو۔ عادل سے میری شادی میری بد قسمتی ہی تھی۔“

”عادل؟“

”میرے شوہر کا نام ہے۔ وہ عمر میں مجھ سے دس سال بڑا ہے لیکن میں سال بڑا لگتا ہے۔ اس میں سوائے پیسے کے اور کوئی خوبی نہیں تھی۔ میرے سروا لے لڑکیوں کو بھیڑ بھریاں سمجھتے ہیں جس کو کھونٹے سے دل جا ہا زندہ دیا۔ میں صرف اٹھارہ سال کی تھی جب مجھے اس گھٹیا شخص کے حوالے کر دیا گیا تھا۔“



تھی اور ایک سٹریٹ میں تھا۔ اب اس نے ہر ابرو دانی دکان بھی  
 لے لی تھی اور اس کے پاس صبح سے شام تک مختلف اوقات  
 میں تین سٹریٹس میں ہوتے تھے۔ زویا کی اچھ ٹیم شادی بلکہ  
 فرار کے بعد وہ خاصا ڈسٹرب رہا تھا مگر پھر اس نے خود کو  
 سنبھال لیا۔ ساتھ ہی وہ اسے تلاش بھی کر رہا تھا۔ اس کے  
 رشتے داروں نے تو کہا تھا کہ وہ پولیس میں رپورٹ کر  
 دے مگر اس کا دل نہیں مانتا پھر زویا کے حوالے بھی اس کے  
 سامنے روئے دھوئے تھے کہ اس صورت میں پولیس انہیں  
 شک کرے گی اور ان کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ وہ عادل کے  
 ساتھ تھے اور انہوں نے بھی زویا کی تلاش میں خاصی سرگرمی  
 دکھائی تھی، دو روز کے رشتے داروں تک معلوم کر لیا مگر وہ  
 نہیں ملی۔ سسہ یہ تھا کہ وہ بالکل تاریکی میں تھے اور انہیں  
 قطعی ظلم نہیں تھا کہ زویا گھر سے کیوں نکل اور کہاں گئی تھی؟

عادل نے اپنے ذرائع استعمال کیے اور پتہ بھی خرچ  
 کیا۔ پولیس میں اس نے زویا کے اغوا کی رپورٹ کھوئی  
 گئی۔ رفتہ رفتہ وہ پتہ ہو گیا اور ایک وقت آیا کہ اس نے  
 اپنی تلاش بند کر دی۔ وہ جانتا تو وہ سری شادی کر سکتا تھا۔  
 بے شک اس کی عمر زیادہ تھی مگر وہ صحت مند تھا اور اس کے  
 پاس چھٹا بھی تھا مگر اس نے شادی نہیں کی شاید اسے امید تھی  
 کہ زویا واپس آ جائے۔ پھر زویا اتفاق سے اسے نظر آ گئی  
 اور وہ سامنے نہیں آئی تھی بلکہ اس نے اسے ٹی وی کے ایک  
 اشتہار میں دیکھا تھا۔ اشتہار معمولی سا تھا اور درحقیقت ٹی  
 وی نہیں بلکہ ٹیلی پرینٹ پر چھاپا تھا۔ اس میں زویا نے خاصی بے  
 نیکی سے پروڈکٹ سے زیادہ اپنی نمائش کی تھی۔ عادل اسے  
 دیکھ کر اچھل پڑا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس کی مفروضہ بیوی  
 اسے ٹی وی پر نظر آئے گی۔ اس کے بعد اسے تلاش کرنا  
 زیادہ مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔

اس کا ہاتھ حاصل کر کے عادل جب اس سے ملنے پہنچا  
 تو اسے اندازہ ہو گیا کہ زویا اس دلدل میں بہت گہرائی تک  
 اتر چکی ہے جسے شو بزنس کہتے ہیں۔ اسے دکھ ہوا تھا اور اپنے  
 ساتھ کیا ہوا دھوکا بھی یاد آیا اس کے باوجود وہ زویا کو محاف  
 کرنے اور ساتھ رکھنے کو تیار تھا۔ مگر جب زویا سے بات کی تو  
 اسے اندازہ ہوا کہ وہ کسی صورت واپس جانے اور اس کے  
 ساتھ رہنے کو تیار نہیں تھی۔ عادل نے اس کے بعد بھی اس  
 سے دو بار ملاقات کی اور ہر بار زویا نے اس سے طلاق کا  
 مطالبہ کیا۔ عادل کو احساس ہو گیا کہ یہ ٹیلی منڈے چڑھنے  
 والی نہیں ہے تو اس نے زویا سے کہا۔ ”تم بھول جاؤ کہ میں  
 تمہیں طلاق دوں گا۔ اگر تمہیں طلاق حاصل کرنا ہے تو تمہیں

دل بھجھ رہی تھی اس لیے وہ اس سے متفق ہوئی۔ اگلے  
 دن وہ ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی چھوڑی تھیں کہ ایک ہائیٹ  
 تیزی سے ان کی گاڑی کے آگے آئی اور اس سے سوار اتر کر  
 تیزی سے ان کے پاس آیا۔ یہ جگہ سنسان تھی، مگر زویا بے  
 وقت پر ایک نہ باری تو گاڑی ہائیٹ سے اتر جاتی۔ دل کو  
 فصد آیا تھا مگر زویا کا سفید رنگ دیکھ کر وہ چونکی اور اس نے  
 پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“

”یہ وہی آدمی ہے۔“ زویا نے کہا۔  
 آدمی پاس آیا اور اس نے کھڑکی پر بھتے ہوئے  
 درشت لہجے میں زویا سے کہا۔ ”لگتا ہے تجھے یوں سمجھ میں  
 نہیں آئے گا۔ عادل کے پاس واپس ملنی جاو نہ کی دن  
 تیرے اس حسینا چہرے پر تیرا ب پڑے گا اور تو کسی کو منہ  
 دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔“

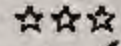
دل کا خیال تھا کہ زویا ڈر جائے گی مگر بس نے تیز  
 لہجے میں کہا۔ ”میں نے پولیس کو درخواست دے دی ہے کہ  
 اگر مجھے کوئی نقصان ہوا تو ذمے دار عادل ہو گا اور جلد اس  
 سے عدالت میں ملاقات ہوگی۔“

پولیس کا سن کر آدمی چونکا اور کچھ دیر اسے گھورنے  
 کے بعد تیزی سے ہائیٹ پر سوار ہو کر اسے دوڑا لے گیا۔ یہ  
 بھی ایک ڈراما تھا اور ہائیٹ ۱۱۱ منظر تھا۔ ڈراما اسی کا تیار  
 کیا ہوا تھا اور زویا اس پر غصے کر رہی تھی۔ دل جو کبھی تیلی تھی  
 اس نے سکون کا سانس لیا۔ زویا نے کہا۔ ”تم نے دیکھا  
 دل، پولیس کا سن کر وہ ڈر گیا۔ دل اور اس کے آدمی بڑول  
 ہیں اگر میں ان کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو جاؤں تو یہ میرا  
 سامنہ نہیں کر سکیں گے۔“

”مگر یہ معاملہ خطرناک ہے ہم پولیس میں رپورٹ کر  
 دو۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اب مجھے عادل سے  
 ہٹکارے کے لیے بس کے خلاف کسی ثبوت کی ضرورت  
 ہے جو میں عدالت میں دوں تو مجھے یہ آسانی ظلع مل  
 جائے۔“

”کیسا ثبوت؟“  
 ”یہی کہ عادل کا کسی اور عورت سے پھر ہے۔“  
 دل نے چونک کر زویا کو دیکھا تھا۔



عادل اپنے میڈیکل اسٹور پر تھا۔ چند سالوں میں  
 اس نے خاصی ترقی کر لی تھی۔ پہلے اس کے پاس ایک دکان



نہیں آیا تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ شوہر نہیں میں سے اسے  
خوب صورت تو ہوتی ہے۔ زنا نے پہلے ہی ایک کونے  
والی میز پر صل کر لی تھی جہاں وہ زیادہ لوگوں کی نظروں میں  
آئے بغیر بات کر سکتے تھے۔ وہ کسی قدر زوریں لگی۔ اس نے  
رمیات کے بعد کہا۔ ”اگر زویہ کو علم ہو گیا کہ میں اس وقت  
آپ کے ساتھ ہوں تو وہ پھر میری صورت بھی نہیں دیکھے  
گی۔“

عادل نے چائے اور اسٹیکس کا آرڈر دیا اور اس  
سے پوچھا۔ ”آپ نے کہا تھا کہ زویہ کوئی بڑی غلطی کرنے  
جاری ہے۔“

دل نے سر ہلایا۔ ”زویہ سے مجھے پتا چلا ہے کہ کوئی  
شخص اسے بہکا کر ڈین ایسٹ لے جاتا ہے۔ وہ سمجھ  
رہی ہے کہ اس کا انٹرنیشنل کیریئر بن جائے گا مگر مجھے یقین  
ہے کہ وہ شخص اسے اپنی مطلب برآمدی کے لیے استعمال  
کرے گا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہاں... عورتوں کا  
تیسے استحصال کیا جاتا ہے۔“

”میں سمجھتی ہوں۔“ عادل نے خندنی سانس لی۔

”لیکن یہ بات تو زویہ کو سمجھانے والی ہے اور آپ کا کیا  
خیال ہے میں نے اسے سمجھایا نہیں ہوگا۔ میں تو آخری حد  
تک چلا گیا۔ اپنی انا اور خودداری سب اس کے سامنے ڈھیر  
کر دی کہ وہ واپس آجائے میں سب بھول جاؤں گا۔ مگر وہ  
سمجھنے والی عورت ہوتی تو یوں مجھے دھوکا دے نہ سکتی جاتی۔  
میں نے اس کے لیے کیا نہیں کیا، اس کی ہر خواہش پوری  
کی۔ اسے بچے پسند نہیں تھے میں نے اس کی بات مان لی۔  
اس نے جتنا مانگا اور جب مانگا میں نے دیا اور جواب میں  
اس نے مجھے کیا دیا؟“ عادل کا لہجہ بگڑ گیا۔

دل جو یہاں کچھ اور سوچ کر آئی تھی اس کے انداز پر  
چونک گئی۔ اسے عادل کے انداز میں سچائی اور درد نظر آیا  
تھا۔ گفتگو کا رخ مزید اور عادل اسے بتانے لگا کہ زویہ نے  
اس کے ساتھ کیا کیا تھا۔ جب زویہ ایک کھٹے بعد وہاں سے  
آئی تو اسے لگا کہ زویہ نے اسے بہت کچھ غلط بتایا ہے اور  
اسے استعمال کیا ہے۔ مگر اس نے کسی بھی موقع پر عادل کو  
احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ کسی منصوبے کے تحت یہاں آئی  
ہے۔ اسے معلوم تھا کہ زویہ نے ان کی تصویریں سینے کا  
بندوبست کیا ہوا ہے تاکہ اسے عادل کے خلاف ثبوت ملے  
اور وہ اسے عدالت میں پیش کر کے خلع کا کس جیت سکے۔  
وہ واپس آئی اور اس نے زویہ سے صاف گوئی سے کہا۔  
”عادل تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہا ہے۔“

کورٹ جاتا ہوگا اور وہاں میں قہار سے وہ سارے کثرت  
عدالت کے سامنے رکھوں گا جو مختلف چینلز پر آتے رہتے  
ہیں۔“

یہ ظاہر ایسا لگا تھا کہ زویہ اس کی دھمکی کو خاطر میں نہیں  
لائی تھی۔ مگر اب تک اس نے خلع کا کس بھی فائل نہیں کیا  
تھا۔ عادل دکان پر تھا کہ اسے ایک اجنبی نمبر سے کال آئی،  
اس نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف کوئی عورت تھی۔ اس  
نے پوچھا۔ ”عادل صاحب۔“

”بات کر رہا ہوں۔“  
”میرا نام فریحہ ناز ہے اور میں زویہ کے ریفرنس سے  
بات کر رہی ہوں۔“

”زویہ۔“ عادل نے بد مزگی سے کہا۔ ”اب وہ کیا  
چاہتی ہے؟“

”میں جانتی ہوں اس نے آپ کو چھوڑا ہے اور بہت  
بڑی غلطی کی ہے مگر اب وہ اس سے بڑی غلطی کرنے جا رہی  
ہے۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر وہ سمجھنے کے  
لیے تیار نہیں ہے۔“

”تپ میں کیا کر سکتا ہوں۔ بیوی بس وہ نام نہاد ہی  
ہے۔“

”تپ آپ اسے طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟“  
”اگر آپ نے اسی لیے کال کی ہے تو...؟“  
”نہیں، کلمیز، میری بات سنیں، میں آپ سے ملنا  
چاہتی ہوں۔“

”میرے گھر آ جائیں۔“  
”نہیں اگر آپ شہر تک آسکیں تو بہتر ہوگا، ہم کسی  
ہوٹل یا ریسٹوران میں مل سکتے ہیں۔“  
”آپ زویہ کو کیسے جانتی ہیں؟“

”میں بھی شوہر کے ساتھ لیلڈ میں ہوں اور ابھی ہاتھ  
پاؤں مار رہی ہوں۔ اتفاق ہے کہ زویہ سے دوستی ہو گئی ورنہ  
وہ کسی سے دوستی نہیں کرتی ہے۔“

”ٹھیک ہے جب آپ مجھ سے کہنا چاہتی ہیں۔“  
”یہ میں ملاقات پر بتا سکوں گی۔“  
”ٹھیک ہے آپ بتادیں کہاں ملنا پسند کریں گی اور  
وقت بھی، میں آ جاؤں گا۔“

دہ رات بھی جو فریحہ ناز بن کر اس سے بات کر رہی تھی۔  
اس نے اسے وقت اور جگہ بتائی اور عادل مقررہ وقت پر  
دہل پہنچ گیا وہ رات کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ اس کی آواز  
خوب صورت تھی لیکن وہ خود اتنی حسین ہوگی عادل کو ڈیال

”اور اگر اس کی موت غیر طبعی ہو تو؟“ منصور کا لہجہ  
معنی خیر ہو گیا۔

”زویا نے چونک کر اسے دیکھا۔“ قتل...؟“  
”ہاں لیکن اس کا الزام تم پر یہ مجھ پر نہیں آئے گا۔“  
”زویا سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے ہنچکا کر کہا۔“ کیا یہ  
ضروری ہے؟“

”نہیں مگر اس صورت میں عادل جلد یا بدیر تمہیں  
عدالت میں بھیج لے گا اور تم جو بات میڈیا سے چھپانا چاہ  
رہی ہو وہ سامنے آ جائے گی۔ اس سے بچنے کی ایک یہی  
صورت ہے کہ عادل زندہ نہ رہے۔“

”زویا کانپ گئی تھی۔“ قتل... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اُس  
پکارے گئے تو مزائے موت ہوگی۔“  
”اول تو کوئی ہمارا تعلق ثابت نہیں کر سکے گا۔ الزام  
رٹل پر آئے گا۔“

”رٹل پر... دو کیسے؟“  
”میں نے کہا نا سب مجھ پر چھوڑ دو اور جیسا میں کہوں  
دیا کرتی جاؤ۔ پھر دیکھنا تم ان پر ابھڑے کیسے نکلتی ہو۔“

”زویا نے محسوس کیا کہ اس کے پاس اس کے سوا اور  
کوئی چارہ نہیں ہے۔ وہ مان گئی اور اگلے روز پھر منصور سے  
ملنے اسی ہوٹل میں پہنچی۔ منصور نے اسے ایک چھوٹی سی شیشی  
دی۔“ اس میں بہت زرد اثر زہر ہے۔ بس چند قطرے اور  
آدمی دتینا سے پار۔ اس کا کوئی ذائقہ اور بو نہیں ہے، کسی بھی  
کھانے یا پینے کی چیز میں ڈال کر دیا جا سکتا ہے۔ بہت ہی  
مہنگا ہے اور بڑی مشکل سے ملا ہے۔“

”زہر گمرا سے استعمال...“  
”رٹل کرے گی۔“ منصور نے کہا۔ ”اب تم غور سے  
سنو۔ تم نے کیا کرتا ہے۔“

منصور اسے بتانے لگا اور زویا غور سے سن رہی تھی۔  
اسے چند ایک بار اختلاف ہوا مگر منصور نے اسے مطمئن کر  
دیا تھا۔ زویا ہوٹل سے نکلی تو زہر کی شیشی اس کے پاس میں  
رہی۔

☆ ☆ ☆

عادل اپنے گھر میں تھا اور بے چینی سے نشست گاہ  
میں ٹہل رہا تھا۔ کال ٹیل گئی تو وہ تیزی سے دروازے تک  
آیا۔ دروازہ کھولا تو باہر رٹل موجود تھی۔ اس نے عہدیا نقاب  
سمیت پہنا ہوا تھا اور آنکھوں پر سن گلاس تھا وہ تیزی سے  
اندھا آئی اور عادل نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ مضطرب لہجے  
میں بولا۔ ”آپ نے گھر میں ملاقات کا کہہ کر مجھے مشکل

جاسوسی ڈائجسٹ 274 جون 2015ء

”اسے تو کوئی اور کہانی ہی سنانی ہے، وہ تمہیں  
حقیقت تو بتانے سے رہا۔“ زویا نے اطمینان سے کہا۔ ”اس  
کی زبان میں ایسی ہی تاشیر ہے کہ عورتیں بہت جلد اس کی  
مطلوبیت پر یقین کر لیتی ہیں لیکن یہ میں جانتی ہوں کہ اندر  
سے وہ کیا ہے۔“

گھر رٹل نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ اس پکر سے خود کو  
دور کر لے گی، وہ بولی۔ ”سنو، میں اس معاملے میں نہیں پڑنا  
چاہتی۔“

”زویا پریشان ہو گئی۔“ تم پیچھے ہٹ رہی ہو۔“  
”ہاں کیونکہ مجھے پہلے جیسا اطمینان نہیں ہے۔ صرف  
تمہاری خاطر میں عدالت میں جانے کو بھی تیار ہو گئی تھی مگر  
اب مجھے لگ رہا ہے کہ میرا اس معاملے میں جتنا مناسب  
نہیں ہے۔ دوسرے اگر یہ تصویریں میڈیا پر آئیں تو اس  
سے میرے خاندان پر بڑا اثر پڑے گا۔“

”زویا نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔“ ابھی تک تو  
تم خاندان کے خلاف نہیں اور اب تمہیں ان کا خیال  
آ رہا ہے۔“

”ہاں کیونکہ گھر کی عزت آپ کی عزت ہوتی ہے اگر  
آپ اپنے گھر کو بے عزت کر دے تو خود بے عزت ہو جاؤ  
گے۔“

رٹل کے اس یارن نے زویا کو پریشان کر دیا تھا۔  
اسے لگا کہ رٹل اب نہیں مانے گی اور اس کا منصوبہ ناکام ہو  
جائے گا۔ زویا نے التجا کی۔ ”پلیز میرا ساتھ دو۔“

”میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں لیکن اس طرح سے  
نہیں۔“ رٹل نے واضح کیا۔ زویا اپنے کمرے میں آئی اور  
اس نے منصور کو کال کی۔

”کیا ہوا؟“ منصور نے پوچھا۔  
”وہ پیچھے ہٹ گئی ہے۔“  
☆ ☆ ☆

زویا اور منصور ایک ہوٹل میں بیٹھے تھے۔ جب سے  
رٹل زویا کے پاس آئی تھی وہ باہر ہی ملتے تھے۔ زویا نے  
اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ منصور نے کہا۔ ”اب ایک  
ہی راستہ رہ گیا ہے۔“

”وہ کیا؟“  
”یہ میں تمہیں کل ہی ہوٹل میں بتاؤں گا۔ لیکن اس  
سے پہلے ایک بات بتاؤ اگر عادل مر جائے تو تمہیں کوئی فرق  
تو نہیں پڑے گا؟“

”میری بلا سے وہ کل کا مرنا آج مر جائے۔“

کتی ہے۔“  
 ”کچھ نہیں ہے لیکن اگر یہ میڈیا پر آگئیں تو میرا  
 خاندان بدنام ہوگا۔“  
 ”آپ فکر مت کریں، وہ آپ کو دھمکا رہی ہے اور  
 آپ پریشان ہو کر یہاں دوڑی آئیں۔ ان تصویروں میں  
 ایسی کوئی بات نہیں ہے جو میڈیا کے لیے کشش کا باعث  
 ہو۔“

”پلیز عادل صاحب۔“ ریل رو ہانسی ہوتے گئی۔  
 ”آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کتنی مشکل میں ہوں۔“  
 ”آپ زیادہ ہی پریشان ہیں۔“ عادل نے کہا۔  
 ”میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔“  
 کچھ دیر بعد عادل دو گلاسوں میں کولڈ ڈرنک لے  
 آیا اس نے ایک گلاس ریل کے سامنے رکھا۔ ”پلیز یہ لیں  
 اس سے آپ کی طبیعت بہتر ہوگی۔“  
 ”شکریہ۔“ وہ بولی پھر جھپکا کر کہنے۔ ”کیا ایک گلاس  
 پانی مل سکتا ہے۔“

”میں لاتا ہوں۔“ عادل نے کہا اور کمرے سے نکل  
 گیا اس کے جاتے ہی ریل نے تیزی سے پرس سے وہی  
 شیشی نکالی جو منصور نے زویا کو دی تھی اور جس میں مہنگ  
 زہر تھا۔ اس نے سوچا پھر آگے بڑھ کر عادل کے گلاس میں  
 چند قطرے نکا دیے۔ جس وقت وہ شیشی پرس میں واپس  
 رکھ رہی تھی عادل پانی کا گلاس لے کر آگیا۔ اس نے شکر یہ  
 کہا کہ پانی کا گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔  
 عادل اس کے سائڈ والے صوفے پر آگیا اور اپنا کولڈ  
 ڈرنک کا گلاس اٹھا لیا مگر کولڈ ڈرنک پینے کے بجائے اس  
 نے ریل سے کہا۔ ”آپ ہانکل بے فکر ہیں۔ ان تصویروں  
 سے آپ کو کیا آپ کے خاندان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ایک  
 بار یہ عورت کورٹ میں آجائے تو میں اس کی اصلیت کھول  
 سکوں گا۔“

”شاید اسے ان باتوں سے کوئی فرق نہ پڑے کیونکہ  
 وہ عزت و بے عزتی کی حدوں سے دور جا چکی ہے۔ اس کے  
 نزدیک صرف اس کا مفاد ہی سب کچھ ہے۔“  
 ”یہ اب نہیں ہے شروع سے تھا جب وہ میری بیوی  
 تھی۔“ عادل نے غمی سے کہا اور گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

☆☆☆

گل کیب سے اترنے لگی تو منصور نے کہا۔ ”سیکنڈ  
 فلور پر کونے کا دائیں طرف والا آخری فلیٹ ہے۔ نمبر تین سو  
 بیس ہے۔“

میں ڈال دیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میں اکیلا رہتا ہوں  
 اور شریف آدمی ہوں۔ کسی نے آپ کو آتے یا جاتے دیکھ لیا  
 تو اس سے میری ریپویشن خراب ہوگی۔“  
 ”میں سمجھتی ہوں مگر میں مجبور تھی۔“ ریل نے بے چینی  
 سے کہا۔ ”زویا کو مجھ پر شک ہو گیا ہے اور شاید وہ میری  
 گھرائی بھی سراہ رہی ہے۔“  
 ”تب اسے معصوم ہو سکتا ہے کہ آپ یہاں میرے  
 پاس آئی ہیں۔“

”میں راستہ طویل تھا اور میں نے خیال رکھا ہے کہ  
 کوئی پیچھے نہ آ رہا ہو۔ میں ایک جگہ سے آئی تھی اسے یہاں  
 کے مین بازار میں چھوڑ دیا اور وہاں سے رکشالے کر یہاں  
 تک آئی ہوں۔ رکشا بھی میں نے گلی کے سرے پر چھوڑ دیا  
 تھا اور آپ کے گھر کی کال تکل بجانے سے پہلے اطمینان کر  
 لیا تھا کہ گلی میں کوئی نہیں ہے۔ اگر اس پاس کے گھر سے کوئی  
 نکل آتا تو میں اندر آنے کے بجائے یہاں سے چل دیتی۔“  
 عادل نے سکون کا سانس لیا اور اسے اندر لے آیا۔  
 ”یہ آپ نے اچھا کیا۔“

ریل نے چہرے سے غائب بنا دیا تھا اور سن گلاس بھی  
 اتار دیے بنا ہر گزری تھی اور اسے پسینا آ رہا تھا۔ عادل نے  
 اسے ہی چلا دیا تو کراہنگ ہونے لگا۔ مگر ریل کو اس خشکی سے  
 سکون نہیں ملا۔ اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ اندر  
 سے شدید مضطرب ہے۔ عادل اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔  
 اس نے پوچھا۔ ”آپ پریشان لگ رہی ہیں؟“

”اسی لیے تو میں یہاں تک آئی ہوں۔“ وہ بولی۔  
 ”عادل صاحب میری آپ سے انتہا ہے کہ آپ زویا کو  
 طلاق دے دیں۔“  
 عادل کا چہرہ تن گیا۔ ”آپ اس کی وکیل بن کر آئی  
 ہیں؟“

”نہیں، نہیں، بد قسمتی سے میں خود اس چکر میں آگئی  
 ہوں، یہ دیکھیں۔“ ریل نے اسے اپنے بیک سے ایک لفافہ  
 نکال کر دیا۔ عادل نے لفافہ کھولا تو اس میں چند تصاویر  
 تھیں۔ ان میں ریل اور عادل ہونے میں موجود تھے اور تمام  
 تصویروں میں ان کے چہرے نمایاں تھے۔ اس نے تصاویر  
 دیکھ کر سوالیہ نظروں سے ریل کو دیکھا۔ وہ بولی۔ ”پتا نہیں  
 کیسے یہ تصاویر لی گئیں اور زویا نے مجھے دی ہیں۔ اس نے  
 دھمکی دی ہے کہ اگر آپ نے اسے طلاق نہیں دی تو وہ ان  
 تصاویر کو کورٹ میں استعمال کرے گی۔“

”ان میں کیا ہے جو وہ انہیں کورٹ میں استعمال کر

”تم نہیں آؤ گے۔“

”نک بھی ممکن ہو۔“

”آئی ایم ویری ٹھیک فل ٹویو۔ لیکن میں جو سب سے  
لوں گی اس کا معاوضہ ادا کروں گی۔ سیری مرادر ہاش سے  
ہے۔“

”مجھے ضرورت نہیں ہے۔“ زویا نے انکار کیا۔ ”ہاں  
تم چاہو تو ہوں اور دوسرے اخراجات میں شیکر کر لیتا۔ کھانا  
بنانے کے لیے لیکن اور سزا سامان ہے۔ تم جو کھانا چاہو اس  
کا سامان لے آؤ یا باہر سے پسند ہو تو منگوا لیا کرو۔“  
”تم نے پہلے بھی کسی کو ساتھ رکھا ہے؟“ گل نے  
سزہری سے انداز میں پوچھا۔

”میں اکیلی رہتی ہوں اور میری کوئی دوست یا واقف  
کار بھی نہیں ہے۔ اس کام کے لیے جاتی ہوں اور اس کے  
بعد صبر میں ایٹھا ہوتی ہوں۔ اس سے پہلے بھی کئی بار  
میں نے کسی لڑکی کو رکھے کا سوچا مگر پھر ارادہ ہلتی کر دیا کہ  
آج انسان اوپر سے کچھ ہوتا ہے اور نذر سے وہ کچھ اور نکلتا  
ہے۔“

”تم نے ٹھیک کہا لیکن پھر مجھ سے پتھر مے رکھنے پر  
کیوں راضی ہو گئیں؟“

”میں نے اصل میں منصور پر اعتماد کیا ہے، میں اسے  
کئی سال سے جانتی ہوں اور اس سے ساتھ آئی جاتی رہی  
ہوں، اسے میں نے ہمیشہ اچھا اور پر خلوص شخص پایا ہے۔“

گل اس کے پاس لہجہ بہا آئیٹھٹا رکی۔ زویا نے  
اسے کولڈ ڈرنک کے ساتھ کچھ پیک ریفریجمنٹ پیش کی  
تھیں۔ لیکن کی حالت سے گھبرا گیا تھا کہ اسے شاید ہی  
استعمال کیا جاتا تھا۔ وہ لوں بیڈروم کے دروازے بند تھے  
اس لیے گل ان میں نہیں دیکھ سکی تھی البتہ جانے سے پہلے  
زویا نے اسے وہ بیڈروم دکھایا جو اس نے پہلے رٹا کو بھی دیا  
تھا۔ بیڈروم گل کو پسند آیا تھا مگر اس نے زویا سے کہا کہ وہ  
اسے سوچ کر جواب دے گی۔ اس نے گل کے منصور کو  
بلایا اور اس نے اسے ہوٹل چھوڑ دیا۔ وہاں سے وہ دوسری  
فلیسی میں شہلا کے گھر تک گئی۔ وہ بھی تک نہیں آئی تھی۔  
اس نے گل کو بتایا تھا کہ شاید آج رات تک اس کی واپسی  
ہو۔ گل بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔  
صاف نے اس سے ڈر کا پوچھا مگر اس کا موڈ نہیں تھا۔ اس  
نے شہلا دکال کی تو وہ ان پورٹ سے یہ روانہ ہو چکی تھی او۔  
راستے میں تھی۔ اس نے گل سے کہا۔

”میں دو گھنٹے بعد تمہارے پاس ہوں گی۔“

”ٹھیک ہے میں صاف سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ کچھ

”نہیں ہی میرا کیا کام ہے اور میں نے زویا کی بی بی کو  
بتا دیا تھا۔ اب آپ جا کر ان سے ملیں۔ اگر نہیں تو میں  
رک جاتا ہوں یا آپ بعد میں مجھے کال کر سکتی ہیں۔“

گل نے سوچ اور پوئی۔ ”نہیں تم جو ڈاکر ضرورت  
ہوئی تو میں تمہیں کال کر لوں گی۔“

گل بیڈروم سے اوپر آئی۔ دوسرے فلور پر آ کر اس  
نے مطلوبہ پارٹمنٹ کی کال پیل بجائی۔ اس کے پاس صرف  
ایک پرس تھا اور اس کا سامان بدستور شہلا کے گھر تھا مگر اس  
نے منصور پر یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ ہوٹل میں مقیم ہے۔ کال  
پیل کے جواب میں زویا نے دروازہ کھولا اور ایک لمبے کو وہ  
چونک گئی۔ اسے لگا کہ رٹل اس کے سامنے آئی ہو۔ دونوں  
ہوٹل میں بہت زیادہ مشابہت تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی  
رہی اور گل اس کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر اس نے چونک کر کہا۔  
”سوزی، میرا نام زویا ہے اور تم یقیناً۔“

”رٹا۔“ گل نے اپنا وہی نام بتایا جو اس نے منصور  
کو بتایا تھا۔

”آؤ اندر آؤ۔“ زویا نے پیچھے ہٹ کر اسے راستہ  
دیا۔ گل اندر آئی اور اس نے قینت کا جائزہ لیا۔ داخلی دروازہ  
لاؤنج میں تھا، اس کے ایک طرف اوپن امریکن کچن تھا۔  
دوسری طرف ڈرائنگ روم اور اس کے مخالف سمت دو عدد  
بیڈروم تھے۔ فرنیچر اور آرائشی اشیائیں اور اچھے ذوق کی  
تھیں۔

”تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے۔“ گل نے  
تعریف کی۔

زویا خوش ہوئی۔ ”میں نے خود سب چیزیں لائی ہیں  
اور اپنا اپارٹمنٹ ڈیکوریت کیا ہے۔“  
”تمہارا ذوق بھی اچھا ہے۔“

زویا اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ ”منصور تمہارا  
تھا۔ تم شوپز میں آنا چاہتی ہو اور تمہیں مستقل رہائش کی  
ضرورت بھی ہے؟“

”ہاں ہوٹل میں رہنے میں مسئلہ تو نہیں ہے مگر وہاں  
گھر کا سکون اور پرائیویسی نہیں ہوتی ہے اور ایٹھا لڑکی ایک  
عد سے زیادہ ہوٹل میں رہ بھی نہیں سکتی۔“

”میں سمجھتی ہوں جب میں یہاں آئی اور شوپز میں  
یا کچھ پاؤں مار رہی تھی تو میں نے بھی ایسی ہی پر ایلو نہیں کی  
تھی۔“ زویا نے کہا۔ ”اسی لیے جب منصور نے تمہارا ڈر  
کیا تو میرے دس میں خیال آیا کہ تمہارے کام تو ان جہاں

نے میرے پاس ہتھیار دیکھ لیا تو وہ چونکا ہو سکتے ہیں۔  
”جیسے تمہاری مرضی۔ مگر تم چوتیس گھنٹے میں لازمی دو  
پارچھ سے فون یا ایس ایم اس پر رابطہ کرو گی ورنہ میں  
تمہیں گولی کہ تم خیریت سے نہیں ہو۔“

”اوکے، میں دو ہزار ترقی رابطہ کروں گی۔“ گل نے  
اس سے وعدہ کیا۔ ”میں نے سوچ لیا ہے گل اسے اپنی  
آدھی سے آگاہ کر دوں گی اور پھر گل ہی اس کے مگر شفٹ  
ہو جاؤں گی۔“

”تم نے رش کے حوالے سے شو پرنس کا ہی کیوں  
سوچا؟ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ کوئی اور حادثہ پیش آیا ہو؟“  
”حوالی میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ رش شو بڑ میں دلچسپی  
رکھتی ہے اور وہ یہاں کام کرنا چاہتی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ  
پاپا اسے بھی اجازت نہیں دیں گے اس لیے وہ وہاں سے  
جھوٹ بول کر نکلی تھی مگر میں جانتی تھی کہ وہ کیوں جا رہی  
ہے۔ اس وجہ سے میں نے اس کی تلاش شو پرنس سے مشتعل  
لوگوں سے کی۔ اب تک مجھے کامیابی نہیں ملی ہے اور ہو سکتا  
ہے کہ کامیابی نہ ملے مگر میں کوشش ضرور کروں گی۔“

”جب میں دعا کروں گی کہ تمہیں ناکامی نصیب ہو  
کیونکہ کامیابی کی صورت میں خود تم خضرے میں پڑ جاؤ  
گی۔“ شہلا نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر تم کسی سٹے میں پڑنا  
تو میں اپنے طور پر جو ہو سکا ضرور کروں گی لیکن کوئی ایسا کام  
جو تم مجھ سے کروانا چاہو۔“

گل نے سر ہلایا۔ ”اگر میں بھی رش کی طرح غائب  
ہو جاؤں اور نہ ملوں تو تم حویلی کال کر کے بابا کو سب بتا  
دیتا۔“

”میں بتا دوں گی۔“  
”اب تم آرام کرو مسلسل کام اور تر کر کے چھک گئی ہو  
گی۔“

☆☆☆

”میں نے بیڈ روم صاف کر دیا ہے۔“ زویا نے  
دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”مگر تمہیں کوئی کی محسوس ہوتو بتا  
دیجئے۔“  
”کوئی مسئلہ نہیں اگر ہوا تو میں خود صاف کر لوں  
گی۔“

”یہ الماری ہے اور اس کی چابیاں اس میں لگی ہیں۔  
یہ کمرے کے باک کی چابی ہے۔“ زویا نے خوب صورت کی  
چین میں لگی چابی اسے تھمائی۔ پھر واش روم دکھایا۔ گل کا  
سامان منصور اور پر تک پہنچا کر چلا گیا تھا۔ کمر اور واش روم

بلکا پھلکا مٹانے ہم ساتھ ڈنر کریں گے۔“

”مجھے گیارہ بج سکتے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں، لیٹ سکتی۔“

شہلا پونے گیارہ تک آگئی تھی۔ صائمہ نے ان کے  
سے چکن سیکرونی تیار کی تھی۔ ان دونوں کو سیکرونی پسند تھی۔  
وہ اپنے باؤل لے کر ڈائننگ میس صوفے پر آگئیں اور کھانے  
کے دوران گل نے شہلا کو اپنی کارگزاری سے آگاہ کیا۔ وہ  
شکر ہو گئی۔ ”تمہیں یقین ہے رش کا ان دونوں سے کوئی  
تعلق رہا ہے؟“

”لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔ منصور کا بلا وجہ میری مدد پر  
آبادہ ہونا اور اس کے کہنے پر زویا نامی اس ماڈل گرل کا مجھے  
ساتھ رکھنے اور شو بڑ میں مدد دینے پر آبادہ ہونا کچھ بضم نہیں  
ہو رہا ہے۔“

”ضروری نہیں ہے معاملہ مل کا ہی ہو، انہیں تم سے  
کوئی اور منہ دہی ہو سکتا ہے۔“  
”اس کا تو اسی صورت میں پتا چھے گا جب میں وہاں  
جا کر رہوں گی۔“

شہلا نے گہری سانس لی۔ ”یعنی تم نے فیصلہ کر لیا  
ہے۔“  
”ہاں میں ایک جائس تولوں گی۔“  
”تو کب اس کے گھر منتقل ہو رہی ہو، کیا نام بتاؤ تم  
نے ماڈل گرل کا؟“

”زویا نام ہے۔ میں نے اس کے ہارے میں کچھ  
تحقیق کی ہے۔ یہ تیسرے درجے کی ماڈل گرل ہے جو عام  
طور سے کہیں ٹی وی کے اشتہارات میں کام کرتی ہے۔“

”اچھی زندگی کیسی ہے؟“  
”بہ ظاہر تو سبھی ہوئی نظر آتی ہے مگر خود اسی کا کہنا ہے  
کہ آدی خود پر خوں چڑھا کر رکھتا ہے۔“  
”یعنی حفاظت کا تم نے کیا سوچا ہے؟“

”تم جانتی ہو کہ میں کہاں رہتی ہوں اور میرا مقصد کیا  
ہے۔ اور میں نے سوچا ہے کہ ایک چھوٹا اور سادہ موبائل  
فون لے جاؤں گی اور اسے وہاں نہیں چھپا دوں گی۔ کہ اگر  
میرے ساتھ کوئی سازش کی جائے اور مجھ سے موبائل چھین  
لیا جائے تب بھی میں رابطہ کر سکوں۔“

”میرا خیال ہے تمہیں کوئی ہتھیار ساتھ رکھنا  
چاہیے۔“  
”میرے پاس ہتھول ہے لیکن میں رکھوں گی نہیں،  
تمہارے پاس چھوڑ کر جاؤں گی۔“ گل نے کہا۔ ”اگر کسی

کے لیے سب کمزور نے کوتاہیوں۔ گل نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”تمہاری ٹیلی میں پہلے کسی نے شو بڑ میں کام کیا ہے؟“ زویا نے اچانک ہی پوچھا تو گل نے چونک کر اسے دیکھا اور کسی قدر زور سے انداز میں بولی۔

”نہیں میں پہلی لڑکی ہوں جو اس فیلڈ میں آئی ہے ورنہ ہمارے خاندان میں اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔“

زویا کے ہونٹوں پر عجمی مسکراہٹ آگئی۔ ”اس ملک کی ٹاپ کئی برٹیز عام طور سے ان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں جو نام نہاد عزت رکھتے ہیں اور وہاں تصور بھی نہیں کیا جاتا ہے کہ ان کے سر کی کوئی عورت شو بڑ کا رخ کرے گی۔“

گل نے سر ہلایا۔ ”یہ ہزاری معاشرتی منقبت کا منطقی نتیجہ ہے۔“

زویا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”تم مجھ سے متفق ہو؟“

”بالکل اس میں نہ ماننے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم تو وی اسکرین پر دوسری لڑکیوں اور عورتوں کو بہت شوق سے دیکھتے ہیں گراہی عورتوں کے لیے ہم پسند نہیں کرتے کہ وہ بیوی پر آئیں۔“

”اوہ، تو اسی وجہ سے شو بڑ میں آتا چاہتی ہو؟“

”نہیں مجھے شوق ہے اور مجھ میں ٹیلنٹ ہے۔“ گل نے جواب دیا۔

”اے خاندان والوں کی مرضی سے آئی ہو؟“

گل مسکرانے لگی۔ ”اگر خاندان والوں کی مرضی سے آئی ہوتی تو مجھے رہائش کے لیے جگہ تلاش کرنی پڑتی۔ اسی شہر میں ذاتی بنگلے کر رہ سکتی تھی۔“

چائے کے بعد زویا نے رات کے کھانے پر اسے دعوت دی۔ ”تم میرے سر آئی ہو، آج میری مہمان ہو، ہم باہر ڈنر کریں گے۔“

گل مان گئی۔ شام کے چھوٹے رہے تھے۔ زویا نے اس سے کہا۔ ”تم سات بجے تک تیار ہو جاؤ۔ میں شاور لینے جا رہی ہوں۔“

وہ سات بجے گھر سے نکلیں۔ زویا کے پاس ایک چھوٹی اور چند سال پرانی کار تھی مگر یہ خاصی اونچی حالت میں تھی۔ وہ نزدیک آنے جانے کے لیے ہی کار استعمال کرتی تھی۔ انہوں نے ایک اچھے ریسٹوران میں ڈنر کیا اور اس دوران میں دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے پس منظر کے

دیکھ کر وہ سامان لے کر امد آئی۔ جب وہ سامان رکھنے لگی تو زویا کمرے سے چلی گئی۔ گل نے اپنا سامان الماری میں سیٹ کیا۔ جب وہ اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی تو اسے عجیب سا احساس ہوا جیسے یہاں اس کے لیے کچھ ہے۔ البتہ وہ یہ نہیں جان سکی کہ اس کے لیے یہاں کچھ اچھا تھا یا اسے کوئی خطرہ لاحق تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ یہاں تک تو آگئی تھی۔ اب اسے معلوم کرنا تھا کہ منصور اور زویا ہی ریل کی گم شدگی کے ذمے دار تھے اور اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟

گل کے ذہن میں ابھی کچھ واضح نہیں تھا کہ اسے یہاں کیا کرنا ہے۔ اس کے خیال میں انتظار کرو اور دیکھو کی پالیسی ہی بہتر تھی۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے شہلا کو پہلا ایس ایم ایس کر دیا کہ وہ یہاں پہنچ گئی ہے۔ اس نے جس موبائل سے پیج کیا تھا یہ چھوٹا سا اور استعمال میں آسان تھا۔ اس کی بیٹری بھی دیر تک چلتی تھی۔ مگر اس نے پیج کر کے موبائل آف کر دیا اس طرح بیٹری بہت زیادہ عرصے تک چل سکتی تھی۔ گل نے اسے الماری کے پیچھے موجود چھوٹے سے خلا میں ڈال دیا۔ اب کوئی آسانی سے اسے یہاں تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی، پھر زویا۔۔۔۔۔۔ چائے لیے امد آئی اور اسے گگنھایا۔ ”تم چائے پیتی ہو؟ ویسے میں شام کی چائے پسند کرتی ہوں۔“

”ہاں ہا قاعدگی سے نہیں لیکن کبھی کبھی اور اگر اچھی بنتی ہو۔“

”تم شو بڑ میں کیا کرنا چاہتی ہو؟“ زویا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

گل نے شانے اچکائے۔ ”ایوری ٹھنک، تم جانتی ہو یہاں آنے والی ہر لڑکی ٹاپ ماڈل بننا چاہتی ہے اور شہرت کی بیڑی لٹی وی ہے۔“

زویا نے سر ہلایا۔ ”تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ اس شہبے میں کامیابی کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، خاص طور سے ایک لڑکی کو۔“

زویا نے ”بہت کچھ“ اور ”ایک لڑکی“ پر بہت زور دیا تھا۔ گل نے سادگی سے کہا۔ ”خاہر ہے جب میں یہاں کام کرنے آئی ہوں تو مجھے معلوم ہے کہ یہاں کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔“

”بہت سی ایسی روایات اور چیزیں جنہیں ہم اہمیت دیتے ہیں، ان کی یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔“

”میں سب سمجھتی ہوں اور تم قہر مت کرو میں کامیابی

خواب سراپ

رہکار ڈچیک کیا۔ مگر گل نے جو ایس ایم ایس کیے تھے وہ اس نے ڈیلیٹ کر دیے تھے اسی طرح شہلانے اسے جوابی ایس ایم ایس کیے تھے اس نے وہ بھی ڈیلیٹ کر دیے تھے۔ موبائل کی فون بک بھی خالی تھی۔ انہیں مایوسی ہوئی۔ زویا نے کہا۔ ”یہ تو کچھ نہیں ہوا۔“

”اس کا دوسرا موبائل دیکھو۔“ منصور نے کہا تو زویا نے سر ہانے سائڈ ڈور پر رکھا گل کا اسٹارٹ فون اٹھایا اور اسے آن کرنا چاہا تو اس پر سیکورٹی کوڈ لگا ہوا تھا۔ زویا نے منصور کو دکھایا تو اس نے سر ہلایا۔ ”یہ نارمل بات ہے لیکن اس کا یوں ایک اور موبائل چھپاتا ہے کہ دال میں کالا ہے اور یہ ہزاری جاسوسی کے لیے آئی ہے۔“

زویا پریشان ہوئی۔ ”تپ کیا کر رہا۔“  
”ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے اور پریشان ہونے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔“ منصور نے کہا۔ ”موبائل بالکل اسی طرح واپس رکھ دو اور اسے آف کر دو۔“

زویا نے ایسا ہی کیا اس دوران میں منصور نے کیرا ٹیب میں گلے رہنے دیا تاکہ اس کی کمزور ہونے والی بیٹری پھر سے چارج ہو جائے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے کیرا واپس کرسی میں فٹ کیا اور اسے دیوار پر لگا دیا۔ وہ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس چلے گئے۔ گل کو ان کی آمد کا ڈرا بھی پتا نہیں چلا تھا۔ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی اور اس کا سر بھاری بھور ہوا تھا۔ یہ خواب آور دووا کی وجہ سے تھا۔ اس نے اٹھ کر شاور لیا تو اسے اپنی حالت بہتر محسوس ہوئی۔ سب دیکھا ہی تھا جیسا رات اس نے سوتے وقت چھوڑا تھا اس لیے اسے شک نہیں ہوا کہ کوئی رات کو اندر آیا تھا۔ اس نے موبائل آن کیا تو اس میں شہلا کا ایس ایم ایس موجود تھا۔ جس وقت زویا موبائل کا شیٹن دبا کر اسے آف کر رہی تھی اسی وقت ایس ایم ایس آیا تھا اور وہ دیکھ نہیں سکی۔ ورتہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ کس سے رابطے میں ہے۔ اس نے شہلا کو ایس ایم ایس کیا تو اس کا فوری جواب آیا اور پھر اس نے پوچھا۔ ”تم نے رات کو موبائل آن کیا تھا؟“

”جی نہیں، بس تمہیں ایس ایم ایس کیا اور اسے آف کر کے سو گئی تھی، مجھے بہت نیند آ رہی تھی۔“

”جب میں نے جواب دیا تو فوری ڈیلیوری رپورٹ نہیں آئی تھی مگر ایک گھنٹے بعد ڈیلیوری رپورٹ آ گئی۔ جبکہ موبائل آن نہیں تھا تو رپورٹ کیسے آ گئی۔“

گل سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے ایس ایم ایس کیا۔  
”کل رات میں بہت تھک گئی تھی مگر مجھے آج صبح جگہ اتنی

ہارے میں بتایا۔ لیکن اس میں نصف سے زیادہ جھوٹ تھا کیونکہ دونوں ہی ایک دوسرے سے اپنا پس منظر چھپانا چاہتی تھیں۔ خاص طور سے گل نے سرے سے دل کا ذکر ہی نہیں کیا اور نہ ہی اپنے خاندان کے بارے میں کھل کر بتایا۔ وہ بس مبہم انداز میں بتاتی رہی کہ اس کا تعلق ایک امیر اور دولت مند جاگیردار گھرانے سے ہے۔ اسی طرح زویا نے اپنے پس منظر سے شادی کا ذکر غائب کر دیا۔ البتہ اس نے ڈھلے چھپے انداز میں اعتراف کیا کہ اسے اوپر آنے اور جیسا کمانے کے لیے کچھ ایسے کام کرنے پڑے جو معاشرے اور مذہب میں معیوب اور گناہ سمجھے جاتے ہیں مگر یہ شوبز کا ایک لازمی حصہ ہیں۔

گل کو لگا کہ وہ اسے خبردار کر رہی ہے کہ اگر اسے اوپر جانا ہے تو اسے بھی یہ سب کرنا پڑے گا۔ جواب میں گل نے بھی جیسے اسے اطمینان دلایا کہ وہ واقعی طور پر تیار ہو کر آئی ہے اور اسے کچھ ترگزرنے میں ڈرا بھی نہ لگے گی۔ وہ چاہتی تھی کہ زویا اس کے سامنے کھل جائے۔ اس لیے اپنے مزاج کے برخلاف باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ گل اس کے ساتھ ایسی مذاق بھی کر رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ واپس آئیں تو ان میں خاصی بے تکلفی ہو چکی تھی۔ دونوں تھک گئی تھیں۔ گل نے صبح سے خاصا ستر کیا تھا اور زویا بھی آج ایک شوٹ کرا کے آئی تھی۔ سونے سے پہلے دونوں نے چائے پی اور پھر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ گل نے شہلا کو مختصراً آج کی روواؤں کی پھر سونے کے لیے لکھی تو اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد دروازے کا لاک کلک کی آواز کے ساتھ کھلا اور زویا کے ساتھ منصور اندر آیا تھا۔ گل بے خبر سو رہی تھی کیونکہ اس نے جو چائے پی تھی اس میں خواب آور و دماغی ہوتی تھی۔ منصور نے ایک نظر گھوم کر گل کو صحت سے دیکھا۔ کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد منصور ایک طرف دیوار پر گئے شوپس کی طرف بڑھا۔ یہ بادبانی کرسی کا ماڈل تھا۔ منصور نے اسے اجرا اور اس کے اندر موجود چھوٹا سا اسپاکی کیرا نکال کر اسے سہیل کی مدد سے اپنے ٹیب سے منسلک کیا اور پھر اس کی ویڈیو چلا کر دیکھنے لگا۔ یہ جدید ترین اسپاکی کیرا تھا جو یو ایس بی سے نہ صرف ڈیجیٹل اور دیتا تھا بلکہ یہ اسی کی مدد سے اپنی بیٹری بھی چارج کر لیتا تھا۔

چند منٹ میں وہ ویڈیو میں اس جگہ پہنچ گئے جہاں گل الماری کے پیچھے موبائل چھپا رہی تھی۔ زویا نے اس جگہ سے موبائل برآمد کیا اور اسے آن کر کے گل اور ایس ایم ایس کا



بھی ہے۔ اس پر بھی تھی یقین شاید پھر خراب ہوئی یہ کوئی مسئلہ  
 ہوا تھا تو نکال دی تھی اور دوپہر لگائی نہیں۔ ویسے بھی  
 یہاں کوئی رہتا نہیں۔“  
 ”کوئی بات نہیں، میں نے ایسے ہی تہہ دیا۔ تم ٹینشن  
 مت لو۔“

”میں ہر بات کی ٹینشن لیتی بھی نہیں ہوں۔“ زویہ  
 نے سر دلیج میں کہا۔ گل خدوش ہو کر چائے پینے لگی۔ اس  
 نے کچھ دیر بعد کہا۔

”شاید تمہاری کوئی جاننے والی اس کمرے میں رہتی  
 رہی ہے۔“

”شاید مبینوں نزر گئے یہاں کوئی نہیں؟“ مگر تم کیوں  
 پوچھ رہی ہو؟“

”ڈریسنگ ٹیبل پر کچھ بال پڑے تھے۔ لائٹ گمرے  
 اور لیمے ہاٹ تھے۔“

”ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اس دوران میں اس  
 کمرے کی کئی بار صفائی ہو چکی ہے۔ وہ تمہارے اپنے بال  
 ہوں گے۔ تمہارے بال بھی تو اس رنگ کے ہیں۔“

”ہوسکتا ہے مگر میں نے برش نہیں کیا تھا اس لیے مجھے  
 لگا کہ یہ میرے بال نہیں ہیں۔“ گل نے سوچتے ہوئے کہا۔

زویہ کے بے ساختہ جواب پر اس نے سوچا کہ کس کے بعد  
 کمرے کی کئی بار صفائی ہو چکی ہے؟ ”ابھی دس، یہ بتاؤ کہ  
 مجھے یہ شیئر کرتا ہوگا؟“

”یونٹنی بلز اور یونین چارجرز میں شیئر کرنا ہوگا۔  
 کمانے کا میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ تم چاہو تو اپنا چیزیا لے  
 آؤ یہ پھر باہر سے کال کر کے بھی منگوا سکتی ہے۔ یہاں سب  
 ملتا ہے۔“

گل نے دیکھ لیا تھا کہ بچن میں سب کچھ ہے مگر اس کا  
 ارادہ اتنے لمبے عرصے رہنے کا نہیں تھا اس لیے اس نے باہر  
 سے منگوانے والا آپشن اختیار کیا۔ اس نے زویہ سے کہا۔

”میں باہر سے منگوانوں کی اور تمہارے پاس صفائی کرنے کا  
 سامان ہے، میں اپنے کمرے کی صفائی کرتا چاہتی ہوں۔“

”بالکل ہے۔“

جب تک گل نے چائے کے برتن دھو کر رکھے زویہ  
 صفائی کا سامان لے آئی۔ اس سے بات کرتے ہوئے جب

گل نے جان بوجھ کر بالوں کا ذکر کیا تو اسے خیال آیا کہ  
 اسے صفائی کر کے دیکھنا چاہیے۔ ممکن ہے اسے رٹل کے  
 حوالے سے کوئی سرخ ملے۔ آئیہ کمرے میں رہنے والے  
 کی درختوں ذاتی چیزیں سامان میں غائب ہو جاتی ہیں۔

آسانی سے نیند نہیں آتی چاہے تھی۔ میں بس بستر پر لیٹی اور  
 منہ سے بھی پینے سوئی تھی اور صبح تک میری آنکھ ذرا بھی  
 نہیں کھلی۔ ”مجھے کے بعد سر بھاری تھا۔“

”رات سونے سے پہلے تم نے کچھ کھا یا پینا تھا؟“  
 ”چائے پی تھی جو زویہ نے بنا لی تھی۔“

شہلا نے ٹکرمندہ چہرے کا سائن بنا کر کہا۔ ”گل مجھے  
 قہر ہو رہی ہے، تمہیں ان لوگوں کو شک نہ ہو گیا ہو۔“

”میں گمراہ لاک کر کے سوئی تھی۔“  
 ”اس کے پاس اضافی چابی ہوگی۔“

”یا نکل ہو سکتی ہے اور اندر کوئی چھٹی بھی نہیں ہے۔“  
 اب شہلا زیادہ ٹکرمندہ ہوئی۔ ”پلیز گل وہاں سے نکل  
 آؤ خود کو یوں خطرے میں مت ڈالو۔“

”میں نے خود کو خطرے میں ڈال لیا ہے۔“ اس نے  
 کہا۔ ”تم ہوشیار رہنا اب میں ہر چند کھینٹے بعد اکیس ایم ایس  
 کروں گی۔“

اس نے موہاگل میں موجود تمام ڈیٹا ڈیلیٹ کیا اور  
 اسے آف کر کے دوسری جگہ چھپا دیا۔ وہ باہر آئی۔ زویہ لائٹ  
 میں موجود تھی اور اس نے نائٹ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس نے  
 گل سے کہا۔ ”فریج میں انڈے ڈبل روٹی اور مارجرین  
 ہے۔ تم ہاتھ دینا۔“

”نہیں میں صرف چائے لانا گی، سر بھاری ہو رہا  
 ہے۔“

”رات شاید ٹھیک سے نیند نہیں آتی ہوں۔“  
 ”نہیں سوئی تو بے خبر تھی کہ صبح آنکھ بھی دیر سے کھلی۔“

گل نے کیتلی میں پانی رکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر رات کو کوئی  
 کمرے میں آ جاتا تب بھی مجھے علم نہ ہوتا۔“

زویہ نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ بے نیازی سے  
 چائے بنانے میں مگن ہوئی تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ”تم  
 چائے پوٹی؟“

”نہیں میں نے ڈسٹا کر لیا ہے۔“  
 گل چائے بنا کر اس کے سامنے آئی۔ ”ابھی باہر  
 آتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میرے کمرے میں اندر کی  
 طرف کوئی چھٹی نہیں ہے صرف ہینڈل لاک ہے۔“

”تم خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی ہو؟“  
 گل نے شانے اچکائے۔ ”نہیں ایک اجنبی جگہ آئی  
 ہوں تو قدرتی طور پر خیال آتا ہے، یہاں تمہارے کمرے میں  
 بھی اندر چھٹی نہیں ہے۔“

”میرے کمرے میں ہے اور دوسرے دروازوں پر

تاثرات دیکھو اور اس کا اندازہ لکھو۔ یہ دیکھو وہ موتی اپنے  
پرس میں رکھ رہی ہے، آخر کیوں؟“ کہتے ہوئے زویا کا چہرہ  
سفید پڑ گیا۔ ”منصور وہ جان گئی ہے کہ رمل یہاں آئی تھی۔  
اب کیا ہوگا؟“

منصور کے چہرے پر سفاک تاثرات نمودار ہوئے۔  
”دہی جو ہم چاہیں گے۔“

زویا نے نگلی میں سر ہلایا۔ ”وہ کسی کے راجے میں ہے  
یعنی کوئی جانتا ہے کہ وہ یہاں ہے۔“

”تم صرف ایک موبائل کی وجہ سے ایسا کہہ رہی  
ہو؟“

”ہاں ہم نے خود دیکھا کہ وہ کسی کو سچ کر رہی تھی اور  
پھر اس کے موبائل میں سچ فولڈرز خالی پائے گئے۔ اسے کیا  
ضرورت تھی یوں موبائل چھپا کر رکھے اور میسرز ڈیلیٹ کرنے  
کی۔“

وہ دونوں جیسے جیسے بحث کر رہے تھے۔ ان کے  
شبہات بڑھ رہے تھے کہ گل سب جان گئی ہے۔ اب اسے  
مزید پھوٹ دینا ان کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ زویا  
رونے والی ہو رہی تھی، اس نے الزام دینے کے انداز میں  
کہا۔ ”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔“

”احتیاط نہ پاتیں مت کرو۔“ منصور نے اسے جھڑکا۔  
”یہ اسی وجہ سے معلوم ہوا کہ ہم اسے یہاں لے آئے۔“

”اور اس نے یہاں آ کر اپنی بہن کی مالا کا موتی  
تلاش کر لیا۔“ زویا کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

”یہ بھی تمہاری حماقت تھی۔ کمرے کی مکمل صفائی  
کرنی چاہیے تھی۔ صرف سامنے سے صاف کر دینا کافی  
نہیں تھا۔“

کچھ دیر وہ دونوں جھگڑتے رہے پھر زویا نے کہا۔  
”خدا کے لیے اس مسئلے کا حل تلاش کرو۔“

”حل میں نے ما دیا ہے۔“ منصور کا لہجہ سرد تھا۔  
”اس کے بعد اس کی تلاش میں کوئی اور آئے گا۔ تم

جانتے ہو یہ کتنا دولت مند اور طاقتور خاندان ہے۔ اس کے  
اشارے پر ہم پولیس اسٹیشن میں ہوں گے اور وہاں چند  
گھنٹوں میں سب اگل چکے ہوں گے۔“

”اگر ہم نے کچھ نہ کیا تب بھی یہی ہوگا۔“ منصور نے  
اسے خبردار کیا۔ ”اس لیے بھرتے ہو جو میں کہہ رہا ہوں وہی  
کردار اس میں ہماری نجات ہے۔“

کسی قدر بحث کے بعد وہ ایک لائحہ عمل پر متفق ہو  
گئے۔ زویا کی حالت جڑی تھی مگر وہ منصور کا ساتھ دینے پر

کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کیا اور صفائی کرنے  
لگی۔ وہ انسی بیگھوں کی صفائی بھی کر رہی تھی جو پتلا ہر چھپتی  
ہوئی تھیں۔ جیسے ہماری کانچلا حصہ جس میں خلا تھا۔ اسی  
طرح بیڈ کی سائڈ درازوں کے نیچے بھی صفائی کی۔ پہلی  
دراز کے نیچے سے کچھ نہیں لگا مگر جب دوسری دراز کے نیچے  
برش مار رہی تھی تو اسے لگا کہ اس کے نیچے کچھ ہے۔

اس نے اس چیز کو نالے کی کوشش کی اور بڑی مشکل  
سے نیچے سے کتڑی کا بنا ہوا سیاہ موتی برآمد کیا۔ موتی دیکھ کر  
وہ کچھ دیر کے لیے سکتے میں رہ گئی کیونکہ کتڑی سے نئی سیاہ  
موتیوں کی یہ مالا خود اس نے رمل کو سالگرہ برگٹ کی تھی۔  
اب وہ جسے کی گنجائش نہیں تھی کہ رمل یہاں ظہری تھی۔ گل نے  
موتی احتیاط سے اپنے پرس میں رکھ لیا۔ اب اسے معلوم کرنا  
تھا کہ اس کی بہن کے ساتھ کیا ہوا، اگر وہ زندہ تھی تو کہاں تھی  
اور مر چکی تھی تو اس کی لاش کہاں تھی اور اس کی موت کن  
حالات میں واقع ہوئی، اس کا ذمے دار کون تھا؟ اس نے  
محسوس کیا کہ صرف انس ایم ایس سے کام نہیں چلے گا اسے  
خود جا کر شہلا سے مشورہ لینا چاہیے۔ وہ تیار ہو کر باہر آئی تو  
زویا نے پوچھا۔

”کنسا جا رہی ہو؟“  
”ہاں مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔“ گل نے بہانہ  
دیا۔

”منصور کو بلا لیا ہے؟“  
”نہیں، میں خود چلی جاؤں گی۔“ گل نے نشی میں سر  
ہلایا۔ ”او کے بائے۔“

جیسے ہی وہ کمرے سے نکلے زویا نے موبائل اٹھایا اور منصور  
کو کال کی۔ ”وہ اچانک کہتی گئی ہے۔ شاپنگ کا کہہ رہی تھی  
لیکن مجھے لگ رہا ہے کچھ اور چکر ہے۔“

”میں آ رہا ہوں۔“ منصور نے کہا اور کال کاٹ  
دی۔ وہ بیس منٹ بعد پارٹمنٹ میں تھا اور اس نے آتے ہی  
کسی میں چھپا ہوا کیمرا نکال کر اسے اپنے موبائل سے  
منسلک کیا اور جب وینڈیو اس حصے تک پہنچی جہاں گل نے  
صفائی کرتے ہوئے دراز کے نیچے سے سیاہ موتی نکالا تو وہ  
دونوں ہی اچھل پڑے۔ زویا نے منصور کی طرف دیکھا۔  
”وہ جان گئی ہے۔ اس کی سیاہ مالا میرے سامنے ٹوٹی تھی اور  
وہ افسوس کر رہی تھی کہ یہ اس کی بہن کا تھا تھا اس نے موتی  
سیٹ لیے تھے۔“

”صرف ایک موتی سے وہ جان جائے گی؟“  
زویا نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ”ڈرا اس کے

خدا اب میرا

سے پیدل چلنے والے بہت کم تھے اس لیے کسی نے دیکھا نہیں اور اگر دیکھا بھی تو نظر انداز کر دیا۔ آج کل کے حالات میں کوئی پرانے پھڑے میں ٹانگ ٹیکس اڑاتا ہے۔ منصور چار خانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا تھا کہ وہ خود گاڑی میں آگئی۔ منصور نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر آیا۔ گل نے خشک لبوں پر زہان پھیرتے ہوئے کہا۔ ”یہ کیا ہے، تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“

”خاموش بیٹھو۔“ زویا نے اب پستول نکال لیا تھا جو اس نے دوہنے تلے چھپا رکھا تھا۔

”تم لوگ ایسا کیوں کر رہے ہو؟“ گل نے انہماک سے کی کوشش کی۔ ”کیا مجھے لوٹنا چاہتے ہو؟“

”اتنی بھولی مت بنو۔“ منصور نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

”تم جان گئی ہو کہ ریل ہمارے ہاں آئی تھی۔“ زویا نے کھل کر کہا۔ ”ہمیں مضموم ہو گیا ہے تمہاں کی بہن گل ہو۔“

”یہ غلط ہے۔“ گل نے یوں تو منصور ہنسا۔

”زما اس کا پرس دیکھنا۔ اس میں اس کی دستاویزات ہوں گی۔“

گل نے ہتھیار ڈال دیے۔ ”اُس کے‘ میں مانتی ہوں کہ میں گل ہوں اور میں میری بہن ہے۔“

”اس کا پرس لے لو اور اس کی تلاش کرو، اس نے کوئی اور موبائل نہ چھپا رکھا ہو۔“

زویا نے اس کا پرس قبضے میں لے لیا اور اس کا جسم ٹھول کر اس کی تلاش کی۔ ”اس کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔“

”تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“ گل نے پوچھا۔ اس نے محسوس کیا کہ کب شہر سے باہر کی طرف جا رہی تھی۔

”اپنی بہن سے نہیں ملو گی۔“ منصور نے مستحق خیر لہجے میں پوچھا۔

”نہیں۔“ گل بے چین ہو گئی۔ ”وہ کہاں ہے؟ وہ ٹھیک تو ہے نا؟“

”وہ ہانگل ٹھیک ہے اور تم بھی ٹھیک رہو گی۔“ منصور نے کہا تو گل کے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی۔ نہ جانے کیوں اسے لگا کہ منصور کے الفاظ کا بہ ظاہر وہ مطلب نہیں تھا جو اس نے کہے تھے۔ کب اب شہر سے باہر دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ اس سڑک پر آبادی اور ٹریفک دونوں بہت کم تھے۔ جیسے جیسے وہ ویرانے کی طرف جا رہے تھے گل کا دل ڈوبتا جا رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ شاید اب وہ نہ بچ سکے۔ بالآخر

مجبور تھی۔ اس نے پوچھا۔ ”ہم اسے تلاش کیسے کریں گے؟“

”بہت آسانی سے۔“ منصور نے کہا۔ ”تم میرے ساتھ رہو اور دیکھتی جاؤ۔“

☆ ☆ ☆

گل باہر آئی اور ایک ٹیکسی روکی اور اسے شہلا کے گھر کا پتا بتایا۔ کچھ دیر بعد اسے خیابان آیا کہ شہلا تو اس وقت آفس میں ہوگی۔ اس نے ٹیکسی والے کو اس کے دفتر کا پتا بتا کر اس طرف چلنے کو کہا۔ راستے میں گل نے شہلا کو کانٹن کی کر وہ ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ پھر اس کا بیج آیا کہ وہ میٹنگ میں ہے۔ گل نے جوابی بیج میں بتایا کہ وہ ایمر جنسی میں اس سے ملنے دفتر آ رہی ہے۔ شہلا نے کہا کہ وہ اس کے دفتر میں انتظار کرے وہ اس وقت دفتر میں نہیں ہے بلکہ ایک اور سرکاری دفتر میں ہونے والی میٹنگ میں شریک ہے۔ گل اس کے دفتر پہنچی اور وہاں ڈیننگ روم میں انتظار کرنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا صرف ایک مولیٰ کو جوت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے اور اس پر زور دیا اور منصور کے خلاف کوئی کارروائی ہو سکتی ہے۔

وہ قانون کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی اسی لیے اسے شہلا سے مشورے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے انتظار کرتے ہوئے وہ کھٹے سے اوپر ہو گئے تھے۔ شہلا کا بیج آیا کہ اسے دیر ہو سکتی ہے۔ اگر وہ انتظار کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ بعد میں ملے گی۔ گل نے اسے بیج کیا کہ وہ انتظار کر رہی ہے۔ اس نے بیج ناشتا نہیں کیا تھا اور پھر تھوڑا بہت کام بھی کیا تھا تو اسے بھوک لگنے لگی تھی۔ اس نے سوچا کہ شہلا کے آنے میں دیر ہے کیوں نہ وہ آس پاس کھانا کھا کر لے۔ ایک بیچنے میں دس منٹ تھے اور بیج کا وقت شروع ہو گیا تھا۔ یہ سرکاری اور نجی دفاتر والا علاقہ تھا اور یہاں پرگی ایچے ریستوران اور ہوٹل تھے۔ وہ باہر آئی اور سڑک کر اس کے ایک ریستوران کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اچانک واٹس کیب آکر اس کے پاس رکی، اس کا مقبلی دروازہ کھلا اور زویا نے اتر کر کوئی چیز اس کے پہلو سے لگا دی۔

”چلو اندر بیٹھو۔“

یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ ساکت کھڑی تھی کہ منصور بھی اتر کر آ گیا۔ اس نے درشت لہجے میں کہا۔ ”اندر بیٹھو ورنہ ماری جاؤ گی۔“

”یہ ایسے نہیں مانے گی۔“ زویا نے دروازہ کھولا۔

”اسے اندر رکھا دو۔“

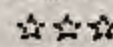
اس وقت سڑک پر زیادہ رش نہیں تھا اور خاص طور

سیب دریا کے ڈھلان سے ڈرا اور ایک بہت کے سامنے  
رہی۔ منصور نیچے اترا اور غمی دروازہ کھول کر گل کو بھیج کر اپنے  
اتار۔ گل نے اپنا بازو پھیرا۔  
”مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔“

منصور نے سر سے اسے دیکھا۔ ”کاش کہ  
ہمارے پاس کچھ وقت ہوتا تو تمہارے ساتھ اچھا وقت  
گزرتا۔“

گل کا چہرہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر سرخ ہو گیا۔  
اس نے دریا کی وادی میں اس شخص کو بے نقط سنا۔ زویہ  
اسے پتھوں سے ور کیے کھڑی تھی اور منصور نے بہت کا  
دروالہ کھولا۔ وہ اسے اندر لائے۔ بہت بڑا نہیں تھا، یہ ایک  
کمرے اور ایک زونٹ پر مشتمل تھا اور اندر سے پون صاف  
ساتھ تھا جیسے اس کی باقاعدگی سے دیکھ بھال ہوتی رہی ہو۔  
منصور اصل میں بیہوش رہتا تھا۔ یہ اس کے ایک واقعہ کار کا  
بہت تھا جو خود بیرون ملک تھا اور اس نے بہت منصور کے  
حوالے کیا ہوا تھا۔ لاؤنج میں حسرت کا ایک کسی قدر بڑا  
ٹریک رکھا تھا۔ یہ تین لٹ لبر، دو لٹ چوڑا اور ڈیڑھ لٹ  
اونچ تھا۔ زویہ نے گل کو تحلیل کر صوفے پر بٹھا دیا۔ اس نے  
پستول منصور کے حوالے کیا اور خود فریج سے بوتل نکال کر  
گلاس میں پانی ڈالا اور پی گئی۔ وہ بوتل رکھ رہی تھی کہ منصور  
نے کہا۔ ”اسے بھی پانی دو، اسے ضرورت ہے۔“

زویہ نے ہاتھ بڑھا کر بوتل اٹھائی لیکن اس بار اس  
نے دوسری بوتل اٹھائی اور اس سے گلاس میں پانی ڈال کر  
گل کے پاس لائی۔ سچ گل کا گلا خشک ہو رہا تھا اس لیے  
اس نے گلاس نے کراہت ہی سانس میں خالی کر دیا۔ منصور  
ایک طرف کرسی پر ان اور بیٹھ ہوا تھا۔ زویہ اس کے پاس  
میز پر تکیہ تھی۔ منصور نے کہا۔ ”تو اس گل تمہارے پاس اب  
چند منٹ ہیں کیونکہ تم نے ایک جھٹک نہر بنایا ہے اور  
تمہارے بچنے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے  
تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے بہن کے ساتھ کیا ہوا۔“



رنا عادل کے گھر سے نکلے تو اس کا رنگ زرد ہو رہا  
تھا۔ نقاب سے یہ زبردستی کسی کو نظر نہیں آتی مگر اس کی چال  
میں لڑکھاہٹ واضح تھی۔ وہ گل کے سر سے تک آئی  
جہاں زویہ عبا یا اور نقاب میں منصور کی گاڑی میں موجود تھی۔  
رنا بھی گاڑی میں آئی اور منصور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔  
زویہ نے پوچھا۔ ”کام ہو گیا بنا“  
”نہیں۔“ رنا نے ہوتوں پر زبان پھیری۔ ”بھری“

بہت نہیں ہوئی۔“  
منصور اور زویہ اچھل پڑے۔ زویہ نے بے ساختہ کہا۔  
”تم نے اسے زہر نہیں دیا۔“

اس بار رنا اچھل پڑی۔ ”وہ زہر تھا۔ جہاں کا شہرت  
میں نے ہاتھ مار کر اس کی کونڈ ڈرنگ گرا دی۔ مگر تم نے تو کہا  
تھا میں اس کی دوا ہے جو قوی طور پر انسان کو پگ گل بنا دیتا  
ہے۔“

زویہ نے رنا سے جھوٹ بولا تھا کہ اگر وہ چاہتی ہے  
کہ اس کی اور عادل کی تصویر عدالت اور میڈیا میں نہ چھٹی کی  
جائے تو وہ اس کا ساتھ دے اور عادل کو ایک دوڑے جس  
سے اس کا دماغی توازن عارضی طور پر خراب ہو جائے گا اور  
یوں زویہ کے پاس جواز ہوگا کہ وہ اس سے خلع لے سکے۔  
رنا کو معاندہ مشکوک لگ رہا تھا مگر وہ عروت میں پہننے ہی زویہ  
کا ساتھ دے کر پھنس چکی تھی۔ زویہ نے ڈھکے چھپے انداز میں  
اسے بتا دیا تھا کہ اگر اس نے ساتھ نہ دیا تو وہ عادل کے  
ساتھ اسے ٹوٹ کر کے ایسے انسانے بھی بنا سکتی اور میڈیا  
میں چھٹی کر سکتی ہے جس کے بعد رنا کسی کو نہ دکھانے کے  
قابل نہیں رہے گی۔ رنا تیار ہوئی مگر اس کی چھٹی جس اشارہ  
کر رہی تھی کہ اسے یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ اس نے بین اس  
وقت جب عادل کونڈ ڈرنگ کا گلاس منہ سے نگانے دانا تھا  
ہاتھ مار کر گلاس پیچھے کر دیا۔ کونڈ ڈرنگ کالمین میں جذب ہو  
گئی۔ عادل نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

”یہ کیا...؟“

”وہ آپ کے گلاس میں کیرا تیر رہا تھا۔ میں نے  
بروقت دیکھ لیا۔“ گل بولی۔ ”اور نہ آپ پی جاتے۔“  
عادل کو یقین نہیں آیا تھا مگر اس نے اخذ تو کچھ بہت  
سے کر پڑ گیا اور پھر رنا وہاں سے نکل آئی۔ اب وہ زویہ اور  
منصور کے ساتھ گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ زویہ نے غرمت  
سے کہا۔ ”کتنا، میرا منصوبہ تاکہ اس کا کھنا کر بھتی ہے کہ تو سچ  
جائے گی۔“

منصور نے کہا۔ ”یہ تم نے اچھا نہیں کیا اور اب تمہیں  
اس کا نتیجہ چھیننا ہوگا۔“

”کیسا نتیجہ؟“ رنا تیز لہجے میں بولی۔ ”گاڑی روکو  
اور مجھے بتا دو، اب میرا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔  
تمہارا جو دل چاہتے کرتے رہو۔“  
”ضرور۔“ منصور نے گاڑی ہائی وے سے کیے پاس  
اتار دیا۔ یہ جگہ ویران تھی اور اس پاس کوئی انسان یا آبادی  
نہیں تھی۔

# خدارا۔ خدارا۔ خدارا۔ حضرات لے اولاد مایوسی اختیار نہ کریں

کیونکہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا تو سخت گناہ ہے۔ آج بھی ہزاروں گھرانے اولاد کی نعمت سے محروم سخت پریشان ہیں۔ ہم نے دیسی طبی یونانی قدرتی جزی بوٹیوں سے ایک خاص قسم کا بے اولادی کورس تیار کر لیا ہے۔ خدا کی رحمت سے آپکے گھر بھی چاند سا خوبصورت بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔ خواتین کے پوشیدہ مسائل ہوں یا مردانہ کمزوری یا مردوں میں جراثیم کا مسئلہ ہو۔ آپ پریشان ہونے کی بجائے آج ہی فون پر اپنی تمام علامات سے آگاہ کر کے بے اولادی کورس منگوا لیں۔ خدا کے نئے ایک بار ہمارا بے اولادی کورس آزما کر تو دیکھ لیں۔ خدا کی رحمت سے آپ کے آنگن میں بھی خوشیوں کے پھول کھل سکتے ہیں۔

**المسلم دار الحکمت (رجسٹرڈ)**

(دیسی طبی یونانی دوا خانہ)  
ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

**0300-6526061**

**0301-6690383**

نمبر 10 سے رات 8 بجے تک

”یہاں کیوں رکے ہو؟“ زویا نے پوچھا۔  
”تاتا ہوں۔“ منصور نے کہا اور اتر کر مٹی اور واہ کھولا اور اندر آتے ہوئے ریل کو دیوچ کر سیٹ پر گرادیو۔ وہ چلانے اور مزاحمت کرنے لگی۔ منصور نے اسے قابو کرتے ہوئے زویا کو تھم دیا۔ ”اس کے پرس سے زہر کی شیشی نکال کر اس کے منہ میں ڈال دو۔“

یہ سنتے ہی ریل نے منہ بند کر لیا مگر منصور نے زبردستی اس کا منہ کھولا اور زویا نے کانپتے ہاتھوں سے زہر کی شیشی اس کے منہ میں نہ جانے مگر وہ ان لوگوں کو روک نہ سکی۔ جیسے ہی زویا نے شیشی خالی کی، منصور نے ریل کا منہ ہاتھ سے دبا کر بند کیا اور پھر اس کی ناک پکڑی۔ ایک منٹ میں منہ میں موجود تمام زہر ریل کے پیٹ میں اتر چکا تھا اور اس کا فوری ردعمل سامنے آنے لگا۔ اس کا جسم شدت کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ زویا نے نیچے اتر گئی اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ اس نے اترتے ہی تے کر دی۔ منصور اندر اس وقت تک ریل کو دیوچ کر بیٹھا رہا جب تک وہ بے ہوش نہیں ہو گئی۔ منصور نے ریل کو اس حالت میں اٹھا کر گاڑی کی ڈک میں ڈالا۔ جب وہ روانہ ہوئے تو زویا نے کہا۔ ”یہ مر جائے گی؟“

”نکلے یہ بہت زود اثر زہر ہے۔“  
”مگر تم نے ایسا کیوں کیا؟ اسے جانے دیجئے۔“  
”تاکہ وہ بعد میں سب کو بتاتی پھرتی کہ تم نے اسے اپنے شوہر کو زہر دینے کے لیے بھیجا تھا۔“ منصور نے زہر لیے لہجے میں کہا۔ ”تم نے بے احتیاطی سے بات کر کے اس کی موت کے پروانے پر دستخط کیے ہیں۔ اصل ڈتے دار تم ہو۔“

زویا کی ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اس نے پوچھا۔ ”اس کی لاش کا کیا کرنا ہے؟“

”مجھے سوچنے دو۔“ منصور بولا۔ وہ واہیں شہر تک پہنچے۔ خوش قسمتی سے راستے میں کہیں چیکنگ نہیں ہو رہی تھی ورنہ وہ۔۔۔ پھنس جاتے۔ شہر پہنچ کر منصور نے ایک برالی ایشیا کی مارکیٹ کا رخ کیا اور وہاں سے استعمال کیا ہوا مگر ایک بڑا اور مضبوط سوٹ کیس لیا۔ پھر وہ ایک ویران جگہ آئے۔ یہاں انہوں نے ریل کی لاش ڈک سے نکالی۔ اس کے تمام کپڑے اتارے اور پھر لاش کو سوٹ کیس میں فونس دیا۔ منصور نے سوٹ کیس بند کر کے اسے لاک لگایا اور زویا سے کہا۔ ”اسے لے جا کر ٹرین میں لٹھی کرانا ہوگا۔“

تھیں گے کہ تم زویا کے قیث میں رہائش نہ برتیں۔ زویا بتائے گی کہ تم ایک دن بعد ہی اپنا سامان لے کر نہیں چلی گئی تھیں۔“ منصور نے کہا۔

”جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔“ گل بولی اور پھر بے ہوش ہو کر صوفے پر لڑھک گئی۔ زویا نے فکرمندی سے کہا۔

”اس نے نہ جانے کن لوگوں کو اور کیا کیا بتایا ہوا ہے؟“

”دیکھا جائے گا۔“ منصور سخت لہجے میں بولا۔

اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔

”کیا اسے بھی پتی کراؤ گے؟“

”ہاں۔“ منصور ٹرک کھینچ کر لے آیا۔ مگر اس بار نرین سے نہیں بلکہ زویا سے پتی کرائی ہے۔ شاید اس کی لاش مستدر میں جا کر نکلے۔

زویا چونگی۔ ”کیا مطلب؟“

”اس وقت دریا میں پانی زوروں پر ہے اور ہم یہ ٹرک لے جا کر دریا میں بہا دیں تو یہ نہ جانے کئی دور جا کر نکلے یا پھر ہمیشہ کے لیے دریا کی تہ میں بیٹھ جائے۔“

منصور نے گل کو اٹھا کر ٹرک میں ڈالا۔ ٹرک خاصا بڑا تھا، وہ آرام سے اس میں آگئی۔ اس کا ڈھکن بند کر کے منصور نے اس پر تان لگا یا اور پھر زویا سے کہا۔ ”اسے میرے ساتھ اٹھاؤ۔“

”دریا تک۔“ وہ ہڈکی۔ ”اتنی دور کیسے لے جائیں گے؟“

”دو یا تک نہیں اسے گاڑی تک لے جانا ہے۔“ منصور نے کہا۔ اس نے زویا کے ساتھ مل کر ٹرک اٹھایا اور اسے کیب تک لایا۔ اس کی ڈکی سامان رکھنے کے لیے خاص طور سے کشادہ بنائی گئی تھی جس میں ٹرک آسانی سے آگیا۔

پہلی سڑک خاصی پیچھے رہ گئی تھی لیکن یہاں کپے میں جگہ جگہ دریا کی طرف جانے والے راستے تھے۔ منصور ایسے ہی ایک راستے سے کیب کو دریا تک لے جانے لگا۔ اس نے دریا کے ممکن حد تک قریب لے جا کر کیب روکی اور نیچے اترتے ہوئے زویا سے کہا۔ ”میری مدد کرو اسے دریا تک لے جانے میں۔“

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

زہر کا انکشاف ہونے کے بعد گل کو لگا کہ اس کے اندر کچھ کٹ رہا ہے اور تکلیف ہو رہی تھی۔ پھر وہ صوفے پر لڑھک گئی مگر وہ بے ہوش نہیں ہوئی تھی۔ اس کا جسم بے حس ہو رہا تھا اور ذہن جاگ رہا تھا۔ وہ منصور اور زویا کی باتیں

دہاچھل پڑی۔ ”نرین پٹی اور وہاں کسی نے کھول لیا؟“

”کوئی نہیں کھولے گا۔“

زویا تیار نہیں تھی۔ مگر منصور اسے لے گیا۔ اس نے زویا سے کہا۔ ”یہ ہم دونوں کا مسئلہ ہے اور ہم دونوں کو اس سے نمٹنا ہے۔“

مجبوراً زویا اس کے ساتھ اسٹیشن گئی۔ وہاں منصور نے ایک فحش کار کو کہنی میں فرضی ہام سے سوٹ کیس بک کرایا۔ رقم ادا کر کے اس نے سوٹ کیس کہنی کے حوالے کیا اور وہاں سے نکل آیا۔ راستے میں اس نے زویا سے کہا۔ ”اب یہ سوٹ کیس منزل پر پہنچ کر کھلے گا اور تب تک لاش گل ہنڈھ کر ناقابل شناخت ہو جائے گی اور اسے بھی رٹل شاہ کی حیثیت سے شناخت نہیں کیا جاسکے گا۔ اس لیے کسی کا خیال ہنڈھری طرف بھی نہیں جائے گا۔“

زویا منصور کی اہانت کی قائل ہو گئی۔ تقریباً دس دن بعد رٹل کی لاش ایک دور دراز شہر میں برآمد ہوئی۔ جہاں کے لیے منصور نے سوٹ کیس پٹی کرایا تھا۔ کہنی کی فٹلی سے سوٹ کیس کا ایلٹیر غائب ہو گیا اور یہ مفہوم نہیں ہو سکا کہ اسے کس شہر سے بھیجا گیا تھا۔ کچھ دن بعد پولیس کی جانب سے لاش کو لاوارث قرار دے کر دفن دیا گیا اور اخبارات یا میڈیا میں بھی اس کا زیادہ چرچا نہیں ہوا تھا۔ اس نئے معاملہ ان کی توجہ سے زیادہ آسانی سے ختم ہو گیا۔ مگر اس کے بعد زویا منصور سے کتراتے مٹی تھی۔ وہ کئی بار کہتا تو اس سے ایک پارلٹی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جلد دونوں کی راہیں الگ ہوں گی۔ پھر گل آگئی اور اس کی وجہ سے زویا دوبارہ منصور پر اٹھار پر مجبور ہوئی تھی۔ منصور نے زویا سے کہا۔ گل کے ساتھ وہی کرنا ہے جو اس کی بہن کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے پاس اس زہر کی کچھ مقدار بچی ہوئی تھی اور وہ اس نے لاکر زویا کو دی۔ زویا نے پہلے سے پانی میں زہر ملا کر رکھا ہوا تھا اور جب گل ان کے ساتھ ہٹ میں آئی تو اسے اسی بوتل سے پانی دیا۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

خواب سے اب

ڈوبنے کے لیے لے جایا گیا تھا۔ آخری بات یہی تھی کہ وہ دریا کے کنارے ٹرک میں بند پڑی تھی۔ پھر اسے کیسے پہچایا گیا؟ نزدیک ہی ایک سرخ عین لگا ہوا تھا۔ گل نے اسے دہرایا تو کچھ ہی دیر بعد ایک نرس اندر آئی، اس نے گل کو دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

”دشکر ہے آپ ہوش میں آگئیں، اب کیا فعلی کر رہی ہیں۔“

”بہتر محسوس کر رہی ہوں۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”مجھے یہاں کون لایا ہے؟“

”کچھ لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں لیکن پہلے آپ کو

ڈاکٹر صاحب دیکھیں گے۔“

نرس نے کہا اور ڈاکٹر کو بلا لائی۔ اس نے گل کا

جسمانی معائنہ کیا اور پھر اس کے ہوش و حواس جانچنے کے

لیے کچھ سوالات کیے۔ اس نے گل کو بتایا کہ جب اسے

اسپتال لایا گیا تو اس کی حالت اچھی نہیں تھی اور اگر اسے کچھ

دیر اور ہو جاتی تو اس کا پختہ محال تھا۔ ڈاکٹروں نے فوری طبی

امداد دے کر اسے بچا لیا تھا۔ اس کے جسم سے زہر کا اثر زائل

کر دیا تھا اور اب اس کی جان کو خطرہ نہیں تھا البتہ ابھی اسے

اسپتال میں رہنا تھا تا کہ زہر کے بچے بچے اثرات بھی ختم

کیے جائیں اور اس کے ٹیسٹ ہوں کہ زہر نے جگر کو کتنا

تقصان پہنچایا ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اسے دیا جانے والا

زہر شاید خراب ہو گیا تھا اس وجہ سے تیزی سے اثر نہیں ہوا۔

اسی لیے وہ بچ گئی۔” مجھے یقین ہے آپ پوری طرح صحت

یاب ہو کر یہاں سے جائیں گی۔“

اب وہ منتظر تھی کہ خود کو بھانے والی شخصیت سے

ملے۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور فریڈا اندر آیا۔ گل سوچ

رہی تھی کہ شاید شہلانے اس کی مدد کی تھی اور بروقت پہنچ کر

اسے ان سفاک لوگوں سے بچایا تھا مگر اس نے فریڈا کا

نہیں سوچا تھا۔ اس نے تعجب سے کہا۔ ”تم نے مجھے بچایا

ہے؟“

فریڈا نے حسب معمول کھردرے لہجے میں کہا۔ ”وہ

میرا آدمی تھا۔ بہر حال اب تم کیسی ہو؟“

”تھیک ہوں۔“ گل بولی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا

کہ فریڈا سے اس مشکل سے نکال سکتا ہے۔ ”تمہارا آدمی

کہاں سے آ گیا؟“

”میں نہیں چاہتا تھا کہ تم بھی رش کی طرح غائب ہو

جاؤ اور کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ تم دونوں بہنوں کی

تم شہدگی کے پیچھے میرا ہاتھ ہے۔ میں نے تمہاری عمرانی کے

سن رہی تھی اور یہ انکشاف سن کر اس کی روح کانپ اٹھی کہ وہ اسے دریا برد کرنے لے جا رہے تھے۔ یہ ظلم و ظلم تھا۔

انہوں نے پہلے اسے زہر دیا اور اب اس کی لاش یا زندہ ہی

دریا میں پھینکنے کی بات کر رہے تھے۔ دل کی طرح اس کا نام و

نشان بھی مٹ جاتا اور کسی کو پتا نہیں چتا کہ وہ اپنی بہن کی

طرح کہاں گئی؟ منصور نے اسے اٹھا کر ٹرک میں ڈالا۔ گل

نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی مگر اس کا جسم ساتھ نہیں دے

رہا تھا۔ زہر نے اسے سن کر دیا تھا۔ ٹرک میں ڈال کر اسے

بند کر دیا اور پھر تالا بھی لگا دیا تھا۔ گل کو یہاں مٹھن محسوس

ہوئی تھی مگر وہ سانس لے رہی تھی۔

ٹرک میں ہوا کی خاصی مقدار تھی اور کیونکہ ٹرک پرانا

تھا اس لیے اس کا مٹھن بھی پوری طرح بند ہو کر سیل نہیں ہوا

تھا۔ اس کے معمولی رختوں سے بھی کچھ ہوا اندر آ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد ٹرک اٹھا کر کیمپ کی ڈک میں رکھا گیا۔ اب تک

گل کا جسم سن ہوا تھا مگر کچھ وقت گزرنے کے بعد ذہن بھی

سن ہونے لگا۔ وہ اس کیفیت سے لڑنے لگی۔ اسے لگا کہ وہ

ایک بار بے ہوش ہو گئی تو پھر بھی ہوش میں نہیں آسکے گی اور

اس کی یہ بے ہوشی موت میں بدل جائے گی۔ کیمپ کے

راستے پر دو چمکے لٹے جا رہی تھی۔ ٹرک اپنی جگہ بھا ہوا تھا اور

وہ اس میں ٹرک رہی تھی۔ نہ جانے کئی دیر کیمپ چلتی رہی

اور پھر ایک جگہ رکی۔ ایک منٹ بعد ڈک کھلی اور ٹرک ڈک

سے نکال کر بے دردی سے زمین پر پٹخ دیا گیا۔ جھکے سے گل

کے ذہن پر وحشی چھانے لگی۔ اسے لگا وہ بے ہوش ہو رہی

ہے۔ پھر اس نے منصور کی آواز سنی۔ ”بھری مدد کرو، اسے

دریا تک لے جانے میں۔“

☆☆☆

گل کا ذہن جاگ تو اسے لگا کہ وہ سنوں کی کیفیت

میں ہے۔ بے ہوش ہونے سے پہلے دم گھٹنے اور اندر سے جو

کائنات والی تکلیف تھی اب اس کا دم و نشان نہیں تھا۔ اسے

پہلا خیال یہی آیا کہ وہ مر چکی ہے اور اب دنیا کی کوئی تکلیف

باقی نہیں رہی ہے۔ مگر وہ سانس لے رہی تھی اور کوئی چیز اس

کی ناک سے لگی تھی۔ گل نے چونک کر آنکھ کھولی تو وہ ایک

سفید دیواروں والے کمرے میں تھی اور سفید رنگ کے ہستر

پر نیلے کپڑوں میں لپوس لیٹی تھی۔ یہ اسپتال کا مخصوص لباس

تھا۔ ساتھ میں رکھے اسٹینڈ سے ڈرپ کی بوتل لٹک رہی تھی

اور قطرہ قطرہ ڈرپ اس کے ہاتھ سے لگے کیولا سے نزل کر

اس کے جسم میں جا رہی تھی۔ وہ زندہ تھی۔ اسے یہ جان کر

تعجب ہوا تھا۔ اسے زہر دیا گیا تھا اور پھر اسے دریا میں

گل خاموش ہوئی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی فریاد کی وجہ سے بچی ہے۔ اس نے ہچکچا کر کہا۔  
 "میں تمہاری شکر گزار ہوں..."

"اس کی ضرورت نہیں ہے، میں نے کہا تھا... میں نے یہ کام اپنے لیے کیا ہے اگر تمہارے لیے کیا ہوتا تو تم شکر یہ ادا کرتیں۔" فریاد نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "ہاں میں نے پاپا کو صرف تمہارے بارے میں بتایا ہے ابھی رات کا نہیں بتایا ہے۔ تم مناسب انداز میں ان کو بتا دینا۔"  
 "میں بتا دوں گی۔"

فریاد جانے لگا اور پھر دروازے کے پاس رک کر بولا۔ "حویلی سے متعلق ایک خبر ہے مگر وہ بابا تمہیں سنا میں تو بہتر رہے گا۔"

فریاد چلا گیا، اس کے جانے کے چند منٹ بعد کبیر شاہ اندر آیا۔ وہ جیسے اڑ کر گل تک آیا اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ "میری بچی... کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہوں پاپا۔" اس کے آنسو بہنے لگے۔  
 "نہرو نہ رو، اب تو ٹھیک ہے بس جیسے ہی ڈاکٹر تجھے چھٹی دیں گے میں تجھے حویلی سے جاؤں گا۔"

کبیر شاہ کی سے تابی مہم ہوئی تو وہ اس کے سر سے کرسی رکھ کر بیٹھ گیا۔ "تو حویلی سے کیوں نکلی گئی؟"  
 "رٹل کو تلاش کرنے۔" گل نے جواب دیا۔

"اسے تو پولیس تلاش نہیں کر سکی تو کہاں سے تلاش کرتی۔"

"میں نے اسے تلاش کر لیا ہے پاپا۔" گل آہستہ سے بولی۔ "فریاد اسے لینے گیا ہے۔"

کبیر شاہ ایک تک اسے دیکھتا رہ گیا۔ "تلاش کر لیا ہے... فریاد اسے لینے گیا ہے؟... پروہ کہاں ہے؟"  
 "پاپا وہ مل گئی ہے لیکن کچھ میں کہ نہیں سکتی۔" گل رفتہ رفتہ اسے اس صدمے کے لیے تیار کرنے لگی۔ کبیر شاہ اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو کیا کہنا چاہ رہی ہے گل، رٹل ملی ہے اور نہیں ملی۔"  
 "پاپا وہ مل گئی ہے لیکن اس دنیا میں نہیں ہے۔" گل نے ہمت کر کے کہہ دیا۔ "پاپا اس کے ساتھ بہت برا ہوا۔ وہ جو خواب لے کر حویلی سے نکلی گئی، اس کی تعبیر اسے بہت

بھیا تک ملی۔"  
 پھر گل نے شروع سے لے کر آخر تک سب بتایا کہ رٹل کے ساتھ کیا ہوا تھا اور اس کے قاتلوں نے اس کی لاش کے ساتھ کیا کیا تھا۔ کبیر شاہ ستارہ باز اور اس کی آنکھوں سے

ہے جس آدمی کو لگایا تھا اسی نے تمہیں بچایا اور مجھے خبردار کیا۔"

"اوہ۔" گل نے گہری سانس لی۔ "لیکن تم اتنی جلدی کیسے آگئے؟"  
 "جلدی نہیں آیا، تمہیں پورے بارہ گھنٹے بعد ہوش آیا ہے۔ جیسے ہی میرے آدمی نے بتایا میں وہاں سے چل پڑا اور سڑک سے راستے اس سے رابطے میں رہا، وہ مجھے تمہارے بارے میں چل چلی کی رپورٹ دیتا رہا تھا۔"

"وہ دونوں کہاں ہیں؟"  
 "ظاہر ہے پولیس کے پاس ہیں اور پولیس جلد تمہارا بیان بھی لے گی۔"

"انہوں نے رٹل کے بارے میں بتا دیا۔" گل کی آواز بھینکنے لگی۔

فریاد نے سر ہلایا۔ "میرے آدمی نے تمہیں بچاتے ہوئے ان کو کوئی مار ڈکی کیا تھا کیونکہ منصور مقابلے پر آمادہ تھا اور سبھی بھی تھا۔ وہ مین اس وقت پہنچا جب وہ تمہیں رٹل میں بند کر کے ورڈیا میں بچھکنے جا رہے تھے۔ زویانے اقرار کر لیا ہے کہ انہوں نے ہی رٹل کو لٹل کیا اور عاویں کو اس کی مدد سے قتل کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہے تھے اور اسی ناکافی کا بدلہ لینے کے لیے رٹل کو زبردستی کر مارا۔" فریاد چلی پادری کی نظر آیا۔ "میری پولیس سے بات ہوگئی ہے، میں کچھ دیر میں جا رہا ہوں۔ اس کی لاش سے کر حویلی جاؤں گا۔"

گل رونے لگی۔ "اس کی موت کے ذمے دار تو لوگ بھی ہو۔ کیوں بس اتنی نگرانی کر حویلی میں ہوا رادم ٹھننے لگا؟ وہ صرف اس ماحول سے نکلنے کے لیے حویلی چھوڑنے پر مجبور ہوئی گئی۔"

فریاد سر جھکائے کھڑا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔  
 "مجھے افسوس ہے مگر بہت سی چیزیں اسکی ہیں جو آدمی لونا نہیں سکتا۔ ان کے لیے افسوس کے الفاظ بے معنی ہوتے ہیں۔"

گل نے آنسو صاف کیے۔ "ٹھیک کہہ تم نے، کسی وقت الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ پاپا کو معلوم ہے۔"  
 "وہ آگئے ہیں۔" فریاد نے بتایا۔ "کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچے واپس آئے ہیں۔"

گل پاپا کی آمد کا سن کر بے تاب ہوگئی۔ "پاپا آئے ہیں۔"

"میری یہاں آنے سے پہلے بات ہوئی تھی وہ شہر پہنچ گئے ہیں بن کچھ دیر میں یہاں ہوں گے۔"

جسوسر دنجسٹ 288 جون 2015ء



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

وہ راضی بھی ہو جاتی مگر یہی بات ہے تیرے باپ کی جو حرکتیں تھیں اس کے ساتھ کوئی عورت خوش نہیں رہ سکتی تھی۔ کون عورت پسند کرے گی کہ اس کا شوہر اسے چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے بھاگتا پھرے۔ دو بچوں کے باوجود اس کی تیرے باپ سے نہیں تھی۔ پھر ان دونوں کا کل... ہو گیا۔“ کبیر شاہ بولنے بولنے رکا۔ شاید اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دکھ یاد آ گیا۔“ قاتلوں کا آج تک پتا نہیں چلا۔ مگر شہ تمہاری ماں کی طرف گیا۔ اس نے اپنے موجودہ شوہر کی مدد سے تمہارے باپ اور چاہے کو گل کر لیا اور بعد میں اس سے شادی کر لی۔“

”یہ غلط ہے۔“

”ہاں بعد میں ثابت ہوا کہ یہ غلط ہے کیونکہ ثوبیہ کا موجودہ شوہر اس وقت لندن میں تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھے گھر سے تھا اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر صنفیہ نے اس خیال کو یقین بنا لیا۔ اس نے سب کا دماغ خراب کیا تھا اور سب سے زیادہ اپنے بیٹے کا دماغ خراب کیا۔ مگر جب اسے موت سامنے نظر آنے لگی تو اس نے اعتراف کیا کہ اس نے غلط سمجھا اور بھوت کہا تھا۔ اس سارے میں معاملے میں ثوبیہ اور اس کا موجودہ شوہر بے قصور ہیں۔“

”اب انہیں خیال آیا ہے۔“ گل نے کسی قدر تیزی سے کہا۔ ”جب ریل نہیں رہی اور...“

”پھر سب بھول جاؤ۔“ کبیر شاہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”اللہ سب سے بہتر حساب لینے والا ہے۔ فرہاد بھی شرمندہ ہے۔ مگر وہ تم سے معافی نہیں مانگ سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے بہت زیادتی کی ہے۔ ہزاروں دل کاہرا نہیں ہے، اپنی ماں کے بہکاؤ سے اس آ گیا تھا۔“

”بابا میں اسے سمجھتی ہوں سمجھتی ہوں اس کی زیادتیوں پر بھی خاموش رہتی تھی۔ ریل یہ بات نہیں سمجھتی تھی اور وہ گھر سے نکل گئی۔“

”کاش کہ وہ بھی تیری طرح سمجھدار ہوتی۔“ کبیر شاہ نے سرد آواز بھری۔ گل نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اسے رونا آ رہا تھا۔

”ہاں کچھ لوگوں کے لیے زندگی آسان ہوتی ہے اور نہ موت۔“

کبیر شاہ اپنے بوڑھے ہاتھوں سے اس کا سر چھتھانے لگا۔

آنسو بہتے رہے۔ پھر گل نے خود پر گزرنے والی سنائی۔ اس نے گل کا ہاتھ تھام لیا۔ ”یہ یاد پر والے کا احسان ہے کہ اس نے ایک امانت واپس لی تو ایک کو اپنی امان میں لے لیا۔“

”بابا فرہاد نے مجھے بچایا ہے، میں نہیں سمجھتی تھی کہ وہ ایسا کرے گا۔ اگر وہ آدی میری مگرانی پر نہ لگتا تو شاید آج میری لاش...“

”نہ پتہ ایسا نہ کہہ۔“ کبیر شاہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”فرہاد اچھا لڑکا ہے۔ بس اپنی ماں کی باتوں میں آ گیا تھا۔“

گل بہت عرصے سے سوچ رہی تھی کہ کبھی پوچھے کہ صنفیہ کو ان کی ماں اور ان دونوں بہنوں سے کیا پرکاش تھی۔ وہ کیوں ان سے اتنی نفرت کرتی تھی۔ مگر وہ آج تک کبیر شاہ سے پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ اسے فرہاد کی بات یاد آئی اور اس نے پوچھا۔ ”فرہاد کہہ رہا تھا حویلی سے متعلق کوئی خبر ہے؟“

کبیر شاہ نے سر ہلایا۔ ”ساری خرابی اس کی سوچ کی تھی اور یہی سوچ دماغ کا کینسر بن گئی۔“

گل کا دل دہل گیا۔ ”بابا... فرہاد؟“

”نہ پتہ، اس کی ماں، صنفیہ کے دماغ میں کینسر ہے اور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اب دیر ہو گئی ہے۔“

”میرے خدا!؟“ گل اٹھ بیٹھی۔ ”ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟“

”وہ کہتے ہیں کہ صنفیہ کے پاس بس چھ مہینے ہیں وہ بھی اگر وہاں مستقل کھائے ورنہ شاید اس سے پہلے...“ کبیر شاہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا مگر بات مکمل تھی۔

گل دنگی ہو گئی۔ حالانکہ اس عورت نے انہیں ساری عمر سوائے نفرت کے اور کچھ نہیں دیا تھا اس کے باوجود وہ اس کے لیے دنگی ہو رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

”بابا چاہتی ہوں کہ اس سے کیوں نفرت کرتی تھی۔ ہم سے ہزاری ماں سے؟“

کبیر شاہ نے گہری سانس لی۔ ”پتہ وہ سمجھتی تھی اور میں بھی بہت عرصے تک سمجھتا رہا کہ تیرے باپ اور چاہنے کی موت میں تیری ماں کا ہاتھ ہے۔“

گل تڑپ گئی۔ ”یہ کیا کہہ رہے ہیں بابا، امی کیسی ہی سہی لیکن اپنا سہاگ کون اجازت ہے۔“

”پتہ بات یہ ہے کہ تیری ماں کی شادی اس کے گھر والوں نے جبر کر کے کرانی۔ وہ اس رشتے پر راضی نہیں تھی۔“